اُردو

معارفِ مثنوی

شرح مثنوی مولانا روم

شیخ العرب والعجم عارف باللہ مجددِ زمانہ

حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ

کتب خانہ مظہری

شرح مثنوی مولانا رُوم

اُردو

شیخُ العرب والعجم عارف باللہ مُجدّدِ زمانہ
حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمّد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ

حسبِ ہدایت وارشاد

حَلیمُ الاُمّت حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمّد مظہر صاحب دامت برکاتہم

بہ فیضِ صحبتِ ابرار یہ دردِ محبّت ہے
بہ اُمّیدِ نصیحت دوستو اسکی اشاعت ہے

محبّت تیرا صدقہ ہے ثمر ہیں تیرے نازوں کے
جو میں یہ نشر کرتا ہوں خزانے تیرے رازوں کے

انتساب

شیخ العرب والعجم عارف باللہ مجددِ زمانہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ

کے ارشاد کے مطابق حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کی جملہ تصانیف و تالیفات

محی السنہ حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ

اور

حضرت اقدس مولانا شاہ عبد الغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ

اور

حضرت مولانا شاہ محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ

کی

صحبتوں کے فیوض و برکات کا مجموعہ ہیں

ضروری تفصیل

نام کتاب : مَعارفِ مثنوی

تالیف : عارف باللہ مجدّدِ زمانہ حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ

مرتّب : حضرت سید عشرت جمیل میرؔ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

تاریخ اشاعت : ۱۲؍ربیع الاول ۱۴۳۷؁ھ مطابق ۲۴ دسمبر ۲۰۱۵؁ء بروز جمعرات

زیرِ اہتمام : شعبۂ نشر و اشاعت، خانقاہِ امدادیہ اشرفیہ، گلشنِ اقبال، بلاک ۲، کراچی

پوسٹ بکس:11182 رابطہ:+92.21.34972080، 92.316.7771051

ای میل: khanqah.ashrafia@gmail.com

ناشر : کتب خانہ مظہری، گلشن اقبال، بلاک نمبر ۲، کراچی، پاکستان خانقاہِ امدادیہ

قارئین و محبّین سے گزارش

خانقاہِ امدادیہ اشرفیہ کراچی اپنی زیرِ نگرانی شیخ العرب والعجم عارف باللہ حضرتِ اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی شایع کردہ تمام کتابوں کی ان کی طرف منسوب ہونے کی ضمانت دیتا ہے۔ خانقاہِ امدادیہ اشرفیہ کی تحریری اجازت کے بغیر شایع ہونے والی کسی بھی تحریر کے مستند اور حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب ہونے کی ذمہ داری خانقاہِ امدادیہ اشرفیہ کی نہیں۔

اس بات کی حتی الوسع کوشش کی جاتی ہے کہ شیخ العرب والعجم عارف باللہ مجدّدِ زمانہ حضرتِ اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی کتابوں کی طباعت اور پروف ریڈنگ معیاری ہو۔ الحمدللہ! اس کام کی نگرانی کے لیے خانقاہِ امدادیہ اشرفیہ کے شعبۂ نشر و اشاعت میں مختلف علماء اور ماہرین دینی جذبے اور لگن کے ساتھ اپنی خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ اس کے باوجود کوئی غلطی نظر آئے تو ازراہِ کرم مطلع فرمائیں تاکہ آیندہ اشاعت میں درست ہوکر آپ کے لیے صدقۂ جاریہ ہوسکے۔

(مولانا) محمد اسماعیل
نبیرہ و خلیفہ مُجازِ بیعت حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ
ناظم شعبۂ نشر و اشاعت، خانقاہِ امدادیہ اشرفیہ

عنوانات

مَعارفِ مثنوی مولانا روم کے لیے بشارتِ عظمیٰ

جناب حافظ ڈاکٹر محمد ایُوب صاحب ہارٹ اسپیشلسٹ نے آج سے کافی عرصہ پہلے ۱۹۷۶ء میں خواب دیکھا کہ خواب میں ان کو مسجدِ نبوی میں حاضری نصیب ہوئی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محراب اور منبر کے درمیان مَعارفِ مثنوی مصنفہ مرشدنا ومولانا عارف باللہ حضرتِ اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب دامت برکاتہم کو مشاہدہ کیا کہ مَعارفِ مثنوی محراب اور منبر شریف کے درمیان کسی چیز پر رکھی ہوئی ہے۔

راقم الحروف
احقر محمد عشرت جمیل عرف میر عفا اللہ تعالیٰ عنہ
۵/ محرم الحرام ۱۴۱۷ھ، ۲۳/ مئی ۱۹۹۶ء

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ
نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

مقدّمۃ الکتاب

احقر مؤلّف مَعارفِ مثنوی محمد اختر عفااللہ عنہ عرض کرتا ہے کہ حضرت جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کی مثنوی شریف سے احقر کو اس وقت سے والہانہ تعلّق و شغف ہے جب کہ احقر بالغ بھی نہ ہوا تھا اور پھر حق تعالیٰ نے ایسا شیخ عطا فرمایا جو مثنوی شریف کے عاشق تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ مثنوی شریف میں عشقِ حق کی آگ بھری ہوئی ہے اور اپنے پڑھنے والوں کے سینوں میں آگ لگا دیتی ہے۔ ہمارے حضرت پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ بعد نمازِ عصر اکثر مثنوی شریف کا درس دیتے، اور اس انداز سے کہ روح میں زلزلہ پیدا ہو جاتا۔ احقر کو مثنوی شریف سے بہت ہی فیض ہوا اور معرفتِ الٰہیّہ نیز احقر کی دیگر کتب میں خواہ وہ ترتیب ہوں یا تالیف، مثنوی شریف ہی کا فیض غالب ہے۔ گاہ گاہ احقر کچھ منتخب اشعار مثنوی شریف سے جب حضرت پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ کو سنایا کرتا اور ان کی وہ شرح عرض کرتا جو حق تعالیٰ خاص طور پر احقر کو عطا فرماتے تو حضرت والا بہت مسرور ہوتے اور احقر کی دردناک شرح سن کر آبدیدہ ہو جاتے۔ ایک دن تو ایسا ہوا کہ احقر پر ایک خاص کیفیت طاری تھی، احقر حضرت والا کے پاس بعد نمازِ فجر بیٹھا تھا اور اجازت لے کر شرح مثنوی عرض کر رہا تھا۔ حضرت والا کو اس قدر لطف آیا کہ سنتے سنتے گیارہ بج گئے یعنی پانچ گھنٹے تک حضرتِ اقدس احقر کی زبان سے مثنوی شریف کی دردناک شرح سنتے رہے۔ احقر پر اور حضرتِ اقدس پر عجیب کیفیت طاری رہی اور احقر بھی اشکبار رہا اور حضرت والا بھی احقر کی معروضات سے اشکبار ہوئے۔ اس وقت کے حسبِ حال یہ دو شعر پیش کرتا ہوں؎

وہ چشمِ ناز بھی نظر آتی ہے آج نم
اب تیرا کیا خیال ہے اے انتہائے غم

مثنوی شریف کے ساتھ اس قلبی وروحانی شغف وتعلّق سے احقر کی ہمیشہ یہ تمنا رہی کہ حق تعالیٰ مثنوی شریف کے علوم ومعارف احقر کے قلم سے اس عشق ناک اور دردناک انداز سے تالیف کرادیں جو ناظرین کے سینوں میں حق تعالیٰ شانہٗ کی محبت وتڑپ پیدا کرنے کا ذریعہ بن جائے۔

من بہر جمعیتے نالاں شدم
جفت خوشحالاں وبدحالاں شدم

ہمارا کام ہر ملنے والے سے حق تعالیٰ شانہٗ کی محبت کا غم بیان کرنا ہے۔ پھر جس کے مقدر میں ہوگا اور جس کی زمینِ قلب اس تخمِ عشقِ الٰہی کے لیے صالح اور لائق ہوگی اس میں میرے لیے صدقۂ جاریہ کا انتظام ہوجاوے گا اور زمینِ شور کے لیے بھی یہ پیغام حجت ہوجاوے گا۔

بن کے دیوانہ کریں گے خلق کو دیوانہ ہم
بر سرِ منبر سنائیں گے ترا افسانہ ہم

حق تعالیٰ کا احسان وفضلِ عظیم ہے کہ حضرت شاہ پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا ابرارالحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی دعاؤں کی برکت سے احقر کے قلم سے معارفِ مثنوی کی تالیف مکمل ہوکر عاشقانِ الٰہی کے لیے عشقِ الٰہی کا پیغام بن کر منصّۂ طباعت پر آگئی:

فَالْحَمْدُ لَكَ وَالشُّكْرُ لَكَ يَا رَبَّنَا

اور عرض ہے کہ تسوید معارفِ مثنوی میں کلیدِ مثنوی، مرآۃ المثنوی اور مغز نغز سے بھی استمداد کیا گیا ہے۔

نیز معارفِ مثنوی کی تبییض اور تصحیحِ کتابت میں عزیز مولوی سیّد محمد عشرت جمیل سلّمہ اللہ تعالیٰ نے بڑی خدمت انجام دی ہے لہٰذا احقر کے لیے اور جملہ معاونین کے لیے اور ہم سب کے والدین کے لیے اور اساتذہ ومشائخ واحباب کے لیے دعائے مغفرت کی درخواست ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو ہم سب کے لیے ذریعۂ نجات بنادیں۔

وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ[1]

اور عرض ہے کہ حال ہی میں حق تعالیٰ شانہٗ کی رحمتِ خاصّہ سے احقر مؤلّف کے اشعار بھی بحرِ مثنوی مولانا روم کے وزن پر بہت بڑی تعداد میں موزوں ہو گئے جو آخرِ کتاب میں مثنوی اختر کے نام سے منسلک ہیں۔ اکابر نے ان اشعار کو بہت پسند فرمایا ہے، جس کا تقاریظ میں بھی تذکرہ ہے۔

حق تعالیٰ اپنی رحمت سے اور اپنے حبیب رحمت للعالمین صلّی اللہ علیہ وسلّم کے صدقے میں قبول فرما کر امّتِ محمدیہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے لیے اس کتاب کو ہدیۂ نافعہ اور احقر کے لیے صدقۂ جاریہ فرما دیں۔

العارض: العبد الضعیف
محمد اختر عفا اللہ عنہ
خانقاہِ امدادیہ اشرفیہ گلشنِ اقبال نمبر ۲ کراچی

[1] ابراهيم: ۲۰

مختصر سوانحِ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کا نام محمد اور لقب جلال الدین تھا۔ عرفِ عام میں مولانا رومی کے نام سے مشہور ہوئے، ۶۰۴ھ میں بمقامِ بلخ پیدا ہوئے، حضرت ابو بکر صدّیق رضی اللہ عنہ کی اولاد میں تھے، ان کے والد کا نام بہاء الدین ابن حسین بلخی ہے۔ محمد خوارزم شاہ المتوفی ۶۱۷ھ مولانا کا حقیقی نانا تھا۔

۶۱۰ھ ہجری میں مولانا کے والد شیخ بہاء الدین بلخ چھوڑ کر نیشاپور گئے، حضرت خواجہ فرید الدین عطّار رحمۃ اللہ علیہ ملنے آئے، اس وقت مولانا کی عمر چھ سال کی تھی اور اپنے والد کے ہمراہ تھے۔ حضرت خواجہ فرید الدین عطّار رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مثنوی اسرار نامہ تبرّکاً ہدیہ دی اور مولانا بہاء الدین سے فرمایا کہ اس جوہرِ قابل سے غافل نہ رہنا، یہ ایک دن غلغلہ بلند کردے گا۔

مولانا نے ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی، مولانا کے والد نے اپنے شاگردِ خاص و مریدِ بااختصاص مولانا برہان الدین کو ان کا اتالیق مقرر کیا، مولانا نے ان ہی کی اتالیقی میں تربیت پائی اور اکثر علوم ان سے حاصل کیے، ۱۸ سال کی عمر میں مولانا کی شادی ہوئی اور اسی سال اپنے والد کے ہمراہ قونیہ آئے اور یہیں رہنے لگے۔

اپنے والد کے انتقال کے بعد ۲۵ سال کی عمر میں مولانا نے تکمیلِ علوم کے لیے شام کا سفر کیا، کچھ دن شہر حلب کے مدرسہ جلادیّہ کے دارالاقامہ میں قیام کرکے کمال الدین بن عدیم سے فیض حاصل کیا، پھر سات سال تک دمشق میں تحصیلِ علوم وفنون کرتے رہے، تمام مذاہب سے واقف تھے، علمِ کلام اور علمِ فقہ اور اختلافیات میں خاص ملکہ رکھتے تھے، فلسفہ وحکمت وتصوّف میں ان کا کوئی نظیر نہیں تھا۔ شیخ بہاء الدین رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کے بعد مولانا کے اتالیق سیّد برہان الدین رحمۃ اللہ علیہ نے نو سال تک علمِ باطن اور سلوک کی تعلیم بھی دی، اس کے بعد مولانا کی عمر تعلیم وتدریس میں گزرنے لگی۔

مولانا کی زندگی کا دوسرا دور

مولانا کی زندگی میں خاص انقلاب حضرت شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ کی ملاقات سے شروع ہوتا ہے، شمس تبریز کیّا بزرگ (کیّا بزرگ ایک شخص کا نام ہے) کے خاندان سے تھے جو فرقۂ اسماعیلیہ کا امام تھا۔ لیکن انھوں نے اپنا آبائی مذہب ترک کرکے علوم حاصل کیے اور بابا کمال الدین جندی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید ہوگئے، سوداگروں کی وضع میں شہروں کی سیاحت کرتے رہتے تھے، ایک مرتبہ دعا مانگی کہ الٰہی! کوئی ایسا خاص بندہ ملتا جو میری صحبت کا متحمل ہوتا، بشارت ہوئی کہ روم جاؤ، اسی وقت چل کھڑے ہوئے اور قونیہ پہنچے، برنج فروشوں (چاول فروش) کی سرا میں اُترے، سرا کے دروازے پر ایک چبوترا تھا، اس پر اکثر عمائد آبیٹھتے تھے، وہیں مولانا اور شمس تبریز کی ملاقات ہوئی اور اکثر صحبت رہنے لگی۔ مولانا کی حالت میں نمایاں تغیّر پیدا ہوا اور مولانا کے سینے میں عشقِ حق کی آگ داخل ہوئی۔ سماع سے احتراز کرتے تھے، درس وتدریس، وعظ وپند کے اشغال چھوڑ دیے، حضرت شمس تبریز کی صحبت سے دم بھر کے لیے جدا نہیں ہوتے تھے، تمام شہر میں ایک شورش مچ گئی۔ شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ فتنے کے خوف سے چپکے سے دمشق چل دیے۔ مولانا کو بے حد صدمہ ہوا، کچھ عرصہ بعد مولانا کی بے چینی دیکھ کر لوگ جاکر شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ کو واپس لائے لیکن تھوڑے دنوں رہ کر پھر شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ کہیں غائب ہوگئے اور باوجود تلاش کے ان کا پتانہ چلا، بعض تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے کہ حضرت شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ کو کسی نے شہید کرڈالا۔ شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ کی غیبت کے بعد مولانا کو سخت بے چینی ہوئی، اسی اضطراب میں ایک دن صلاح الدین زرکوب رحمۃ اللہ علیہ کی دوکان کے پاس سے گزرے، وہ ورق کوٹ رہے تھے، مولانا پر خاص حالت طاری ہوگئی، صلاح الدین زرکوب رحمۃ اللہ علیہ نے ہاتھ نہیں روکا اور بہت سا ورق ضایع ہوگیا۔ بالآخر صلاح الدین نے کھڑے کھڑے دوکان لٹادی اور مولانا کے ہمراہ ہولیے اور نوسال تک مولانا کی صحبت میں رہے، مولانا کو بھی ان کی صحبت سے بہت تسلّی ہوئی۔

بالآخر ۶۶۴ھ میں صلاح الدین رحمۃ اللہ علیہ نے انتقال فرمایا، ان کی وفات

کے بعد مولانا نے اپنے مریدین میں سے حسام الدین چلپی رحمۃ اللہ علیہ کو اپنا ہمدم و ہمراز بنالیا اور پھر جب تک زندہ رہے اُن سے اپنے دل کو تسلی دیتے رہے، مولانا روم حسام الدین کا اس طرح ادب کرتے تھے کہ لوگ ان کو مولانا کا پیر سمجھتے تھے۔ ان ہی مولانا حسام الدین کی ترغیب پر مولانا روم نے اپنی مشہور مثنوی شریف لکھی۔

مولانا کی علالت اور وفات

سنہ ۶۷۲ھ میں قونیہ میں بڑے زور کا زلزلہ آیا اور چالیس دن تک اُس کے جھٹکے محسوس ہوتے رہے۔ مولانا نے فرمایا کہ زمین بھوکی ہے، لقمۂ تر چاہتی ہے۔ چند ہی روز کے بعد مولانا علیل ہوئے، اکمل الدین اور غضنفر اطبّائے حاذق نے علاج کیا، لیکن کچھ فائدہ نہ ہوا۔ ۵ جمادی الثانی بروز یک شنبہ سنہ ۶۷۲ھ بوقتِ غروبِ آفتاب مولانا نے وفات فرمائی اور یہ آفتابِ علم و فضل غروب ہو گیا۔

رات کو سامان کیا گیا اور صبح کو جنازہ اٹھا۔ بادشاہ سے لے کر فقیر و غریب تک سب ہمراہ تھے۔ لوگوں نے تابوت تک توڑ کر تبرکًا تقسیم کر لیے، شام کو جنازہ قبرستان تک پہنچ سکا۔ شیخ صدرالدین شاگردِ شیخ اکبر محی الدین رحمۃ اللہ علیہ مع اپنے مریدین کے ہمراہ تھے، شیخ صدرالدین جنازے کی نماز پڑھانے کھڑے ہوئے لیکن چیخ مار کر بے ہوش ہو گئے، پھر قاضی سراج الدین نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔

مولانا کی وصیت کے مطابق حضرت حسام الدین چلپی مولانا کے خلیفہ بنائے گئے۔ مولانا نے دو فرزند چھوڑے: ایک علاء الدین محمد دوسرے سلطان ولد۔ حضرت حسام الدین چلپی رحمۃ اللہ علیہ نے سنہ ۶۸۴ھ میں انتقال کیا، ان کے بعد سُلطان ولد مسندِ خلافت پر متمکّن ہوئے۔

مولانا کی تصانیف

مولانا کی تصانیف میں مولانا کے ملفوظات میں ایک مجموعہ ہے جس کا

نام ''فِیْہِ مَافِیْہِ'' ہے اور پچاس ہزار اشعار کا ایک دیوان ہے، جس کو بہت سے لوگ غلطی سے حضرت شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ کا دیوان سمجھتے ہیں۔ اس مغالطے کی بنا یہ ہے کہ اکثر مقطع میں شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ کا نام ہے۔

تیسری چیز مثنوی ہے اور اسی کتاب سے مولانا کا نام زندہ ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ نہایت اختصار کے ساتھ مثنوی کی کچھ خصوصیات لکھ دی جاویں تاکہ ایک بصیرت حاصل ہو جائے۔

خصوصیاتِ مثنوی

دولتِ غزنویّہ کے آخر میں حکیم سنائی نے حدیقہؔ لکھی جو نظم میں تصوّف پر پہلی کتاب ہے۔ حدیقہؔ کے بعد خواجہ فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ نے متعدد مثنویاں لکھیں جن میں سے منطق الطّیرؔ نے زیادہ شہرت حاصل کی، ایک دن خاص کیفیت میں مولانا کی زبان سے بے ساختہ مثنوی کے ابتدائی اشعار نکل گئے۔ پھر حسام الدین چلپی رحمۃ اللہ علیہ نے اصرار کیا کہ مثنوی پوری کی جائے چناں چہ مولانا نے پورے چھ دفتر لکھ ڈالے۔ اگرچہ درمیانِ تصنیف میں وقفے اور فاصلے پڑتے گئے۔ چناں چہ مثنوی میں بہت کثرت سے ایسے اشعار پائے جاتے ہیں جن میں مولانا حسام الدین چلپی رحمۃ اللہ علیہ کا باعثِ تصنیف ہونا معلوم ہوتا ہے۔ بعض دفتروں میں مولانا نے تاخیر کے نہایت لطیف وجوہات بیان فرمائے ہیں مثلاً:

مدّتے ایں مثنوی تاخیر شد
مہلتے بایست تا خوں شِیر شد

تا نزاید بختِ نو فرزندِ نو
خوں نگردد شیر شیریں خوش شنو

یہ مثنوی ۶۶۲؁ھ میں شروع ہوئی ہے جو خود مثنوی کے ایک شعر سے ظاہر ہے۔

مطلعِ تاریخِ ایں سودا و سود
سالِ ہجرت ششصد و شصت و دو بود

طرزِ تصنیف

علمی واخلاقی تصانیف کا ایک طرز تو یہ ہے کہ ایک ایک مسئلے کو علیٰحدہ علیٰحدہ ایک ایک باب میں بیان کیا جائے اور ایک قسم کے مضامین سب ایک جگہ جمع کر دیے جائیں۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ کوئی افسانہ لکھا جائے اور علمی مسائل موقع موقع سے اُس کے ضمن میں بیان کر دیے جائیں۔ اس دوسرے طریقے میں فائدہ یہ ہے کہ مضامین ذہن نشین ہو جاتے ہیں اور طبیعت اکتاتی نہیں۔

مثنوی میں مولانا نے اسی طریقے کو اختیار کیا ہے۔ مولانا خود فرماتے ہیں ؎

ای برادر قصہ چوں پیمانہ ایست
معنٰی اندر وے بسانِ دانہ ایست

گفت نحوی زَیْدٌ عَمْرًوا قَدْ ضَرَبْ
گفت چونش کرد بے جرمے ادب

گفت ایں پیمانۂ معنے بود
گندمش بستاں کہ پیمانہ ست رد

عمرو و زید از بہرِ اعراب ست ساز
گر دروغست آں تو با اعراب ساز

فارسی زبان میں جس قدر کتابیں اس فن پر لکھی گئیں کسی میں ایسے دقیق اور نازک مسائل واسرار نہیں ملتے جن کی مثنوی میں بہتات و کثرت ہے، مثنوی نہ صرف تصوّف اوراخلاق کی کتاب ہے بلکہ یہ عقائد اور کلام کی بھی بہترین تصنیف ہے۔

مسائل تصوّف کے ہوں یا علمِ کلام کے اُن کو تمثیل اور تشبیہ سے اس طرح

واضح اور ذہن نشین کیا ہے کہ ان کے انکار کی کوئی گنجایش باقی نہیں رہتی۔ پیچیدہ سے پیچیدہ مسئلے کو اس صفائی اور ستھرائی سے سلجھا کر بیان فرمایا ہے کہ اس کے سمجھنے میں کوئی دشواری نہیں معلوم ہوتی۔ تصوّف اور کلام کے مہمّات مسائل میں سے کوئی ایسا مسئلہ نہیں ہے جو نظر انداز ہو گیا ہو۔

یہ مثنوی بحرِ رمل مسدّس محذوف میں ہے۔ وزن فَاعِلَاتُنْ فَاعِلَاتُنْ فَاعِلُنْ دوبار ہے۔

اس مثنوی کے الفاظ اور حروف میں جو ترنّم اور طرزِ ادا میں جو نُدرت اور ترکیب میں جو روانی اور سلاست ہے وہ بیان سے باہر ہے۔ ان سب باتوں کے ماسوا جو روحانی برکت اور اثرِ وِجدانی وذوقی لذّت ہے وہ ان تمام باتوں سے بالاتر ہے۔

خلاصۂ تذکرہ

محمد جلال الدین مولانا رومی ابن شیخ بہاء الدین بن حسین بلخی، جائے پیدایش بلخ، سالِ ولادت ۶۰۴؁ھ۔ محمد خوارزم شاہ کے نواسے، ۶ سال کی عمر میں اپنے والد کے ہمراہ بلخ سے ہجرت کی، ۱۸ سال کی عمر میں بمقام لارند شادی ہوئی، اسی سال قونیہ میں آکر متوطّن ہو گئے۔ ۲۵ سال کی عمر میں بغرضِ تحصیلِ علم شام کا سفر کیا اور ۶۴۲؁ھ میں بمقامِ قونیہ حضرت شمس تبریز کے مرید ہوئے۔ ۶۶۲؁ھ میں مثنوی شریف لکھی۔ ۵ جمادی الثانی یومِ یک شنبہ کو بوقتِ غروبِ آفتاب ۶۷۲؁ھ میں انتقال فرمایا اور وہیں قونیہ میں دفن ہوئے، ۶۸ سال کی عمر پائی۔ علاء الدین محمد اور سلطان ولد دو بیٹے چھوڑے۔

مثنوی شریف کے الہامی ہونے پر مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک شعر سے اشارہ:

مثنوی شریف کے الہامی ہونے پر مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک شعر سے

اشارہ ملتا ہے۔

چوں فتاد از روزنِ دِل آفتاب
ختم شد واللہ اعلم بالصواب

مولانا فرماتے ہیں کہ دل میں جس دریچۂ باطنی سے وارداتِ غیبیہ علوم اور مَعارف کے

آرہے تھے اب بحکمتِ خداوندی وہ آفتاب اُفقِ استتار میں غروب ہو گیا یعنی اب بجائے تجلّی کے استتار ہو گیا، جیسا کہ عارفین کو دونوں حالتیں پیش آتی ہیں اور بعض مصالح اس میں تجلّی سے بھی زیادہ ہوا کرتی ہیں۔ پس جب روزنِ قلب کی محاذات سے آفتابِ فیض زیرِ اُفق جا گرا تو کتابِ ھٰذا ختم ہو گئی۔ ''ختم شد واللہ اعلم بالصواب'' اور اللہ ہی کو خوب معلوم ہے کہ صواب اور مصلحت اور حکمت کس وقت کس چیز میں کیا ہے؟ پس جب وہی جانتے ہیں اور حکمت کے موافق کرتے بھی ہیں، اور اس وقت انھوں نے ایسا کیا پس یقیناً اس میں حکمت ہے۔ اس لیے میں بھی اتبّاع اس حال کا کر کے بتکلّف کلام کرنا نہیں چاہتا اور مثنوی کو ختم کیے دیتا ہوں۔

حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مقام پر فائدے کے تحت ایک تنبیہ تحریر فرمائی ہے وہ یہ کہ عارف کو بحکمِ وقت کلام کرنا چاہیے، جب طبیعت اپنی اور سامعین کی حاضر ہو اور علوم و مَعارف کی آمد ہو اور اس میں اعتدال ہو کہ نہ بیان میں تکلّف ہو اور نہ اتنا غلبہ ہو کہ ضبط سے خارج ہونے کا اندیشہ ہو اس وقت افادۂ خلق میں مشغول ہو اور اسی وقت حضرت رحمۃ اللہ علیہ پر یہ شعر وارد ہوا ؎

گر بگوید بگو بگوئی و بجوش
ور بگوید مگو مگوئی و خموش

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے پیشین گوئی فرمائی تھی کہ میرے بعد ایک نورِ جاں آئے گا جو اس مثنوی کا تکملہ کرے گا جو ان دو شعر میں مذکور ہے ؎

ہست باقی شرحِ ایں لیکن دروں
بستہ شد دیگر نمی آید بروں

باقی ایں گفتہ آید بے زباں
در دلِ آنکس کہ دارد نورِ جاں

چناں چہ اس نورِ جاں کا مصداق حق تعالیٰ نے مُفتی الٰہی بخش صاحب کاندھلوی قدّس سرّہٗ

کو بنایا اور انہوں نے مثنوی کی تکمیل فرمائی یعنی مفتی الٰہی بخش کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی روح پر مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کی روح کا فیض مشاہدہ کیا۔ چناں چہ فرماتے ہیں ؎

آمدی در من مرا بردی تمام
اے تو شیر حق مرا خوردی تمام

مولانا کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اے جلال الدین رومی! آپ نے میری روح پر اپنے انوار کا ایسا تسلّط فرمادیا کہ میرا وجود کالعدم ہوگیا، اے کہ تو گویا شیر حق ہے جس نے میری ہستی کو فنا کردیا ہے یعنی دفترِ سادس مثنوی کی تکمیل کی پیشین گوئی کے مطابق میرے قلب پر مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کی روحِ پاک مضامین اور مَعارف کو القاء کررہی ہے۔ پس یہ کلام بھی اگرچہ میری زبان سے نکلے گا لیکن وہ در حقیقت مولانا ہی کا کلام ہوگا۔ یعنی بمصداق ؎

گرچہ قرآں از لبِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم است
ہر کہ گوید حق نگفت او کافر است

مفتی الٰہی بخش صاحب رحمۃ اللہ علیہ بارہویں صدی کے آدمی ہیں اور مولانا روم علیہ الرّحمۃ ساتویں صدی کے ہیں۔ مفتی الٰہی بخش صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ظاہری علوم کی تکمیل حضرت شاہ عبد العزیز صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے کی تھی۔

مبارک تجھے اے مری آہِ مضطر
کہ منزل کو نزدیک تر لا رہی ہے
(اخترؔ)

تعارف

حضرت مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ و حضرت شمس تبریزی رحمۃ اللہ علیہ

از: محمد اختر (رحمۃ اللہ علیہ)

قصہ مولانائے رومی کا سنو درس دیتے تھے کبھی یہ دوستو

بے خبر از حالِ ملکِ نیم شب علمِ ظاہر سے شغف تھا روز و شب

درس ان کا شہرۂ آفاق تھا اہلِ باطن سے تعلّق شاق تھا

عِلم کا پندار اہلِ علم کو رکھتا ہے محروم حق سے دوستو

علم کا حاصل ہے بس عشقِ خدا آہ سب دھوکا ہے بس اس کے سوا

فضل لیکن جس پہ ہو اللہ کا اک نہ اک دن ہوگا وہ اللہ کا

مولوی رومی پہ تھا فضلِ خدا غیب سے امداد کا ساماں ہوا

کام سب کا فضل سے ہوتا ہے آہ بے کرم کچھ بھی نہیں ہوتا ہے آہ

گر نہ ہو بر بندگاں فضلِ نہاں کوئی جاں واصل ہو کب تا شاہِ جاں

غیب سے سامان رومی کا ہوا شمس تبریزی نے کی حق سے دعا

اے خدا جو آگ میرے دل میں ہے جو تڑپ اس نیم جاں بسمل میں ہے

آتشِ حق جو میرے سینے میں ہے از عطا جو کچھ بھی گنجینے میں ہے

اے خدا ملتا کوئی بندہ مجھے جو صحیح معنوں میں ہو لائق ترے

عشقِ حق سے اس کا سینہ پُر کردوں اور صدف کو اس کے میں پُر در کردوں

میری آتش کا تحمّل جو کرے کوئی بندہ مجھ کو اب ایسا ملے

میری نسبت میں جو سوزِ عشق ہے دل میں گویا کوہِ طورِ عشق ہے

وقت رخصت کا ہے اب میرا قریب — کس کو سونپوں یہ امانت اے حبیب
پس اچانک غیب سے آئی صدا — شمس تبریزی تو فوراً روم جا
مولوی رومی کو کر مولائے روم — اس کو فارغ کر تو از غوغائے روم
الغرض از حکمِ غیبی شمسِ حق — روم کی جانب چلا از امرِ حق
مولوی رومی پہ ڈالی کیا نظر — گر پڑے بے ہوش رومی راہ پر
علم و فن کا جبّہ نذرِ جام ہے — کامراں ہونے کو تشنہ کام ہے
اک زمانہ مولوی رومی کا تھا — صد وقار و شوکت و شاہی کا تھا
ایک عزّت نسبتِ خوارزم شاہ — دوسری صد علم و فن سے ناز و جاہ
جب کہیں ان کا سفر ہوتا کبھی — آتی فوراً خاص شاہی پالکی
لشکر و خدام و شاگرداں سبھی — احتراماً ساتھ ہو لیتے سبھی
دست بوسی پائے بوسی کا ہجوم — ہر طرف سے بس مچی ہوتی تھی دھوم
آج رومی گر گیا غش کھا کے آہ — نذرِ عشقِ حق ہوئی سب عزّ و جاہ
کیا نظر تھی شمس تبریزی کی آہ — مولوی رومی ہوئے سردارِ راہ
پیر رومی ہوش میں جب آگئے — شمس تبریزی کے پیچھے چل پڑے
شیخ کا بستر لیے سر پر چلے — عشق کی ذلت سے سودا کر چلے
عشق کب رکھتا ہے فانی سلطنت — خاک میں ملتی ہے فانی تمکنت
عشق کی عزّت ہے عزّت دائمی — عشق کی لذّت ہے لذّت سرمدی
الغرض رومی جلال الدین پر — شمس دیں کا ہوگیا پورا اثر
شمس تبریزی نے نسبت آتشیں — سینۂ رومی میں بھر دی بالیقین
پیر کے ہاتھوں سے جو نعمت ملی — مثنوی ہے صد تشکر سے بھری

شمس نے رومی کو کیا سے کیا کیا
صحبتِ پاکاں عجب ہے کیمیا

شیخ تبریزی کا یہ فیضِ عظیم
رقص میں دستار ہے بے خوف و بیم

پیر رومی پر ہوا ایسا اثر
مثنوی میں کہہ گئے وہ بے خطر

شمس تبریزی کہ نورِ مطلق است
آفتاب است و ز انوارِ حق است

من نجویم زیں سپس راہِ اثیر
پیر جویم پیر جویم پیر پیر

مثنوی میں آگ تبریزی ہے آہ
دل ہے تبریزی زباں رومی ہے آہ

کیا ملا رومی کو تبریزی سے سے آہ
اس کو پوچھا چاہیے رومی سے آہ

لیک میں کہتا ہوں کہ اے دوستو!
مثنوی میں اس کو خود تم دیکھ لو

وارداتِ اختؔر عفا اللہ عنہ

ساحل سے لگے گا کبھی میرا بھی سفینہ
دیکھیں گے کبھی شوق سے مکہ و مدینہ

گو عشق کا موجود ہے ہر دل میں دفینہ
ملتا نہیں لیکن کبھی بے خون و پسینہ

اللہ رے یہ جوشِ محبت کی بہاریں
اک آگ کا دریا سا لگے ہے مرا سینہ

اے اشکِ ندامت میں ترے فیض پہ قرباں
برسا ہے جو عاصی پہ یہ رحمت کا خزینہ

ہے شرط کسی اہلِ محبت کی توجہ
ملتا نہیں ورنہ یہ محبت کا نگینہ

مانا کہ مصائب ہیں رہِ عشق میں اختؔر
پر ان کے کرم سے جو اترتا ہے سکینہ

حصّۂ اوّل

حکایاتِ مثنوی

ایں کتابِ دردِ دل اے دوستاں
کردہ ام تالیف بہرِ عاشقاں

خونِ دل بر ہر ورق زاریدہ ام
دردِ دل بر ہر ورق نالیدہ ام

پردہ از دردِ نہاں بیروں کنم
دردِ دل در عاشقاں افزوں کنم

(اخترؔ)

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

حصّہ اوّل

ذِکرِ حضرت جعفر طیّار رضی اللہ عنہ

روبہے کہ ہست اوراشیر پشت
بشکند کلہ پلنگاں را بمشت

مولانارومی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ لومڑی کی بزدلی ضرب المثل ہے لیکن جس لومڑی کی کمر پر شیر کا ہاتھ ہو کہ گھبرانا مت، میں تیرے ساتھ ہوں تو باوجود ضعیف الہمت ہونے کے اس پشت پناہی کے فیض سے اس قدر باہمّت ہو جائے گی کہ چیتوں کا کلہ ایک گھونسے سے توڑ ڈالے گی اور شیر پر نظر ہونے کے سبب چیتوں سے ہرگز خائف نہ ہوگی، یہی حال حق تعالیٰ کے خاص بندوں کا ہوتا ہے کہ وہ باوجود خستہ حال، شکستہ تن، فاقہ زدہ، زرد چہروں کے باطل کی اکثریت سے خائف نہیں ہوتے (یعنی عقلاً ورنہ طبعی خوف کاملین کو بھی ہوتا ہے جو منافیٔ کمال نہیں)۔

ایک صاحبِ حال بزرگ اسی قوت کو فرماتے ہیں کہ ؎

رخِ زرّینِ من منگر کہ پائے آہنیں دارم
چہ می دانی کہ در باطن چہ شاہے ہمنشیں دارم

اے لوگو! میرے زرد چہرے کو مت دیکھو۔ کیوں کہ میں لوہے کے پیر رکھتا ہوں تم کو کیا خبر کہ میں اپنے باطن یعنی قلب میں شہنشاہِ حقیقی سے تعلّق رکھتا ہوں۔ اسی مضمون کے تحت حضرت مولانارومی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کا ایک واقعہ نظم فرمایا ہے کہ ایک بار حضرت جعفر رضی اللہ عنہ ایک قلعے کو فتح کرنے لیے تنہا اس قوّت سے حملہ آور ہوئے کہ معلوم ہوتا تھا گویا وہ قلعہ ان کے گھوڑے کے تالو کے روبرو ایک گھونٹ کے برابر ہے، یہاں تک کہ قلعہ والوں نے خوف سے قلعہ کا دروازہ

بند کر لیا اور کسی کی تاب نہ ہوئی کہ مقابلے کے لیے ان کے سامنے آوے۔

بادشاہ نے وزیر سے مشورہ کیا کہ اس وقت کیا تدبیر کرنی چاہیے۔ وزیر نے کہا کہ تدبیر صرف یہی ہے کہ آپ جنگ کے تمام منصوبوں اور ارادوں کو ختم کر کے اس باہمّت شخص کے سامنے شمشیر اور کفن لے کر حاضر ہو جایئے اور ہتھیار ڈال دیجیے۔ بادشاہ نے کہا کہ آخر وہ تنہا ایک شخص ہی تو ہے پھر ایسی رائے مجھے کیوں دی جاتی ہے؟ وزیر نے کہا کہ آپ اس شخص کی تنہائی کو بے وقعتی کی نگاہ سے نہ دیکھیے، ذرا آنکھیں کھولیے اور قلعے کو دیکھیے کہ سیماب (پارہ) کی طرح لرزاں ہے اور اہلِ قلعہ کو دیکھیے کہ بھیڑوں کی طرح گردنیں نیچے کیے کیسے سہمے ہوئے ہیں۔ یہ شخص اگرچہ تنہا ہے لیکن اس کے سینے میں جو دل ہے وہ عام انسانوں جیسا نہیں ہے، اس کی عالی ہمّتی دیکھیے کہ اتنی بڑی مسلّح اکثریت کے سامنے تنہا شمشیرِ برہنہ لیے کس ثابت قدمی اور فاتحانہ انداز سے اعلانِ جنگ کر رہا ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مشرق و مغرب کی تمام فوجیں اس کے ساتھ ہیں، وہ تنہا بمنزلہ لاکھوں انسانوں کے ہے۔ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ قلعے سے جو سپاہی بھی اس کے مقابلے کے لیے بھیجا جاتا ہے وہ اس کے گھوڑے کی ٹاپ کے نیچے پڑا نظر آتا ہے۔ جب میں نے ایسی عظیم الشان انفرادیّت دیکھ لی تو پھر اے بادشاہ! آپ کی اس اکثریت سے کچھ بھی نہ بن پڑے گا، آپ کثرتِ اعداد کا اعتبار نہ کریں، اصل چیز جمعیتِ قلب ہے اور یہ قوت اس شخص کے قلب میں بے پناہ ہے اور یہ نعمت بعد مجاہداتِ حصول تعلق مع اللہ کی برکت سے عطا ہوتی ہے اور اس عطائے حق کو تم اس حالتِ کفر میں ہرگز حاصل نہیں کر سکتے۔ لہٰذا فی الحال تمہارے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے کہ اس جانباز مردِ مؤمن کے سامنے ہتھیار ڈال دو اور قلعے کا دروازہ کھول دو۔ کیوں کہ یہ اکثریت بالکل بے کار ہے۔ آگے مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ بعض اقلیت کے سامنے اکثریت کے تعطّل اور ضعف کو چند مثالوں سے سمجھاتے ہیں:

مثال نمبر ۱) بے شمار ستارے روشن ہوتے ہیں لیکن ایک خورشید عالم تاب کا ظہور یعنی طلوع سب کو مانند کالعدم کر دیتا ہے۔

مثال نمبر ۲)اگر ہزاروں چوہے اپنے اپنے بلوں سے کسی لاغر و نہایت درجہ بیمار بلی پر یک بیک حملہ کر بیٹھیں تو بتقاضائے عقل ان کو فتح ہونی چاہیے۔ ایک دو چوہے اس کی گردن پکڑلیں، دو ایک اس کی آنکھیں نکالیں، دو ایک اس کے کان اپنے دانتوں سے چیر ڈالیں اور دو ایک اس کے پہلو میں سوراخ کر کے اندر گھس جائیں اور اندرون جسم کے تمام اعضاء کو چباڈالیں۔ لیکن مشاہدہ اس کے برخلاف ہے۔ایک دفعہ جہاں اس لاغر و نحیف بلی نے میاؤں کیا ان ہزار چوہوں کی اکثریت غلبۂ ہیبت و خوف سے یک بیک مفرور ہو جاتی ہے۔ اس میاؤں کو سنتے ہی ان کے کانوں میں اپنی مغلوبیتِ سابقہ کی خوفناک ضربیں گونج اٹھتی ہیں اور اس کے دانتوں اور پنجوں کی حرکاتِ جابرانہ کا تصوّر ان کو راہِ فرار اختیار کرنے پر مجبور کر دیتا ہے اس کی وجہ یہی ہے کہ چوہوں کے سینوں میں جو قلوب ہیں اور بلّی کے سینے میں جو دل ہے اس میں فرق ہے، بلی کے دل میں جو جمعیت اور ہمّت ہے وہ چوہوں کے قلوب میں نہیں۔ پس اتنی بڑی جماعت موشاں کا ایک بلّی کے سامنے حواس باختہ اور ہوش رفتہ ہو جانا اس امر کی دلیل ہے کہ بلّی کی جان میں جمعیّت ہے ورنہ ظاہری قوت کے لحاظ سے بلّی کی خلاصی ناممکن ہے، اسی جمعیتِ قلبی کا فقدان ہی سبب ہے کہ چوہوں کی تعداد اگر ایک لاکھ بھی ہو تب بھی ایک نحیف و نزار بلّی کو دیکھ کر سب مفرور ہو جاتے ہیں، معلوم ہوا کہ تعداد کوئی چیز نہیں، جمعیت اور ہمت اصل ہے۔

مثال نمبر ۳) بھیڑ اور بکریاں لاکھوں کی تعداد میں ہوں لیکن قصاب کے ایک چھرے کے سامنے اتنی بڑی اکثریت کی کوئی حیثیت نہیں۔

مثال نمبر ۴)افکار اور حواس کی کثرت پر نیند یک بیک طاری ہو کر سب کو فنا کر دیتی ہے۔

مثال نمبر ۵)جنگل میں لاکھوں بڑے بڑے سینگوں والے جانوروں پر ایک شیر کتنی دلیری سے حملہ کرتا ہے اور سب پر تنہا غالب آجاتا ہے اور جس جانور کو چاہتا ہے اپنی خوراک بنالیتا ہے۔

پس حق تعالیٰ مالک الملک ہیں اور ایسی جمعیت وہمت وہی عطا فرماتے ہیں۔

اس جمعیتِ قلب کی دو قسمیں ہیں: ایک فطری اس میں جانور، کفّار و مشرکین سب یکساں ہیں اور ایک جمعیت وہی ہے جو ایمان اور تقویٰ کی برکت سے بعد حصولِ تعلق مع اللہ میسر ہوتی ہے، جس کو صوفیا نسبت سے تعبیر فرماتے ہیں۔

فائدہ: یہ حکایت جس قدر مثنوی میں موجود تھی اسی قدر احقر نے تحریر کی ہے۔ اس کے اندر تعلیم ہے کہ حق تعالیٰ کے ساتھ قلب میں تعلّق کا حاصل ہونا بڑی دولت ہے اور اس کے حاصل ہونے کا طریق صرف اتّباعِ شریعت ہے۔

(ہٰذا من فیوضِ مرشدی رحمۃ اللہ علیہ)

قصۂ سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ

ایک رات حضرت سلطان محمود رحمۃ اللہ علیہ شاہی لباس اتار کر عام لباس میں رعیت کی نگرانی کے لیے تنہا گشت فرمارہے تھے کہ اچانک چوروں کے ایک گروہ کو دیکھا کہ آپس میں کچھ مشورہ کررہاہے، چوروں نے سلطان محمود رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھ کر دریافت کیا کہ اے شخص! تو کون ہے؟

بادشاہ نے کہا کہ میں بھی تم ہی میں سے ایک ہوں۔ وہ سمجھے کہ یہ بھی کوئی چور ہے اس لیے ساتھ لے لیا۔ پھر آپس میں باتیں کرنے لگے اور یہ مشورہ ہوا کہ ہر ایک اپنا اپنا ہنر بیان کرے تاکہ وہی کام اس کے سپرد کردیا جاوے۔

ایک نے کہا: صاحبو! میں اپنے کام میں ایسی خاصیت رکھتاہوں کہ کتّا جو کچھ اپنی آواز میں کہتاہے میں سب سمجھ لیتاہوں کہ وہ کیا کہہ رہاہے۔

دوسرے نے کہا: میری آنکھوں میں ایسی خاصیت ہے کہ جس شخص کو اندھیری رات میں دیکھ لیتاہوں اس کو دن میں بلاشک وشبہ پہچان لیتاہوں۔

تیسرے نے کہا کہ: میرے بازوؤں میں ایسی خاصیت ہے کہ میں ہاتھ کے زور سے نقب لگالیتاہوں، یعنی گھر میں داخل ہونے کے لیے مضبوط دیوار میں بھی ہاتھ سے سوراخ کردیتاہوں۔

چوتھے نے کہا کہ: میری ناک میں ایسی خاصیت ہے کہ مٹی سونگھ کر معلوم کرلیتاہوں کہ اس جگہ خزانہ مدفون ہے یا نہیں۔ جیسے مجنوں نے بغیر بتلائے ہوئے خاک سونگھ کر معلوم کرلیا تھا کہ اس جگہ لیلیٰ کی قبر ہے۔

ہمچو مجنوں بو کنم ہر خاک را
خاکِ لیلیٰ را بیابم بے خطا

پانچویں شخص نے کہا کہ: میرے پنجے میں ایسی قوت ہے کہ محل خواہ کتنا ہی بلند ہو لیکن میں اپنے پنجے کے زور سے کمند کو اس محل کے کنگرے میں مضبوط لگادیتاہوں اور اس

طرح مکان میں آسانی سے داخل ہو جاتا ہوں۔

پھر سب نے مل کر بادشاہ سے دریافت کیا کہ اے شخص! تیرے اندر کیا ہنر ہے جس سے چوری کرنے میں مدد مل سکے۔ بادشاہ نے جواب دیا۔

مجرماں را چوں بجلّاداں دہند

چوں بجنبد ریشِ من ایشاں رہند

(رومیؒ)

میری داڑھی میں ایسی خاصیت ہے کہ پھانسی کے مجرموں کو جب جلّادوں کے حوالے کر دیا جاتا ہے، اس وقت اگر میری داڑھی ہل جاتی ہے تو سب اسی وقت رہائی پا جاتے ہیں یعنی جب میں ترحم سے داڑھی ہلا دیتا ہوں تو مجرمین کو قتل کی سزا سے فی الفور نجات حاصل ہو جاتی ہے۔ یہ سنتے ہی چوروں نے کہا۔

قوم گفتندش کہ قطبِ ما توئی

روزِ محنت ہا خلاصِ ما توئی

اے ہمارے قطب! چوں کہ یومِ مشقت میں خلاصی کا ذریعہ آپ ہی ہیں یعنی اگر ہم پکڑے جائیں تو آپ کی برکت سے چھوٹ جاویں گے اس لیے اب ہم سب کو بے فکری ہو گئی کیوں کہ اوروں کے پاس تو صرف ایسے ہنر تھے جن سے چوری کی تکمیل ہوتی تھی لیکن سزا کے خطرے سے بچانے کا ہنر کسی کے پاس نہ تھا۔ یہی کسر باقی تھی جو آپ کی وجہ سے پوری ہو گئی اور سزا کا خطرہ بھی ختم ہو گیا۔ بس اب کام میں لگ جانا چاہیے۔ اس مشورے کے بعد سب نے قصرِ شاہ محمود کی طرف رخ کیا اور شاہ خود بھی ان کے ہمراہ ہو گیا۔ راستے میں کتا بھونکا تو کتے کی آواز سمجھنے والے نے کہا کہ کتے نے کہا ہے کہ تمہارے ساتھ بادشاہ بھی ہے لیکن اس کی بات کی طرف چوروں نے دھیان نہ دیا کیوں کہ لالچ ہنر کو پوشیدہ کر دیتا ہے۔

صد حجاب از دل بسوئے دیدہ شد

چوں غرض آمد ہنر پوشیدہ شد

ایک نے خاک سونگھی اور بتادیا کہ شاہی خزانہ یہاں ہے، ایک نے کمند پھینکی اور شاہی محل میں داخل ہوگیا۔ نقب زن نے نقب لگادی اور آپس میں خزانہ تقسیم کرلیااور جلدی جلدی ہر ایک نے مالِ مسروقہ پوشیدہ کرلیا۔ بادشاہ نے ہر ایک کا حلیہ پہچان لیااور ہر ایک کی قیام گاہ کے راستوں کو محفوظ کرلیااور اپنے کو ان سے مخفی کرکے محلِّ شاہی کی طرف واپس ہوگیا۔

بادشاہ نے دن کو عدالت میں شب کا تمام ماجرا بیان کرکے سپاہیوں کو حکم دیاکہ سب کو گرفتار کرلو اور سزائے قتل سنادو۔ جب وہ سب کے سب مشکیں کسی ہوئی عدالت میں حاضر ہوئے تو تختِ شاہی کے سامنے ہر ایک خوف سے کانپنے لگا لیکن وہ چور جس کے اندر یہ خاصیت تھی کہ جس کو اندھیری رات میں دیکھ لیتا دن میں بھی اس کو بے شبہ پہچان لیتا وہ مطمئن تھا۔ اس پر خوف کے ساتھ رجاء کے آثار بھی نمایاں تھے، یعنی ہیبتِ سلطانی اور قہرِ انتقامی سے ترساں اور لطفِ سلطانی کا امیدوار تھا کہ حسبِ وعدہ جب مراحمِ خسروانہ سے داڑھی ہل جاوے گی تو فی الفور خلاصی ہوجاوے گی اور حسبِ وعدہ میں اپنے تمام گروہ کو بھی چھڑالوں گا کیوں کہ غایتِ مروت سے بادشاہ اپنے جان پہچان والے سے اعراض نہ کرے گا بلکہ عرض قبول کرکے سب کو چھوڑ دے گا۔

اس شخص کا چہرہ خوف وامید سے کبھی زرد کبھی سرخ ہورہا تھا کہ بادشاہ محمود رحمۃ اللہ علیہ نے جلالتِ خسروانہ کے ساتھ حکم نافذ فرمایا کہ ان سب کو جلّادوں کے سپرد کرکے دار پر لٹکادو اور چوں کہ اس مقدّمے میں سلطان خود شاہد ہے اس لیے کسی اور کی گواہی ضروری نہیں۔ یہ سب سنتے ہی اس شخص نے دل کو سنبھال کر ادب سے عرض کیا کہ اگر اجازت ہو تو ایک بات عرض کرنا چاہتا ہوں۔ اجازت حاصل کرکے اس نے کہا: حضور! ہم میں سے ہر ایک نے اپنے مجرمانہ ہنر کی تکمیل کردی اب خسروانہ ہنر کا ظہور حسبِ وعدہ فرمادیا جائے۔ میں نے آپ کو پہچان لیا ہے، آپ نے وعدہ فرمایا تھا کہ میری داڑھی میں ایسی خاصیت ہے کہ اگر کرم سے ہل جاوے تو مجرم خلاصی پاجاوے۔ لہٰذا اے بادشاہ! اب اپنی داڑھی ہلادیجیے تاکہ آپ کے لطف کے صدقے

میں ہم سب اپنے جرائم کی عقوبت وسزا سے نجات پاجائیں، ہمارے ہنروں نے تو ہمیں دار تک پہنچادیا۔ اب صرف آپ ہی کا ہنر ہمیں اس عقوبت سے نجات دلا سکتا ہے۔ آپ کے ہنر کے ظہور کا یہی وقت ہے۔ہاں کرم سے جلد داڑھی ہلایئے کہ خوف سے ہمارے کلیجے منہ کو آرہے ہیں۔اپنی داڑھی کی خاصیت سے ہم سب کو جلد مسرور فرمادیجیے۔

سلطان محمود رحمۃ اللہ علیہ اس گفتگو سے مسکرایااور اس کا دریائے کرم مجرمین کی فریاد و نالۂ اضطرار سے جوش میں آگیا، ارشاد فرمایا کہ تم میں سے ہر شخص نے اپنی خاصیت دکھادی حتّٰی کہ تمہارے کمال اور ہنر نے تمہاری گردنوں کو مبتلائے قہر کردیا۔ بجز اس شخص کے کہ یہ سلطان کا عارف تھا اور اس کی نظر نے رات کی ظلمت میں ہمیں دیکھ لیا تھااور ہمیں پہچان لیا تھاپس اس شخص کی اس نگاہِ سلطان شناس کے صدقے میں تم سب کو رہا کرتا ہوں۔ مجھے اس پہچاننے والی آنکھ سے شرم آتی ہے کہ میں اپنی داڑھی کا ہنر ظاہر نہ کروں۔

فائدہ:۱)اس حکایت میں عبرت و نصیحت ہے کہ جس وقت تم جرائم کا ارتکاب کرتے ہو، شہنشاہِ حقیقی تمہارے ساتھ ہوتا ہے اور تمہارے کرتوتوں سے باخبر ہوتا ہے۔

وَهُوَ مَعَكُمۡ اَيۡنَ مَا كُنۡتُمۡ[۲]

اور سلطانِ حقیقی تمہارے ساتھ ہے جہاں کہیں بھی تم ہو۔

بندہ جب کسی نافرمانی کا ارتکاب کرتا ہے تو گویا خزانۂ حدودِ الٰہیہ میں خیانت کرتا ہے۔ اللہ کے حقوق کی خیانت ہو یا بندوں کے حقوق کی، یہ سب اللہ کے خزانے کی چوریاں ہیں اس لیے ہر وقت یہ خیال رہے کہ شہنشاہِ حقیقی ہمارے ساتھ ہے اور ہمیں دیکھ رہاہے۔اس کے سامنے خزانہ لوٹا جارہاہے، ذراسوچو توسہی، تم کس کی چوری کررہے ہو، وہ بادشاہِ حقیقی کہہ رہاہے کہ ہم تمھیں دیکھ رہے ہیں۔ ہمارا قانون تونازل ہوچکا۔ آج تم قانون شکنی کرلو۔ آج دنیامیں تو میں تمہاری ستّاری کرتاہوں کہ شاید تم راہ پر آجاؤ لیکن اگر ہوش میں نہ آئے توکل قیامت میں جب مشکیں کسی ہوئی میرے سامنے حاضر ہوگے

۲؎ الحدید:۴

اس وقت میرے قہر و غضب سے تمھیں کون بچا سکے گا۔

۲)اس حکایت سے یہ نصیحت بھی ملتی ہے کہ اللہ تعالیٰ گناہوں کی سزا فی المآل یعنی آخرت میں دیں گے۔ اگرچہ دنیا میں فی الحال نظر انداز فرمادیں۔ جیسے خزانۂ شاہی کی چوری کے وقت سلطان اگرچہ چوروں کو دیکھ رہا تھا اور ان کے پاس ہی تھا لیکن اس حال میں ان کو سزا نہ دی بلکہ انجام کار گرفتار کرالیا۔ اگر ہر روز یہ مراقبہ کرلیا جائے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے تمام اعمال کو دیکھ رہے ہیں تو گناہ کے ارتکاب سے خوف محسوس ہوگا۔

۳)تیسری نصیحت یہ ہے کہ قیامت کے دن کوئی ہنر کام نہ دے گا بلکہ وہ تمام اعمال جو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف انسان سے سرزد ہورہے ہیں، قیامت کے دن اس کی گردن بندھوادیں گے۔ گو دنیا میں ان کو ہنر سمجھا جاتا ہو، جس طرح چوروں نے اپنے فن کو موقعِ کمال میں پیش کیا تھا لیکن ان کمالات ہی نے ان کی مُشکیں کسوادیں۔

ہر یکے خاصیتے خود را نمود

ایں ہنرہا جملہ بدبختی فزود

ہر ایک نے اپنی خاصیت دکھائی اور اپنا کمالِ ہنر پیش کیا۔ لیکن ان تمام ہنروں سے ان کی بدبختی اور بڑھ گئی۔ جو ہنر جان کو خالقِ جان سے آشنا نہ کردے اور دل کا رابطہ حق تعالیٰ سے قائم نہ کردے اور اللہ کی یاد کا ذریعہ نہ ہوجاوے وہ ہنر نہیں ہے، وبال ہے۔ انسان کی جو قوتیں اللہ تعالیٰ سے بغاوت، سرکشی اور غفلت میں صرف ہورہی ہیں وہ ایک دن اس کو مجرم کی حیثیت سے اللہ تعالیٰ کے حضور میں پیش کریں گی۔

آج دنیا کی جو قومیں سائنسی ترقی کے ذریعے تسخیرِ ماہتاب کو اپنا کمال سمجھ رہی ہیں اور اللہ تعالیٰ سے منہ موڑ کر اپنی زندگی کے ایام گزار رہی ہیں، انھیں کل قیامت کے دن پتا چلے گا کہ ان کا یہ کمالِ ہنر قابلِ انعام ہے یا موردِ قہر و غضب۔

تسخیرِ مہر و ماہ مبارک تجھے مگر

دل میں اگر نہیں تو کہیں روشنی نہیں

(اکبرؔ)

(۴) پس معلوم ہوا کہ کوئی ہنر کام آنے والا نہیں ہے سوائے ایک ہنر کے اور وہ یہ ہے کہ اس دنیا کے ظلمت کدے میں اللہ کو پہچاننے والی نظر پیدا کی جائے جیسے کہ وہ شخص جس کی نگاہ سلطان شناس تھی کہ اپنے اسی ہنر کی وجہ سے قہر وانتقامِ شاہی سے خود بھی بچ گیا اور دوسروں کے لیے بھی سفارش کی۔ باقی ساری خاصیتیں آلۂ سزا وعقوبت ہو گئیں۔ لیکن۔

جز مگر خاصیتِ آں خوش حواس
کہ بشب بود چشمِ او سلطان شناس

صرف اس خوش حواس کی نگاہِ سلطان شناس کام آئی جس نے رات میں سلطان کو پہچان لیا تھا۔ پس نصیحت اس میں یہ ہے کہ یہ دنیا بھی ظلمت کدہ ہے، یہاں کی اندھیری میں جو بندہ اتّباعِ شریعتِ الٰہیہ کی برکت سے اپنے اللہ کو پہچان لے گا وہ قیامت کے دن خود بھی نارِ جہنّم کی عقوبت سے خلاصی پائے گا اور دوسرے مجرمین (گناہ گار اہلِ ایمان) کے لیے بھی سفارش کرے گا لیکن اپنی اس معرفت اور لطفِ حق پر مغرور نہ ہو گا بلکہ خوف اور امید کے درمیان بصد عجز و نیازِ عبدیت شفاعت کرے گا پھر حق تعالیٰ جس کے لیے چاہیں گے اس کی سفارش قبول فرما کر اپنی شانِ رحمت کا ظہور فرمائیں گے اور جس کے لیے نہ چاہیں گے تو از راہِ عدل اپنی شانِ قہر وانتقام ظاہر فرمائیں گے، پس بہت خوش نصیب ہے وہ بندہ جس نے دنیا میں رہ کر نگاہِ معرفت پیدا کر لی اور اپنے اللہ کو پہچان لیا۔ عارفین جن کی روحیں اپنے مجاہدوں اور ریاضتوں کے ذریعے آج اللہ کو پہچان رہی ہیں، کل حشر کے دن یہی عارفین اللہ تعالیٰ کو دیکھیں گے اور نجات پائیں گے اور ان کی سفارش گناہ گاروں کے حق میں قبول کی جائے گی۔ جس وقت کفار و مجرمین کو ان کے ہنروں کی بدولت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے آگ میں داخل کیا جارہا ہو گا اس وقت یہ فاقہ زدہ چہرے، یہ پیوند کپڑے والے، بوریا نشین جن کا آج مذاق اڑایا جاتا ہے، اپنے اللہ کو نگاہ بھر کر دیکھ رہے ہوں گے۔ اس وقت مجرمین ان پر رشک کریں گے کہ کاش! دنیا میں ہم بھی ان ہی کی طرح رہے ہوتے اور ان کا ہنر سیکھا ہوتا۔ یعنی نگاہِ معرفت پیدا کر لی ہوتی۔

(۵)اس حکایت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے مقبول اور نیک بندے معیارِ انسانیت کے اعتبار سے کتنا بلند مقام رکھتے ہیں۔

افسوس کہ آج جو قوم ان ہی چوروں کی طرح اپنی دنیوی زندگی کی چند روزہ بہار کے وسائل وذرائع کو ہنر سمجھتی ہے اور مادی ترقی کو اصل ترقی سمجھتی ہے اور انسانیت سے گری ہوئی تہذیب کو مثلاً کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کو اور کاغذ (ٹشو پیپر) سے پاخانہ کا مقام صاف کر کے ٹب میں بیٹھ کر غسل کرنے کو اور اس طرح پاخانے کے مقام سے ملوث گندا پانی منہ، کان، آنکھ میں داخل کرنے کو انسانیت کی معراج قرار دیتی ہے۔ کیا ایسی قوم کو تہذیب یافتہ وترقی یافتہ کہا جاسکتا ہے؟

افسوس صد افسوس کہ مسلمان اللہ کی پسندیدہ تہذیب ومعاشرت کو ترک کر کے اسی مغضوب ومقہور قوم کی نقل کر رہے ہیں۔

(دعا) اے اللہ! ہم پر کسی ایسے حکمران کو متعین فرما جو تیرے پاکیزہ قانون کو نافذ کرے (آمین) اور بے پردہ پھرنے والی عورتوں کو، بے نمازیوں کو، شراب پینے والوں کو سزائیں دے اور جبراً وقہراً ایسے دستور نافذ ہوں کہ یہ چکلے خانے، شراب خانے، سینما خانے سب مقفل کر دیے جائیں۔

(آمین ثم آمین)

قصّہ ایک عاشق نقاب پوش بزرگ کا

یہ نقاب پوش بزرگ زمانۂ جاہلیت میں کسی خطۂ عرب کے بادشاہ تھے۔ یہ پہلے عشقِ مجاز میں مبتلا تھے اور بہت اچھے شاعر تھے۔ حکومت اور ملک کے حریص، نازک طبع اور صاحبِ جمال۔ جب عشقِ حقیقی نے ان کے دل پر اثر کیا تو حکومت و سلطنت تلخ معلوم ہونے لگی۔ ولنعم ما قال صاحب قصيدة البردة:

نَعَمۡ سَرٰی طَیۡفُ مَنۡ اَھۡوٰی فَاَرَّقَنِیۡ
وَالۡحُبُّ یَعۡتَرِضُ اللَّذَّاتِ بِالۡاَلَمِ

ہاں مجھے جب رات کو اپنے محبوب کا خیال آ گیا تو رات بھر نیند نہیں آئی اور بات یہ ہے کہ محبت تمام لذتوں کو رنج و غم سے تبدیل کر دیتی ہے۔

بالآخر بادشاہ آدھی رات کو اٹھا، گدڑی اوڑھی اور اپنی سلطنت سے باہر نکل گیا۔ دل میں عشقِ الٰہی کی آگ پیدا ہو چکی تھی، سلطنت کا شور و غل محبوب کی یاد سے مانع ہو رہا تھا۔ آخر کار پیمانۂ صبر چھلک گیا، ایک چیخ ماری اور دیوانہ وار صحرا کی طرف چل دیا۔

مارا جو ایک ہاتھ گریباں نہیں رہا
کھینچی جو ایک آہ تو زنداں نہیں رہا

اس عاشق کی سچی آہ نے اسے سلطنت کے آہنی قید و بند سے آزاد کر دیا۔ اس راہ کا کام ابتداءً جذب ہی سے بنتا ہے۔ حضرت عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

دست در دیوانگی باید زدن
زیں خرد جاہل ہمی باید شدن

دیوانگی کی نعمت یعنی عشقِ حق دل میں پیدا کرو۔ محض خرد سے حق تک رسائی نہ ہو گی بلکہ جو عقل نورِ وحی سے منوّر نہ ہو اس سے تو جاہل ہی رہنا بہتر ہے۔

یہ عشق کا خاصہ ہے کہ عاشق کو خلوت میں بیٹھ کر اپنے محبوب کی یاد لذیذ معلوم ہوتی ہے۔ پس صحرا کا سکوت عاشقین صادقین کو بھلا معلوم ہوتا ہے۔ حضور صلّی اللہ علیہ وسلم

فرماتے ہیں کہ نبوت عطا ہونے سے پہلے مجھے خلوت محبوب کر دی گئی۔ چناں چہ آپ صلّی اللہ علیہ وسلم تمام خلق سے کنارہ کش ہو کر غارِ حرا میں کئی کئی دن تک یادِ الٰہی میں مشغول رہتے تھے۔

بالآخر عشقِ حقیقی نے اس بادشاہ کو بھی تخت و تاج سے بے زار کر کے آدھی رات کو جنگل کا راستہ اختیار کرنے پر مجبور کر دیا۔

عشقِ حق نے جب کیا اپنا اثر
عیش و راحت کر دیا سب تلخ تر

عشق کی لذت کو شہ جب پا گیا
تاجِ شاہی اس نے سر سے رکھ دیا

تختِ شاہی فقر سے مُبدل ہوا
حَبّذا اے عشقِ صادق حَبّذا

عشق نے ایسے ہزاروں بادشہ
کر دیے بے ملک و بے تخت و کلہ

عشق کی لذّت کو ان سے پوچھیے
جن کے سینے عشق سے زخمی ہوئے

(اخترؔ راقم الحروف)

اہلِ ظاہر اس لذت کو کیا جانیں؟ انھیں کیا معلوم کہ خلوت، تنہائی اور جنگل کے سناٹے میں کیا لطف ہے؟ اس کا لطف تو اللہ والوں سے پوچھو، جن کی جانیں دنیائے فانی کی عارضی بہاروں سے مستغنی ہو کر خلوت میں حق تعالیٰ کے قرب سے مسرور رہتی ہیں۔ یہ وہ خلوت ہے کہ لاکھوں جلوتیں اس پر قربان ہوں۔ یہی معیّت ہے اس محبوبِ حقیقی کی جو ان کی تنہائیوں کو پُر بہار کرتی ہے۔ ایک بزرگ مولانا محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

معیت گر نہ ہو تیری تو گھبراؤں گلستاں میں
رہے تو ساتھ تو صحرا میں گلشن کا مزہ پاؤں
(احمدؒ)

اور صحرا کے سکوت سے انھیں پیامِ دوست ملتا ہے؎

گیا میں بھول گلستاں کے سارے افسانے
دیا پیام کچھ ایسا سکوتِ صحرا نے
(احمدؒ)

یعنی صحرا کی خاموشی نے پیامِ دوست کی کچھ ایسی غمازی کی کہ اس کے لطف کے سامنے ہم دنیائے فانی کی چند روزہ بہار کے سب افسانے بھول گئے۔

کوہ و دریا، دشت و دمن سے دیوانہ وار گزرتا ہوا وہ بادشاہ اپنی حدودِ سلطنت سے نکل کر سرحدِ تبوک میں داخل ہو گیا اور چہرے پر نقاب ڈال لی تاکہ چہرے کی جلالتِ شاہانہ سے لوگ نہ سمجھیں کہ یہ گدڑی پوش کسی ملک کا رئیس یا بادشاہ ہے۔

ملکِ تبوک میں اس بادشاہ پر جب کئی فاقے گزر گئے تو ضعف و نقاہت سے مجبور ہو کر مزدوروں کے ساتھ اینٹیں بنانے لگا۔ اگرچہ چہرے پر نقاب پڑا رہتا تھا لیکن جب کبھی ہوا کے جھونکوں سے ہٹ جاتا تو شاہی چہرے کا جلالِ شاہانہ مزدوروں پر ظاہر ہو جاتا۔ آخر کار مزدوروں میں تذکرے ہونے لگے کہ یہ نقاب پوش کسی ملک کا سفیر یا کسی سلطنت کا بادشاہ معلوم ہوتا ہے۔ رفتہ رفتہ خبر ساری سلطنت میں مشہور ہو گئی اور شاہِ تبوک تک بھی پہنچ گئی۔

بادشاہ کو فکر ہوئی کہ مزدور کے بھیس میں کسی دوسری سلطنت کا بادشاہ یا سفیر کہیں جاسوسی نہ کر رہا ہو اور میری سلطنت کے راز معلوم کر کے حملہ آور ہونے کا منصوبہ نہ بنا رہا ہو۔ تحقیق کرنی چاہیے کہ ماجرا کیا ہے۔ شاہِ تبوک نے فوراً سامانِ سفر باندھا اور مزدوروں کے جھرمٹ میں گھس گیا۔ جہاں وہ نقاب پوش اینٹیں بنا رہا تھا۔ بادشاہ نے اس کے علاوہ تمام مزدوروں کو دور ہٹا دیا اور اس صاحبِ جمال کا نقاب اٹھا دیا اور دریافت

کیا کہ اے صاحبِ جمال! آپ اپنے صحیح حال سے مجھے آگاہ کیجیے۔ آپ کا یہ روشن چہرہ شہادت دیتا ہے کہ آپ کسی ملک کے بادشاہ ہیں لیکن یہ فقر و مسکنت کس سبب سے؟

آپ نے اپنی راحت اور سلطانیت کو اس کلفت اور فقر کی ذلّت پر قربان کیا۔ اے عالی حوصلہ! آپ کی اس ہمت پر میری یہ سلطنتِ تبوک ہی نہیں بلکہ صدہا سلطنتیں قربان ہوں۔ مجھے جلد اس راز سے آگاہ کیجیے۔ اگر آپ میرے پاس مہمان رہیں تو میری خوش نصیبی ہوگی اور آپ کے قرب سے میری جان بوجہِ خوشی سو جان کے برابر ہو جائے گی۔ اس طرح بہت سی ترکیبوں سے شاہِ تبوک اس لباسِ فقر میں ملبوس بادشاہ سے دیر تک بات کرتا رہا تاکہ اس کا راز منکشف ہو جائے۔ لیکن راز و نیاز کی گفتگو کے بجائے اس نقاب پوش بادشاہ نے شاہِ تبوک کے کان میں درد و عشق کی نہ جانے کیا بات کہہ دی کہ اسی وقت یہ بادشاہِ تبوک بھی عشقِ الٰہی سے دیوانہ ہو گیا اور اپنی سلطنت کو ترک کر کے اس تارکِ دنیا شاہِ نقاب پوش کے ساتھ رہنے کے لیے تیار ہو گیا۔ آدھی رات کو یہ دونوں بادشاہ اس ملک سے نکل کر کسی اور سلطنت میں چل دیے تاکہ خلقت پریشان نہ کرے اور فراغِ قلب سے محبوبِ حقیقی کی یاد میں مشغولی نصیب ہو۔ یہ دونوں بہت دور تک چلتے رہے۔ یہاں تک کہ کسی تیسری سلطنت میں داخل ہو گئے۔

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عشق نے یہ گناہ ایک ہی بار نہیں کیا ہے بلکہ بکثرت ایسا کیا ہے کہ مال و جاہ اور حکومت و سلطنت سب چھڑا دی ہے۔ گناہ کا لفظ مولانا نے یہاں ان مخاطب کے اعتبار سے استعمال کیا ہے جو محبتِ حق سے کورے ہیں۔ کیوں کہ اہلِ دنیا اہل اللہ کو حقیر سمجھتے ہیں۔

غرض اس عاشقِ صادق نقاب پوش تارکِ سلطنت کی بات میں نہ جانے کیسی لذت تھی کہ شاہِ تبوک پر سلطنت کی تمام لذتیں حرام ہو گئیں، سارے عیش اس لذت کے سامنے ہیچ ہو گئے اور دل میں عشقِ الٰہی کا ایک دریا موجزن ہو گیا۔

اے سوختہ جاں پھونک دیا کیا مرے دل میں
ہے شعلہ زن اک آگ کا دریا مرے دل میں

(خواجہ صاحبؒ)

حضرت خواجہ صاحب مجذوب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے پیر و مرشد حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی شان میں اسی مضمون کو عجیب انداز میں بیان فرمایا ہے؎

جس قلب کی آہوں نے دل پھونک دیے لاکھوں

اس قلب میں یا اللہ کیا آگ بھری ہو گی

جس طرح آگ ایک گھر سے دوسرے گھر میں لگ جاتی ہے اسی طرح عشق کی آگ بھی ایک دل سے دوسرے دل میں منتقل ہو جاتی ہے۔

جو آگ کی خاصیت وہ عشق کی خاصیت

اک سینہ بہ سینہ ہے اک خانہ بخانہ ہے

حضرت عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک دل سے دوسرے دل تک مخفی راہیں ہیں اور اس غیر محسوس اور غیر مبصر دعویٰ کے تفہیم کے لیے ایک عجیب تمثیل محسوساتِ خارجیہ سے پیش فرماتے ہیں۔

کہ ز دل تا دل یقیں روزن بود

نے جدا و دور چوں دو تن بود

متصل نہ بود سفالِ دو چراغ

نورِشاں ممزوج باشد در مساغ

فرماتے ہیں کہ ایک دل سے دوسرے دل تک خفیہ راستوں کو اس مثال سے سمجھو کہ مٹی کے دو چراغ (دیے) اگر جلا دیے جائیں تو ان دونوں چراغوں کے اجسام تو الگ الگ ہیں لیکن ان کی روشنی فضا میں مخلوط ہے۔ ان چراغوں کی روشنی میں کوئی حدِّ فاصل نہیں ہو گی کہ یہ روشنی فلاں چراغ کی ہے یہ فلاں کی۔

اسی طرح مؤمنین کے اجسام بھی الگ الگ ہوتے ہیں۔ لیکن جب باہم مجالست ہوتی ہے تو ان کے دلوں کے انوار اس فضائے مجلس میں ایک ہو جاتے ہیں یعنی تفرقِ اجسام کے ساتھ تفرقِ انوار نہیں ہوتا۔

اسی طرح حضرت شارع علیہ السلام نے باہمی مشورے کا جو حکم ارشاد فرمایا ہے اس میں من جملہ اور حکمتوں کے یہ حکمت بھی ہے کہ ایک مؤمن سے جب دس مؤمن جمع ہوگئے تو اب دس چراغوں کی روشنی کہیں زیادہ ہوجائے گی اور اس تیز روشنیٔ ایمان ویقین میں صحیح حقیقت کا انکشاف ہوجائے گا۔ اسی کو حضرت عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

مشورہ کن با گروہِ صالحاں
بر پیمبرا مرہم شوریٰ بداں
ایں خردہا چوں مصابیح انور ست
بست مصباح از یکے روشن تراست

صالحین کے گروہ سے مشورہ کرتے رہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی مشورے کا حکم نازل ہوا۔

شَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ[۳] اَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ ۚ[۴]

میں اصحابِ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی تعریف مذکور ہے کہ یہ لوگ اپنے ہر امر میں باہمی مشورہ کرلیا کرتے ہیں۔ عقولِ انسانی مثل روشن چراغ کے ہیں، بیس چراغوں کی روشنی یقیناً ایک سے روشن تر ہوگی۔ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اسی سبب سے رہبانیت سے منع فرمادیا۔ کیوں کہ دنیا کو بالکلیہ ترک کرکے پہاڑ کی گھاٹی میں بیٹھ رہنے سے باہمی صلاح ومشورے کی صورت مفقود ہوجاتی۔ اسی کو فرماتے ہیں:

بہر ایں کردست منع آں باشکوہ
از ترہب و ز شدن خلوت بکوہ

۳؎ اٰل عمرٰن:۱۵۹
۴؎ الشورٰی:۳۸

تا نہ گردد فوت ایں نوع التقا
کاں نظر بخت است و اکسیر بقا

اسی واسطے اس صاحبِ شکوہ (یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے رہبانیت اور دامنِ کوہ میں خلوت اختیار کرنے کو منع فرمادیا تاکہ اس نوع کی ملاقات کے منافع اور فیوض وبرکات سے جو صالحین کی صحبت سے نصیب ہوتے ہیں محرومی نہ ہوجائے۔ بعضوں کی نظر میں حق تعالیٰ نے کیمیا کی خاصیت رکھی ہے کہ اس نظر کی برکت سے فاسق وفاجر، صالح اور اشرار، ابرار ہوجاتے ہیں۔

جج اکبر الٰہ آبادی نے اس مضمون کو خوب کہا ہے ؎

نہ کتابوں سے نہ وعظوں سے نہ زر سے پیدا
دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

یہاں پر اشکال ہوسکتا ہے کہ جن بزرگ کا قصہ یہاں بیان ہورہا ہے، انھوں نے بھی تو دنیاترک کردی تھی۔ جواب یہ ہے کہ کسی بادشاہ کا ترکِ سلطنت کرکے فقر اختیار کرلینا اور گروہِ فقرا میں رہنا رہبانیت نہیں ہے۔ رہبانیت نام ہے مخلوق سے بالکلیہ الگ ہوجانے کا۔

مولانارومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس نقاب پوش بادشاہ نے شاہِ تبوک کے کان میں نہ جانے عشق اور درد کی کیا بات کہہ دی کہ شاہِ تبوک نے اسی وقت اپنے سینے میں تعلّق مع اللہ کی دولت محسوس کی اور بزبانِ حال یہ شعر پڑھا ؎

جزاک اللہ کہ چشمم باز کردی
مرا با جانِ جاں ہمراز کردی

خدا آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے کہ آپ نے ہماری آنکھیں کھول دیں اور محبوبِ حقیقی سے ہمراز کردیا اور اس نقاب پوش صاحبِ نسبت بادشاہ سے عرض کیا کہ ہمیں بھی اپنے ہمراہ لے چلیں۔ آپ کا قلب سرچشمۂ آتشِ حق ہے آپ سے درخواست ہے کہ ؎

عشقِ حق کی آگ سے سینہ مرا بھر دیجیے

سلطنت ترک کرکے آپ کا مزدوروں کے ساتھ اینٹیں بنانا اور لباسِ فخر میں خستہ حال رہنا اس بات کی دلیل ہے کہ آپ باطن میں کوئی دوسری سلطنت دیکھ چکے ہیں۔ جس کے سامنے ہفت اقلیم کی سلطنت بھی گرد ہے۔

کسی کی یاد میں ہے مضطرب جانِ حزیں تیری
گریباں چاک ہے اشکوں سے تر ہے آستیں تیری

ترے دل کو میسّر ہے مقامِ قرب کی لذت
تجھے پھر منّ و سلویٰ کیوں نہ ہو نانِ جویں تیری
(اخترؔ)

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صرف ان دو بادشاہوں کو ہی نہیں اور بھی بے شمار بادشاہوں کو عشق نے ان کے ملک اور خاندان سے جدا کردیا۔ جب عشق خونی کمان پر چلّہ چڑھا لیتا ہے تو لاکھوں سر اس وقت ایک پیسے کو بک جاتے ہیں۔

صد ہزاراں سر بہ پولے آں زماں
عشق خونی چوں کند زہ بر کماں

حق تعالیٰ کی محبت میں ایک دفعہ قتل ہونا ہزاروں زندگی سے بہتر ہے اور ہزاروں سلطنتیں اس غلامی پر جو عشقِ حق سے حاصل ہوتی ہے قربان ہیں۔ اولاً عشق میں اگرچہ مجاہدات سے جسم ویران ہوجاتا ہے۔ لیکن اس ویرانی میں جب خزانۂ نسبت (تعلّق مع اللہ) منکشف ہوجاتا ہے تو عاشق بزبانِ حال کہتا ہے۔

نیم جاں عشق نے کیا لیکن
ہاتھ میں قربِ لازوال ہے آج
(اخترؔ)

فائدہ: اس حکایت میں تعلیم ہے کہ۔

اے نفس اگر بدیدۂ تحقیق بنگری
درویشی اختیار کنی بر تونگری

ترجمہ: اے نفس! اگر تو نگاہِ تحقیق سے دیکھے تو ریاست و تونگری کے بجائے درویشی اختیار کرلے۔

حکایت

حضرت سلطان شاہ ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ

حقیقی عشق نے ان سے سلطنتِ بلخ چھڑا کر دس برس تک بحالتِ جذب غارِ نیشاپور میں مشغولِ عبادت رکھا اور باطنی سلطنت سے نوازا۔

ملکِ دل بہہ یا چنیں ملکِ حقیر؟

دل کی سلطنت اچھی یا حقیر سلطنتِ بلخ؟

حق تعالیٰ تک وصول کے دو طریقے ہوتے ہیں۔ جن کے متعلّق قرآنِ کریم سے استدلال پیش کرتا ہوں:

اَللّٰہُ یَجۡتَبِیۡۤ اِلَیۡہِ مَنۡ یَّشَآءُ

اللہ جس بندے کو چاہتا ہے اپنی طرف کھینچ لیتا ہے۔ اس طریق کا نام طریقِ جذب ہے۔

وَ یَھۡدِیۡۤ اِلَیۡہِ مَنۡ یُّنِیۡبُ[۵]

اور ہدایت دیتا ہے اس بندے کو جو اللہ کی طرف رجوع و توجّہ اختیار کرتا ہے۔ اس طریق کا نام طریقِ سلوک ہے۔

سلوک فعلِ اختیاری ہے اور جذب امرِ غیر اختیاری۔ پس بندہ سلوک کا مکلّف ہے لیکن

۵؎ الشوریٰ:۱۳

عادتاً ہر سالک کو بھی اس کے مجاہدات کے صلے میں من جانب اللہ جذب نصیب ہو جاتا ہے کیوں کہ بغیر عنایت ویاریٔ حق کے کسی کا کام نہیں بنتا۔ جذب اور سلوک ہر دو طریق بہر حال فضل ہی سے موصل الی المقصود اور مثمر للقرب ہوتے ہیں۔

ذرّۂ سایہ عنایت بہتر است

از ہزاراں کوششِ طاعت پرست

حق تعالیٰ کی عنایت کا ایک ذرّہ سایہ طاعت پر ناز کرنے والے کی ہزاروں کوششوں سے افضل ہے۔

جب حق تعالیٰ کی رحمت و عنایت سلطان ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ کی طرف متوجّہ ہوئی تو بغیر ریاضت و مجاہدے کے شاہِ بلخ کا کام بن گیا۔ بلخ کی سلطنت تو چھڑادی لیکن ایک ایسی باطنی سلطنت عطا فرمادی کہ جس کے سامنے ہفت اقلیم کی سلطنت بلکہ خزائن السّمٰوٰت والارض بے حقیقت ہوگئے۔ شاہ کو خود بھی پتا نہ تھا کہ سلطنت کا سر سبز باغ آتشِ عشقِ حقیقی کی نذر ہونے والا ہے، کوڑیاں چھن کر جواہرات عطا ہونے والے ہیں اور خارستان سوختہ ہو کر چمنستانِ بے خزاں بننے والا ہے۔ جب کسی کے دن بھلے ہوتے ہیں تو یہی ہوتا ہے ؎

سن لے اے دوست جب ایام بھلے آتے ہیں

گھات ملنے کی وہ خود آپ ہی بتلاتے ہیں

حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ رات کو بالا خانے پر سو رہے تھے کہ اچانک پاؤں کی آہٹ محسوس ہوئی۔ گھبرائے کہ رات کے وقت شاہی بالا خانے پر کون لوگ ایسی جرأت کرسکتے ہیں۔ دریافت فرمایا کہ اے واردینِ کرام! آپ کون لوگ ہیں؟ یہ فرشتے تھے جو حق تعالیٰ کی طرف سے غفلت زدہ دل پر چوٹ لگانے آئے تھے۔ فرشتوں نے جواب دیا کہ ہم یہاں اپنا اونٹ تلاش کر رہے ہیں۔ بادشاہ نے کہا کہ حیرت ہے کہ شاہی بالا خانے پر اونٹ تلاش کیا جارہا ہے، ان حضرات نے جواب دیا کہ ہمیں اس سے زیادہ حیرت آپ پر ہے کہ اس ناز پروری اور عیش میں خدا کو تلاش کیا جارہا ہے۔

پس بگفتندش کہ تو بر تختِ شاہ
چوں ہمیں جوئی ملاقات ازالٰہ

پس انھوں نے بادشاہ سے کہا کہ تو شاہی تخت پر حق تعالیٰ کی ملاقات کو کیوں تلاش کرتا ہے؟

یہ کہہ کر وہ رجالِ غیب تو غائب ہوگئے لیکن بادشاہ کے دل پر ایسی چوٹ لگ گئی کہ ملک وسلطنت سے دل سرد ہوگیا۔

ملک را بر ہم زن ادہم وارزود
تا بیابی ہمچو او ملکِ خلود

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نصیحت فرماتے ہیں کہ اے لوگو! سلطنت کو مثل ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ کے جلد خیر باد کہہ دو تاکہ ان کی طرح تم بھی دائمی سلطنت یعنی سلطنتِ باطنی سے مشرف ہوجاؤ۔

الغرض عشقِ حقیقی نے حضرت ابراہیم بن ادہم کو ترکِ سلطنت پر مجبور کردیا اور عشق کائنات کی تمام لذّتوں سے دل کو بے زار کردیتا ہے۔ وَلَنِعْمَ مَاقَالَ صَاحِبُ قَصِيْدَةِ الْبُرْدَةِ۔

نَعَمْ سَرٰى طَيْفُ مَنْ اَهْوٰى فَاَرَّقَنِىْ
وَالْحُبُّ يَعْتَرِضُ اللَّذَّاتِ بِالْاَلَمِ

ہاں رات مجھے جب اپنے محبوب کا خیال آگیا تو میری نیند اڑگئی اور محبت تمام لذتوں کو رنج والم سے تبدیل کردیتی ہے۔

آخر کار آدھی رات کو بادشاہ اٹھا، کمبل اوڑھا اور اپنی سلطنت سے نکل پڑا۔
سوزِ عشق کی ایک آہ نے زندانِ سلطنت کو پھونک دیا اور دستِ جنوں کی ایک ضرب نے گریبانِ ہوش کے پرزے اڑادیے۔

کھینچی جو ایک آہ تو زنداں نہیں رہا
مارا جو ایک ہاتھ گریباں نہیں رہا

سلطنتِ بلخ ترک کر کے حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ نیشاپور کے صحرا میں ذکرِ حق اور نعرۂ عاشقانہ بلند کرنے میں مشغول ہوگئے۔

نعرۂ مستانہ خوش می آیدم
تا ابد جاناں چنیں می بایدم

اے محبوبِ حقیقی! مجھے نعرۂ مستانہ بہت اچھا معلوم ہوتا ہے اور قیامت تک اے محبوب! بس یہی کام چاہتا ہوں۔

جز بہ ذکرِ خویش مشغولم مکن
از کرم از عشق معزولم مکن

اے محبوبِ حقیقی! اپنے ذکر کے علاوہ مجھے کسی کام میں مشغول نہ کیجیے اور اپنے کرم کے صدقے میں اپنے عشق سے مجھے معزول نہ فرمائیے۔

جانِ قربت دیدہ را دوری مدہ
یارِ شب را روزِ مہجوری مدہ

اے اللہ! جس جان نے آپ کی شان و شوکتِ قرب دیکھ لی ہو اور قرب کا مزہ چکھ لیا ہو اس کو دوری کا عذاب نہ دے اور آدھی رات کو اٹھا کر اپنی یاد میں رونے کی توفیق عطا فرما کر جس کو آپ نے اپنا دوست بنالیا ہو اسے روزِ ہجر نہ دکھایئے یعنی فسق و فجور سے محفوظ فرمایئے کیوں کہ گناہ بندہ کو آپ سے دور کر دیتا ہے۔ اے محبوبِ حقیقی! آپ کا ذکر اور آپ کی یاد ہی روح کی غذا اور دلِ مجروح کا مرہم ہے۔

ذکرِ حق آمد غذا ایں روح را
مرہم آمد ایں دلِ مجروح را

حق تعالیٰ کا ذکر ہی اس روح کی غذا ہے اور اللہ کی محبت سے زخمی دل کے لیے ذکرِ حق ہی مرہم ہے۔

عالم ہے کہ بے لاگ پڑا سوتا ہے
غفلت میں ہر اک شخص پڑا ہوتا ہے

اے دوست مگر رات کے سناٹے میں
لے لے کے ترا نام کوئی روتا ہے

دس برس تک صحرائے نیشاپور میں دیوانہ وار عبادت میں مصروف رہے۔ اس مضمون کو احقر نے اپنی اردو مثنوی میں یوں بیان کیا ہے۔

ایک حکایت ابن ادہم کی سنو تھے کبھی شاہِ بلخ یہ دوستو!
عشقِ حق نے جب کیا ان پر اثر سلطنت ان پر ہوئی بس تلخ تر
ترک کرکے سلطنت اور مال و جاہ چل پڑا شاہِ بلخ جنگل کی راہ
کررہا تھا نالۂ غم درد ناک دامنِ جیب و گریباں کرکے چاک
دس برس تک جذب میں پھرتا رہا عشقِ حق میں رات دن گھلتا رہا
غارِ نیشاپور میں یہ جانِ چاک رٹ رہی تھی اپنے رب کا نامِ پاک
شادباش اے عشقِ خوش سودائے ما اے طبیبِ جملہ علّت ہائے ما
ہے لباسِ فقر میں شاہِ بلخ گھر سے بے گھر ہوگیا شاہِ بلخ
شاہی و شہزادگی سب چھوڑ کر عیش کے سارے علائق توڑ کر
پڑگیا بس حق سے رشتہ جوڑ کر ماسوا سے اپنے رخ کو موڑ کر
از پئے حق در غریبی ساختہ شاہی و شہزادگی در باختہ
جاہِ شاہی نذرِ ذُلِّ عشق ہے ہفت دولت بذلِ راہِ عشق ہے
عشقِ حق آساں نہیں ہے دوستو عشقِ حق ارزاں نہیں ہے دوستو!
عشق کب ڈرتا ہے رسن و دار سے عشق بے پرواہ ہے جانِ زار سے
”دعویٔ مرغابی کردہ است جاں کے ز طوفانِ بلا دارد فغاں
دینِ من از عشق زندہ بودن است زندگی زیں جاں وسر ننگِ من است“

راستہ ہے عشق کا بس پُر خطر خون ہوتے ہیں یہاں قلب و جگر
عشق کا سودا بڑا مہنگا ہے آہ! عشق ملتا ہے بڑے نازوں سے آہ!
"عشق را صد ناز و استکبار ہست عشق را صد ناز می آید بدست
عشق ہے دریائے خوں کا راستہ ناز پرور کا نہیں یہ راستہ
"عارفاں زانند ہردم آمنوں کہ گزر کردند از دریائے خوں
عشق می گوید بگوشم پست پست صید بودن بہتر از صیادی است
بر درم ساکن شود بے خانہ باش دعوئِ شمعی مکن پروانہ باش
عشق کو کب ننگ کی پرواہ ہے عشق کو کب فکرِ عزّ و جاہ ہے
عشقِ حق ہی ہے غذائے عاشقاں عشقِ حق ٹھنڈک ہے جانِ صادقاں
جسمِ شاہی آج گدڑی پوش ہے جاہِ شاہی فقر میں روپوش ہے
الغرض شاہِ بلخ کی جانِ پاک ہوگئی جب ذکرِ حق سے عشق ناک

فقر کی لذت سے واقف ہوگئی
جانِ سلطان جانِ عارف ہوگئی

حضرت سلطان ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ نے حق تعالیٰ کی محبت میں اگر تاج و تخت چھوڑ دیا تو کیا نادانی کی؟ ہرگز نہیں! ایک سلطنتِ بلخ کیا ایسی صدہا سلطنتیں حق تعالیٰ کی راہ میں کوئی حقیقت نہیں رکھتی ہیں۔ عاشقِ صادق تو یہی کہتا ہے۔

قیمتِ خود ہر دو عالم گفتہ ای
نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز

اے اللہ! آپ نے اپنی قیمت دونوں عالم بتائی ہے۔ دونوں عالم کے بدلے میں آپ مل جاویں تو یہ قیمت تو آپ کی ذاتِ پاک کے سامنے کچھ بھی نہیں۔ نرخ اور بڑھایئے کہ ابھی بہت ارزانی ہے اور جان دے کر بھی وہ یہی کہتا ہے۔

جان دی دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

جان بھی ان ہی کی چیز تھی۔ اگر ان پر نثار کر دی تو کیا کمال کیا۔

کشتنی بہ از ہزاراں زندگی
سلطنت ہا مردۂ ایں بندگی

آپ کی محبت میں قتل ہو جانا ہزاروں زندگیوں سے بہتر ہے اور بہت سی سلطنتیں آپ کی غلامی پر قربان ہیں۔ پس حق تعالیٰ کی محبت کا سودا سستا نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

اَلَا اِنَّ سِلْعَةَ اللّٰهِ غَالِيَةٌ[۱]

(ترجمہ: اے لوگو! خوب غور سے سن لو کہ خدائی سودا بڑا مہنگا ہے) لیکن جن داموں ہاتھ آجائے سستا ہے۔

متاعِ جانِ جاناں جان دینے پر بھی سستی ہے

اگر حق تعالیٰ کی محبت کی لذت و حلاوت کا ایک ذرّہ بھی دل کو نصیب ہو جائے تو جانِ عزیز نگاہوں میں بے قیمت ہو جاوے۔

گر بہ بینی یک نَفَس حسنِ وَدُود
اندر آتش افگنی جان وَدُود

اگر محبوبِ حقیقی کی تجلّیات کا قلب میں ایک لمحے کو مشاہدہ کر لوگے تو غلبۂ شوق میں اپنی جان کو آتشِ محبت کی نذر کر لوگے۔

گر بہ بینی کرّوفرِّ قرب را
جیفہ بینی بعد ازیں ایں شُرب را

اے لوگو! اگر قربِ خداوندی کی شان و شوکت کا بصیرۃِ قلب سے تم ادراک کر لو تو

---

[۱] جامع الترمذی:۲/۷۱، باب ماجاء فی صفة اوانی الحوض، ایچ ایم سعید

کائنات کی تمام لذتیں تم کو مردار نظر آنے لگیں۔

حضرت سلطان ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ کے باطن کو ترکِ سلطنت سے حق تعالیٰ کے قرب کی جو سلطنتِ لازوال حاصل ہوئی اس کو محسوس کر کے ان کی جانِ پاک بزبانِ حال کہہ رہی تھی:

ملکِ دنیا تن پرستاں را حلال
ماغلامِ عشق و ملکِ لا زوال

دنیا کا ملک تن پرستوں کو مبارک ہو کہ ایک دن یہ ملک اور ملک والے دونوں فنا ہو جائیں گے اور ہمیں عشق کا ملکِ لازوال مبارک ہو کہ جس پر کبھی فنا نہیں آتی اور جان اس سلطنتِ عشق کو ساتھ لے کر اللہ تعالیٰ کے پاس جاتی ہے۔ اگر چھوٹی سی سلطنت ترک کرنے سے سلطنتِ لازوال عطا ہو جاوے تو کیا اس ترک سے کسی عاقل کو تکلیف ہو سکتی ہے؟ یا اگر کسی مکان کی بنیاد میں عظیم خزانہ مدفون ہو تو کیا اس مکان کے انہدام سے کسی عاقل کو غم ہو سکتا ہے؟

قصر چیزے نیست ویراں کن بدن
گنج در ویرانی است اے میر من

اے دوست! خزانہ ہمیشہ ویرانے میں ہی دفن کیا جاتا ہے۔ پس محل کوئی چیز نہیں ہے، جسم اور اس کی قوتوں کو یعنی خواہشاتِ نفسانیہ کو ویران کر دو یعنی ان خواہشات کے تقاضوں پر عمل نہ کرو اور تقویٰ اختیار کر لو پھر خواہشات کے محل کو ویران کرنے کے بعد اسی ویرانے میں قربِ حق اور تعلّق مع اللہ کا عظیم خزانہ مشاہدہ کر لوگے۔

حضرت سلطان ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ کو ترکِ سلطنت سے جو نعمت ملی اور صحرا میں دریا کے کنارے ذکر و عبادت کی جو حلاوت ان کے باطن کو عطا ہوئی اس کا لطف ان ہی سے پوچھنا چاہیے۔

آہ را جز آسماں ہمدم نہ بود
راز را غیر خدا محرم نہ بود

ان کی محبت اور درد بھری آہ کا سوائے آسمان کے کوئی ہمدم نہ تھا۔ یعنی خلق سے انقطاعِ تام کے سبب اس آہ میں کوئی شریک نہ تھا اور ان کی محبت کے راز سے سوائے خدا کے کوئی آگاہ نہ تھا۔ یعنی اس صحرا کے سنّاٹے میں کمالِ صدق و اخلاص سے اپنے مالکِ حقیقی کو یاد کر رہے تھے اور عاشقوں کے لیے تمام کائنات میں سب سے بہتر وہ مقام ہوتا ہے جہاں ان کو اپنے محبوب کے ساتھ مناجات و سرگوشی کا شرف حاصل ہو۔

خوشتر از ہر دو جہاں آنجا بود
کہ مرا با تو سر و سودا بود

اے محبوب! دونوں جہاں میں سب سے اچھا وہ مقام ہے کہ جہاں سجدے میں آپ کے قدموں پر ہمارا سر ہو اور ہماری اور آپ کی راز و نیاز و محبت کی باتیں ہو رہی ہوں۔ اسی مضمون کو ہمارے خواجہ صاحب مجذوب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں؎

تمنّا ہے کہ اب ایسی جگہ کوئی کہیں ہوتی
اکیلے بیٹھے رہتے یاد ان کی دلنشیں ہوتی

وہاں رہتے جہاں دودِ فغاں کا آسماں ہوتا
وہاں بستے جہاں خاکسترِ دل کی زمیں ہوتی

محبوبِ حقیقی کے نام کی لذت سے عاشقین کی ارواح مست ہو جاتی ہیں۔ حضرت مولانا کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ خاتمِ مثنوی ارشاد فرماتے ہیں؎

نامِ او چو بر زبانم می رود
ہر بُنِ مو از عسل جوئے شود

اے اللہ! جب آپ کا نامِ پاک لیتا ہوں اس وقت ایسی شیریں لذت کا ادراک ہوتا ہے کہ گویا جسم کے بال بال سے شہد کی نہریں جاری ہو گئیں۔

یہی وہ لذت ہے جو سلطنت چھڑا دیتی ہے۔ **ولنعم ماقال الشیرازی رحمۃ اللہ علیہ**؎

بسودائے جاناں زِ جاں مشتغل
بذکرِ حبیب از جہاں مشتغل
بیاد حق از خلق بگر یختہ
چناں مست ساقی کہ مے ریختہ

حضرت سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مالکِ حقیقی کی یاد میں عاشقین اپنی جان سے بھی بے پرواہیں اور ذکرِ محبوب میں سارے جہان سے بے خبر ہیں۔یادِ حق کے لیے خلق سے کنارہ کشی اختیار کرلی ہے اور منعم پر اس طرح عاشق ہیں کہ نعمتوں کی طرف بھی توجہ نہیں رہی یعنی یہ عاشقِ ذاتِ حق ہیں پس حضرت سلطان ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ کو سب سے بڑا انعام یہ ملا کہ بارگاہِ کبریا کی لذّتِ قرب حاصل ہوگئی جس نے انھیں مست وبے خود کردیا۔

جانِ سلطاں جانِ عارف ہوگئی

حضرت عارف رومی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں ؎

گر بہ بینی یک نفَس حسنِ وَدُود
اندر آتش افگنی جانِ وَدُود

ترجمہ : اے لوگو! اگر ایک لمحے کو بھی تم اپنے باطن میں حق تعالیٰ کی تجلّیاتِ قرب کا مشاہدہ کرلو تو اپنی پیاری اور محبوب جان کو عشقِ الٰہی میں آتشِ مجاہدات کی نذر کردو۔ یعنی حق تعالیٰ شانہٗ کی رضا کے لیے ہر مجاہدہ اور محنت کو برداشت کرنے کے لیے تیار ہوجاؤگے اور عمر بھر کے واسطے اللہ تعالیٰ کے کسی عاشقِ صادق کی غلامی قبول کرلوگے اوراس کے حضور میں مضطربانہ یہ درخواست کروگے ؎

عشقِ حق کی آگ سے سینہ مرا بھر دیجیے

گر بہ بینی کرّوفرِّ قرب را
جیفہ بینی بعد ازیں شرب را

اگر حق تعالیٰ کے قرب کی شان وشوکت تم دیکھ لو تو اس کے سامنے تمام کائنات مع اپنی

لذّتوں کے ہیچ اور مردار معلوم ہو۔

چو سلطانِ عزت علم بر کشد
جہاں سر بجیبِ عدم در کشد

جب وہ سلطانِ حقیقی اپنی عزت وشوکت کا جھنڈا بلند فرماتا ہے یعنی جس دل پر وہ اپنی شان وشوکت کو ظاہر فرمادیتا ہے تو سارا جہاں جیبِ عدم میں اپنا سر ڈال دیتا ہے اور عظمتِ الٰہیہ کے سامنے کائنات بے قدر معلوم ہوتی ہے۔ جس دل کو اللہ تعالیٰ اپنے کرمِ خاص سے نوازتے ہیں دنیا کی فنائیت کو اس پر ظاہر فرمادیتے ہیں اور اس بصیرتِ قلب اور استحضارِ فنائیت سے مجاہدات اس بندے پر آسان ہوجاتے ہیں جن کی بدولت وصول الی اللہ نصیب ہوجاتا ہے۔ عادت اللہ تو یہی ہے کہ بندہ پہلے ریاضت ومجاہدہ کرتا ہے پھر وصول الی اللہ نصیب ہوجاتا ہے لیکن کبھی حق تعالیٰ اپنی شانِ قدرت یوں بھی ظاہر فرماتے ہیں کہ غافل بندے کو اپنی طرف جذب فرمالیتے ہیں۔ جس کی علامت یہ ہوتی ہے کہ بندے کو ایک کشش اور کیفیتِ انس ومحبت حق تعالیٰ کی طرف محسوس ہوتی ہے۔ یہی طریقِ جذب ہے جس میں وصول الی اللہ پہلے ہوتا ہے پھر اس بندے کو مجاہدات وعبادات کا شوق پیدا ہوتا ہے۔ حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ پر بھی حق تعالیٰ کی اسی شانِ جذب واجتباء کا ظہور ہوا تھا جس کے بعد سلطنت وحکومت ان کے دل میں بے حقیقت ہوگئی۔ غرض اللہ والے اپنے باطن میں حق تعالیٰ کا خصوصی قرب وتعلّق محسوس کرتے ہیں اور اس نعمت کے سبب وہ دنیائے مردار کی فانی لذّتوں سے مستغنی ہوجاتے ہیں۔ اللہ والوں سے پوچھو کہ ان کے دلوں کو کیا لذت نصیب ہے۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں ؎

رخِ زرّینِ من منگر کہ پائے آہنیں دارم
چہ میدانی کہ در باطن چہ شاہے ہمنشیں دارم

اے لوگو! میرے زرد چہرے کو دیکھ کر یہ خیال مت کرنا کہ میں تکلیف اور نقصان میں ہوں۔ جسم کمزور سہی لیکن پیر آہنی رکھتا ہوں کہ دنیا کی کوئی طاقت بفضلِ خدا میرے

قدموں کو راہِ استقامت سے نہیں ہٹا سکتی۔ تم کو کیا معلوم کہ میرے باطن کو احکم الحاکمین کی ذاتِ پاک کی معیتِ خاصہ حاصل ہے۔

خاصانِ خدا اگرچہ خستہ حال وپراگندہ بال ہوتے ہیں مگر ان کی شخصیت باعتبارِ روحانیت کے لاکھوں انسانوں سے فائق تر ہوتی ہے۔ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ حق تعالیٰ کی طرف سے حکایۃً فرماتے ہیں کہ:

ہاں و ہاں ایں دلق پوشانِ من اند
صد ہزار اندر ہزاراں یک تن اند

اے لوگو! خبر دار ہو جاؤ، خوب غور سے سن لو یہ گدڑی پوش ہمارے بہت ہی خاص بندے ہیں۔ ہمارے نزدیک ان کا ایک خستہ و شکستہ جسم لاکھوں اجسامِ انسانیہ سے برتر اور فائق تر ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انھوں نے اپنی مٹی کو تعلّق مع اللہ کی برکت سے قیمتی بنالیا اس لیے ان کے ایک جسم کی مٹی اللہ تعالیٰ کے نزدیک لاکھوں غافل و نافرمان انسانوں کے اجسام سے زیادہ محبوب و پسندیدہ ہوگئی۔ ورنہ خالی جسم کی اللہ تعالیٰ کے نزدیک کوئی قیمت نہیں۔ جسم کیا ہے؟ ایک شیشی ہے، یہی شیشی دو آنے کی ہے اگر اس میں عطر نہ ہو اور یہی شیشی ایک لاکھ روپے کی ہے اگر اس میں اس قیمت کا عطر ڈال دیا جائے۔ جس قیمت کا عطر ہوگا شیشی بھی اسی قیمت میں بک جائے گی۔ پس اس جسم کی قیمت جب ہی بڑھتی ہے جب اس میں تعلّق مع اللہ کا عطر آجاتا ہے۔ جتنا قیمتی یہ عطر ہوتا ہے اتنی ہی یہ شیشی بھی قیمتی ہوجاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضورِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کا جسدِ اطہر جس جگہ مدفون ہے زمین کا وہ ٹکڑا عرش و کرسی سے افضل ہے۔ پس کافر کا جسم بھی ایک مٹی ہے اور مؤمن کا جسم بھی ایک مٹی ہے۔ عناصرِ اربعہ دونوں میں ایک ہی ہیں لیکن ایک خالی مٹی ہے اور ایک میں خزانۂ تعلّق مع اللہ مدفون ہے۔ ایک خالی شیشی ہے اور ایک میں محبتِ الٰہیہ پوشیدہ ہے۔

پس مؤمن کے جسم وجان کی قیمت تو یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے اس کو اپنے قرب ورضا کے بدلے میں خرید لیا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ[۷]

تحقیق اللہ نے مول لی ہیں مسلمانوں سے جانیں ان کی اور مال ان کے بدلے اس کے کہ ان کے واسطے بہشت ہے اور کافر کے جسم کی قیمت یہ ہے کہ اسے جہنم کی آگ میں جلایا جائے گا اور ہمیشہ کے لیے حق تعالیٰ کے دیدار سے محروم کردیا جائے گا۔

کَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ یَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ[۸]

ہرگز نہیں تحقیق وہ اپنے رب سے اس دن حجاب میں ہیں۔ یہ عنوانِ سزا حق تعالیٰ کی شانِ محبوبیت پر دلالت کرتا ہے اس کے برعکس دنیا کے حکّام چوں کہ حکّامِ محض ہوتے ہیں، محبوب نہیں ہوتے۔ اس وجہ سے آج تک جب سے روئے زمین قائم ہے، کسی سلطان یا حاکم نے مجرمین کو یہ سزا نہیں سنائی ہے کہ تم کو اس جرم کے سبب ہم اپنی صورت کے دیدار سے محروم اور محجوب کرتے ہیں لیکن حق تعالیٰ شانہٗ کفار سے یہ فرمائیں گے کہ تم اس قابل نہیں ہو کہ ہم تمھیں اپنی رؤیت (دیدار) سے مشرف کریں اور کس انداز سے فرمائیں گے؟ کَلَّا یعنی ہرگز نہیں اور صفتِ ربوبیت بیان فرمائی جو علتِ محبوبیت ہے۔

ذٰلِكَ مِمَّا خَصَّنِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی شَانُهٗ بِهٖ بِلُطْفِهٖ

پس جس جسم کے باطن میں حق تعالیٰ کا قرب و تعلّق نہیں وہ جسم احسنِ تقویم سے اسفل السافلین میں پہنچ گیا اور حق تعالیٰ کے نزدیک وہ قارورہ سے بدتر ہے۔

مولانا رومی فرماتے ہیں ؎

آں زجاجے کو نہ دارد نورِ جاں
بولِ قارورہ است قندیلش مخواں

وہ قلب جس کے اندر حق تعالیٰ کا نور نہیں ہے اس کو قندیل مت کہو۔ دنیائے مردار کی

---

۷ التوبة:۱۱۱
۸ المطففین:۱۵

محبت اور حق تعالیٰ سے غفلت کے باعث وہ مثلِ قارورہ کی شیشی کے ہے جس میں پیشاب بھرا ہوا ہے، پس غفلت زدہ قلب کو قندیل کہنا اور اس کی تعریف کرنا درست نہیں ہے۔ پس ایسے لاکھوں انسانوں کے اجسام کے مقابلے میں ایک صاحبِ نور کا جسم افضل ہوتا ہے۔

تو حق تعالی کے خاص بندے دنیا کی محبت سے آزاد اور حق تعالیٰ کی محبت کے گرفتار ہوتے ہیں۔ اس جگہ دنیا کا مفہوم بھی سمجھ لینا چاہیے۔ ہر وہ چیز دنیا ہے جو خدا سے غافل کر دے۔ اگر رئیس کو اس کی ریاست اللہ تعالیٰ سے غافل کر دیتی ہے تو یہ ریاست دنیا ہے۔ اگر مفلس کو اس کا افلاس خدا تعالیٰ سے غافل کر دے تو یہ افلاس بھی دنیا ہے۔ عینِ امارت و ریاست میں آدمی دیندار ہو سکتا ہے اور عینِ افلاس اور فقر میں آدمی بے دین ہو سکتا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ احکامِ خداوندی کو پسِ پشت ڈالنے والا دنیادار ہے۔ اگرچہ مفلس و قلّاش ہو۔ اسی طرح بادشاہ، سلطنت اور دولت کے باوجود اگر احکامِ خداوندی بجالاتا ہے تو وہ ولی ہے، ہرگز دنیادار نہیں۔

چیست دنیا؟ از خدا غافل بُدن
نے قماش و نقرہ و فرزند و زن
(رومیؒ)

مولانا رومی فرماتے ہیں کہ دنیا در اصل خدا سے غافل ہونے کا نام ہے، فرزند وزن، مال و دولت کا نام دنیا نہیں۔

دنیا کی مثال پانی کی سی ہے۔ جس طرح پانی کشتی کے نیچے کشتی کی روانی کا ذریعہ ہوتا ہے اور کشتی کے اندر داخل ہو جائے تو اس کی ہلاکت و تباہی کا سبب ہوتا ہے۔

آب در کشتی ہلاکِ کشتی است
آب اندر زیرِ کشتی پشتی است
(رومیؒ)

اسی طرح اگر دنیا دل کے باہر ہے یعنی بیوی بچے، مال و دولت غرض تمام تعلّقاتِ دنیویہ پر

اللہ تعالیٰ کا تعلّق ومحبّت غالب ہے تو یہ دنیا کچھ مضر نہیں بلکہ موجبِ قرب ورضائے الٰہی ہے لیکن اگر یہی دنیا دل میں داخل ہوگئی یعنی دنیا کی محبت حق تعالیٰ شانہٗ کی محبت پر غالب ہوگئی تو یہ دنیا باعثِ ہلاکت وبربادی ہے، کیوں کہ دل کو حق تعالیٰ شانہٗ نے خاص اپنے لیے پیدا فرمایا ہے۔ حدیثِ قدسی میں ہے کہ نہیں سمایا میں آسمانوں اور زمینوں میں لیکن مؤمن کے قلب میں مثل مہمان کے آجاتا ہوں۔ پس قلب ایک شاہی محل ہے جس میں صرف شہنشاہِ حقیقی کے سوا کسی کو سکونت زیبا نہیں۔ اگر شاہی محل میں کوئی بھنگی اور چمار کو ٹھرائے گا تو سخت ظالم اور مجرم اور مستحقِ سزا ہوگا پس دنیائے مردار کو دل کے باہر رکھو، دل کے اندر داخل نہ ہونے دو۔ اب یہ کیسے پتا چلے کہ دنیا دل میں داخل ہوگئی ہے یا نہیں؟ اس کی پہچان وعلامت یہ ہے کہ اگر آخرت کی تیاری اور خداوند تعالیٰ کی خوشنودی ورضاجوئی کی ہر وقت ہر قدم پر فکر ہے اور شریعت کے ہر قانون کو اپنی ہر دنیوی منفعت پر مقدم رکھتا ہے تو سمجھ لیجیے کہ دنیا اس شخص کے دل سے باہر ہے اور دنیا کی محبت سے اس کا دل خالی ہے اور اس کی دنیا ایسے شخص کے لیے باعثِ برکت اور باعثِ حیاتِ ابدی اور حیاتِ حقیقی ہوگی اور اگر مال ودولت اور بیوی بچوں کی محبت میں قانونِ شریعت کو پسِ پشت ڈال دیا ہے، حرام وحلال کی ذرا فکر نہیں، آخرت کی تیاری کا اہتمام نہیں اور ہر وقت کسبِ مال کی فکر غالب ہے تو سمجھ لینا چاہیے کہ ایسے شخص کے دل میں دنیا داخل ہوچکی ہے اور یہی دنیا باعثِ ہلاکت وبربادی ہے۔

ہمارے حضرت خواجہ صاحب مجذوبؒ رحمۃ اللہ علیہ خوب فرماتے ہیں ؎

کسبِ دنیا تو کر، ہوس کم کر

اس پہ تو دین کو مقدم کر

اہل اللہ اپنے کو ظاہری طور پر شکستہ حال رکھتے ہیں۔ ان کو اسی حال میں لطف آتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے یہ حضرات اپنے باطن میں ایک پُر شوکت باغِ قرب کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ ان کی باطنی شادابی ان کو ظاہری آرایش سے مستغنی رکھتی ہے۔ دیوارِ گلستان کو ظاہری نقش ونگار کی کیا حاجت ہے؟

ما اگر قلاش و گر دیوانہ ایم

مست آں ساقی و آں پیمانہ ایم

میں اگرچہ بظاہر مفلس و دیوانہ معلوم ہوتا ہوں لیکن حقیقت میں نہ مفلس ہوں، نہ دیوانہ، بلکہ اس ساقیٔ ازل یعنی اللہ تعالیٰ کی شرابِ محبت سے مست ہوں۔ حق تعالیٰ کی محبت اور یاد میں وہ مٹھاس اور شیرینی اور کیف و مستی ہے کہ کائنات کی تمام نعمتیں اس لذّتِ ذکر کے سامنے کوئی حقیقت نہیں رکھتی ہیں۔ جس کو حق تعالیٰ اپنی محبت کا مزہ چکھادیں اور اپنے ذکر کی حلاوت نصیب فرمادیں اس سے پوچھو کہ ایک بار اللہ کہنا کائنات کی تمام نعمتوں سے بڑھ کر لذیذ ہے یا نہیں؟

سر کے کٹنے کا مزہ یحییٰ علیہ السلام سے پوچھ

لطفِ تن چِرنے کا زکریا علیہ السلام سے پوچھ

سر کو رکھ دینے کا نیچے تیغ کے

لطف اس کا پوچھ اسماعیل علیہ السلام سے

اہلِ ظاہر اس لطف کا ادراک نہیں کرسکتے۔ حق تعالیٰ کی غیرت نے اپنے مقبولین کی اس باطنی دولت پر پردہ ڈال دیا ہے تاکہ غیر مخلص اور غیر طالب کو اس نعمت کی ہوا بھی نہ لگے۔ خزانے کو ویرانے میں مخفی کردیتے ہیں۔ ظاہری شکستہ حالی اور ویرانیٔ تن کے اندر نسبت مع اللہ کی عظیم دولت مخفی ہوتی ہے۔ بندہ اور معبود کے درمیان یہ رابطہ ایک راز ہوتا ہے جو دوسرے بندے سے نہاں ہوتا ہے۔

ہم تم ہی بس آگاہ ہیں اس ربطِ خفی سے

ہر بندے کی نسبت مع اللہ کا رنگ علیٰحدہ ہوتا ہے، ہر عاشق کی آہ الگ ہوتی ہے اور ہر ایک کا طریقۂ فریاد جدا ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک ولی دوسرے ولی کی باطنی کیفیات اور اس کے درد و آہ کی تفصیلاتِ کیف سے بے خبر ہوتا ہے۔ اگرچہ دونوں عاشقِ حق ہیں لیکن ہر عاشقِ صادق کی آہ الگ ہے۔

جو اور کے دل سے بھی نکلے وہ آہ ہماری آہ نہیں
جو درد ہمارے دل میں ہے اس درد کی کوئی تھاہ نہیں

(احسنؔ)

حضرت سلطان ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ نے جب اپنے باطن میں نسبت و تعلّق مع اللہ کا بدرِ کامل روشن دیکھ لیا تو کیا نتیجہ ہوا۔

جب مہر نمایاں ہوا سب چھپ گئے تارے
وہ ہم کو بھری بزم میں تنہا نظر آیا

تمام خواہشاتِ نفسانیہ اور ظاہری آرائشوں سے مستغنی ہوگئے۔ کہاں تاج و تختِ شاہی اور کہاں اب دریا کے کنارے بیٹھے ہوئے گدڑی سی رہے ہیں، ایک دن سلطنتِ بلخ کا وزیر اس طرف سے گزرا۔

دلق خود می دوخت آں سلطانِ جاں
یک امیرے آمد آں جانا گہاں

وہ سلطان اپنی گدڑی سیتا تھا کہ اچانک اس جگہ ایک امیر آپہنچا۔ بادشاہ کو اس حال میں دیکھ کر اس کورِ باطن نے انھیں حقارت کی نظر سے دیکھا اور دل میں سوچنے لگا کہ یہ کیا حماقت ہے۔

ترک کردہ ملکِ ہفت اقلیم را
میزند بر دلق سوزن چو گدا

ترجمہ: ہفت اقلیم کی سلطنت ترک کرکے مثل گداگروں کے گدڑی سی رہے ہیں۔
حضرت سلطان ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ کو بذریعۂ کشف علم ہوا کہ یہ شخص میری اس گدائی پر خندہ زن ہے۔ اس وقت آپ نے اپنی کرامت اور باطنی سلطنت کی شوکت کا اظہار فرمایا تاکہ امیر کو اپنے گمانِ فاسد پر ندامت ہو اور معلوم ہوجائے کہ حق تعالیٰ سے تعلّق کے بعد کیا نعمت حاصل ہوتی ہے۔ پس فوراً اپنی سوئی دریا میں پھینک دی اور

باآوازِ بلند دعا فرمادی کہ اے اللہ! میری سوئی عطا فرمادی جاوے۔ سطحِ دریا پر فوراً ایک لاکھ مچھلیاں نمودار ہوگئیں جن کے لبوں میں ایک ایک سونے کی سوئی تھی ۔

صد ہزاراں ماہیے اَللّٰھیے
سوزنِ زر برلبِ ہر ماہیے

سر برآوردند از دریائے حق
کہ بگیر اے شیخ سوز نہائے حق

ان مچھلیوں نے دریا سے اپنے سروں کو نکال کر عرض کیا کہ اے شیخ! اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ یہ سوئیاں قبول فرمایئے۔

جب اس امیر نے یہ کرامت دیکھی تو اپنے فاسد خیالات پر اور اپنی بے خبری پر سخت نادم ہوا اور شرمندگی وندامت سے ایک آہ کھینچی اور کہنے لگا ۔

ماہیاں از پیر آگہ مابعید
ماشقی از دولت وایشاں سعید

افسوس کہ مچھلیاں اس شیخِ کامل کے مقام سے آگاہ ہیں اور میں انسان ہو کر ناواقف ہوں۔ میں بدبخت اور اس دولت سے محروم ہوں اور مچھلیاں اس معرفت سے سعید و نیک بخت ہیں۔ یہ خیال کر کے اس امیر پر گریہ طاری ہوگیا، دیر تک روتا رہا اور اس گریۂ ندامت اور شیخِ کامل کی تھوڑی سی دیر کی صحبت کی برکت سے اس امیر کی کایاپلٹ گئی اور اللہ تعالیٰ کی محبت دل میں پیدا ہوگئی۔ اپنے خاص بندوں کی صحبت میں اللہ تعالیٰ نے یہی برکت رکھی ہے کہ شقاوت سعادت سے مبدل ہو جاتی ہے۔ حدیثِ پاک میں وارد ہے۔

لَا یَشْقٰی جَلِیْسُھُمْ[۹]

کہ خاصانِ خدا کے پاس کا بیٹھنے والا محروم و شقی نہیں رہ سکتا۔ ندامت اور گریہ کی بدولت امیر ایک آن میں کہاں سے کہاں پہنچ گیا۔

۹ صحیح البخاری: ۹۴۸/۲ (۶۴۴۳)، باب فضل ذکر اللہ تعالیٰ، المکتبۃ المظھریۃ

عاشقی پیدا است از زاریٔ دل
نیست بیماری چو بیماریٔ دل
(رومیؒ)

جب دل روتا ہے اس وقت دل میں محبت کا خمیر تیار ہوتا ہے اور دل کی اس مبارک بیماری کے مثل کوئی بیماری نہیں۔ بلکہ جس دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت نہ ہو وہ دل، دل ہی نہیں۔

شکر ہے دردِ دل مستقل ہو گیا
اب تو شاید مرا دل بھی دل ہو گیا

جب دردِ دل یعنی نسبت مع اللہ دل میں راسخ و مستقل ہو جائے تو سمجھو کہ اب درحقیقت یہ دل، دل کہلانے کا مستحق ہوا۔

حضرت سلطان ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ نے اس امیر کو اپنی کرامت دکھانے بعد ارشاد فرمایا کہ اے امیر! یہ سلطنت دل کی بہتر ہے یا وہ حقیر فانی سلطنت بلخ کی؟

ملکِ دل بہ یا چنیں ملکِ حقیر؟
ترجمہ: ملکِ دل بہتر ہے یا بلخ جیسی حقیر سلطنت؟

احقر نے اس مضمون کو یوں نظم کیا ہے۔

پھر کہا شاہِ بلخ نے اے وزیر
ملکِ دل بہ یا چنیں ملکِ حقیر؟
تھی بلخ کی سلطنت کس کام کی؟
زندگی ہے اب مری آرام کی
سلطنت کا شور و شر تھا دردِ سر
اب گدائی میں ہوں شاہِ بحر و بر

ذکر کی لذت سے مست و شاد ہوں
فکرِ ایں و آں سے اب آزاد ہوں
عشق کی ذلت بھی عزت ہوگئی
لی فقیری بادشاہت ہوگئی

شاہِ بلخ کی صحبت سے جب اس وزیر کو باطنی سلطنت حاصل ہوگئی تو اسی لمحہ وزارت سے دست بردار ہوگیا اور سلطان کے ساتھ صحرا نشینی اختیار کرلی۔ عمر بھر عقل کی غلامی کی تھی لیکن کام دیوانگی سے ہی بنا۔

آز مودم عقلِ دور اندیش را
بعد ازیں دیوانہ سازم خویش را
(رومیؒ)

عقلِ دور اندیش کو بہت آزمایا لیکن جب اس سے کام نہ بن سکا تو اس وقت میں نے خود کو دیوانہ بنالیا اور کام اسی سے بنا۔

رستے میں ان کے ہوش کی پونجی گنوایئے
کھو جایئے دیوانوں کی صورت بنایئے

ہر چہ غیرِ شورش و دیوانگی است
دررہِ حق دوری و بیگانگی است

محبت و دیوانگی و شورش کے علاوہ جو کچھ بھی ہے وہ سب دوری اور بیگانگی ہے۔

عاشقم من بر فنِ دیوانگی
سیرم از فرہنگ و از فرزانگی
(رومیؒ)

جب دیوانگی ہی کام آئی اور اسی سے محبوبِ حقیقی تک رسائی ہوئی تو میں اس فنِ دیوانگی پر عاشق ہوگیا ہوں اور عقل و ہوش سے سیر ہوچکا ہوں۔

نعرۂ مستانہ خوش می آیدم
تا ابد جاناں چنیں می بایدم
(رومیؒ)

اے محبوبِ حقیقی! آپ کی یاد میں نعرۂ مستانہ مجھے بہت اچھا معلوم ہوتا ہے۔ اے اللہ! قیامت تک مجھے اپنی محبت میں نالہ و فریاد کی توفیق عطا فرماتے رہیے۔

فائدہ: اس حکایت میں حق تعالیٰ کی محبت اور آخرت کی نعمت کا دنیا و مافیھا کی تمام نعمتوں سے افضل و احسن و اکبر ہونا بتلایا گیا ہے اور دنیائے فانی سے بے رغبتی کی تعلیم دی گئی ہے۔ حضرت مجذوبؒ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں ہے
یہ عبرت کی جا ہے، تماشا نہیں ہے

اور حضرت سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں ؎

اے نفس اگر بدیدۂ تحقیق بنگری
درویشی اختیار کنی بر تونگری

اے نفس! اگر تو غور کرے تو عقلاً یہی فیصلہ کرنے پر مجبور ہو گا کہ مالداری پر درویشی کو اختیار کرلوں۔

نگاہِ تحقیق یہ ہے کہ ایک دن دنیا سے رخصت ہونا ہے اور مرنے کے بعد فقیر اور بادشاہ قبر میں برابر ہو جاتے ہیں ؎

ہندی و قپچاقی و رومی و حبش
جملہ یک رنگ اند اندر گور خوش
ایں شراب و ایں کباب و ایں شکر
خاکِ رنگین است جملہ اے پسر!

ترجمہ: ہندی و قپچاتی، رومی اور حبشی قبرستان میں پہنچ کر ایک رنگ ہو جاتے ہیں یعنی

سب خاک ہو جاتے ہیں۔ یہ شراب و کباب اور شکر دراصل خاک ہی سے ہیں مگر خاک کو رنگین کر دیا ہے اے لڑکے!

حکایت پیر چنگی رحمۃ اللہ علیہ

خلافتِ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ایک شخص خوش الحان چنگ بجایا کرتا تھا۔ اس کی آواز پر مرد، عورت اور بچے سب قربان تھے۔ اگر کبھی مست ہو کر گاتا ہوا جنگل سے گزر جاتا تو چرند پرند اس کی آواز سننے کے لیے جمع ہو جاتے۔ رفتہ رفتہ جب یہ بوڑھا ہوا اور آواز پیری کے سبب بھدّی ہو گئی تو عشّاقِ آواز بھی رفتہ رفتہ کنارہ کش ہو گئے۔ اب جدھر سے گزرتا ہے کوئی پوچھنے والا نہیں۔ نام و شہرت سب رخصت ہو گئے اور ویرانۂ گم نامی میں مثل بوم ٹکرانے لگا اور فاقوں پر فاقے گزرنے لگے۔ خلق کی اس خود غرضی کو سوچ کر ایک دن بہت مغموم ہوا اور دل میں کہنے لگا کہ اے خدا! جب میں خوش آواز تھا تو مخلوق مجھ پر پروانہ وار گرتی تھی اور ہر طرف میری خاطر تواضع ہوتی تھی۔ اب بڑھاپے سے آواز خراب ہو گئی تو یہ ہوا پرست اور خود غرض لوگ میرے سایہ سے بھی گریزاں ہو گئے۔ ہائے ایسی بے وفا مخلوق سے میں نے دل لگایا۔ یہ تعلق کس درجہ پُر فریب تھا۔ کاش! میں آپ کی طرف رجوع ہوا ہوتا اور اپنے شب و روز آپ ہی کی یاد میں گزارتا اور آپ ہی سے امیدیں رکھتا تو آج یہ دن نہ دیکھتا۔ پیر چنگی دل ہی دل میں نادم ہو رہا تھا اور آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے کہ اچانک جذبِ غیبی نے اس کے دل کو اپنی طرف کھینچ لیا۔

جو گرے ادھر زمیں پر مرے اشک کے ستارے
تو چمک اُٹھا فلک پر مری بندگی کا تارا
(اخترؔ)

پیر چنگی نے ایک آہ کھینچی اور خلق سے منہ موڑ کر دیوانہ وار مدینہ منوّرہ کے قبرستان کی

طرف روانہ ہو گیا اور ایک پرانی و شکستہ قبر کے غار میں جا بیٹھا۔ روتے ہوئے اس نے حق تعالیٰ سے عرض کیا کہ اے اللہ! آج میں تیرا مہمان ہوں۔ جب ساری مخلوق نے مجھے چھوڑ دیا تو اب بجز تیری بارگاہ کے میرے لیے کوئی پناہ گاہ نہیں ہے اور بجز تیرے کوئی میری اس آواز کا خریدار نہیں ہے، اے اللہ! آشنا بیگانے ہو چکے اور اپنے پرائے ہو چکے، اب سوائے آپ کے میری کوئی پناہ گاہ نہیں ہے، اے اللہ! میں بڑی امیدیں لے کر آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوا ہوں۔ اپنی رحمت سے آپ مجھے نہ ٹھکرائیے۔ احقر نے اس مضمون کو اپنی مثنوی میں یوں بیان کیا ہے ؎

پیر چنگی نے دعا کی اے خدا!
خلق پروانہ تھی جب تھا خوشنوا

اب تمسخر ہے مری آواز کا
رائگاں ہے فن یہ چنگ و ساز کا

اب مدد مجھ کو تیری درکار ہے
فنِ موسیقی مرا بے کار ہے

آشناں ہیں مثل اب بیگانگاں
درسِ عبرت ہے مری سب داستاں

پیر چنگی گرچہ بدکردار ہے
پر بڑی عالی تری سرکار ہے

”اے پناہِ ما حریمِ کوئے تو
من بامیدے رسیدم سوئے تو“

کوئی دروازہ نہیں تیرے سوا
چھوڑ کر تجھ کو کہاں جاؤں بھلا ؟

ناخنِ تدبیر گھس جانے کے بعد
پردۂ اسباب جل جانے کے بعد

پس تری جانب ہے اب میری نگاہ
ناؤ میری پار ہو از فضلِ شاہ

(من فیوضِ مرشدیؒ)

پرانی قبر کے اس غار میں پیر چنگی اس طرح آہ وزاری میں مشغول تھا اور آنکھوں سے خونِ دل بہہ رہا تھا کہ حق تعالیٰ کا دریائے رحمت جوش میں آگیا اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو الہام ہوا کہ اے عمر! میرا فلاں بندہ جو اپنی خوش آوازی کے سبب زندگی بھر مخلوق میں مقبول و محبوب رہا ہے اور اب بوجہ پیری آواز خراب ہو جانے سے ساری خلقت نے اسے چھوڑ دیا ہے اور یہ قطعِ سلسلۂ اسباب اور غمِ ناکامی اس کی ہدایت کا اور میری طرف رجوع کا سبب بن گیا ہے تو اب میری رحمتِ واسعہ اس کی خریدار ہے۔

قبول است گرچہ ہنر نیست است
کہ جز ما پناہِ دگر نیست است

اگرچہ زندگی بھر وہ نافرمان وغافل رہا ہے لیکن میں اس کی آہ وزاری کو قبول کرتا ہوں۔ کیوں کہ میری بارگاہ کے علاوہ میرے بندے کے لیے کوئی اور جائے پناہ نہیں۔ پس اے عمر! آپ بیت المال سے کچھ معتدبہ رقم لے کر اس قبرستان میں جائیے اور میرے بندۂ عاجز ومضطر کو میرا اسلام پیش کیجیے۔ پھر یہ رقم پیش کرکے کہہ دیجیے کہ آج سے حق تعالیٰ نے تجھے اپنا مقرب بنالیا ہے اور اپنے فضل کو تیرے لیے خاص کردیا ہے۔ اب تجھے ملولِ خاطر ہونے کی ضرورت نہیں نہ ہی مخلوق کے سامنے ہاتھ پھیلانے کی ضرورت ہے۔ اے عمر! میرے اس بندے سے کہہ دو کہ حق تعالیٰ نے ہمیشہ کے لیے غیب سے تیری روزی کا انتظام کردیا ہے۔

عرش تک پہنچی تیری آہ و بکا
مشتری تیرا ہے خود ربّ العُلاء
تیرے نالوں میں جو ہے خونِ جگر
تیری آہوں میں جو ہے دردِ جگر
گریۂ غم ناک تیرا ہے قبول
رنجِ فاقہ سے نہ ہو تو اب ملول
جذبِ حق سے تو ہوا خاصِّ خدا
پھینک دے اب چنگ و سازِ دلربا
”آدما معنیٔ دلبندم بجوئے
ترک قشر و صورت گندم بگوے“

(من فیوضِ مرشدیؒ)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جس وقت ہاتفِ غیبی سے یہ آواز سنی تو بے چین ہوگئے۔ فوراً اٹھے اور بیت المال سے کچھ رقم لے کر قبرستان کی طرف چل دیے۔ وہاں پہنچ کر دیکھتے ہیں کہ ایک فرسودہ وشکستہ قبر کے غار میں ایک بڈھا چنگ لیے ہوئے سو گیا ہے اور اس کا چہرہ و داڑھی آنسوؤں سے تر ہے۔ اور اسی اشکِ ندامت سے اس کو یہ مقام ملا۔ اسی کو مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

پیر چنگی کے بود خاصِّ خدا ؟
حَبَّذا! اے سرِّ پنہاں حبّذا

چنگ بجانے والا بڈھا کب خاص اور مقبول ہو سکتا تھا۔ مبارک ہو اے رازِ پنہاں! مبارک ہو۔ اسی قدرت کو صاحبِ گلزار ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

اہلیہ لوطِ نبی ہو کافرہ
زوجۂ فرعون ہو وے طاہرہ

لاوے بت خانے سے وہ صدیق کو
کعبہ میں پیدا کرے زندیق کو

زادۂ آزر خلیل اللہ ہو
اور کنعان نوحؑ کا گمراہ ہو

خلیفۂ وقت حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اس قبرِ کہنہ کے سامنے باادب کھڑے ہوئے انتظار فرمارہے تھے کہ پیر چنگی بیدار ہوں تو ان سے حق تعالیٰ کا سلام وپیام عرض کروں۔ اسی اثناء میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو چھینک آگئی جس سے پیر چنگی کی آنکھ کھل گئی۔ خلیفۃ المسلمین کو دیکھ کر غلبۂ ہیبت سے وہ کانپنے لگے کہ اس چنگ کی وجہ سے نہ جانے مجھ پر کتنے دُرّے پڑیں گے کیوں کہ عہدِ خلافتِ عمر رضی اللہ عنہ میں دُرّۂ فاروقی کی شہرت تھی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جب دیکھا کہ پیر چنگی لرزہ بر اندام ہیں تو ارشاد فرمایا کہ خوف مت کرو، میں تمہارے رب کی طرف سے تمہارے لیے بہت بڑی خوش خبری لایاہوں اور ارشاد فرمایا۔

از مثنوی احقر اخترؔ

دُرّۂ فاروق اس پر کیوں پڑے؟
مُنْفَعِل ہو کر جو رب سے رو پڑے

حق تعالیٰ نے مجھے الہام سے
کردیا آگاہ تیرے نام سے

اور دکھلایا مجھے تیرا مقام
تاکہ حاضر ہو سکوں جائے قیام

حق تعالیٰ نے تجھے اپنا سلام
مجھ سے فرمایا ہے اے عبدِ کرام!

اور فرمایا ہے اس سے یہ کہو
میں نے تجھ کو چن لیا اے خوش گلو!

اور فرمایا کہ بیت المال سے
کچھ رقم لے جا تو اس کے واسطے

مادراں را مہر من آموختم
چوں بود شمعے کہ من افروختم

موکشیدہ آمدہ در کوئے من
آفریں بردست و بر بازوئے من

(من فیوضِ مرشدیؒ)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زبانِ مبارک سے پیر چنگی کو جب حق تعالیٰ کے الطاف و عنایات اور افضال کا علم ہوا تو اس مشاہدۂ رحمتِ ذخّار سے اس پر شکر و ندامت کا حال طاری ہو گیا۔ اسی کو مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

پیر لرزاں گشت چوں ایں را شنید
دست می خائید و بر خود می تپید

بانگ می زد کائے خدائے بے نظیر!
بس کہ از شرم آبِ شر بے چارہ پیر

چوں بسے بگریست و از حد رفت درد
چنگ را زد بر زمیں و خردہ کرد

گفت اے بودہ حجابم از الٰہ
اے مرا تو راہ زن از شاہراہ

اے بخوردہ خونِ من ہفتاد سال
اے ز تو رویم سیہ پیشِ کمال

مولانا فرماتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی زبانِ مبارک سے پیر چنگی کو جب حق تعالیٰ کے الطاف وعنایات اور عطائے انعامات کا علم ہوا تو غلبۂ حیرت و شکر اور ندامت سے کانپنے لگا، اپنے ہاتھ کو ندامت سے چبانے لگا اور اپنے اوپر غصہ ہونے لگا۔ اپنی غفلت اور حق تعالیٰ کی رحمت کا خیال کرکے ایک چیخ ماری اور کہا کہ اے میرے آقائے بے نظیر! اپنی نالائقی اور غفلت کے باوجود آپ کی رحمتِ بے مثال کو دیکھ کر میں شرم سے پانی پانی ہورہا ہوں۔ جب پیر چنگی خوب رو چکا اور اس کا درد حد سے گزر گیا تو اپنے چنگ کو غصے سے زمین پر پٹک کر ریزہ ریزہ کردیا اور اس کو مخاطب کرکے کہا کہ تو نے ہی مجھے حق تعالیٰ کی محبت و رحمت سے محجوب رکھا تھا، تو نے ہی شاہراہِ حق سے میری راہ زنی کی تھی اور تو نے ہی ستر سال تک میرا خون پیا۔ یعنی تیرے ہی سبب لہو ولعب اور نافرمانی کرتے کرتے بوڑھا ہوگیا اور تیرے ہی سبب میرا چہرہ حق تعالیٰ کے سامنے سیاہ تھا۔

اس مردِ پیر کی گریہ وزاری اور آہ وبکاء سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا کلیجہ منہ کو آرہا تھا اور آپ کی آنکھیں اشکبار ہورہی تھیں۔ آپ نے فرمایا کہ اے شخص! تیری گریہ وزاری تیری باطنی ہوشیاری کی دلیل ہے، تیری جان حق تعالیٰ کے قرب سے زندہ اور روشن ہوگئی ہے کیوں کہ حق تعالیٰ کی بارگاہ میں گناہ گار کے آنسوؤں کی بڑی قیمت ہے ؎

اے جلیل اشک گنہ گار کے اک قطرہ کو
ہے فضیلت تری تسبیح کے سو دانوں پر

کہ برابر می کند شاہی مجید
اشک را در وزن با خونِ شہید

(رومیؒ)

حق تعالیٰ گناہ گار بندے کے ندامت سے نکلے ہوئے ایک آنسو کو شہید کے قطرۂ خون سے ہم وزن رکھتے ہیں۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی صحبتِ مبارکہ کے فیض سے پیر چنگی پیرِ طریقت ہوگئے اور اکابر اولیاء اللہ کی صف میں داخل ہوگئے۔

فائدہ: اس واقعے سے معلوم ہوا کہ انسان کو اپنی کسی بدحالی کی وجہ سے ناامید نہ ہونا چاہیے اور ہمیشہ حق تعالیٰ کی رحمت سے امیدوار رہنا چاہیے۔

اس واقعے سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ کے سوا جتنے تعلقات ہیں سب فانی ہیں اور ان میں کچھ بوئے وفا نہیں۔ صرف حق تعالیٰ ہی کی ذاتِ پاک ایسی کریم اور حی و قیوم ہے جو ہر حال میں اپنے بندوں کی خریدار ہے۔ البتہ وہ محبت اور تعلق جو کسی کو کسی سے صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہو وہ حق تعالیٰ ہی کی محبت میں داخل ہے۔

حکایتِ چرواہا و حضرت موسیٰ علیہ السلام

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں ایک مجذوب اور خدا تعالیٰ کا عاشقِ صادق بکریاں چرایا کرتا تھا اور پہاڑوں کی گھاٹیوں میں مخلوق سے دور عشقِ الٰہی میں چاکِ گریباں روتا پھرتا تھا اور حق تعالیٰ سے درخواست کرتا تھا کہ اے خدا! اے میرے اللہ! آپ مجھ کو کہاں ملیں گے؟ اگر آپ مجھ کو مل جاتے تو میں آپ کا نوکر ہو جاتا اور آپ کی گدڑی سیا کرتا اور آپ کے سر میں کنگھی کیا کرتا اور آپ کو کبھی بیماری پیش آتی تو میں آپ کی خوب غم خواری کرتا، اے اللہ! اگر میں آپ کا گھر دیکھ لیتا تو صبح و شام آپ کے لیے گھی دودھ لایا کرتا اور آپ کے ہاتھ کو بوسہ دیتا اور آپ کے پیروں کی مالش کرتا اور جب آپ کے سونے کا وقت ہو جاتا تو آپ کے سونے کی جگہ کو جھاڑو سے خوب صاف کرتا، اے اللہ! آپ کے اوپر میری تمام بکریاں قربان ہوں، اے اللہ! بکریوں کے بہانے سے میں جو الفاظ ہائے ہائے کرتا ہوں وہ دراصل آپ کی محبت کی تڑپ میں

کرتا ہوں۔ بکریاں تو صرف بہانا ہیں۔ الغرض وہ چرواہا حق تعالیٰ سے اپنا اضطرابِ عشق اس طور سے بیان کر رہا تھا جس کو احقر نے اس انداز سے مثنوی کی بحر میں نظم کیا ہے۔

ایک چرواہے کی ہے یہ داستاں
حضرتِ موسیٰؑ نبی تھے جس زماں

اپنے خالق کی اسے تھی جستجو
دامنِ دشت و بیاباں کو بکو

گھل رہا نالۂ غم ناک سے
جل رہا تھا عشقِ حق کی آگ سے

چاکِ داماں سینہ بریاں چشمِ تر
جذبِ حق سے پھر رہا تھا در بدر

چشمِ تر سے گریۂ خوں تھا رواں
کر رہا تھا عشق سے آہ و فغاں

ایک دن چرواہا یادِ یار میں
رو رہا تھا دامنِ کہسار میں

کہہ رہا تھا اے خدائے دوجہاں!
کس طرح سے میں تجھے پاؤں کہاں؟

اپنے ملنے کا پتا کوئی نشاں
تو بتادے مجھ کو اے شاہِ جہاں!

بن ترے دل کو سکوں ملتا نہیں
پر مجھے تیرا پتا ملتا نہیں

ہر گلستاں خار ہے تیرے بغیر
زندگی اک نار ہے تیرے بغیر

بن ترے آوازِ بلبل خوش نوا
کان میں جیسے ہے زاغوں کی صدا

بِن ترے کہسار کی یہ وادیاں
پھاڑ کھاتی ہیں یہ سب گلکاریاں

یہ زمین و آسماں شمس و قمر
یہ گلستان و بیاباں بحر و بر

خوش نہیں آتے مجھے تیرے بغیر
کس طرح آخر جیئوں تیرے بغیر ؟

تجھ کو گر پاتا خداوندا مرے
دابتا ہر روز دست و پا ترے

روغنی روٹی کھلاتا میں تجھے
آبِ شیریں بھی پلاتا میں تجھے

اور پلاتا دودھ تجھ کو صبح و شام
بکریوں کا اپنی اے ربِّ انام !

اس طرح وہ چرواہا محبت کی باتیں اپنے رب سے کررہا تھا کہ اچانک حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اس طرف سے گزر ہوا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب یہ باتیں سنیں تو ارشاد فرمایا کہ اے چرواہے! کیا حق تعالیٰ کو نوکر کی ضرورت ہے؟ یا ان کا کوئی سر ہے کہ تو ان کے بالوں میں کنگھا کرے گا، یا ان کو بھوک لگتی ہے کہ تو ان کو بکریوں کا دودھ پلائے

گا؟ حق تعالیٰ کیا بیمار ہوتے ہیں جو تو ان کی غم خواری کرے گا؟

اے جاہل! حق تعالیٰ کی ذات نقصان و احتیاج کی تمام باتوں سے پاک اور منزہ ہے تو جلدی توبہ کر۔ تیری ان باتوں سے کفر لازم آتا ہے، بے عقل کی دوستی عین دشمنی ہوتی ہے۔ حق تعالیٰ تیری ان خدمات سے بے نیاز ہیں۔

اس چرواہے نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی یہ باتیں سنیں تو بہت شرمندہ ہوا اور غلبۂ خوف و یاس اور شدتِ حزن و اضطراب سے گریبان پھاڑ ڈالا اور روتا ہوا جنگل کی طرف بھاگ گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی نازل ہوئی کہ۔

تو برائے وصل کردن آمدی

نے برائے فصل کردن آمدی

(رومیؒ)

اے موسیٰ تم نے میرے بندے کو کیوں مجھ سے جدا کر دیا۔ تم کو میں نے بندوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لیے بھیجا ہے نہ کہ جدا کرنے کے لیے۔ تمہارا اصل کام وصل کا تھا نہ کہ فصل کا۔

از مثنوی احقر اختر

وحی آئی سوئے موسیٰؑ از خدا

کیوں کیا تم نے مرا بندہ جدا؟

ہے ادب یہ واسطے اہلِ خرد

آہ! چرواہا تھا کب اہلِ خرد؟

موسیا آدابِ دانا دیگر اند

سوختہ جان و رواناں دیگر اند

تو ز سرمتاں قلاوزی مُجو

جامہ چاکاں را چہ فرمائی رفو

چاک ہیں جن کے لباس از عشقِ حق
رفو کا ان کو نہیں ہے امرِ حق

کس طرف وہ میرا پروانہ گیا؟
کس طرف وہ میرا دیوانہ گیا ؟

عشق کو گرچہ نہ ہو عقل و تمیز
لیک صدہا عقل ہیں اس کی کنیز

گرچہ ظاہر میں ادب سے دور تھا
لیک دل اس کا مرا رنجور تھا

خوں شہیداں را از آب اولیٰ تر است
ایں خطا از صد ثواب اولیٰ تراست

ظاہراً گو لفظ گستاخی کے تھے
لیک معنیً عشق و جانبازی کے تھے

اپنے دیوانے کی باتیں موسیا
ڈھونڈتی ہے بارگاہِ کبریا

ہر کسے را سیرتے بنہادہ ام
ہر کسے را اصطلاحے دادہ ام

فائدہ: اس حکایت سے معلوم ہوا کہ کسی کو نصیحت کرتے وقت یہ بھی سمجھنا چاہیے کہ ممکن ہے وہ اللہ کے نزدیک مقبول ہو۔ کیوں کہ بعض بندے مخلص اور عاشق ہوتے ہیں اور نافرمانیوں سے بالکل محفوظ ہوتے ہیں لیکن ظاہری طور پر ان کے الفاظ آدابِ الوہیت کے منافی ہوتے ہیں اور یہ ان کا جوشِ عشق ہوتا ہے۔ ترکِ ادب نہیں ہوتا جیسا

کہ حضرت عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ نے مثنوی میں ایک دوسری جگہ ارشاد فرمایا ہے ؎

گفتگوئے عاشقاں در کارِ رب
جوششِ عشق است نے ترکِ ادب

پس نصیحت کرتے وقت اعتدال کو ملحوظ رکھنا چاہیے۔ اتنا زجر و عتاب نہ کرے کہ مایوسی پیدا ہو جائے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے اس مجذوب کے اقوال پر بوجۂ صاحبِ شریعت ہونے کے نفسِ عتاب ضروری تھا۔ تنبیہِ حق کا مقصد تعلیم سے روکنا نہ تھا بلکہ طریقۂ تعلیم کی اصلاح تھی۔ اس لیے جہال صوفیا کا اس واقعے سے علمائے شرع کی نکیر اور اصلاح سے نہ تو گریز جائز ہو گا اور نہ اپنے کو علمائے شریعت سے افضل سمجھنا۔ علماء کا مقام بڑا مقام ہے خدائے تعالیٰ کے یہاں۔

قصّۂ حضرت لقمان علیہ السلام

حضرت لقمان علیہ السلام کسی رئیس کے یہاں نوکری کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کی محبت اور معیت سے ان کے اندر ایسے پاکیزہ اور عالی اخلاق وعادات موجود تھے جو انسانیت کی رفعت و شرافت و مقبولیت عند اللہ کے صحیح مصداق تھے اور جن کی تفصیل و تشریح حق تعالیٰ شانہٗ نے سورۂ لقمان میں بیان فرمائی ہے۔

حضرت لقمان علیہ السلام کے ان اخلاقِ عالیہ کا ان کے آقا پر گہرا اثر ہوا یہاں تک کہ اس رئیس نے ان کو اپنا مقرب و محبوب بنالیا اور خود ان کا محبّ اور باطناً غلام بن گیا ؎

از محبت شاہ بندہ می شود
(رومیؒ)

یہ محبت کی کرامت ہے کہ محبت سے بادشاہ اپنے محبوب کا غلام بن جاتا ہے۔ پھر اس رئیس کا یہ معمول ہو گیا کہ ہر نعمت کھانے سے پہلے حضرت لقمان علیہ السلام کی خدمت میں پیش کرتا اور جب لقمان علیہ السلام آسودہ ہو کر کھالیتے تو بچا ہوا یہ رئیس کھاتا۔

حضرت لقمان علیہ السلام اس رئیس کی محبت وعادت کی رعایت سے کھالینے کے بعد بقیہ اس کے لیے بھیج دیا کرتے۔ ایک دن آقا کی خدمت میں کہیں سے خربوزہ آیا، اس وقت حضرت لقمان علیہ السلام موجود نہ تھے، رئیس نے ایک غلام کو بھیجا کہ حضرت لقمان علیہ السلام کو بلالاؤ، جب حضرت لقمان علیہ السلام تشریف لائے تو رئیس نے اپنے ہاتھ سے اس خربوزے کی قاشیں بنائیں اور ایک ایک قاش محبت سے کھلاتا جاتا تھا اور دل ہی دل میں مسرور ہورہا تھا کہ میری اس محبت کا ان پر کیا اثر ہورہا ہوگا۔

حضرت لقمان علیہ السلام خوشی خوشی ہر قاش کھاتے اور شکر بجالاتے یہاں تک کہ سترہ قاشیں کھالیں اور ایک قاش باقی رہ گئی تو اس رئیس نے کہا کہ اس کو میں کھاؤں گا تاکہ دیکھوں کہ یہ خربوزہ کتنا شیریں تھا۔ یہ کہہ کر اس نے قاش کو منہ میں رکھا ہی تھا کہ اس کی تلخی سے نوکِ زبان سے حلق تک آبلے پڑگئے اور ایک گھنٹے تک بے ہوش رہا۔ جب افاقہ ہوا تو حضرت لقمان علیہ السلام سے عرض کیا کہ اے جانِ جاں! آپ نے کس طرح اس خربوزے کو حلق سے فرو کیا؟ اور اس قہر کو کس طرح لطف سمجھا؟ جب ایک قاش کھانے پر مجھ پر یہ بلا آئی تو سترہ قاشوں کو آپ نے کس طرح برداشت کیا؟

حضرت لقمان علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ اے خواجہ! آپ کے دستِ نعمت سے صدہا نعمتیں کھائی ہیں جن کے شکر کے بوجھ سے میری کمر خمیدہ ہورہی ہے۔ پس مجھے اس بات سے شرم آئی کہ جس ہاتھ سے اس قدر نعمتیں ملی ہوں اسی ہاتھ سے آج اگر ایک تلخی عطا ہورہی ہے تو اس سے انحراف وروگردانی کروں۔ اے خواجہ! شکر عطا فرمانے والے! آپ کے ہاتھ کی لذت نے اس خربوزے کی تلخی کو شیرینی سے مبدل کردیا۔

لذتِ دست شکر بخش تو داشت
اندریں بطیخ تلخی کے گزاشت

فائدہ: احقر اختر عفا اللہ عنہ (رحمۃ اللہ علیہ) عرض کرتا ہے کہ میرے مرشد حضرت مولانا شاہ پھولپوری قدس سرہ العزیز اپنی مجالسِ رشد وہدایت میں اس واقعے کو اکثر بڑے اہتمام سے ارشاد فرمایا کرتے تھے اور آخری شعر مذکور کو بہت ہی لذت سے بار بار پڑھا

کرتے تھے اور اس واقعے کو بیان فرما کر حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ اس بات کی تعلیم و نصیحت فرمایا کرتے تھے کہ ہر لحظہ حق تعالیٰ شانہٗ کے بے شمار انعامات و احسانات بندوں پر ہو رہے ہیں لیکن اگر کوئی واقعہ یا حادثہ کبھی بظاہر تکلیف دہ پیش آجاتا ہے تو انسان ناشکرا اور بے صبرا ہو جاتا ہے مگر جن بندوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک اور مقبول بندوں کے فیضِ صحبت سے دین کی خوش فہمی عطا فرمائی ہے، ان کا قلبِ سلیم رنج و تکلیف کی حالت میں بھی اپنے رب سے راضی رہتا ہے۔ اس وقت وہ بندے دین کی اس سمجھ سے کام لیتے ہیں اور سوچتے ہیں کہ دنیا شفاخانہ ہے اور ہم سب مریض ہیں۔ طبیب کبھی مریض کو حلوۂ بادام کھلاتا ہے اور کبھی چرائتا اور گلوءِ نیب جیسی تلخ دوائیں پلاتا ہے اور دونوں حالتوں میں مریض ہی کا نفع ہے۔ اسی طرح حق تعالیٰ حکیم بھی ہیں، حاکم بھی ہیں اور رحیم بھی ہیں، پس ہمارے اوپر تقدیرِ الٰہی سے جو حالات بھی آتے رہتے ہیں خواہ راحت کے ہوں یا تکلیف کے، ہر حال میں ہمارا ہی نفع ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ علمِ الٰہی میں بعض بندوں کے لیے جنت کا جو عالی مقام تجویز ہو چکا ہے لیکن اس مقام تک پہنچنے کے لیے ان کے پاس عمل نہیں ہوتا تو حق تعالیٰ انھیں کسی مصیبت میں مبتلا فرما دیتے ہیں جس پر صبر کر کے وہ اس مقام کو حاصل کرنے کے قابل ہو جاتے ہیں۔ ایک حدیث میں آتا ہے کہ جب بندۂ مؤمن کو بخار آتا ہے تو اس کے گناہ اس طرح جھڑتے ہیں جس طرح موسمِ خزاں میں درختوں کے پتے جھڑتے ہیں۔ ایک حدیث میں وارد ہے کہ مؤمن کو کانٹا بھی چبھتا ہے تو اس پر بھی اجر ملتا ہے۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ جب دنیا کے مصائب پر صبر کے عوض قیامت کے دن ثواب عطا ہونے لگیں گے تو ہر مصیبت زدہ تمنا کرے گا کہ کاش! دنیا میں میری کھال قینچی سے ٹکڑے ٹکڑے کر دی جاتی تو آج کیا ہی اچھا انعام ملتا۔

پس مؤمن کو چاہیے کہ تکلیف کی حالت میں بھی راضی رہے۔ یعنی زبان پر شکایت اور دل میں اعتراض نہ لاوے۔ البتہ گناہوں سے استغفار اور عافیت کی دعا خوب کرتا رہے کہ اے اللہ! ہم کمزور ہیں، بلاؤں کے تحمّل کی طاقت نہیں۔ آپ اپنی رحمت سے اس نعمتِ بلا کو عافیت کی نعمت سے تبدیل فرما دیجیے۔ مصیبت و بلا کو مانگنے کی ممانعت ہے اور عافیت طلب کرنے کا حکم ہے۔ بلاؤں کا مانگنا اپنی بہادری کا دعویٰ ہے اور

عافیت مانگنا اپنے ضعف وعاجزی کا اظہار ہے جو عند اللہ محبوب ہے۔

زور را بگذار زاری را گزیں
رحم سوئے زاری آید اے مہیں!

اے لوگو! اپنے زور وطاقت کو ترک کرو اور گریہ وزاری اختیار کرو کہ حق تعالیٰ کی رحمت گریہ وزاری ہی کی طرف متوجہ ہوتی ہے۔

با تضرع باش تا شاداں شوی
گریہ کن تا بے دہاں خنداں شوی

حق تعالیٰ کی بارگاہ میں نالہ وتضرع کرتے رہو تاکہ شاداں وخوش رہو اور گریہ وزاری اختیار کرو تاکہ تبسّم لب کے بغیر ایسے شگفتہ وخنداں رہو کہ ہزار تبسُّمِ لب و دہن اس شگفتگیٔ قلب پر قربان ہوں۔

اگر ہمیشہ عافیت وراحت ہی رہے تو مزاجِ عبدیت استقامت سے ہٹ جائے۔ بغیر تکلیف ومصیبت کے زاری وشکستگی پیدا نہیں ہوتی۔ حدیثِ قدسی میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میں ٹوٹے ہوئے دلوں کے پاس رہتا ہوں: **اَنَا عِنْدَ الْمُنْکَسِرَۃِ قُلُوْبُھُمْ**[۱۰] صبر سے دل ٹوٹ جاتا ہے۔ کیوں کہ صبر تلخ ہوجاتا ہے، حزن وغم کی حالت میں جس توجہ، عاجزی، اضطرار کے ساتھ بندہ حق تعالیٰ کی بارگاہ میں مناجات وگریہ وزاری کرتا ہے یہ اضطرار راحت وعیش کی حالت میں کیسے پیدا ہوسکتا تھا؟ یہی مصیبت اس کو اللہ تک پہنچادیتی ہے اور قلب میں حق تعالیٰ سے تعلق پیدا ہوجاتا ہے۔

بڑھ گیا ان سے تعلق اور بھی
دشمنیٔ خلق رحمت ہوگئی

(مجذوبؒ)

ایک بزرگ ارشاد فرماتے ہیں کہ حالتِ حزن میں حق تعالیٰ کا راستہ بہت جلد اور تیزی

---

[۱۰] کشف الخفاء للعجلونی، ۳۸۸/۲ (۲۸۳۶)، مکتبۃ العلم الحدیث / التشرف بمعرفۃ احادیث التصوف: ۱۶۳، المکتبۃ المظہریۃ

سے طے ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ پریشانی اور غم سے قلب میں ایک شکستگی اور عاجزی پیدا ہوتی ہے اور اس حالت میں حق تعالیٰ کی خصوصی معیت نصیب ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ[۱۱]

(اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے)

اس مضمون کو حضرت اصغر گونڈوی رحمۃ اللہ علیہ نے خوب بیان فرمایا ہے ؎

خوشا حوادثِ پیہم خوشا یہ اشکِ رواں
جو غم کے ساتھ ہو تم بھی تو غم کا کیا غم ہے

خلاصہ یہ کہ دنیا کی چند روزہ زندگی کے ایام خواہ عیش کے ہوں یا تکلیف کے، سب کو فنا ہے۔ بس نہ تو عیش سے اترانے لگے نہ تکلیف سے شکایت و اعتراض کرنے لگے۔ راحت پر شکر اور تکلیف پر صبر و رضا اور تسلیم سے کام لینا چاہیے۔ مقصدِ حیات کو اگر پیشِ نظر رکھا جائے تو سب مشکلوں کا حل نکل آئے اور مقصدِ حیات صرف رضائے حق کا حصول ہے اور حق تعالیٰ کے راضی کرنے کا طریقہ ان کے بتلائے ہوئے قانون پر اہتمام سے عمل کرنا اور کوتاہیوں پر توبہ و استغفار کرتے رہنا ہے۔ اگر اتباعِ سنت نصیب ہے تو عیش ہو یا تکلیف دونوں حال اس بندے کے لیے مبارک و مفید اور ذریعۂ قرب و رضا ہیں۔ اگر اتّباعِ سنت حاصل نہیں تو عیش کس کام کا؟

حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی قدّس سرّہ العزیز کا ارشاد ہے کہ گنہ گار اور نافرمان پر بھی تکالیف اور بلائیں آتی ہیں اور نیکو کار اور فرمانبردار پر بھی آتی ہیں۔ پھر دونوں میں فرق کیسے ہو کہ یہ بلاو تکلیف شامتِ اعمال ہے یا ذریعۂ قربِ الٰہی ہے؟ تو اس کی پہچان یہ ہے کہ جس مصیبت و کلفت میں اتّباعِ سنت نصیب رہے اور قلب میں حق تعالیٰ شانہٗ کے ساتھ محبت و انس اور رضا کا تعلق و رابطہ محسوس ہو تو سمجھنا چاہیے کہ

---

[۱۱] البقرۃ: ۱۵۳

تکلیف ذریعۂ قربِ الٰہی ہے اور جس تکلیف سے دل میں ظلمت ووحشت اور حق تعالیٰ سے دوری محسوس ہو اور توفیقِ انابت وگریہ وزاری نہ عطا ہو تو سمجھنا چاہیے کہ یہ شامتِ اعمالِ بد کے سبب ہے۔ اس وقت استغفار کی کثرت کرنی چاہیے۔ سورۂ نوح میں استغفار کی برکت مذکور ہے کہ استغفار سے حق تعالیٰ بارش عطا فرماتے ہیں اور باغات عطا فرماتے ہیں، اولاد میں برکت ہوتی ہے۔

غم چو بینی زود استغفار کن
غم بامرِ خالق آمد کار کن

(رومیؒ)

مولانا فرماتے ہیں کہ جب تم دل میں غم محسوس کرو تو فوراً استغفار میں مشغول ہو جاؤ۔ غم حکمِ الٰہی سے آتا ہے اس لیے معمولات، ذکر وغیرہ میں سستی مت کرو اور کام میں لگ جاؤ بلکہ پہلے سے زیادہ حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جاؤ۔

چوں خدا خواہد کہ ما یاری کند
میلِ ما را جانبِ زاری کند

جب حق تعالیٰ شانہٗ ہمارے ساتھ مہربانی فرمانا چاہتے ہیں تو ہمارے اندر گریہ وزاری کا میلان پیدا فرما دیتے ہیں۔

حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو ایک عرصہ تک یہ اشکال رہا کہ جو مقام حق تعالیٰ شانہٗ بعد مجاہدات کے سالک کو عطا فرماتے ہیں وہ اس پر بھی قادر ہیں کہ بدونِ مجاہدہ ہی وہ مقام عطا فرما دیں پھر ان کی رحمت مجاہدے کی تکلیف کو اپنے بندوں کے لیے کیوں کر گوارا کرتی ہے؟ حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک دن خود بخود قلب میں اس اشکال کا حل وارد ہوا۔ وہ یہ کہ بدونِ مجاہدہ اگر تمام مقامات سالک کو عطا فرما دیے جاتے تو نعمت کی قدر نہ ہوتی اور قدرِ نعمت نہ ہوتی تو نعمت کا بقا اور اس کی ترقی نہ ہوتی۔ کیوں کہ جس طرح شکر پر نعمت کی زیادتی منصوص ہے اسی طرح اس کے عکس پر سلب کا خطرہ تھا۔ اسی کو حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

مے یہ ملی نہیں ہے یوں قلب و جگر ہوئے ہیں خوں
کیوں میں کسی کو مفت دوں مے مری مفت کی نہیں

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

باچناں رحمت کہ دارد شاہ ہش
بے ضرورت از چہ گوید نفس کش

وہ شاہِ عقول اس قدر رحمت رکھنے والے بے ضرورت کیوں کر نفس کشی یعنی مجاہدے کا حکم فرماتے؟

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ اس کا جواب بھی ارشاد فرماتے ہیں کہ بدونِ مجاہدۂ نفس قلب کے اندر وہ نورِ حق پیدا نہیں ہوتا جو ایمانِ تحقیقی اور معیتِ خاصۂ الٰہیہ کا ادراک کرلے۔

در بعقل ادراکِ ایں ممکن بُدے
قہرِ نفس از بہر چہ واجب شدے

اگر عقلِ محض سے یہ ادراک ممکن ہوتا تو نفس پر مشقت و مجاہدے کا حکم کیوں واجب ہوتا؟

احقر عرض کرتا ہے کہ حزن و اضطرار میں گریہ و زاری اور انابت کی جس درجہ توفیق ہوتی ہے، راحت و عافیت میں عادتاً یہ توفیق کوششِ گریہ اور نقلِ بکاء سے بھی اس درجہ نہیں ہوتی۔ لیکن مصیبت کو طلب نہ کرنا چاہیے۔ طلبِ عافیت مطلوب ہے لیکن من جانب اللہ اگر کوئی رنج و مصیبت پیش آجائے تو گھبرانا نہ چاہیے اور بے صبری نہ کرنا چاہیے بلکہ سمجھنا چاہیے کہ حق تعالیٰ اپنا بنانے کا انتظام فرمارہے ہیں اور درجات بلند فرمارہے ہیں۔ رنج و الم بھی بندے کے لیے نعمت ہے کہ اس اضطرار میں دل سے دعا نکلتی ہے، سجدہ گاہ آنسوؤں سے تر ہوتی ہے اور لذتِ مناجات عطا ہوتی ہے جو خود ایک عظیم نعمت ہے۔

از دعا نبود مرادِ عاشقاں

جز سخن گفتن باآں شیریں دہاں

دعاسے عاشقوں کی مراد اس کے سوا کچھ اور نہیں ہوتی کہ اس بہانے اس محبوبِ حقیقی سے لطفِ سرگوشی اور کیفِ مناجات مل جاتا ہے۔

غرض یہ توفیقِ آہ ونالہ اضطرار کی حالت میں ہی نصیب ہوتی ہے اور ہماری آہیں اور ہمارے نالے حق تعالیٰ کو بہت پسند ہیں۔ مولانا فرماتے ہیں:

نالم او را نالہا خوش آیدش

از دو عالم نالہ و غم بایدش

میں روتا ہوں اور نالہ کرتا ہوں کہ میرے محبوبِ حقیقی کو میرا نالہ اور رونا اچھا معلوم ہوتا ہے اور حق تعالیٰ کو دونوں عالم سے اپنے بندوں کے آہ ونالہ اور غم محبوب ہیں۔

اے خوشا چشمے کہ آں گریانِ اوست

اے ہمایوں دل کہ آں بریانِ اوست

مبارک ہے وہ آنکھ جو اس محبوبِ حقیقی کی یاد میں رونے والی ہے اور مبارک ہے وہ دل جو اللہ کی محبت میں بریاں ہے۔

تا نہ گرید طفل کے جوشد لبن

تا نہ گرید ابر کے خندد چمن

جب تک بچہ روتا نہیں ماں کے سینے میں دودھ کب جوش مارتا ہے؟ اور جب تک ابر برستا نہیں اس وقت تک چمن کب سرسبز وشاداب ہوتا ہے؟

ز ابر گریاں باغ سبز و تر شود

زانکہ شمع از گریہ روشن تر شود

بادل کے رونے سے چمن سرسبز وشاداب ہوتا ہے اور شمع جس قدر روتی ہے روشن تر ہوتی جاتی ہے۔

ہر کجا اشکِ رواں رحمت بود

ہر کجا آبِ رواں خضرت بود

جس جگہ آنسو رواں ہوتے ہیں اسی جگہ رحمت ہوتی ہے۔ جس جگہ پانی رواں ہوتا ہے اسی جگہ سبزی و شادابی ہوتی ہے۔

کہ برابر می کند شاہِ مجید
اشک را در وزن با خونِ شہید

حق تعالیٰ گنہ گار کے اشکِ ندامت کو وزن میں شہید کے خون کے برابر رکھتے ہیں۔

زاری و گریہ عجب سرمایہ است
رحمتِ کلّی قوی تر دایہ است

گریہ وزاری عجب پونجی ہے رحمتِ حق قوی تر دایہ ہے۔

مایہ در بازارِ دنیا ایں زر است
مایہ ایں جا عشق و دو چشم تر است

دنیا کے بازار کا سرمایہ تو سونا چاندی ہے اور حق تعالیٰ کی بارگاہ کا سرمایہ عشق اور دو رونے والی آنکھیں ہیں۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں۔

سَهَرُ الْعُيُوْنِ لِغَيْرِ وِجْهِكَ ضَايِعٌ
وبُكَاءُ هُنَّ بِغَيْرِ وَجْهِكَ بَاطِلٌ

اے محبوبِ حقیقی! آپ کے علاوہ کسی اور کے لیے آنکھوں کا بیدار رکھنا آنکھوں کو ضایع کرنا ہے اور آپ کی جدائی کے علاوہ کسی اور کے لیے رونا باطل ہے۔

تکالیف پر صبر اگرچہ تلخ ہے لیکن عجیب کیمیا ہے۔ سالک کو کندن بنا دیتا ہے، جو مقامات سالہا سال کے مجاہدے و ذکر و شغل سے نہیں ملتے، صبر کی برکت سے وہ جلد سے جلد عطا ہو جاتے ہیں۔ لھٰذا سالک کو چاہیے کہ صبر کی تلخی کو اس نعمتِ عظمیٰ کی وجہ سے شیرینی سمجھے۔ چند دن کی تکلیف ہے پھر ہنسنا ہی ہنسنا ہے۔ اللہ تعالیٰ آدھی جان مجاہدات میں لیتے ہیں لیکن اس آدھی جان کے عوض سینکڑوں جانیں وہ صاحبِ کرم

عنایت فرماتا ہے۔

نیم جاں بستاند و صد جاں دہد

آنکہ در وہمت نیاید آں دہد

ایسی ایسی نعمتیں صبر کی بدولت عطا فرماتے ہیں جو تمہارے وہم وخیال میں نہیں آسکتی ہیں۔ صبر عجب کیمیا ہے۔

صد ہزاراں کیمیا حق آفرید

کیمیائے ہمچو صبر آدم نہ دید

ہزاروں کیمیا حق تعالیٰ نے پیدا فرمائے لیکن صبر جیسی کیمیا حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد نے نہ دیکھی۔

صبر بگزیدند و صدیقیں شدند

جن لوگوں نے صبر اختیار کیا وہ دین میں مضبوط ہوکر ولایت کی اعلیٰ اور انتہائی منزلِ صدیقیت سے مشرف ہوگئے۔

گفت پیغمبر خدا اش ایماں نداد

ہر کرا نبود صبوری در نہاد

پیغمبر علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ خدا اس بندے کو ایمان بھی عطا نہیں فرماتا جس کی سرشت میں صبر کی خصلت ودیعت نہیں فرماتا۔

ہفت سال ایوب باصبر و رضا

در بلا خوش بود با ضیفِ خدا

ترجمہ: حضرت ایوب علیہ السلام سات سال تک بلا میں خدا کے مہمانوں کے ساتھ (یعنی کیڑوں کے ساتھ جو بدن میں پیدا کردیے گئے تھے) خوش اور راضی برضا رہے۔

جب حضرت ایوب علیہ السلام کو اس بلا سے نجات ملی اور شفا مرحمت کی گئی تو کسی نے دریافت کیا کہ حضرت! زمانۂ بلا میں آپ زیادہ خوش تھے یا اب بحالتِ شفا زیادہ

خوش ہیں؟ ارشاد فرمایا کہ اللہ کا شکر ہے کہ انھوں نے نعمتِ عافیت سے مشرّف فرمایالیکن زمانۂ بیماری و بلا میں صبح و شام غیب سے اللہ میاں کی جو آواز آتی تھی کہ ایوب! کیسا مزاج ہے؟اس آواز میں وہ لطف ملتا تھا کہ ہماری لاکھوں جانیں اس پر قربان ہوں۔ وہ مزاج پرسی تمام تکلیفوں کو بھلادیتی تھی۔ دل اس آواز کو ترستا ہے جو اب آنی بند ہوگئی۔

پھر ذرامطرب اسی انداز سے
جی اٹھے مردے تری آواز سے

(مجذوبؒ)

رنج وتکلیف میں شکوہ واعتراض ہرگز نہ کرناچاہیے کہ یہ سخت گستاخی ہے۔

چوں کہ قسّام اوست کفر آمد گلہ
صبر باید صبر مفتاحُ الصّلہ

(رومیؒ)

چوں کہ رنج وراحت کی تقسیم حق تعالیٰ شانہٗ کی طرف سے ہے اس لیے شکوہ واعتراض گستاخی وکفر ہے۔ غلام اور مملوک کی شان یہی ہے کہ مالک کی مرضیات پر راضی برضا رہے کہ مالک اپنے ملک کا مختار ہے جس طرح چاہے تصرّف فرمائے۔

اب اس مضمون کے مناسب اپنے چند اشعار تحریر کرکے مضمون کو ختم کرتاہوں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنا سچا غلام بنالیں اور اپنی مرضیات پر عمل کی توفیق عطا فرمائیں۔ (آمین)

نظم کا عنوان ہے: ”احترازازشکوۂ یارو تعلیمِ رضاو تسلیم“

”احترازاز شکوۂ یارو تعلیمِ رضاو تسلیم“

شکوۂ یار عشق میں ہرگز کبھی رواں نہیں
ان کی ہر اک ادا کبھی میرے لیے جفا نہیں

ظاہر میں گو بلا سہی لیکن کرم لیے ہوئے
جس میں ہماری مصلحت مضمر ہو وہ سزا نہیں

بندوں کا عشق نا تمام ہوتا نہیں ہے آہ تام
نفس کی خواہشات کا جب تک کہ خوں ہوا نہیں

ان کی مراد ہے اگر میری یہ نامرادیاں
ان کی رضا ہی چاہیے دوسرا مدعا نہیں

تجھ کو جو ہو پسند اب مجھ کو بھی ہو وہی عزیز
لے کر کریں گے کیا اسے جس میں تری رضا نہیں

تیرا جو درد دل میں ہے کیسے کہوں عطا نہیں
رہتا ہے تجھ سے بے خبر جس پہ تری عطا نہیں

نالۂ ہجر پر مرے زاہد نہ ہو تو خندہ زن
عشق کے درد سے تجھے پالا ابھی پڑا نہیں

جس کو گرا ہوا تو دیکھ دنیا کے مال و زر پر آہ
اخترؔ سمجھ کہ عشقِ حق اس کو ابھی ملا نہیں

حکایتِ زاہدے کوہی

ایک درویش پہاڑ کی گھاٹی میں گیا اور حق تعالیٰ سے عہد کیا کہ میں تمام علائقِ دنیویہ سے رخ پھیر کر اب آپ کی عبادت میں یہاں مقیم رہوں گا اور بھوک سے جب تنگ حال ہوں گا تو آپ ہی کی طرف سے عطا کا منتظر رہوں گا۔ خود نہ کسی مخلوق سے سوال کروں گا نہ اس کوہ وبیابان کے درختوں سے کوئی پھل یا پتّہ توڑ کر کھاؤں گا۔ البتہ جو پھل خود بہ خود ہوا سے زمین پر گریں گے صرف ان کو کھا کر زندگی بسر کروں گا۔ ایک مدت تک یہ فقیر اپنے عہد پر قائم رہا۔ یہاں تک کہ حق تعالیٰ کی طرف سے امتحانات شروع ہوگئے اور اس امتحان کی وجہ یہ تھی کہ اس فقیر نے استثنا نہ کیا تھا یعنی یہ نہ کہا تھا کہ ان شاء اللہ میں اس عہد پر قائم رہوں گا۔ اس ترکِ ان شاء اللہ سے چوں کہ اس درویش کا دعویٰ و تکبر اور اپنی قوت وہمت پر ناز صادر ہوا اس لیے اس کی شامتِ عمل نے اسے سخت امتحان میں گھیر لیا اور اس کے قلب سے وہ نور جاتا رہا جس کی وجہ سے اس کے قلب میں بھوک کی تکلیف برداشت کرنے کی قوت وہمت اچانک بالکلیہ مفقود ہوگئی۔ ادھر حق تعالیٰ نے ہوا کو حکم فرمایا کہ اس وادیٔ کوہ کی طرف ہو کر نہ گزرے۔ چناں چہ پانچ روز تک ہوا مطلقاً بند ہو جانے سے درخت سے کوئی پھل زمین پر نہ گرا۔ پس بھوک کی شدت سے وہ درویش بے چین ہوگیا۔ صبر کا دامن ہاتھ سے چھوٹ گیا اور ضعف و نقاہت نے اس کو خود اپنے عہد کی بے وفائی پر مجبور کر دیا اور وہ درویش کوہِ استقامت سے چاہِ ضلالت میں آگرا۔ جب اپنا عہد و نذر فسخ کرکے وہ درختوں سے پھل توڑ کر کھانے لگا تو غیرتِ حق کو جوش آگیا اور اس فقیر کو سزا دی گئی کیوں کہ امرِ الٰہی وَاَوۡفُوۡا بِالۡعَهۡدِ[۱۲] ہے۔ (ترجمہ: پورا کرو جو کچھ کہ تم نے عہد کیا ہے۔)

اب اس فقیر کی سزا کا قصہ سنیے کہ چوروں کا ایک گروہ رات کو اس پہاڑ کے دامن میں ٹھہر گیا۔ ایک مخبر نے کوتوالِ شہر کو اطلاع دی کہ آج چوروں کا گروہ فلاں

---

۱۲ بنی اسرآءِیل: ۳۴

پہاڑ کے دامن میں ٹھہرا ہوا ہے۔ قبل اس کے کہ کوتوال ان چوروں کو گرفتار کرتا اس نے دامنِ کوہ میں اس درویش کو دیکھا اور سمجھا کہ یہ کوئی چور ہے۔ فوراً گرفتار کرلیا۔ فقیر نے بہت شور مچایا کہ میں چور نہیں ہوں لیکن کوتوال اور سپاہیوں نے ایک نہ سنی اور اس کا داہنا ہاتھ اور بایاں پیر کاٹ ڈالا۔ اسی اثناء میں ایک سوار ادھر سے گزرا، جب اس نے یہ قصہ دیکھا تو کوتوال اور اس کے ساتھیوں کو بہت ڈانٹا کہ اے کتے! تو نے ایسے نیک فقیر کے ساتھ یہ کیا سلوک کیا؟ یہ تو فلاں شیخِ کامل اور ابدالِ وقت ہے جس نے دنیا سے کنارہ کش ہو کر اس جگہ خلوت اختیار کی تھی۔ یہ سنتے ہی کوتوال پر لرزہ طاری ہو گیا اور خوف و ندامت سے ننگے پیر، ننگے سر اس فقیر کی طرف دوڑا اور اپنی غلطی پر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا اور قسم کھا کر عرض کیا کہ میں نہیں جانتا تھا کہ کہ آپ ایک بزرگ شخص ہیں۔ میں نے غلط فہمی سے آپ کو چوروں کے گروہ کا ایک فرد سمجھ کر یہ معاملہ کیا۔ خدا کے لیے آپ مجھے معاف فرمادیں ورنہ میں ابھی قہرِ الٰہی میں مبتلا ہو کر ہلاک ہو جاؤں گا۔ درویش نے کہا کہ بھائی! تیرا کچھ قصور نہیں ہے۔ میں خود قصوروار ہوں، میں نے اپنے مالک سے بدعہدی کی تھی جس کی مجھے یہ سزا ملی ہے۔

گفت می دانم سبب ایں نیش را
می شناسم من گناہِ خویش را

اس درویش نے کہا کہ میں اس نیش یعنی ڈنک کا سبب جانتا ہوں۔ میرا باطن اس سزا کی وجہ سے خوب واقف ہے کہ میرے کس گناہ کے سبب یہ سزا مجھ پر مسلّط کی گئی ہے۔

من شکستم حرمتِ ایمانِ او
پس یمینم برد دودستانِ او

میں نے حق تعالیٰ سے معاہدے کا احترام توڑ دیا تو اس شامتِ عمل نے میرے ہاتھ پاؤں کٹوادیے۔

مخلصاں ہستند دائم در خطر
امتحانہا ہست در رہ اے پسر!

مخلصین بندے ہر وقت خطرے میں ہیں۔ حق تعالیٰ کے راستے میں ان کے بڑے بڑے امتحانات ہوتے ہیں۔

یا مکن نذرے کہ نتوانی وفا
بر خطر منشیں و بیروں جہ ہلا

ایسی نذر اور ایسا عہد ہی نہ کرنا چاہیے جسے پورا کرنے کی ہمت و طاقت نہ ہو اور خطرے کی جگہ بیٹھنا ہی نہ چاہیے کہ آدمی فتنہ اور امتحان میں پڑ جاوے۔

فائدہ: اولاً تو ایسی غیر شرعی نذر ہی نہ ماننی چاہیے جیسے کوئی کہہ دے کہ میں کھانا ہی نہ کھاؤں گا یا پانی ہی نہ پیوں گا وغیرہ۔ درویش کی یہ نذر بھی اسی قسم کی تھی۔ دوسرے یہ کہ کبھی اپنی ہمت و طاقت پر نظر نہ کرے۔ تمام امور میں اللہ رب العزت پر بھروسا رکھے اور ان ہی سے نصرت و مدد طلب کرے اور جس کام کو کرنے کا ارادہ ظاہر کرے تو ان شاء اللہ تعالیٰ کہنا اپنے اوپر لازم کرلے۔ اگر احیاناً کبھی بھول جاوے تو جب بھی یاد آئے اسی وقت کہہ لے کہ بغیر حق تعالیٰ کی عنایت کے اپنے دست و بازو سے کچھ نہیں ہو سکتا۔

ذرۂ سایہ عنایت بہتر است
از ہزاراں کوششِ طاعت پرست

حق تعالیٰ کی عنایت کا ایک ذرۂ سایہ طاعت پرستوں کی ہزاروں کوششوں سے بہتر ہے۔

دریں راہِ حق عجز و مسکینیت
بہ از طاعتِ خویشتن بینیت

حق تعالیٰ کے راستے میں مسکنت و عاجزی بہت مقبول اور بہتر ہے اس امر سے کہ انسان اپنی عبادت و طاعت پر مغرور ہو۔

خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

نارِ تقویٰ سے تو اچھا ہے نیازِ رندی
جاہِ زاہد سے تو اچھی مری رسوائی ہے

دین پر استقامت کی ہر وقت حق تعالیٰ سے یوں دعا کرتا رہے کہ اے میرے رب! ایک لمحے کو بھی مجھے میرے نفس کے سپرد نہ فرمایئے اور میری ہر حالت کو اپنی مرضی کے موافق درست فرماتے رہیے یہاں تک کہ میرا خاتمہ ایمان پر فرمادیجیے۔

آمین ثم آمین

حکایتِ حضرت بلال رضی اللہ عنہ

چمن کا رنگ گو تو نے سراسر اے خزاں بدلا
نہ ہم نے شاخِ گل چھوڑی نہ ہم نے آشیاں بدلا

(مجذوبؒ)

دعویٰ مرغابی کردہ است جاں
کے ز طوفانِ بلا دارد فغاں؟

(رومیؒ)

جان نے مرغابی ہونے کا جب دعویٰ کرلیا تو پھر طوفانِ بلا سے اس کو کب فغاں ہے؟ یعنی عاشقِ حق ہونے کا دعویٰ جب کرلیا تو پھر اب ؎

جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

حضرت بلال رضی اللہ عنہ حبش کے رہنے والے تھے اور امیّہ بن خلف نام کے ایک یہودی کے غلام تھے۔ فضلِ الٰہی سے جب ان کو ایمان نصیب ہوا تو اسلام کا ابتدائی زمانہ تھا۔ دشمنانِ اسلام مسلمانوں کو چین سے دیکھنا نہ چاہتے تھے۔ اللہ کے نور کو بجھانے کے

لیے دن رات ہر ممکن کوشش میں مشغول تھے لیکن حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ ہم تو اپنانور مکمل کر کے رہیں گے۔ چاہے کفار کو کتناہی ناگوار ہو۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ اگر چاہتے تو اپناایمان مخفی رکھ سکتے تھے اور اس اخفاء کی بدولت کفار کی ایذارسانی سے محفوظ رہ سکتے تھے لیکن حق تعالیٰ کی محبت نے کلمۂ توحید ظاہر کرنے پر انھیں مجبور کر دیااور نعرۂ اَحد لگانے پر عشقِ حقیقی نے ان کو مضطر کر دیا۔

جانِ او چو خنجرِ عشقش بدید
پابجولاں جانبِ مقتل دوید

(اخترؔ)

جانِ عاشق نے جب محبوب کے ہاتھ میں خنجرِ عشق دیکھ لیاتو بے خوف وخطر مقتل کی جانب دوڑ پڑی۔

خنجرش چو سوئے خود راغب بدید
سر نہادن آں زماں واجب بدید

جب اس عاشقِ صادق نے محبوب کے خنجر کواپنی طرف راغب دیکھاتو سر کواس وقت تہہ خنجر رکھ دینااپنے اوپر واجب سمجھا۔

نعرۂ مستانہ خوش می آیدم
تاابد جاناں چنیں می بایدم

اے محبوبِ حقیقی! آپ کی یاد میں نعرہائے عشق مجھے اچھے معلوم ہوتے ہیں اور قیامت تک اے محبوب! اسی طرح مستانہ نعرے لگاناچاہتاہوں۔

بر سرِ مقطوع اگر صد خندق است
پیشِ دردا و مزاحِ مطلق است

(رومیؒ)

سر بریدۂ عشقِ حق کے سامنے اگر سو خندقیں ہوں لیکن اس کے دردِ عشق کے سامنے ان

کی حیثیت ایک مزاح سے زیادہ نہیں ہوتی، اس کی ایک تڑپ تمام خندقوں کو عبور کرلیتی ہے اور اس کا دردِ باطن اس کو تمام ظاہری تکالیف سے بے نیاز کردیتا ہے۔

دعویٰ مرغابی کردہ است جاں
کے ز طوفانِ بلا دارد فغاں ؟
(رومیؒ)

جان نے جب مرغابی ہونے کا دعویٰ کردیا ہے تو پھر طوفانِ بلا سے اس کو کب گلہ وفریاد ہے؟ مرغابی طوفان سے مغلوب نہیں ہوتی بلکہ موجوں کے نشیب و فراز پر غالب رہتی ہے۔ اسی طرح جانِ عاشق طوفانِ حوادث سے متأثر ہوئے بغیر حق تعالیٰ کا راستہ قطع کرتی ہے۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا نعرۂ اَحد لگانا تھا کہ اس یہودی کا غیظ و غضب ان پر ظلم اور زدوکوب کی صورت میں برس پڑا۔ آپ کو اتنا مارا کہ لہولہان کردیا اور اسی زخم کی حالت میں گرم گرم ریت پر گھسیٹتا اور کہتا کہ اب آیندہ وحدانیت کا نعرہ لگانے کی جرأت نہ کرنا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ بزبانِ حال عرض کرتے۔

بجرمِ عشق تو ہم می کشند و غوغائیست
تو نیز بر سرِ بام آ کہ خوش تماشائیست

(اے اللہ!) آپ کی محبت کے جرم میں یہ کفار مجھ کو قتل کررہے ہیں اور شور برپا کررہے ہیں۔ اے محبوبِ حقیقی! آپ بھی آسمانِ دنیا پر تشریف لائیے اور اپنے عاشق کے اس تماشے کو دیکھیے کہ کیا اچھا تماشا ہے۔

ایک دن حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اس طرف سے گزرے اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ اسی خستہ و خراب اور لہولہان ہونے کی حالت میں اَحد احد کا نعرہ لگا رہے تھے۔ یہ آواز سن کر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوگئے۔ اس آواز میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی جانِ پاک کو بوئے محبوبِ حقیقی محسوس ہوئی جس سے آپ محوِ لذت ہوگئے۔

بوئے جاناں سوئے جانم می رسد

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی اس مظلومیت کو دیکھ کر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا دل تڑپ گیا اور آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔ انھوں نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو الگ بلا کر سمجھایا کہ تنہائی میں اللہ کا نام لیا کرو۔ اس موذی کے سامنے ظاہر مت کرو، ورنہ یہ ملعون ناحق تم کو ستائے گا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اے محترم! آپ حضورِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے صدیق ہیں۔ آپ کی نصیحت قبول کرتا ہوں۔

دوسرے دن پھر حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کا ادھر سے گزر ہوا، دیکھتے ہیں کہ پھر وہی ماجرا ہے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ اَحد اَحد پکار رہے ہیں۔ اور وہ یہودی ان کو بری طرح زد وکوب کررہا ہے یہاں تک کہ جسم خون سے لہولہان ہوگیا ہے۔ اس دردناک منظر کو دیکھ کر آپ رضی اللہ عنہ تڑپ گئے اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو پھر نصیحت فرمائی کہ بھائی! کیوں اس مؤذی کے سامنے اَحد احد کہتے ہو۔ دل ہی دل میں خاموشی کے ساتھ اَحد اَحد کہتے رہا کرو۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اچھا پھر توبہ کرتا ہوں، اب آپ کے مشورے کے خلاف نہ کروں گا۔ لیکن ؎

عشق آمد لا اُبالی فَاتّقُوا

عشق کا مزاج تو لااُبالی ہوتا ہے۔

تابِ زنجیر ندارد دلِ دیوانۂ ما

عشق کب ڈرتا ہے رسن و دار سے
عشق بے پروا ہے جانِ زار سے
(اخترؔ)

بلبل کو نہ کر تو اے ناداں پابندِ سکوت و خاموشی
جب اس کو چمن یاد آئے گا فریاد لبوں تک آئے گی
(اخترؔ)

اسی مقام کو حضرت مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

بازپندش داد باز او توبہ کرد
عشق آمد توبہٗ او را بخورد

جب پھر حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے ان کو سکوت و اخفاء کی نصیحت فرمائی تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے پھر توبہ کی لیکن جب عشق آیا تو ان کی توبہ کو کھا گیا یعنی توبہ ٹوٹ گئی۔ عاشق کو ذکرِ محبوب کے بغیر کہاں سکون مل سکتا ہے۔

دلِ مضطرب کا یہ پیغام ہے
ترے بن سکوں ہے نہ آرام ہے

تڑپنے سے ہم کو فقط کام ہے
یہی بس محبت کا انعام ہے

الغرض حضرت بلال رضی اللہ عنہ باوجود ہزار مصائب و آلام کے رازِ عشق کو مخفی نہ رکھ سکے اور نعرۂ اَحد ظاہر ہوتا رہا۔ مولانا فرماتے ہیں۔

عشق خونی چوں کندزہ برکماں
صد ہزاراں سر بپولے آں زماں

(رومیؒ)

عشق خونی جب اپنا چلّہ کمان پر چڑھاتا ہے تو اس وقت ہزاروں سر ایک پیسے کے عوض بک جاتے ہیں۔

تن بہ پیشِ زخم خارِ آں جہود
جانِ او مست و خرابِ آں ودود

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا جسم تو اس ظالم یہودی کے سامنے زخم خوردہ تھا لیکن ان کی روح حق تعالیٰ شانہٗ کی بارگاہِ قرب میں مست و خرابِ عشق ہو رہی تھی اور بہارِ لازوال لوٹ رہی تھی۔

اسی محبتِ حق کا نام حقیقی محبت ہے لیکن افسوس! آج کل لوگ نفس پرستی کو محبت کہتے ہیں۔ توبہ توبہ! یہ ہر گز محبت نہیں۔ جو عشق حسنِ مجازی سے ہو وہ عشق نہیں فسق ہے جو فساد ہے روٹی کا۔ اگر روٹی نہ ملے تو یار لوگ عشق بھول جائیں اور روٹی مانگنے لگیں اور حق تعالیٰ کا عشق چوں کہ مؤمن کے خمیر میں رکھ دیا گیا ہے اس لیے اگر روٹی نہ بھی ملے تو بھی مؤمن کے قلب میں ذرّہ برابر حق تعالیٰ کی محبت کم نہیں ہوتی۔ محبت در حقیقت اس تسلیم کا نام ہے کہ محبوبِ حقیقی اس میں متصرف ہو اور بندہ ہر تصرف سے راضی رہے۔

عاشقی چیست ؟ بگو بندۂ جاناں بودن
دل بدستِ دگرے دادن و حیراں بودن

عاشقی کیا ہے؟ کہو کہ عاشقی محبوب کی غلامی ہے اور دل اپنے محبوب کو دے کر حیران ہونے کا نام ہے۔

حق تعالیٰ کو اپنے بندوں کی خستہ حالی و گریہ وزاری بہت محبوب ہے۔ اور باوجود صدہا رحمتوں اور عنایتوں کے اپنے مقبولین کی دعا کبھی تاخیر سے قبول فرماتے ہیں تاکہ اس کی آہ وزاری کا سلسلہ حاجت پوری ہونے سے بند نہ ہوجائے اور ہمارے حضور میں اے اللہ، اے اللہ کہتا رہے اور روتا رہے۔

خوش ہمی آید مرا آوازِ او
واں خدایا گفتن و آں رازِ او

مولانا فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ کبھی بندے کی قبولیتِ دعا میں تاخیر فرمادیتے ہیں تاکہ مناجات میں وہ دل سوزی کے ساتھ گریہ وزاری کرے، اس کی یہ آواز حق تعالیٰ کو بھلی معلوم ہوتی ہے اور اے اللہ، اے اللہ کہنا اللہ کو اچھا معلوم ہوتا ہے پس تاخیرِ قبولیت ایسے بندوں کے ساتھ رحمت و یاری ہوتی ہے نہ کہ بے گانگی و بے قدری۔ حق تعالیٰ کے ساتھ مناجات و سرگوشی مؤمن کا بہت بڑا اعزاز ہے۔

نالۂ مؤمن ہمی داریم دوست

گو تضرّع کن کہ ایں اعزازِ اوست

حق تعالیٰ کی محبت سے بندہ کبھی آزاد نہیں ہو سکتا۔ حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

پابندِ محبت کبھی آزاد نہیں ہے

اس قید کی اے دل کوئی میعاد نہیں ہے

اب اگر کسی کو یہ اشکال ہو کہ اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ عاشقوں کو تو بڑی مصیبت و کوفت ہوتی ہو گی، تو عشقِ حق بجائے نعمت کے زحمت ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اشکال دور سے نظر آتا ہے اور بظاہر عشق ایک خونی منظر پیش کرتا ہے۔

عشق از اول چرا خونی بود

تا گریزد ہر کہ بیرونی بود

(رومیؒ)

دور سے عشقِ حقیقی خونی نظر آتا ہے تا کہ غیر مخلص اور غیر عاشق کبھی اس راہ میں قدم نہ رکھے۔ یہ خونی منظر دراصل حریمِ کوئے دوست کا پاسبان ہوتا ہے کہ عاشقِ خام ادھر نہ آئیں۔ ورنہ جب محبتِ تام نصیب ہو جاتی ہے تو اس وقت عاشق کی شان یہ ہوتی ہے۔

نشود نصیبِ دشمن کہ شود ہلاکِ تیغت

سرِ دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

عاشقِ صادق تو یہ کہتا ہے کہ اے محبوب! یہ نصیب دشمن کا نہ ہو کہ وہ آپ کی تیغ سے ہلاک ہو۔ دوستوں کا سر سلامت رہے کہ آپ خنجر آزمائی کریں۔

ایک عاشق جو کسی کے عشق میں دس برس سے گھل رہا ہو اور فراق میں سوکھ کر کانٹا ہو گیا ہو کہ اچانک اس کا محبوب آکر اسے اس زور سے دبا دے کہ پسلیاں ٹوٹنے لگیں اور آنکھیں باہر کو نکلنے لگیں اور وہ محبوب یوں کہے کہ اگر تجھے میری یہ حرکت

ناگوار ہے تو میں تجھے چھوڑ کر دوسرے سے بغل گیر ہو جاؤں تو بتاؤ وہ کیا جواب دے گا۔ اگر واقعی عاشق ہے تو یہی کہے گا۔

نکل جائے دم تیرے قدموں کے نیچے
یہی دل کی حسرت یہی آرزو ہے

اس وقت دوسرے اس کے جسم کی تکلیفِ ظاہری سے یہ سمجھیں گے کہ یہ بڑی تکلیف میں ہے لیکن خود اس کے دل سے پوچھو کہ وہ کیسے باغِ عیش میں ہے۔ وہ تو ان لمحات کو غنیمت جانے گا اور چاہے گا کہ یہ زمانہ طویل سے طویل تر ہو جاوے۔

پس جب مجاز میں یہ اثر ہے تو حقیقت کی لذتوں کا خود اندازہ لگا لو۔

جرعہ خاک آمیز چوں مجنوں کند
صاف گر باشد ندانم چوں کند

(رومیؒ)

جب تو اللہ تعالیٰ کی محبت کی ایسی شراب پی کر مست ہو رہا ہے جو تیرے گناہوں کی وجہ سے خاک آلود بھی ہے اگر یہ صاف ہوتی تو نہ جانے تجھے کتنا مست کرتی۔

اللہ رے جب یہ ہے مجازات کا عالم
کیا ہوگا حقیقت کے کمالات کا عالم

(مولانا محمد احمد رحمۃ اللہ علیہ)

اس مثال سے سمجھنا چاہیے کہ جو لوگ کشتۂ عشقِ الٰہی ہیں وہ اگرچہ بظاہر تکالیف و مصائب میں گھرے ہوئے نظر آتے ہیں۔ کپڑوں میں پیوند، چہرہ فاقوں سے زرد و خستہ ہے لیکن ان کے باطن میں قرب و معیتِ حق کا جو باغ لہرا رہا ہے اس کی خبر اگر سلاطین کو ہو جائے تو تخت و تاج کا لطف بھول جائیں۔

ہاں وہاں ایں دلق پوشانِ من اند
صد ہزار اندر ہزاراں یک تن اند

(رومیؒ)

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکایۃً فرماتے ہیں کہ یہ خستہ حال گدڑی پوش ہمارے خاص بندے ہیں، کہیں لاکھوں میں ایک ایسا صاحبِ نصیب پیدا ہوتا ہے۔ حق تعالیٰ کی محبت ہی مقصدِ کائنات ہے اور یہی جانِ حیات ہے۔

الغرض حضرت بلال رضی اللہ عنہ بصد شوق صدہا مصائب جھیل رہے تھے کیوں کہ ان کے سامنے رضائے حق کا انعامِ عظیم تھا۔

عاشقم بر رنجِ خویش و درخویش
بہرِ خوشنودی شاہِ فردِ خویش

(رومیؒ)

میں اپنے محبوبِ حقیقی کی رضا کے لیے اپنے رنج و غم و درد پر عاشق ہوں۔ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے متعدد بار نصیحت فرمانے کے باوجود جب ہر بار یہی تماشا دیکھا کہ وہ یہودی ظلم کر رہا ہے اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ اَحد احد کا نعرہ لگا رہے ہیں تو اس ماجرے کو محبوب رب العالمین رحمۃ للعٰلمین صلّی اللہ علیہ وسلّم کے سامنے پیش کیا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے مصائب سن کر رحمۃ للعٰلمین صلّی اللہ علیہ وسلّم کی آنکھیں درد سے اشکبار ہوگئیں۔

ارشاد فرمایا کہ اے صدیق! پھر کیا تدبیر ہے کہ بلال کو اس بلاء سے نجات ملے۔ حضرت صدّیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یارسول اللہ! انھیں میں خرید لیتا ہوں۔ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ اچھا تو بلال (رضی اللہ عنہ) کی خریداری میں میری بھی شرکت ہوگی۔ اللہ اکبر! کیا نصیبہ تھا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا کہ خود رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم ان کو خرید رہے ہیں۔

اس کالے جسم میں اللہ کی محبت سے ایسا نورانی دل تھا کہ بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلّم اس کی خریدار ہوگئی۔

الغرض حضرت صدّیق اکبر رضی اللہ عنہ اس یہودی کے پاس گئے، اس وقت بھی وہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو زدوکوب کر رہا تھا۔ فرمایا کہ اس ولی اللہ کو کیوں مارتا ہے؟

یہودی نے کہا کہ اگر تمھیں ایسی ہی ہمدردی ہے تو پیسہ لاؤ اور اس کو لے جاؤ۔
حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ سفید جسم اور کالے دل والا میرا یہودی غلام تو لے لے، اس کے بدلے اس کالے جسم اور روشن دل والا یہ حبشی غلام مجھے دے دے۔

تن سپید و دل سیہ ہستش بگیر
در عوض دہ تن سیاہ و دل منیر

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو لے کر بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں نے کیسا سودا کیا ہے۔ سفید جسم اور کالا دل دے آیا ہوں اور کالا جسم اور نورانی دل لے آیا ہوں۔ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ بہت اچھا سودا کیا تم نے اے صدّیق! اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اپنے سینۂ مبارک سے لگالیا۔
مولانا رومیؒ فرماتے ہیں۔

مصطفی اش در کنارِ خود کشید
کس چہ داند لذتے کورا چشید

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو مصطفی صلّی اللہ علیہ وسلّم نے آغوشِ رحمت میں لے لیا۔ جانِ بلال رضی اللہ عنہ نے جو لطف اس وقت محسوس کیا اس کو دوسرا کون سمجھ سکتا ہے۔

قصّۂ سُلطان محمود و ایاز

ایک روز صبح کے وقت سلطان محمود نے ارا کینِ سلطنت کی عقل و فہم کا امتحان کرنے کے لیے خزانۂ شاہی سے ایک موتی نکلوایا اور سب سے پہلے وزیر کے ہاتھ میں دے کر اس سے دریافت کیا کہ یہ موتی کتنے دام میں فروخت ہوگا۔ وزیر نے عرض

کیا کہ حضور! یہ موتی تو بہت ہی بیش قیمت ہے۔ سونے سے لدے ہوئے دو سو گدھوں سے بھی اس کی قیمت زیادہ ہے۔

سلطان نے کہا کہ اچھا تو میرے حکم سے اس بیش بہا موتی کو ریزہ ریزہ کر دو۔ وزیر نے عرض کیا کہ حضور! میں اس موتی کو ضایع نہ کروں گا۔ میں آپ کے خزانۂ دولت کا خیر خواہ ہوں اور اس گوہر کو توڑنا بد خواہی ہو گی۔ بادشاہ نے اس کو شاباشی دی اور ایک شاہی خلعت عطا فرمائی اور اس موتی کو وزیر کے ہاتھ سے لے کر سلطنت کے ایک دوسرے مقرّب عہدیدار کو دیا اور اس سے بھی اس کی قیمت دریافت کی، اس نے کہا حضور! اس بیش بہا موتی کی قیمت آپ کی آدھی سلطنت ہے۔ خدا اس موتی کو محفوظ رکھے۔ بادشاہ نے اس کو بھی حکم دیا کہ اس موتی کو ریزہ ریزہ کر دو۔ اس نے عرض کیا کہ حضور! ایسے قیمتی موتی کو توڑنے کے لیے میرا ہاتھ حرکت نہیں کر سکتا، اس موتی کو توڑنا خزانۂ سلطنت سے دشمنی کے مترادف ہو گا۔

سلطان محمود نے اس کو بھی شاہی خلعت عطا فرمائی اور دیر تک اس کی تعریف کرتا رہا۔

غرض بادشاہ نے ۶۵ اراکینِ سلطنت کو باری باری طلب کر کے یہی معاملہ فرمایا اور ہر ایک نے وزیر کی تقلید کی اور شاہی خلعت حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ سلطان سے شرفِ مدح بھی حاصل کیا۔ بادشاہ جب سب کا امتحان کر چکا اور انعامات دے چکا تو آخر میں اس نے ایاز کو طلب کیا اور موتی کو اس کے ہاتھ پر رکھ کر کہا کہ اے ایاز! ہر ایک نے اس موتی کو دیکھا تو بھی اس کی شعاعوں کو دیکھ لے اور غور کر کے بتا کہ اس کی کیا قیمت ہو گی۔

ایاز نے عرض کیا کہ حضور! جس قدر قیمت اس موتی کی عرض کروں گا، یہ موتی اس سے بھی کہیں زیادہ گراں اور بیش قیمت ہو گا۔ شاہ نے حکم دیا کہ اچھا فوراً اس گوہر کو توڑ دے اور بالکل ریزہ ریزہ کر دے۔ ایاز سلطان کا مزاج شناس تھا اور سمجھ رہا تھا کہ بادشاہ اس وقت امتحان کر رہا ہے۔ سلطان کا حکم سنتے ہی اس نے گوہرِ بیش بہا

کو چکنا چور کر دیا اور خلعت اور انعامات کی ذرا بھی طمع نہ کی۔ جیسے ہی ایاز نے وہ بیش بہا موتی توڑا تمام ارا کینِ سلطنت نے شور برپا کر دیا اور دیوانِ خاص میں ایک ہنگامہ مچ گیا۔ تماوزرائے سلطنت نے کہا کہ واللہ! یہ شخص کافر ہے یعنی ناسپاسِ نعمت ہے۔ جس نے اس پُر نور و محترم موتی کو توڑ دیا۔

ایاز نے کہا اے محترم بزرگو! حکمِ شاہ کی قیمت زیادہ ہے یا اس موتی کی۔ اے لوگو! تمہاری نظر موتی پر ہے، بادشاہ پر نہیں۔ میں اپنی نظر کو بادشاہ سے نہ ہٹاؤں گا اور مشرک کی طرح موتی کی طرف رخ نہ کروں گا کیوں کہ بادشاہ سے نظر ہٹا کر موتی کی طرف متوجہ ہونا بادشاہ کی محبت واطاعت میں شرک ہے۔

گفت ایاز اے مہترانِ نامور

امرِ شہ بہتر بقیمت یا گہر

ایاز نے کہا کہ اے نامور بزرگو! امرِ شاہ قیمت میں بہتر ہے یا موتی۔

من زِ شہ برمی نگر دانم بصر

من چو مشرک روئے نارم در گہر

میں بادشاہ سے اپنی نگاہ نہ ہٹاؤں گا۔ میں مشرک کی طرح گوہر کی طرف رخ نہ کروں گا۔

گوہر امرِ شاہ بود اے ناکساں

جملہ بشکستید گوہر را میاں

اے نااہلو! اصل موتی تو حکمِ شاہ تھا۔ تم سب نے سلطان کے حکم کا موتی توڑ دیا۔

چوں ایاز ایں راز بر صحرا فگند

جملہ ارکاں خوار گشتند و نژند

جس وقت ایاز نے اس راز کو ارا کینِ سلطنت پر ظاہر کیا، تمام ارا کین جو ایاز کے مقربِ بادشاہ ہونے کی وجہ سے حسد رکھتے تھے اس کی فتح و کامیابی سے ذلیل و خوار ہو گئے۔

فائدہ: اس حکایت میں نصیحت ہے کہ اَلْاَمْرُ فَوْقَ الْاَدَبِ یعنی حکمِ حاکم کے بعد اصل ادب یہی ہے کہ اس حکم پر عمل کیا جاوے۔ ایاز کو محمود سے ذاتی محبت تھی اور وزراء وامراء کو اپنی کرسیوں، عہدوں اور تنخواہوں سے محبت تھی۔ یہ فہم وعقل جو ایاز کے اندر تھی وہ محبت کا ذاتی فیضان تھا، محبت خود ادب سکھادیتی ہے۔ یہ خوش فہمی ومعرفت عقلِ محض سے نہیں آتی محبت ہی سے پیدا ہوتی ہے۔ شیطان عاقل تو تھا عاشق نہ تھا اس لیے احکم الحاکمین کے حکم پر اعتراض کر بیٹھا۔ حالاں کہ امرِ الٰہی کی عظمت کا تقاضا فوری تعمیلِ حکم کا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مردودِ بارگاہ ہوا اور حضرت آدم علیہ السلام عاشق تھے۔ محبت نے اپنے قصور کا اعتراف کرنے میں عار محسوس نہ کی بلکہ اعترافِ قصور کے ساتھ محبوبِ حقیقی کو راضی کرنے کی فکر میں آنکھوں نے آنسوؤں کے دریا بہادیے۔

حکایتِ مذکورہ میں امرِ الٰہی کی عظمت اور بے چوں وچرا تعمیل کا عبرت انگیز درس موجود ہے۔ محمود وایاز میں جو تعلق تھا وہ آقا اور غلام کا تھا اور حق تعالیٰ کے ساتھ ہمارا تعلق اس سے بے پناہ زیادہ گہرا ہے۔ ہمارے جسم کا ہر ذرہ حق تعالیٰ کا پیدا کردہ اور پروردہ ومملوک ہے اور ایسی ملکیت ہے کہ اس میں کوئی شریک نہیں۔ مسئلۂ جہاد کے اندر اسی ادب کی تعلیم ہے کہ کافر بھی خدا کی مخلوق ہے اور حق تعالیٰ کے انعاماتِ پرورش اس پر بھی اسی طرح عام ہیں جس طرح مؤمنین پر ہیں۔

اے کریمے کہ از خزانۂ غیب
گبر و ترسا وظیفہ خور داری

اے اللہ! آپ ایسے کریم ہیں کہ کافروں کو بھی خزانۂ غیب سے روزی عطا فرماتے ہیں۔

لیکن جب جہاد کا حکم ہوتا ہے اس وقت یہ سوچنا سخت بے ادبی ہے کہ اتنے انسانوں کا خون جن کی پرورش میں فلکیات، ارضیات، آفتاب، مہتاب، ستارے، بادل، شرقی، غربی، شمالی، جنوبی ہوائیں، سمندر، پہاڑ، لاکھوں مشینیں، لاکھوں کاریگر اور مزدور لاکھوں جانوروں کی خدمات مصروفِ کار تھیں، جن کی پرورش وبقائے حیات کے لیے اس درجہ اہتمام کہ ساری کائنات کو مصروفِ خدمت بنادیا گیا ان ہی انسانوں کو بوقتِ

جہاد منٹوں اور سیکنڈوں میں تہہ تیغ کر دینے کا حکم ہو رہا ہے۔ اب یہاں چوں و چرا کی گنجایش نہیں۔ اس وقت امرِ الٰہی کی عظمت کے سامنے پوری کائنات کی کچھ قیمت نہیں ؎

امر شہ بہتر بہ قیمت یا گہر
حکمِ شاہی بہتر ہے یا موتی

اس وقت ادب کا مقتضا یہی ہے کہ کفار کی گردنوں کو اڑا یا دیا جائے ؎

کہ بے حکم شرع آب خوردن خطاست
دگر خوں بفتویٰ بریزی رواست

بغیر حکمِ شریعت کے ایک قطرہ پانی پینا بھی جرم ہے جیسا کہ ماہِ رمضان کے روزوں کا قانون ہے اور جب جہاد کا فتویٰ ہو جائے اس وقت خون بہانا واجب ہے۔

مولانا فرماتے ہیں ؎

گوہرِ حق را بامرِ حق شکن
بر زجاجہ دوست سنگِ دوست زن

ترجمہ: گوہرِ حق کو امرِ حق سے توڑ دو۔ دوست کے شیشی کو (مخلوقاتِ الٰہیہ کو) دوست ہی کے حکم کے پتھر سے یعنی امرِ حق سے توڑ ڈالو۔ دوست کے حکم کی عظمت کے سامنے شیشے کی قیمت نظر نہ آوے، ایسا نہ ہو کہ شیشے کی قیمت دوست کے حکم کی تعمیل سے مانع ہو جائے۔

اس حکایت میں مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک کلّیہ بتا دیا ہے، جس سے انسان اپنی عبدیت و غلامی کو گمراہی و نافرمانی سے محفوظ رکھ سکتا ہے۔

فائدہ: اس واقعہ میں سالکین کے لیے یہ سبق ملتا ہے کہ نفس کی وہ تمام خواہشات جو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف ہیں خواہ کتنی ہی قیمتی اور لذیذ اور حسین نظر آئیں مگر عاشق اور جانبازِ الٰہی کو چاہیے کہ کسی بری خواہش پر ہرگز نظر نہ کرے اور اس خواہش کے موتی کو حکمِ الٰہی کے پتھر سے بے دریغ توڑ دے اور کسی حسین امرد یا عورت اجنبیہ کو نہ دیکھے، خواہ جان ہی نکل جانے کا اندیشہ ہو۔

حکایتِ حضرت ذوالنّون مصری رحمۃ اللہ علیہ

آں دم کہ دل بعشق دہی خوش دمے بود
در کارِ خیر حاجتِ ہیچ استخارہ نیست

وہ وقت کتنا مبارک ہوتا ہے کہ جس وقت دل کو حق تعالیٰ کی محبت کی نذر کیا جاوے اور ایسے اچھے کام میں استخارہ کی ضرورت نہیں ہوتی۔

کیا مبارک وقت تھا کہ حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کو حق تعالیٰ نے اپنی محبت کا درد عطا فرمایا۔

بلبل کو دیا نالہ تو پروانہ کو جلنا
غم ہم کو دیا ایسا جو مشکل نظر آیا

قلب میں ایک تڑپ پیدا ہوگئی اور آہ و نالہ و فریاد کا شغل شروع ہوگیا۔

حق تعالیٰ کی محبت کا ایک ذرۂ غم دونوں جہان کی نعمتوں سے بڑھ کر ہے۔ یہ ایسا غم ہے جو تمام غموں سے آزاد کر دیتا ہے اور یہ ایسی اچھی بیماری ہے جو تمام بیماریوں سے نجات دے دیتی ہے۔

ہو آزاد فوراً غمِ دو جہاں سے
ترا ذرّۂ غم اگر ہاتھ آئے

(اخترؔ)

وہ دل جو محض دنیا کی فانی لذتوں سے آگاہ تھا اور جس کی رسائی صرف دنیائے فانی تک تھی، عشقِ حقیقی کے فیض سے اب اس کی پرواز بالائے فلک تا عرشِ بریں ہے۔

پرّ ابدالاں چو پرّ جبرئیل
می پرد تا ظلّ سدرہ میل میل

(رومیؒ)

ابدالوں کے حضرت جبرئیل علیہ السلام کے پروں کی طرح نظر نہ آنے والے پَر ہوتے ہیں جن سے سدرۃ المنتہیٰ تک ایک جست میں میلوں کا سفر طے کرتے ہوئے پہنچتے ہیں۔

عارف کا قلب حق تعالیٰ کی معیتِ خاصہ کے ادراک کی برکت سے وہ کیف محسوس کرتا ہے کہ جس کی شوکت کے سامنے شراب اپنی مستی میں اس کیف کی بھکاری معلوم ہوتی ہے اور عارف کی فضائے قلب میں وسعت کا وہ عالم ہوتا ہے کہ چرخ اپنی گردش میں اس کے ہوش کا قیدی ہوتا ہے، اس ادراک واحساس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ عارف کی روح کو فیضانِ حق کے سبب عالمِ ناسوت یعنی دنیا سے برائے نام تعلق ہوتا ہے اور غلبہ عالمِ آخرت کے تعلق کا رہتا ہے۔ اسی مقام کے متعلق حضرت عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

بادہ در جوشش گدائے جوشِ ماست
چرخ در گردش اسیر ہوشِ ماست

میرے شیخ حضرت پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو اپنا حال تحریر فرمایا تھا کہ حضرت! مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ میں دنیا کی زمین پر نہیں آخرت کی زمین پر چلتا پھرتا ہوں۔ دنیا کے مشاغل آخرت کے استحضار سے مانع نہیں ہوتے۔ حق تعالیٰ کے ساتھ قوی رابطہ قلب میں جب راسخ ہوجاتا ہے تو یہی کیفیت ہوجاتی ہے اور بعض وقت عارفین پر خاص نفحاتِ کرم بھی غیب سے آتے رہتے ہیں، ان خاص لمحات کی کیفیت اور لطف کو الفاظ بیان نہیں کرسکتے۔ بس جس روح پر ان نفحات کا نزول ہوتا ہے وہی جانتی ہے اور لطف اندوز ہوتی ہے۔

جب کبھی وہ ادھر سے گزرے ہیں
کتنے عالم نظر سے گزرے ہیں
(عارفیؒ)

حق تعالیٰ کی محبت میں حضرت ذوالنّون مصری رحمۃ اللہ علیہ پر عجیب حالت طاری ہوگئی۔

حضرت مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایسی شورش و دیوانگی طاری تھی کہ آپ کی آہوں سے لوگوں کے کلیجے منہ کو آجاتے تھے۔ محبت میں بجز نالہ و فریاد کے کچھ اچھا نہیں معلوم ہوتا۔

نعرۂ مستانہ خوش می آیدم
تا ابد جاناں چنیں می بایدم

گریہ وزاری اور تضرّع سے حق تعالیٰ کا راستہ بہت جلد طے ہوتا ہے، اس قدر قرب ہوتا ہے کہ سالہاسال کے مجاہدے سے وہ بات نصیب نہیں ہوتی۔

جز خضوع و بندگی و اضطرار
اندریں حضرت ندارد اعتبار
چوں خدا خواہد کہ ما یاری کند
میلِ مارا جانبِ زاری کند
نالم اورا نالہا خوش آیدش
از دو عالم نالہ و غم بایدش

اے جلیل آشکِ گنہ گار کے ایک قطرہ کو
ہے فضیلت تری تسبیح کے سو دانوں پر

محبت کا سب سے بڑا انعام یہی تڑپ ہے۔

تڑپنے سے ہم کو فقط کام ہے
یہی بس محبت کا انعام ہے

(حضرت مولانا محمد احمد پرتاب گڑھیؒ)

جب حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کا جوشِ عشق حد سے گزر گیا اور آپ کی آہ وزاری سے مخلوق عاجز ہوگئی تو رندوں کی ایک جماعت نے آپ کو قید خانے میں بند کر دیا۔

حسن جب مقتل کی جانب تیغِ برّاں لے چلا
عشق اپنے مجرموں کو پابجولاں لے چلا

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ جب قید خانے کی طرف خوش خوش جانے لگے تو آپ کے دوست بھی بطورِ ہمدردی ساتھ چل دیے۔ جب آپ کو قید خانے میں داخل کرکے دروازہ بند کر دیا گیا تو دوستوں نے غور و فکر شروع کیا کہ آخر کیا ماجرا ہے کہ اتنا بڑا شیخِ باطن قید خانے میں محصور کر دیا گیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اپنے مہتابِ باطن کو ابرِ جنوں سے چھپانا چاہتے ہیں اور عوام کے شر سے بچنے کے لیے یہ صورت اختیار کی ہے یا عاقلوں کی صحبت سے متوحّش ہو کر خود کو دیوانہ بنالیا ہے۔ آخر کار ان سب نے زنداں کی سلاخوں کے قریب آکر عرض کیا کہ حضور! ہم سب آپ کے مخلص دوست ہیں اور آپ کی مزاج پرسی کے لیے حاضر ہوئے ہیں اور حیران ہیں کہ کس نے آپ پر جنون کا الزام لگادیا۔ آپ تو دریائے عقل ہیں۔ یہ اہلِ ظاہر آپ کے مقامِ قرب اور رفعتِ باطن سے ناواقف ہیں اور آپ کو مجنون و دیوانہ سمجھتے ہیں حالاں کہ آپ عاشقِ حق ہیں۔ ہم لوگ آپ کے سچے محبّ اور دوست ہیں اور دونوں عالم میں بہت آپ کو عزیز رکھتے ہیں۔ براہِ کرم ہم پر اس راز کا انکشاف فرما دیجیے کہ آپ اس قید خانے میں اپنی جان کو کیوں ضایع فرما رہے ہیں۔ راز کو اپنے دوستوں سے نہیں چھپایا کرتے۔

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی گفتگو میں بوئے اخلاص محسوس نہ کی۔ پس امتحانِ اخلاص کے لیے ان کی طرف پتھر اٹھا کر دوڑے جیسے کہ پاگل وحشت میں لوگوں کو مارنے کے لیے دوڑتا ہے، یہ معاملہ دیکھتے ہی وہ لوگ چوٹ کے ڈر سے بھاگ کھڑے ہوئے۔ ان کا یہ گریز دیکھ کر شیخ نے ان کے اعتقاد و محبت پر قہقہہ لگایا اور فرمایا کہ اس درویش کے دوستوں کو تو دیکھو۔ ارے نادانو! تم محبت و دوستی کو کیا جانو۔

کے کراں گیرد ز رنجِ دوست دوست
رنج مغز و دوستی او را چو پوست
(رومیؒ)

سچا دوست، دوست کے رنج وتکلیف سے کب کنارہ کشی کرتا ہے۔ دوست کی دوستی تو پوست ہے اور دوست کی طرف سے رنج وتکلیف اصلی مغز ہے۔

دوست ہمچو زر بلا چوں آتش است
زرِّ خالص در دلِ آتش خوش است

دوست مثل سونے کے ہے اور بلا ومصیبت مثل آگ کے ہے اور خالص سونا آگ کی تکلیف میں اور چمکتا ہے اور خوش ہوتا ہے اور عاشقینِ خام کا یہ حال ہوتا ہے۔

تو بیک زخمے گریزانی زِ عشق
تو بجز نامے نمی دانی زِ عشق

اے مخاطب! جب ایک ہی زخم سے تو عشق سے مستعفی ہوگیا اور راہِ فرار اختیار کرلی تو معلوم ہوا کہ تجھے ابھی عشق کی ہوا بھی نہیں لگی، تونے صرف عشق کا نام سن رکھا تھا۔ پس محبت کا راستہ آسان نہیں ہے، قلب وجگر خون کرنا پڑتے ہیں تب یہ راستہ طے ہوتا ہے۔

ناز پروردۂ تنعّم نبرد راہ بدوست
عاشقی شیوۂ رِندانِ بلاکش باشد

دوست کے راستے کو ناز ونعمت کا پلا ہوا کیا طے کرے گا۔ ارے! عاشقی تو رندانِ بلاکش کا کام ہے جو حق تعالیٰ کے راستے کی ہر مصیبت جھیلنے کو تیار رہتے ہیں۔

پس اللہ تعالیٰ کے راستے میں مردانہ وار قدم رکھنا چاہیے۔ بقول ہمارے ایک بزرگ باباصاحب مجازِ صحبت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کہ مان لے اور ٹھان لے یعنی پہلے دل میں حق تعالیٰ کے ساتھ رابطہ ومحبت قائم کرے پھر ٹھان لے کہ ان کی راہ میں جو تکلیفیں پڑیں گی اٹھاؤں گا۔ دنیا کی تجارت وملازمت کے لیے لوگ کیا کیا مصائب جھیلتے ہیں۔ یہ سودا تو آخرت کا ہے۔

حکایتِ علاجِ عشقِ مجازی

ایک طالبِ حق اصلاحِ نفس کے لیے ایک بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور شیخ کے تجویز کردہ ذکر اور شغل کو اہتمام سے کرنے لگے لیکن جو کنیز شیخ کے گھر سے ان کے لیے کھانا لایا کرتی تھی اس پر بار بار نگاہ ڈالنے سے ان کے دل میں اس خادمہ کا عشق پیدا ہو گیا۔ چناں چہ جب وہ کھانا لے کر آتی یہ کھانے کی طرف متوجہ ہونے کے بجائے اسی کو عاشقانہ نظروں سے گھورتے رہتے۔ وہ خادمہ بھی اللہ والی تھی۔ اس کو شبہ ہوا کہ یہ شخص مجھ کو بری نگاہ سے دیکھتا ہے۔ بد نگاہی کی ظلمت کا اس خادمہ کے نورانی قلب نے ادراک کر لیا اور اس نے شیخ سے عرض کیا کہ حضور! آپ کا فلاں مرید میرے عشق میں مبتلا ہو گیا ہے۔ اس کو ذکر اور شغل سے اب کیا نفع ہو گا؟ پہلے آپ اس کو عشقِ مجازی سے چھڑائیے۔ اللہ والوں کی شان یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے احباب و متعلقین و خدام کو حتی الامکان رسوا نہیں فرماتے اور یہ حضرات کسی کی بری حالت سے مایوس نہیں ہوتے کیوں کہ یہ عارف ہوتے ہیں، ان کی نظر حق تعالیٰ کی عطا اور فضل پر ہوتی ہے اور عطائے حق کا یہ حال ہے ؎

جوش میں جو آئے دریا رحم کا
گبر صد سالہ ہو فخر اولیاء

تم کسی کافر کو مت جانو حقیر
رحمتِ حق کیا عجب ہو دستگیر

خاتمہ ہونے سے پہلے ہے امید
کافر و مشرک ہو پَل میں بایزید

(من فیوضِ مرشدی)

چناں چہ شیخ نے باوجود علم کے نہ اس مرید کو ڈانٹا اور نہ اپنے اس علم کا اظہار کیا۔ البتہ دل کو فکر لاحق ہو گئی کہ اس کو عشقِ مجازی سے کس طرح نجات حاصل ہو۔

حق تعالیٰ کی طرف سے ایک تدبیر الہام ہوئی جس پر آپ نے عمل فرمایا اور اس خادمہ کو اسہال کی دوا دے دی اور ارشاد فرمایا کہ تجھ کو جتنے دست آئیں سب کو ایک طشت میں جمع کرتی رہنا۔ یہاں تک کہ اس کو دس دست ہوئے جس سے وہ انتہائی کمزور اور لاغر ہو گئی۔ چہرہ پیلا ہو گیا، آنکھیں دھنس گئیں، رخسار اندر کو بیٹھ گئے۔ ہیضہ کے مریض کا چہرہ جس طرح خوفناک ہو جاتا ہے خادمہ کا چہرہ بھی ویسا ہی پُر خوف و مکروہ ہو گیا اور تمام حسن جاتا رہا۔ شیخ نے خادمہ سے ارشاد فرمایا کہ آج اس کا کھانا لے کر جا اور خود بھی آڑ میں چھپ کر کھڑے ہو گئے۔ مرید نے جیسے ہی خادمہ کو دیکھا تو کھانا لینے کے بجائے اس کی طرف سے چہرہ پھیر لیا اور کہا کہ کھانا رکھ دو۔ شیخ فوراً آڑ سے نکل آئے اور ارشاد فرمایا کہ اے بے وقوف! آج تو نے اس خادمہ سے کیوں رخ پھیر لیا۔ اس کنیز میں کیا چیز کم ہو گئی جو تیرا عشق آج رخصت ہو گیا۔ پھر شیخ نے خادمہ کو حکم دیا کہ وہ پاخانے کا طشت اٹھالا۔ جب اس نے سامنے رکھ دیا تو شیخ نے مرید کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا کہ اے بے وقوف! اس خادمہ کے جسم سے سوائے اتنی مقدار پائخانے کے اور کوئی چیز خارج نہیں ہوئی۔ معلوم ہوا کہ تیرا معشوق در حقیقت یہی پائخانہ تھا جس کے نکلتے ہی تیرا عشق غائب ہو گیا۔

از مثنوی احقر اختر (عفا اللہ عنہ)

خادمہ کے جسم سے کیا کم ہوا
دیکھ کر کیوں آج تجھ کو غم ہوا

جسم سے کیا چیز رخصت ہو گئی
جس سے تجھ کو اتنی نفرت ہو گئی

شیخ نے پھر طشت دکھلایا اسے
جو بھرا تھا خادمہ کے دست سے

اور کہا کہ دیکھ اے طالب اسے
صرف یہ نکلا ہے اس کے جسم سے

پس ترا معشوق یہ پاخانہ تھا
تو اسی کا آہ بس دیوانہ تھا

حسن جب مسہل سے پھیکا پڑ گیا
عشق کا بازار ٹھنڈا پڑ گیا

شیخ نے ارشاد فرمایا کہ اگر تجھ کو اس جاریہ سے محبت تھی تو اب وہ محبت نفرت سے کیوں تبدیل ہوگئی۔

خادمہ سے عشق تھا تجھ کو اگر
عشق کیوں جاتا رہا اے بے خبر

عشقِ مجازی کا پلید ہونا شیخ کی اس تدبیر سے اچھی طرح اس شخص پر واضح ہوگیا اور اپنی حرکت پر بہت شرمندہ ہوا اور حق تعالیٰ کی بارگاہ میں بصد گریہ وزاری صدقِ دل سے توبہ کی اور عشقِ حقیقی کی دولت سے مالامال ہوگیا۔

طالبِ حق ہوگیا بس منفعل
اپنی غلطی پر ہوا بے حد خجل

رستگاری نفس کی زنجیر سے
پاگیا مرشد کی اک تدبیر سے

(اخترؔ)

حضرت عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ اس حکایت سے یہ نصیحت فرماتے ہیں کہ اے لوگو! جس گھونگروالی زلفِ مشکبار پر آج تم فریفتہ ہو یہی زلف ایک دن تم کو بڈھے گدھے کی دُم کی طرح بری معلوم ہوگی۔

زُلف جعد و مشکبار و عقل بر
آخرِ او دمِ زشتِ پیرِ خر
(رومیؒ)

گھونگر والی مشکبار اور عقل و ہوش اڑانے والی زلف آخر کار پیری میں بڈھے گدھے کی دم کی طرح بری معلوم ہوتی ہے۔

نرگسِ چشمِ خماری ہمچو جاں
آخرا عمش بیں و آب از وے چکاں
(رومیؒ)

آج جس چشمِ خمار آلود پر جان قربان کر رہے ہو اس کا انجام بڑھاپے میں دیکھو کہ اسی آنکھ سے گندا پانی ٹپکتا ہے اور چوندہ پن کا مرض ہو جاتا ہے۔

کودکے از حسن شد مولائے خلق
بعد پیری شد خرف رسوائے خلق
(رومیؒ)

ایک حسین بچے کو دیکھو کہ حسن کی وجہ سے وہ مخلوق کا سردار اور مولیٰ بنا ہوا ہے لیکن جب بوڑھا ہو گیا تو مخلوق میں بے قدر پھرتا ہے۔

روز دیدی طلعتِ خورشید خوب
مرگِ او را یاد کن وقتِ غروب
(رومیؒ)

طلوع کے وقت آفتاب کو کیسا خوشنما دیکھتے ہو لیکن اس کی موت کو یاد کرو ڈوبنے کے وقت۔

بدر را دیدی بریں خوش چار طاق
حسرتش راہم ببیں اندر محاق
(رومیؒ)

چودھویں کے چاند کو آسماں پر کیسا خوشنما دیکھتے ہو لیکن اس کی حسرت کو دیکھو جب وہ گھٹنے لگتا ہے۔

اے بدیدہ لوتہائے چرب خیز
فضلۂ آں را ببیں در آب ریز

(رومیؒ)

اے شخص! تو عمدہ غذاؤں کی تازگی اور حسن پر فریفتہ ہے لیکن بیت الخلاء میں اس کے فضلے کو جا کر دیکھ! کہ کیا نتیجہ ہے؟

زادۂ دنیا چو دنیا بے وفا است
گرچہ رو آرد بتو آں رو قفا است

(رومیؒ)

اہلِ دنیا مثلِ دنیا کے بے وفا ہیں۔ اگر یہ تمہاری طرف چہرہ کریں تو سمجھ لو یہ چہرہ نہیں سر کا پچھلا حصّہ ہے۔

عشقِ پاکاں درمیانِ جاں نشاں
دل مدہ اِلّا بمہرِ دل خوشاں

(رومیؒ)

جب دنیا اور اہلِ دنیا کی بے وفائی معلوم ہوگئی تو پاک بندوں یعنی اللہ والوں کی محبت دل میں قائم کرو اور دل کسی سے مت لگاؤ لیکن صرف اللہ تعالیٰ کے مقبول اور خاص بندوں سے۔

علامت مقبول عند اللہ ہونے کی یہ ہے کہ ان بندوں کے پاس بیٹھ کر دل دنیا سے بے رغبت ہونے لگے اور حق تعالیٰ کی طرف مائل ہونے لگے اور ظاہری طور پر یہ شخص متبعِ سنت ہو اور کسی بزرگ متبعِ سنت کا صحبت یافتہ واجازت یافتہ ہو۔ ان خوبیوں کے بعد پھر ہرگز اس میں کشف وکرامت مت تلاش کرو کہ کشف وکرامت امرِ غیر اختیاری ہے اور امورِ غیر اختیاریہ کو قبولیت اور عدمِ قبولیت سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ قرب یا عدمِ قرب کا مدار اللہ نے امورِ غیر اختیاریہ پر نہیں رکھا ورنہ نعوذ باللہ! اعتراض

لازم آتا کہ بندوں کے اختیار سے زیادہ ان پر تکلیفِ شرعی کا بار رکھا گیا۔ خوب سمجھ لیا جاوے۔(ھٰذا من فیوضِ مرشدی رحمۃ اللہ علیہ)

حسنِ مجازی کی حقارت و فنائیت اور نا قابلِ التفات ہونے پر احقر نے ابھی ابھی ایک نظم لکھی ہے جس کا عنوان ''کلامِ عبرتناک برائے عشقِ ہوسناک'' ہے، افادۂ قارئین کے لیے درج کرتا ہوں، حق تعالیٰ اپنی رحمت سے قبول فرماویں اور خلق کے لیے نافع فرماویں۔ آمین۔

کلامِ عبرتناک برائے عشقِ ہوسناک

ازاحقر اختر

وہ زلفِ فتنہ گر جو فتنہ ساماں تھی جوانی میں
دمِ خر بن گئی پیری سے وہ اس دارِفانی میں

جو غمزہ شہرۂ آفاق تھا کل خونفشانی میں
وہی عاجز ہے پیری سے خود اپنی پاسبانی میں

سنبھل کر رکھ قدم اے دل بہارِ حسنِ فانی میں
ہزاروں کشتیوں کا خون ہے بحرِ جوانی میں

ہماری موت روحانی ہے عشقِ حسنِ فانی میں
حیاتِ جاوداں مضمر ہے دل کی نگہبانی میں

جو عارض آہ رشکِ صد گلستاں تھا جوانی میں
وہ پیری سے ہے ننگِ صد خزاں اس باغِ فانی میں

جو ابرو اور مژگاں قتل گاہِ عاشقاں تھے کل
وہ پیری سے ہیں اب مژگانِ خر کیچڑ روانی میں

وہ جانِ حسن جو تھا حکمراں کل بادشاہوں پر
ہے پیری سے بغاوت آج اس کی حکمرانی میں

محبت بندۂ بے دام تھی جس روئے تاباں کی
زوالِ حسن سے نادم ہے اپنی جانفشانی میں

وہ نازِ حسن جو تھا زینتِ شعر و سخن کل تک
وہ اب پیری سے ہے محصور کیوں ریشہ دوانی میں

کہاں کا پردۂ محمل کہاں کی آہِ مہجوری
وہ بت پیری سے رسوا ہے غبارِ شتربانی میں

شبابِ حسن کی رعنائیاں صبحِ گلستاں ہے
مگر انجامِ گلشن دیکھ شامِ باغبانی میں

وہ جانِ نغمۂ عشاق اور جانِ غزل گوئی
ہے پیری سے گل افسردہ بہارِ شعر خوانی میں

ہزاروں حسن کے پیکر لحد میں دفن ہوتے ہیں
مگر عشاقِ ناداں مبتلا ہیں خوش گمانی میں

اگر ہے عشق تو بس عشقِ حیؔ لایزل باقی
محبت عارضی ہوتی ہے عشقِ حسنِ فانی میں

نہ کھا دھوکا کسی رنگینیٔ عالم سے اے اخترؔ
محبت خالقِ عالم سے رکھ اس دارِ فانی میں

فائدہ: حاصلِ قصہ یہ ہے کہ وہ طالبِ حق عشقِ مجازی کے فتنے سے موت تک نجات نہ پاتا لیکن ایک مقبول بندے کی صحبت کے فیض سے اسے اس پلیدی سے نجات مل گئی۔

اسی مضمون کو حضرت مولانا عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ کا راستہ نِری عقل سے طے نہیں کیا جا سکتا۔ کسی اللہ والے کی صحبت میں اصلاح کی غرض اور نیت سے حاضری ضروری ہے، اگر مقبولینِ کاملین کی اطاعت سے جی چراؤگے تو ہمیشہ ناقص رہوگے اور کمال نصیب نہ ہوگا۔ چناں چہ شیخ بو علی سینا شیخ الفلاسفہ ہونے کے باوجود موت کے وقت عقل کو بے ساز وسامان دیکھتا تھا اور محض بے نتیجہ و بے فائدہ کہتا تھا اور اقرار کرتا تھا کہ ہم نے عقل وذکاوت کا گھوڑا فضول دوڑایا اور ذہانت وذکاوت کے دھوکے میں آکر اہل اللہ کی اطاعت نہ کی اور خیالی سمندر میں تیرتے رہے۔

مولانا فرماتے ہیں کہ بحرِ معرفت میں تیرنا عقل وذکاوت سے کام لینا بالکل بے کار ہے وہاں تو کشتی نوح علیہ السّلام یعنی اعانتِ اہل للہ کی ضرورت ہے۔ دیکھو حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے کنعان نے عقل کا گھوڑا دوڑایا کہ مجھ کو اس طوفان سے اونچے اونچے پہاڑ بچالیں گے اور خدائی کشتی کو حقیر سمجھا۔ نتیجہ کیا ہوا کہ وہ معمولی کشتی فضلِ الٰہی کے سبب طوفان سے محفوظ رہی اور اونچے اونچے پہاڑوں پر طوفان پہنچ گیا اور کنعان ہلاک ہوگیا۔

ضعفِ قطب در تن بُود در روح نے
ضعف در کشتی بود در نوح نے

(رومیؒ)

پس مولانا نصیحت فرماتے ہیں کہ تم چوں کہ صحیح نظر نہیں رکھتے اس لیے اہل اللہ کی محبت اور ان کی اطاعت کی کشتی تم کو حقیر معلوم ہوتی ہے اور اہلِ یورپ کی تقلید میں عقل کے پہاڑ کو بہت بڑا سمجھتے ہو۔ لیکن خبردار! اس بظاہر حقیر کشتی کو واقع میں حقیر مت سمجھنا یعنی اہل اللہ اکثر پھٹے پرانے لباس میں ہوتے ہیں اور سادہ زندگی گزارتے ہیں تو ان کی سادگی کی وجہ سے ان کو حقیر مت سمجھنا بلکہ حق تعالیٰ کے اس فضل کو دیکھنا جو ان کے شاملِ حال ہے۔ اس واصل بحق کشتی کی جلالتِ شان پر نگاہ رکھو، کوہِ عقل کی بلندی پر نظر نہ کرو۔ کیوں کہ قہرِ خداوندی کی ایک موج اس کوہ کو زیروزبر کرسکتی ہے لیکن وہ کشتی جو رحمت کے سائے میں چل رہی ہے اس کی ظاہری طاقت وجسامت کو مت دیکھو کہ یہ

کشتی طوفان ہائے نفس وشیطان سے صحیح سلامت گزر جائے گی کیوں کہ اس پر قدرت ورحمتِ الٰہیہ کا سایہ ہے۔ اگر اس نصیحت پر عمل نہ کروگے تو آخر میں تمھیں اپنے قصورِ عقل کا اقرار کرنا پڑے گا اور پچھتانا پڑے گا۔ پس اگر لغزشوں اور برائیوں سے حفاظت مطلوب ہے تو اہل اللہ کی خاکِ پا کو اپنی آنکھوں کا سرمہ بنالو۔ پھر تم ٹھوکر نہ کھاؤ گے۔ جو لوگ دین کا راستہ اپنی عقل سے طے کرتے ہیں وہ توبہ شکن ہوتے ہیں۔ ان کی توبہ کی حالت یہ ہوتی ہے کہ شیطان نے ایک پھونک ماری اور ان کی توبہ ٹوٹی۔ لیکن ان کے تکبر کی حالت یہ ہوتی ہے کہ اہل اللہ کو حقیر سمجھتے ہیں۔ ایسے لوگ تمام زندگی ناقص رہتے ہیں۔ پس اے لوگو! اپنے لیے کوئی راہ بر تلاش کرو اور اللہ والوں کی صحبت کو کیمیا سمجھو۔

واقعہ حضرت شاہ ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ

ایک طالبِ صادق درویش نے حضرت شاہ ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کے لیے طالقان سے خارقان تک کا دور دراز سفر کیا اور درمیانِ سفر مختلف پہاڑوں اور دیواروں سے گزرا۔ طلب وپیاس ومحبت سب کچھ کراتی ہے ؎

پھرتا ہوں جنگلوں میں کبھی کوئے یار میں
وحشت میں اپنا چاک گریباں کیے ہوئے

اُس درویش کے دل میں محبت کی ایک تڑپ تھی جو اس طویل سفر کی مشقتوں کو جھیلنے پر مجبور کر رہی تھی۔ محبت کی شان عجیب ہے ؎

ہم طَورِ عشق سے تو واقف نہیں ہیں لیکن
سینے میں جیسے کوئی دل کو ملا کرے ہے

حق تعالیٰ کی محبت میں کیا ہوتا ہے؟ باعتبار فطری مزاج کے ہر ایک پر مختلف اثرات کا ظہور ہوتا ہے۔

بگوشِ گل چہ سخن گفتۂ کہ خنداں است
بہ عندلیب چہ فرمودۂ کہ نالاں است

پھول کے کان میں آپ نے کیا بات فرمادی جس کی مسرّت سے وہ ہنستا رہتا ہے اور بلبل سے آپ نے کیا فرمادیا کہ وہ دردِ عشق سے گریہ وزاری اور نالہ وفغاں میں مشغول ہے۔

جس بندے پر جو حال میاں چاہتے ہیں طاری فرمادیتے ہیں۔ میرے شیخ حضرت شاہ پھولپوری قدّس سرّہ العزیز مجھ سے گاہ گاہ ایک عاشقِ مجذوب کا واقعہ ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ ایک مجذوب کسی دیہات کے رہنے والے تھے۔ حق تعالیٰ کی طرف سے ان کے باطن پر قبض طاری کردیا گیا۔ اصطلاحِ تصوّف میں قبض اس حالت کو کہتے ہیں کہ دل پر ایک کیفیتِ جمود وافسردگی پیدا ہوجاتی ہے اور حق تعالیٰ کے ساتھ جو حضوری نصیب رہتی ہے اس میں کمی محسوس ہونے لگتی ہے۔ عبادات میں جی نہیں لگتا، ذکر کی لذت اور کیفیتِ سرور چھین لی جاتی ہے۔ اس حالت کے طاری کرنے میں سالک کی تربیت اور ترقی مقصود ہوتی ہے چوں کہ اگر ہمیشہ حضور وانشراح اور مشاہدہ کی حالت باقی رہے تو پندار وعُجب پیدا ہوجائے جو اس راہ میں موجبِ ہلاکت وخسران ہے۔ حق تعالیٰ کو بندوں کے تمام معاصی مبغوض ہے مگر ان میں تکبر اور خود بینی سخت تر مکروہ اور مبغوض ہے۔ قبض کے طاری ہونے سے عاجزی اور شکستگی پیدا ہوتی ہے جو عند اللہ نہایت محبوب ہے، عبد کے معنیٰ ہی میں ذلت اور شکستگی داخل ہے لہٰذا بندہ ہوکر تکبر اور پندار کے نشے میں چور رہے یہ انتہائی خسارے کی بات ہے اور منافیٔ عبدیت ہے۔

ز خاک آفرید ت خداوند پاک
تو اے بندہ افتادگی کن چو خاک

خداوند پاک نے تجھ کو خاک سے پیدا کیا ہے تو اے بندہ! تو مثلِ خاک کے خاکساری اور عاجزی اختیار کر۔

قبض کی مذکورہ کیفیت کبھی صدورِ معصیت سے طاری ہوجاتی ہے کیوں کہ گناہ سے دل میں ظلمت پیدا ہوتی ہے جس کی وجہ سے عبادت میں جی نہیں لگتا۔ دونوں صورتوں میں استغفار کی کثرت نہایت مفید ہے۔ میرے شیخ حضرت شاہ پھولپوری قدّس سرّہ العزیز نے ارشاد فرمایا تھا کہ کتنا ہی شدید قبض طاری ہو، قلب میں انتہائی ظلمت اور جمود پیدا ہوگیا ہو اور

سالہاسال سے دل کی یہ کیفیت نہ جاتی ہو تو ہر روز وضو کرکے پہلے دو رکعت نفل توبہ کی نیت سے پڑھے پھر سجدے میں جا کر بارگاہِ رب العزت میں عجز و ندامت کے ساتھ خوب استغفار کرے پھر اس وظیفہ کو ۳۶۰ مرتبہ پڑھا جاوے۔

يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ [۱۳]

وظیفۂ مذکورہ میں **يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ** دو اسمائے الٰہیہ ایسے ہیں جن کے اسمِ اعظم ہونے کی روایت ہے اور آگے وہ خاص آیت ہے جس کی برکت سے حضرت یونس علیہ السلام نے تین تاریکیوں سے نجات پائی: پہلی تاریکی اندھیری رات کی، دوسری پانی کے اندر کی، تیسری مچھلی کے شکم کی۔ ان تین تاریکیوں میں حضرت یونس علیہ السلام کی کیا کیفیت تھی اس کو خود حق تعالیٰ شانہٗ نے ارشاد فرمایا ہے۔ **وَهُوَ كَظِيْمٌ** اور وہ گھٹ رہے تھے۔ **کظم** عربی لغت میں اس کرب و بے چینی کو کہتے ہیں جس میں خاموشی ہو۔ حضرت یونس علیہ السلام کو اسی آیتِ کریمہ کی برکت سے حق تعالیٰ شانہٗ نے غم سے نجات عطا فرمائی اور آگے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ:

وَكَذٰلِكَ نُـْجِي الْمُؤْمِنِيْنَ [۱۴]

اور اسی طرح ہم ایمان والوں کو نجات عطا فرماتے رہتے ہیں۔

پس معلوم ہوا کہ قیامت تک کے لیے غموں سے نجات پانے کے لیے یہ نسخہ نازل فرما دیا گیا۔ جو کلمہ گو بھی کسی اضطراب و بلا میں کثرت سے اس آیتِ کریمہ کا ورد رکھے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ نجات پائے گا۔

اس آیتِ کریمہ میں حق تعالیٰ کی پاکی کا بیان ہے اور اپنی ناپاکی اور نالائقی کا اقرار ہے اور اس اقرار کے اندر اظہارِ ندامت ہے اور ندامت ہی توبہ کی اصل حقیقت و روح ہے۔ اس آیتِ کریمہ کے اوّل و آخر تین بار درود شریف بھی پڑھ لینا چاہیے۔

---

[۱۳] الانبیآء: ۸۷

[۱۴] الانبیآء: ۸۸

قصہ یہ چل رہا تھا کہ وہ مجذوب جو ایک دیہات کے رہنے والے تھے۔ ان پر شدید قبض طاری ہوا۔ حق تعالیٰ شانہٗ کی طرف سے جو قرب و حضور میسّر تھا مشیّتِ الٰہی نے جب اس آفتابِ قرب پر ابر مسلّط فرمادیا تو غمِ فراق سے بے چین جنگل جنگل نالۂ ہجر کرتے ہوئے اور روتے ہوئے اپنی دیہاتی زبان میں اس بے کیفی اور تلخ ایامی کو اس عنوان سے اپنے مولیٰ کو سناتے۔ وہ جملہ ان مجذوب بزرگ کا نہایت دردناک اور عشق ناک ہے۔ فرمایا کرتے ؎

دلیا بنا بھتوا اداس موری سجنی

دلیا سے مراد دال ہے۔ بھتوا بھات، پکے ہوئے چاول کو کہتے ہیں۔ اداس معنیٰ افسردہ۔ موری معنیٰ میری۔ سجنی یعنی محبوب۔

سلیس ترجمہ یہ ہوا کہ اے میرے محبوبِ! جس طرح دال کے بغیر چاول پھیکا پھیکا اور بے کیف معلوم ہوتا ہے اور لقمہ حلق سے نیچے نہیں اترتا اسی طرح میری زندگی کے ایام آپ کی جدائی سے اداس وافسردہ وبے کیف ہوگئے اور یہ دن کاٹے نہیں کٹتے۔

(۱) از غمِ ما روزہا بیگاہ شد
روزہا با سوزہا ہمراہ شد
(رومیؒ)

غم سے اپنے ایامِ زندگی بھی مجھ کو اجنبی محسوس ہورہے ہیں اور میرے شب وروز سوزِ فراق سے مل گئے ہیں۔

از فراقت تلخ شد ایامِ ما
دور شد از جانِ ما آرامِ ما
(اخترؔ)

اے محبوب! آپ کی جدائی سے میرے ایامِ زندگی تلخ ہوگئے ہیں اور میری روح سے میرا آرام وسکون چھن گیا ہے۔

حضرت مرشدی قدّس سرّہٗ اس واقعہ کو ارشاد فرماکر آبدیدہ ہوجاتے اور ان آنسوؤں

سے عجیب کیف ظاہر ہوتا۔ محبت کی باتوں کا لطف تو صاحبِ محبت اور صاحبِ درد ہی محسوس کر سکتا ہے۔

لذتِ درد کو بے درد بھلا کیا جانے

بہر حال وہ درویش صعوبت ومشقت اٹھاتے ہوئے کسی طرح خارقان پہنچے اور پوچھتے پوچھتے حضرت شاہ ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ کے مکان پر حاضر ہو کر دستک دی۔ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ گھر پر موجود نہ تھے۔ ایندھن کے لیے لکڑی لینے جنگل تشریف لے گئے تھے۔ اندر سے شاہ صاحب کی اہلیہ نے پوچھا: کون ہے؟ عرض کیا کہ مسافر ہوں اور دور دراز کا سفر طے کر کے حضرت شاہ صاحب کی زیارت کو حاضر ہوا ہوں۔

اہلیہ نہایت بدمزاج اور تندخو تھیں۔ حضرت شاہ صاحب سے اکثر لڑا کرتی تھیں۔ مسافر کے اس اظہارِ عقیدت پر بہت غضب ناک ہوئیں اور کہا: اے شخص! کیا تجھ کو دنیا میں کوئی اور کام نہ تھا کہ اس قدر طویل سفر کی تکلیفیں فضول برداشت کیں اور حضرت شاہ صاحب خرقانی رحمۃ اللہ علیہ کو بہت سخت وسست اور برا بھلا کہا جس کو نقل کرنا بھی گستاخی ہوگی۔ اس طالبِ صادق نے حضرت شیخ کی اہلیہ کی زبان سے جب یہ بدتمیزی کی باتیں سنیں تو تاب نہ لا سکا اور کہا کہ اگر حضرت شیخ سے تم کو نسبت تزوج کی نہ ہوتی تو ابھی تمہارے جسم کو پارہ پارہ کر دیتا۔ لیکن اتنے بڑے سلطان العارفین کی اہلیہ ہو اس لیے میں کوئی گستاخی نہیں کر سکتا۔ یہ کہہ کر پھر محلہ کے لوگوں سے دریافت کیا کہ حضرت کہاں تشریف لے گئے ہیں۔ کسی نے بتایا کہ وہ قطبِ وقت جنگل سے لکڑیاں لینے گئے ہیں۔ شیخ کی محبت میں وہ مرید جنگل کی طرف چل دیا اور راستے میں سوچتا جارہا تھا کہ اتنا بڑا شیخ ایسی بدخو عورت کو نہ جانے کیوں شرفِ تعلق بخشا ہے۔ اسی شش وپنج میں مبتلا تھا کہ دیکھتا ہے کہ سامنے سے ایک شخص شیر کی پشت پر سوار چلا آرہا ہے اور لکڑیوں کا گٹھڑ بھی شیر کی پشت پر رکھا ہوا ہے۔ یہی قطبِ وقت سلطانِ معرفت حضرت شاہ ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔

جب حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس مرید کو دیکھا تو آپ ہنس

پڑے اور سمجھ گئے کہ اہلیہ کی سخت باتیں سن کر یہ مغموم ومتردد ہے۔ ارشاد فرمایا:

گر نہ صبرم می کشیدے بارِ زن
کے کشیدے شیر نر بیگارِ من
(رومیؒ)

اگر میرا صبر اس تند خو عورت کی تلخیاں برداشت نہ کرتا تو یہ شیر نر میرا بیگار کیوں اٹھاتا۔

بارِ آں ابلہ کشیم و صد چو او
نے زِ عشقِ رنگ و نے سودائے او
(رومیؒ)

اس بے وقوف عورت کی اور سینکڑوں گراں باریاں مثل اس کے برداشت کرتا ہوں اور یہ مجاہدہ ومشقت صرف خوشنودیٔ حق تعالیٰ کے لیے ہے نہ کہ اس بد مزاج عورت کے حسن اور رنگ کے عشق میں۔

چوں کہ باشم در خلائق اے جواں
عجب در من آید از تعظم شاں

چوں کہ میں خلق میں محبوب ومقبول ہوں اور مخلوق کی تعظیم سے میرے اندر عُجب وخود بینی پیدا ہو جاتی ہے۔

پس علاجِ عُجب ایں زن می کند
عُجب وکبر از نفس بیروں می کند
(رومیؒ)

پس میرے تکبر اور پندار وخود بینی کا علاج یہ عورت کیا کرتی ہے۔ یعنی جب یہ میرے ساتھ گستاخی اور بد تمیزی سے پیش آتی ہے تو دماغ سے تمام پندار وتکبر نکل جاتا ہے جو خلق کی تعریف وتعظیم سے پیدا ہوتا ہے اور اس طرح نفس کا عُجب وتکبر سے تزکیہ ہو جاتا ہے۔

حق تعالیٰ تمام عالم کے رب ہیں اور ظاہری وباطنی تمام ربوبیت ان ہی کی طرف سے ہوتی ہے۔ پس سالکین کی باطنی تربیت کے لیے غیبی انتظام کیا جاتا ہے اور کم وبیش ہر سالک کے ساتھ بقدر اس کے ظرف تحمل حزن وغم کا معاملہ کیا جاتا ہے۔ انسان کا نفس خواہ کتنا ہی مزکّٰی اور مصفّٰی ہوجاوے لیکن اس کی سرشت کے عود کا ہر وقت خطرہ ہے۔

نفس فرعون است ایں سیر ش مکن
تا نیادِ ید یا زاں کفرِ کہن
(رومیؒ)

نفس کی اصل سرشت فرعون جیسی ہے پس اس کو سیر مت کرو کیوں کہ جہاں یہ بے فکر ہوا اس کو اپنا پرانا کفر یاد آنے لگے گا یعنی تمام رذائلِ عُجب وکبر وغیرہ پھر جوش مارنے لگیں گے۔

میرے مرشد حضرت شیخ پھولپوری قدس سرہ العزیز نے مجھ سے ایک بزرگ کا وقعہ ارشاد فرمایا تھا کہ ان بزرگ کی خادمہ نے جب ایک زمانہ ان کو مرغ کھاتے ہوئے اور عمدہ لباس پہنے ہوئے دیکھا تو ایک دن اس کے قلب میں اشکال پیدا ہوا کہ یہ کیسے بزرگ ہیں جو ہمیشہ عیش وآرام سے رہتے ہیں اور کبھی کوئی تکلیف نہیں اٹھاتے۔ اس سادہ دل لونڈی نے اپنا یہ اشکال ان بزرگ پر بھی ظاہر کردیا اور عرض کیا کہ حضور! میں نے سنا ہے کہ بزرگانِ دین بڑے بڑے مجاہدے کرتے ہیں اور حق تعالیٰ کے راستے میں بڑے بڑے مصائب جھیلتے ہیں تب کہیں ان کو باطنی دولت ولایت کی عطا ہوتی ہے اور آپ کو میں ہمیشہ مرغ کھاتے ہوئے اور عمدہ لباس پہنے ہوئے دیکھتی ہوں۔

خادمہ کی یہ باتیں سن کر ان بزرگ نے ایک آہ کھینچی اور ارشاد فرمایا کہ میری پشت سے کپڑا اہٹاؤ۔ کپڑا اہٹایا تو دیکھا کہ پشت پر ایک ناسور ہے جس سے ہر وقت پیپ بہا کرتی ہے اور یہ تکلیف ہر وقت رہتی ہے۔ یہ دیکھ کر خادمہ بہت شرمندہ ہوئی اور اپنے فاسد خیال کی معذرت چاہی۔

پس اللہ والے اپنی مجالس میں کبھی مزاح بھی فرماتے ہیں۔ عمدہ لباس بھی پہنتے ہیں، کبھی

عمدہ کھانے بھی کھاتے ہیں۔ احباب کی دعوتیں بھی قبول فرماتے ہیں، خلق ان کے ہاتھ پاؤں چومتی ہے مگر ان کے دل سے پوچھو کہ کیا گزر رہی ہے ۔

ہنسی بھی ہے میرے لب پر ہر دم اور آنکھ بھی میری تر نہیں ہے
مگر جو دل رو رہا ہے پیہم کسی کو اس کی خبر نہیں ہے

(خواجہ صاحبؒ)

فائدہ :اس حکایت میں اس امر کی تعلیم ہے کہ غیر اختیاری طور پر اگر کوئی مصیبت یا تکلیف لاحق ہو جائے تو گھبرانا نہ چاہیے کیوں کہ اس تکلیف و صدمہ پر جو نعمت حق تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوگی وہ اس تکلیف سے بدرجہا بہتر ہوگی اور کبھی یہ چھوٹی بلا کسی بڑی بلا سے نجات کا ذریعہ ہوتی ہے جیسے کہ اس حکایت سے معلوم ہوا کہ اہلیہ کی یہ بدمزاجی عُجب و کبر جیسی مہلک بلا سے نجات کا ذریعہ ہوگئی۔

البتہ تکلیف و مصیبت طلب نہ کرنی چاہیے بلکہ عافیت کی درخواست کرتا رہے کہ اے اللہ! ہم ضعیف ہیں، تحمل کی قوت نہیں۔ آپ سے عافیت کا سوال کرتا ہوں۔ مانگے تو عافیت ہی پھر جس حال میں میاں رکھیں راضی رہے اور مصیبت کے دور ہونے کی تضرّع کے ساتھ دعا کرتا رہے۔

حکایتِ حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ اپنی صدی کے بہت بڑے آدمی گزرے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی معرفت کا بڑا حصہ عطا فرمایا تھا، ۶۰۴ھ میں بمقامِ بلخ پیدا ہوئے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد سے تھے۔

محمد خوارزم شاہ کے حقیقی نواسے تھے۔ چھ ۶ سال کی عمر میں جب آپ کے والد آپ کو حضرت بابا فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں لے گئے تو حضرت خواجہ عطار رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مثنوی اسرار نامہ آپ کو تبرکاً ہدیہ دی اور آپ کے والد صاحب سے فرمایا کہ یہ لڑکا ایک دن غلغلہ بلند کرے گا۔

چند سال بعد مولانا تکمیلِ علوم کے لیے شام تشریف لے گئے اور دمشق میں

سات سال تک تحصیلِ علوم وفنون کرتے رہے۔ تمام مذاہب سے واقف تھے۔ علمِ کلام، علمِ فقہ اور اختلافیات میں خاص ملکہ رکھتے تھے۔ فلسفہ و حکمت و تصوف میں اس وقت ان کی نظیر نہ تھی۔ تحصیلِ علوم کے بعد مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ درس و تدریس میں مشغول ہوگئے لیکن مولانا کو درسِ عشق و معرفت کے لیے پیدا کیا گیا تھا، ان کے قلب میں آتشِ عشق ودیعت فرمائی گئی تھی اور عاشقوں کا درس ذکرِ محبوب اور ان کا مدرّس حسنِ دوست ہوتا ہے اسی لیے ان کے درس کی یہ شان ہوتی ہے۔

درسِ شاں آشوب و چرخ و زلزلہ
نے زیادات است و باب و سلسلہ
(رومیؒ)

عاشقوں کا درس محبوبِ حقیقی کی یاد میں گریہ وزاری اور وجد ورقص ہے نہ کہ زیادات وباب وسلسلہ (کتبِ معقولات) کا پڑھانا ہے۔

آں طرف گو عشق می افزود درد
بو حنیفہ شافعی درسے نہ کرد
(رومیؒ)

فقہ شریعتِ مقدّسہ کے لیے جس طرح امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ و حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ پیدا کیے گئے اسی طرح فقہ طریقِ عشق کے لیے حق تعالیٰ نے مولانا روم کو پیدا فرمایا۔

عاشقاں را شد مدرّس حسنِ دوست

عاشقوں کے لیے محبوب کا حسن ہی مدرّس ہوتا ہے یعنی بدون مطالعۂ کتب غیب سے علوم القاء ہوتے ہیں۔

بینی اندر خود علومِ انبیاء
بے کتاب و بے معید و اوستا
(رومیؒ)

اگر حق تعالیٰ کے ساتھ قلب میں صحیح رابطہ نصیب ہو جاوے تو بدون کتاب اور استاد کے علومِ نبوت کا فیضان قلب میں موجزن دیکھو گے۔

خم کہ از دریا درو راہے بود
پیشِ اُو جیحونہا زانو زند
(رومیؒ)

وہ مٹکا جس کو سمندر سے رابطہ نصیب ہو جاوے اس کے سامنے جیحون جیسے بہت سے دریا زانوئے ادب طے کریں گے کیوں کہ دریائے جیحون تو خشک ہو سکتا ہے لیکن یہ چھوٹا سا مٹکا جس کا رابطہ سمندر سے قائم ہو گیا ہے باوجود اپنی افاضیت وافادیتِ مستمرّہ کے کبھی خشک نہ ہو گا۔ اسی طرح وہ عارف باللہ جس کے قلب کو حق تعالیٰ سے صحیح تعلق نصیب ہو گیا اس کے سامنے بڑے بڑے علمائے ظاہر زانوئے ادب طے کرتے ہیں۔ اسی مضمون کو ایک بزرگ مولانا محمد احمد رحمۃ اللہ علیہ یوں بیان فرماتے ہیں۔

کسی نے اپنے بے پایاں کرم سے
مجھے خود کر دیا روح المعانی

جو آسکتا نہیں وہم و گمان میں
اسے کیا پا سکیں لفظ و معانی

حق تعالیٰ شانہٗ اگر بندوں کی ہدایت کا سامان نہ فرمائیں تو کسی کو ہدایت نہ ہو۔ قلب میں اللہ تعالیٰ کی محبت اور تڑپ اسی وقت پیدا ہوتی ہے جب حق تعالیٰ اپنی طرف جذب فرماتے ہیں لہٰذا کسی کو اپنی کسی حالت پر ناز نہ ہونا چاہیے کہ یہ درد و محبت اور سوز و گداز ان ہی کے جذب کا صدقہ ہے۔

مری بے تابیٔ دل میں ان ہی کا جذب پنہاں ہے
مرا نالہ ان ہی کے لطف کا ممنونِ احساں ہے
(اختر)

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ جس درس کے لیے پیدا کیے گئے تھے اس کا غیب سے سامان شروع ہوگیا۔ حضرت شمس الدین تبریزی رحمۃ اللہ علیہ کے سینے میں عشق و معرفت کا جو سمندر موجزن تھا وہ اپنے جواہرات باہر بکھیرنے کے لیے زبانِ عشق کا متلاشی ہوا۔ دعا کی کہ اے اللہ! اپنی محبت کا جو خزانہ آپ نے میرے سینے میں رکھا ہے اپنا کوئی خاص بندہ عطا فرمایئے جس کے سینے میں اس امانت کو منتقل کردوں اور وہ بندہ زبانِ عشق سے میرے اسرارِ مخفیہ کو قرآن و حدیث کے انوار میں بیان کرے۔ دعا قبول ہوگئی۔ حکم ہوا کہ روم جاؤ وہاں تمھیں جلال الدین رومی ملیں گے ہم نے انھیں اس کام کے لیے منتخب کرلیا ہے۔

غیب سے سامان رومی کا ہوا
شمس تبریزی نے کی حق سے دعا
اے خدا جو آگ میرے دل میں ہے
جو تڑپ اس نیم جاں بسمل میں ہے
اے خدا ملتا کوئی بندہ مجھے
جو صحیح معنوں میں ہو لائق ترے
وقت رخصت کا ہے اب میرا قریب
کس کو سونپوں یہ امانت اے حبیب
پس اچانک غیب سے آئی صدا
شمس تبریزی تو فوراً روم جا
مولوی رومی کو کر مولائے روم
اس کو فارغ کر تو از غوغائے روم

اس آوازِ غیبی کو سنتے ہی حضرت شمس تبریزی رحمۃ اللہ علیہ روم کی طرف روانہ ہوگئے اور قونیہ تشریف لائے جہاں برنج فروشوں کی سرا میں قیام فرمایا۔ سرائے کے دروازے پر ایک چبوترہ تھا جس پر اکثر عمائد آکر بیٹھتے تھے۔ اسی جگہ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت شمس تبریزی رحمۃ اللہ علیہ کی ملاقات ہوئی اور اکثر صحبت رہنے لگی۔ حضرت

شمس تبریزی رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت سے مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کی حالت میں تغیر پیدا ہو گیا اور جب عشقِ حقیقی نے اپنا پورا اثر کر دیا تو مولانا پر مستی و وارفتگی غالب رہنے لگی۔ درس و تدریس وعظ و پند کے اشغال چھوٹ گئے۔ حضرت شمس الدین تبریزی کی صحبت سے ایک لمحے کو جدا نہ ہوتے تھے۔ تمام شہر میں ایک شورش مچ گئی۔

مولانا فرماتے ہیں:

نعرۂ مستانہ خوش می آیدم
تا ابد جاناں چنیں می بایدم
(رومیؒ)

اے محبوبِ حقیقی! آپ کی محبت میں مجھ کو نعرۂ مستانہ بہت اچھا معلوم ہوتا ہے۔ قیامت تک اے محبوب! میں اسی دیوانگی و وارفتگی کو محبوب رکھتا ہوں۔

ہر چہ غیر شورش و دیوانگی است
در رہِ او دوری و بے گانگی است
(رومیؒ)

اللہ تعالیٰ کی محبت و شورش کے علاوہ دنیا کے تمام افسانے دوری اور بے گانگی کے مصداق ہیں۔

مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کی حالت بمصداق اس شعر کے ہو گئی؎

دلِ مضطرب کا یہ پیغام ہے
ترے بن سکوں ہے نہ آرام ہے
تڑپنے سے ہم کو فقط کام ہے
یہی بس محبت کا انعام ہے
(مولانا محمد احمدؒ)

جب مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ پر عشقِ الٰہی کا یہ اثر ظاہر ہوا تو شہر میں یہ فتنہ اٹھا کہ شمس تبریزی رحمۃ اللہ علیہ نے ان پر جادو کر دیا ہے۔ فتنے کے ڈر سے حضرت تبریزی رحمۃ اللہ علیہ

چپکے سے دمشق چلے گئے۔ آپ کی مفارقت سے مولانا کو بے حد صدمہ ہوا۔ ان کی بے چینی دیکھ کر کچھ لوگ حضرت شمس الدین تبریزی رحمۃ اللہ علیہ کو واپس بلالائے۔ لیکن تھوڑے دن رہ کر وہ پھر غائب ہوگئے۔ بعض تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے کہ حضرت شمس الدین تبریزی رحمۃ اللہ علیہ کو کسی نے شہید کرڈالا۔ پیر کی اس مفارقت سے مولانا رومی رحمۃ اللہ انتہائی بے چین ہوگئے، زندگی تلخ ہوگئی۔

از فراقت تلخ شد ایامِ ما
دور شد از جانِ ما آرامِ ما
(اختر)

اے محبوب! آپ کی جدائی سے میرے ایامِ زندگی تلخ ہوگئے اور میری جان سے میرا آرام چھن گیا۔

از وفورِ غم بروں آید فغاں
نالۂ عشقم رود تا آسماں
(اختر)

اے محبوب! آپ کی جدائی کے غم سے نالۂ فراق لبوں سے باہر نکلا جاتا ہے اور میرے نالہائے عشق آسمان تک جارہے ہیں۔

اے صبا پیغامِ دور افتادگاں
از کرم بر شاہِ جانِ ما رساں
(اختر)

اے صبا! اس دور افتادہ عاشق کا پیغام براہِ کرم میرے محبوب شیخ تک پہنچادے۔

لطفِ تو چوں یاد می آید مرا
بوئے تو جانم بجوید در سرا
(اختر)

اے محبوب! آپ کی مہربانی جو حیات میں مجھ پر ہوا کرتی تھی مجھ کو جب یاد آتی ہے تو میری جان آپ کی خوشبو کو اس جہان میں دیوانہ وار ڈھونڈتی ہے۔

مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ پر ان کے پیر حضرت شمس تبریزی رحمۃ اللہ علیہ کے فیضِ صحبت نے کیا اثر کیا تھا اس کا پتا مثنوی سے چلتا ہے۔ مثنوی معنوی میں مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کی زبانِ مبارک سے جو ساڑھے اٹھائیس ہزار اشعار نکلے ہیں وہ آگ دراصل حضرت تبریزی رحمۃ اللہ علیہ کی تھی جو زبان کی محتاج تھی اور مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کو حق تعالیٰ نے شمس الدین تبریزی رحمۃ اللہ علیہ کی زبان بنا دیا ۔

اے سوختہ جاں پھونک دیا کیا مرے دل میں
ہے شعلہ زن اِک آگ کا دریا مرے دل میں

(خواجہ صاحب ؒ)

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ بادشاہ کے نواسے اور اپنے وقت کے زبردست محدّث و مفسّر تھے جس وقت پالکی پر چلتے تو مولانا کی محبت میں سینکڑوں شاگرد پاپیادہ پیچھے پیچھے چلتے تھے، اب وہی مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ ہیں کہ اللہ کی محبت میں اپنے پیر کا سب سامان گدڑی، چکّی، پیالہ، غلّہ اور بستر سر پر رکھے ہوئے گلی در گلی پھر رہے ہیں۔

ایں چنیں شیخ گدائے کو بکو
عشق آمد لا ابالی فاتقوا

(رومی ؒ)

اتنا بڑا شیخ آج گداگر بن کر دربدر پھر رہا ہے۔ عشق جب آتا ہے اسی شان سے آتا ہے۔ پس اے جھوٹے عشق کا دعویٰ کرنے والو! ذرا ہوشیار ہو جاؤ۔

پیرِ کامل کی صحبت نے مولانا کو کیا بنا دیا۔ خود فرماتے ہیں:

مولوی ہرگز نہ شد مولائے روم
تا غلامِ شمس تبریزی نہ شد

عشقِ تبریزی رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کو اس طرح دیوانہ کر دیا کہ نہ پالکی رہی نہ جبہ و دستار نہ تلامذہ کا ہجوم۔ شانِ علم پر شانِ فقر غالب ہوگئی اور علم کی صحیح حقیقت سے آگاہ ہوگئے۔ فرماتے ہیں:

علم نبود الاّ علمِ عاشقی
مابقی تلبیسِ ابلیسِ شقی

(رومیؒ)

حقیقی علم در حقیقت حق تعالیٰ کی محبت کا نام ہے اور اس کے بجائے اگر علومِ ظاہری کے اصل مقصود یعنی حصولِ محبتِ حق سے روگردانی کی تو ایسا علم ابلیسِ لعین کی تلبیس کا ذریعہ ہوتا ہے۔

علمے کہ رہ بحق ننماید جہالت است

ترجمہ: جو علم کہ حق تعالیٰ تک رسائی کا ذریعہ نہ بنے وہ جہالت ہے۔

علم کا پندار اہلِ علم کو
رکھتا ہے محروم حق سے دوستو

علم کا حاصل ہے بس عشقِ خدا
آہ سب دھوکا ہے بس اس کے سوا

(اخترؔ)

مگر علم کا پندار بدونِ صحبتِ پیرِ کامل کے نہیں نکلتا۔ جب دستارِ فضیلت کو دستارِ محبت میں گم کر دیا جاتا ہے تب کام بنتا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں:

قال را بگذار مردِ حال شو
پیشِ مردِ کاملے پامال شو

(رومیؒ)

ترجمہ: زبانی تقریروں اور محض قیل و قال کو چھوڑو، صاحبِ حال بنو یعنی دل میں حق تعالیٰ کی محبت حاصل کرو لیکن یہ نعمت اسی وقت ہاتھ لگے گی جب کسی صاحبِ محبت کی صحبت اختیار کروگے۔

جو آگ کی خاصیت وہ عشق کی خاصیت

اک سینہ بہ سینہ ہے اک خانہ بخانہ ہے

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ پر حضرت تبریزی رحمۃ اللہ علیہ کی نظر نے کیمیا کا اثر کیا اور وہ فیض بخشا جو بڑے بڑے مجاہدات سے مدۃ العمر میں بھی حاصل نہ ہوسکتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ انھیں اپنے پیر کی ایک ایک بات سے محبت ہوگئی حتیٰ کہ پیر کے شہر تبریز سے بھی ان کو بڑی محبت تھی۔ مثنوی شریف میں جہاں تبریز کا نام آگیا وہاں کئی کئی شعر شہر تبریز کی تعریف میں فرماگئے۔ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا تھا کہ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے مثنوی میں اولیاء اللہ کے جو صفات بیان فرمائے ہیں وہ ان کے چشم دید مشاہدات تھے۔ چوں کہ اپنے پیر سے ان کو بدون مجاہدہ وریاضت نسبت مع اللہ کا بحرِ بے کراں ہاتھ لگ گیا تھا اس لیے اولیاء اللہ کی تعریف میں وہ مست وبے خود ہوجاتے ہیں۔ فرماتے ہیں:

پیر باشد نردبانِ آسماں

تیر پراں از کہ گردد از کماں

(رومیؒ)

پیر کا وجود حق تعالیٰ تک رسائی کے لیے مثل سیڑھی کے ہے اور تیر کا تیز رفتاری سے اڑنا بدونِ کمان کے کب ہوتا ہے؟

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے کئی کئی گھنٹے تنہائی میں اپنے پیر کی خدمت میں رہ کر اپنے سینے میں اس آتشِ عشق کو جذب کرلیا جس کے متعلق حضرت تبریزی رحمۃ اللہ علیہ نے حق تعالیٰ سے دعا مانگی کہ اے اللہ! مجھے ایسا کوئی بندہ عطا فرمایئے جو میری آتشِ محبت کا تحمل کرسکے۔ شیخ کامل کے فیضِ صحبت سے مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ پر ایمانِ تحقیقی کا

انکشاف ذوقاً اور حالاً محسوس ہونے لگا اور عشقِ حقیقی کے فیض سے مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کے سینے میں علم و معرفت کا سمندر موجیں مارنے لگا۔ اور علم کا یہ سمندر ایسا وسیع ہے کہ آج تک اولیائے امت اس سے فیض یاب ہورہے ہیں اور مثنوی آج بھی دلوں میں عشقِ حق کی آگ لگا رہی ہے۔ مولانا کے علوم و مَعارفِ کا پتا مثنوی معنوی کے مطالعہ سے چلتا ہے۔ اس وقت مولانا کا ایک علمِ لطیف مثالاً تحریر کرتا ہوں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مولانا کے عشق کا مقام کتنا بلند ترین ہے۔

بر برونِ کُہہ چو زد نورِ صمد

پارہ شد تا در درونش ہم زند

کوہِ طور کی سطحِ ظاہری پر جب نورِ صمد نے تجلّی فرمائی تو طور پارہ پارہ ہوگیا تاکہ نور صرف ظاہر پر نہ رہے باطن میں بھی داخل ہوجائے۔

گرسنہ چوں بر کفش زد قرصِ ناں

واشگافد از ہوس چشم و دہاں

(رومیؒ)

بھوکے کے ہاتھ پر جب روٹی کا ٹکڑا رکھ دیا جاتا ہے تو ہوس سے وہ منہ اور آنکھیں پھاڑ دیتا ہے۔ یہی حالت طور کی ہوگئی گویا اس نے منہ پھاڑ دیا کہ غذائے نور جس طرح اس کے ہاتھ یعنی ظاہر پر رکھی گئی اسی طرح اس کے باطن میں پہنچادی جائے۔

آجا میری آنکھوں میں سما جا مرے دل میں

کوہِ طور کے ٹکڑے ٹکڑے ہونے کی جو کیفیتِ عشقیہ مولانا نے یہاں ارشاد فرمائی ہے اس سے مولانا کی نسبتِ عشقیہ کا ظہور ہوتا ہے۔

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت مع اللہ کو حضرت شمس الدین تبریزی رحمۃ اللہ علیہ کی آتشِ عشق کی بدولت کتنا عروج نصیب ہوا، اندازہ مولانا ہی کے کلام سے ملاحظہ ہو۔ فرماتے ہیں:

سیر زاہد ہر مہے روزہ راہ
سیر عارف ہر دمے تا تختِ شاہ

(رومیؒ)

زاہدِ خشک کی رفتارِ سلوک ہر ماہ میں ایک دن کی مسافت کے برابر ہوتی ہے اور عاشقینِ صادقین کی ارواح ہر سانس میں تختِ شہنشاہِ حقیقی تک پرواز کرتی رہتی ہیں۔

خواب را بگذار مشب اے پدر
یک شبے در کوئے بے خواباں گزر

(رومیؒ)

اے پدر! ایک رات نیند کو ترک کر کے ذرا بے خوابوں کی گلی میں تو آکر دیکھ۔

بنگر ایشاں را کہ مجنوں گشتہ اند
ہمچو پروانہ بوصلش کشتہ اند

(رومیؒ)

پھر دیکھ ان بے خوابوں کو کہ عشقِ حقیقی نے کیسا مجنوں کر رکھا ہے اور پروانوں کی طرح یہ تجلیاتِ قرب سے کیسے کشتہ ہو رہے ہیں۔

ہیں بیائید اے پلیداں سوئے من
کہ گرفت از خوئے یزداں خوئے من

(رومیؒ)

اے خواہشاتِ نفسانیہ میں ملوّث غافل انسانو! میری طرف آؤ کہ میرے اخلاق، اخلاقِ الٰہیہ سے متخلّق ہو گئے ہیں۔

اولیا را در دروں ہا نغمہ ہاست
طالباں را زاں حیاتِ بے بہاست

(رومیؒ)

اولیاء اللہ کے قلب میں عشقِ حقیقی کے ہزاروں نغمات پوشیدہ ہیں جن سے طالبین کو حیاتِ بے بہا عطا ہوتی ہے۔

اے تواضع بردہ پیشِ ابلہاں
اے تکبر کردہ تو پیشِ شہاں
(رومیؒ)

اے مخاطب! تو دنیا داروں کے پاس جاکر دنیا کے لیے ان کے سامنے تواضع اختیار کرتا ہے حالاں کہ بوجہ غفلت عن الآخرۃ یہ بے وقوف لوگ ہیں اور اگر تو کبھی اللہ والوں کی خدمت میں جاتا بھی ہے تو ان کے ساتھ تکبر سے پیش آتا ہے حالاں کہ یہی حضرات در حقیقت سلطانیت وبادشاہت کی شان رکھتے ہیں بلکہ ان کی باطنی دولت تعلق مع اللہ رشکِ سلطنت ہفت اقلیم ہے۔

باز سلطاں گشتم و نیکو پیم
فارغ از مردارم و کرگس نیم
(رومیؒ)

میں بازِ شاہی ہوں اور عشقِ سلطانی کی برکت سے خوش خصال ہوگیا ہوں۔ عشقِ حقیقی کے فیض سے میرے صفاتِ کرگسی صفاتِ شاہ بازی سے مبدل ہوگئے ہیں یعنی پہلے دنیائے مردار پر مثل کرگس میں عاشق تھا اب وہ عشق، عشقِ حق سے مبدل ہوگیا اور مردار خوری سے میں باز آگیا۔

چوں بمردم از حواسِ بو البشر
حق مرا شد سمع و ادراکِ بصر
نورِ او در یمن و یسر و تحت و فوق
برسر و بر گردنم مانند طوق
(رومیؒ)

جب میرے اخلاقِ رذیلہ میرے مرشدِ کامل کے فیضِ صحبت سے فنا ہوگئے اور میرا نفس

اخلاقِ حمیدہ سے متّصف ہوگیا تو اب میں حق تعالیٰ کے نور سے سنتا ہوں اور حق تعالیٰ کے نور سے دیکھتا ہوں، حق تعالیٰ کا نور اپنے داہنے بائیں، اوپر نیچے دیکھتا ہوں اور نورِ حق کو اپنے سر اور گردن میں مثلِ طوق کے پاتا ہوں۔ حضرت تبریزی رحمۃ اللہ علیہ کے فیض سے مولانا کو عشقِ حقیقی کا جو مقام حاصل ہوا اور ان کی روح میں جو کیفیتِ عشقیہ پیدا ہوئی اس کا کچھ اندازہ مولانا کے اس کلام سے ہوتا ہے۔

بادہ در جوشش گدائے جوشِ ماست
چرخ در گردش اسیر ہوشِ ماست

بادہ اپنے جوش میں ہمارے جوش کی گدا ہے اور آسمان اپنی گردش میں ہمارے ہوش کا قیدی ہے۔

بادہ از ما مست نے کہ ما ازو
قالب از ماہست نے کہ ما ازو
(رومیؒ)

شراب ہم سے مست ہوئی ہے نہ کہ ہم شراب سے مست ہوئے ہیں، یہ جسم ہماری روح کے فیض سے موجود ہے نہ کہ ہم اپنے وجود میں جسم کے محتاج ہیں۔

جب روح میں حق تعالیٰ سے نسبتِ خاصہ پیدا ہوجاتی ہے تو صفاتِ روح صفاتِ نفس پر غالب ہوجاتے ہیں اور روح چوں کہ عالمِ امر سے متعلق ہے اور عالمِ ناسوت یعنی دنیا عالمِ آخرت کے مقابلے میں مثلِ قید خانہ ہے۔ پس عشقِ حقیقی کے آثار جب عارف کی روح اپنے اندر محسوس کرتی ہے تو اس کو اس عالم کی فانی مستی اپنی حقیقی اور ابدی مستی کے سامنے محتاج و گدا معلوم ہوتی ہے اور روحِ عارف کو اپنی وسعتِ پرواز کے سامنے آسمان کی گردش بھی ہیچ معلوم ہوتی ہے۔

عجب کیا گر مجھے عالم بایں وسعت بھی زنداں تھا
میں وحشی بھی تو وہ ہوں لامکاں جس کا بیاباں تھا
(مجذوبؒ)

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ پر حال کی لذت جب منکشف ہوگئی تو ان پر محض قیل و قال کا ہیچ ہونا ظاہر ہوگیا۔ ایمانِ حالی اور تحقیقی کے سامنے ایمانِ استدلالی اور ایمانِ تقلیدی کی کوئی حقیقت نہیں۔

پائے استدلالیاں چوبیں بود
پائے چوبیں سخت بے تمکیں بود

مولانا فرماتے ہیں کہ دلائل اور استدلال کے پیر لکڑی کے ہوتے ہیں اور لکڑی کے پاؤں نہایت بودے اور کمزور ہوتے ہیں اس کے بر عکس جو معرفت تقویٰ، اعمالِ صالحہ اور عشقِ حقیقی کی برکت سے نصیب ہوتی ہے وہ نہایت پائیدار ہوتی ہے۔ قلب کی بصیرت سے جو ایمان عطا ہوتا ہے وہ بصائر کے مشاہدات سے بھی مافوق ہوتا ہے۔ صحبتِ اہل اللہ اور کثرتِ ذکر اللہ سے جو یقین نصیب ہوتا ہے وہ اپنی مضبوطی میں جبلِ استقامت ہوتا ہے۔ تمام دنیا اگر کفر و شرک سے آلودہ ہوجائے لیکن ایسے شخص کا ایمان ہر حال میں اپنی توحید کا علمبردار ہوتا ہے۔ بقولِ حضرت سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ ؎

موحّد چہ بر پائے ریزی زرش
چہ فولادِ ہندی نہی بر سرش
امید و ہراسش نباشد زکس
ہمیں است بنیادِ توحید بس

مؤمنِ کامل کے قدموں پر چاہے سونے کا ڈھیر رکھ دو یا گردن پر ننگی تلوار رکھ دو لیکن نہ تو مال کی طمع اس کو توحید سے باز رکھے گی نہ تلوار کا خوف اس کے دل کو توحید سے منحرف کرسکتا ہے۔ موحّد کو نہ کسی سے امید ہوتی ہے اور نہ کسی کا خوف ہوتا ہے اور یہی توحید کی اصلی بنیاد ہے۔

لیکن آج کل مغرب زدہ مذاق نے زمانہ سازی کو اپنی زندگی کا معیار بنا رکھا ہے اور اس کا نام پالیسی رکھا ہے جس کا منشا یہ ہے کہ زمانے کے موافق بدلتے رہو خواہ ایمانی حیات موت کے گھاٹ ہی کیوں نہ اتر جائے۔ یہ پالیسی کیا ہے؟ پا + لیسی ہے۔ لیسیدن

فارسی کا مصدر ہے جس کے معنٰی چاٹنے کے ہیں یعنی پیر چاٹنا۔ پس یہ مغرب زدہ رفتارِ زمانہ کا پیر چاٹ رہے ہیں۔ یاد رکھیے کہ پالیسی اور حق پرستی ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتی۔ حق پرستی کی شان تو یہ ہوتی ہے کہ اس کو صرف ایک خدائے وحدہٗ لاشریک کی خوشنودی مطلوب ہوتی ہے اور اہلِ پالیسی کو تمام زمانے کی خوشامد کرنی پڑتی ہے تاکہ زمانہ اس سے راضی رہے۔ اس لیے یہ ہمیشہ غمگین و متفکر رہتا ہے اور مؤمنِ کامل زمانے سے بے پرواہو کر صرف خالقِ اکبر کی رضامندی کا متلاشی ہوتا ہے۔

احقر کا ایک شعر اس حقیقت کے مطابق ملاحظہ ہو۔

سینکڑوں غم ہیں زمانہ ساز کو
اک ترا غم ہے ترے ناساز کو
(اختر)

مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ نے تمام انسانوں کو اپنے باطن میں تعلق مع اللہ کی لازوال دولت پیدا کرنے کی دعوت دی ہے۔ جس نعمت کو انھوں نے خود چکھا تھا اس کو چاہا کہ عام ہو جائے۔

شَرِبْنَا وَ اَهْرَقْنَا عَلَى الْاَرْضِ جُرْعَةً
فَلِلْاَرْضِ مِنْ كَاْسِ الْكِرَامِ نَصِيْبُ

مولانا نے فرمایا کہ اولیاء اللہ بہت سے اسرارِ مخفی رکھتے ہیں اور ان کو ظاہر نہیں کرتے کہ عقولِ متوسطہ عامہ اس کے فہم سے قاصر ہوتی ہیں لیکن پھر بھی گاہ گاہ غیر ارادی طور پر ان کی زبان سے کچھ اظہار ہو جاتا ہے۔ جس طرح چھینک اور جمائی کے وقت بدون ارادہ منہ کھل ہی جاتا ہے۔ پس بعض اسرار جن کو حق تعالیٰ ان کی زبان سے ظاہر کرانا چاہتے ہیں تو ان پر کوئی قوی اور ناقابلِ تحمل حالت طاری فرما کر گاہ گاہ کچھ کہلواتے ہیں تاکہ اہلِ ذوق کو کچھ خوشبو اس عالم کی مل جاوے اور ان کا دل بھی اس دنیائے فانی سے ہٹ کر عالمِ غیب کے کروفر کی طرف مائل ہو۔

گر بہ بینی یک نفس حسنِ ودود
اندر آتش افگنی جانِ ودود

گر بہ بینی کرّ و فرِّ قرب را
جیفہ بینی بعد ازیں ایں شرب را

(رومیؒ)

اے لوگو! اگر ایک لمحہ کے لیے تم حق تعالیٰ کی تجلیاتِ قرب کا مشاہدہ کرلو تو غلبۂ شوق میں اپنی جانِ عزیز کو آتشِ مجاہدات کی نذر کردو اور اگر قربِ حق کی شان وشوکت اپنے باطن میں دیکھ لو تو اس دنیائے فانی کے نقش و نگار اور لذتیں تم کو مردار معلوم ہوں۔

اب مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کی وہ نصیحتیں سنیے جس پر عمل کرنے سے روحِ انسانی تجلّیاتِ ربانی کی عاشق ہوجاتی ہے اور دل دنیائے مردار سے متنفر ہوجاتا ہے۔

راہ کن اندر بواطن خویش را
دور کن ادراکِ غیر اندیش را

(رومیؒ)

اپنے باطن میں حق تعالیٰ کا راستہ پیدا کرلو۔ یہ راستہ کیسے پیدا ہوگا؟ اس ادراک کو جو غیر کا تصور کرنے والا ہو دور کردو۔ غیر اللہ جب دل سے نکل جائے گا تب حق تعالیٰ دل میں تجلّی فرمائیں گے۔

کیمیا داری دوائے پوست کن
دشمناں را زیں صناعت دوست کن

اے انسان! تو اپنے پاس ایک کیمیا رکھتا ہے۔ وہ کیمیا کیا ہے؟ عشقِ الٰہی کی نعمت ہے جو تیرے اندر ودیعت کی گئی ہے اور اس کیمیا کی خاصیت ہے کہ یہ اخلاقِ ذمیمہ کو تبدیل کردیتی ہے۔ پس تو جسم اور اس کی شہوات کی دوا اس کیمیا سے کر، تاکہ اخلاقِ ذمیمہ اخلاقِ حمیدہ سے بدل جائیں اور اپنے دشمنوں یعنی نفس و شیطان کو اس کیمیا سے اپنا دوست

بنالے تاکہ تیرا نفسِ امارہ نفسِ مطمئنہ ہوجائے اور شیطان مشابہ دوست کے ہوجائے عدمِ اضلال میں

(لِاِسْتِثْنَاءِ الْمُخْلِصِيْنَ مِنَ الْاِغْوَآءِ)

چوں شدی زیبا بداں زیبا رسی
کہ رہاند روح را از بے کسی
(رومیؒ)

جب تمہارے اخلاقِ رذیلہ شیخ کامل کی اصلاح سے مبدل باخلاقِ حمیدہ ہوجاویں گے تو تم جمیل ہوجاؤ گے اور جب جمیل ہوجاؤ گے تو اس جمیلِ حقیقی کے مقرب ہوجاؤ گے۔

لِاَنَّہٗ جَمِيْلٌ يُحِبُّ الْجَمَالَ[۱۵]

اس وجہ سے کہ حق تعالیٰ شانہٗ جمیل ہیں اور جمال کو پسند فرماتے ہیں اور جس روح کو وہ پسند فرماتے ہیں اس کو بے کسی سے چھڑا دیتے ہیں یعنی اپنی معیتِ خاصہ نصیب فرمادیتے ہیں بخلاف محبوبانِ دنیا کہ اپنے محبین سے اعراض وکنارہ کشی اختیار کرتے ہیں۔

حضرت شمس الدین تبریزی رحمۃ اللہ علیہ کے فیضِ صحبت سے عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ کو جو شورش و دیوانگی نصیب ہوئی اور منازلِ سلوک کو جذب و عشق کے راستہ جس تیزی سے انھوں نے طے کیا اس وجہ سے مولانا کو اس امر کا یقین ہوگیا تھا کہ حق تعالیٰ شانہ کا راستہ عشق و دیوانگی کا راستہ ہے۔ خود فرماتے ہیں ؎

ہر چہ غیر شورش و دیوانگی است
در رہِ حق دوری و بیگانگی است
(رومیؒ)

شورش و دیوانگی کے علاوہ جو کچھ بھی ہے وہ سب حق تعالیٰ کے راستے میں دوری اور بے گانگی ہے۔

[۱۵] کنزالعمال: ۳/۵۲۸،(۷۴۰۰)مؤسسۃ الرسالۃ

نعرۂ مستانہ خوش می آیدم
تا ابد جاناں چنیں می بایدم
(رومیؒ)

نعرۂ مستانہ مجھے اچھا معلوم ہوتا ہے۔ قیامت تک اے محبوب! میں اسی طرح دیوانہ رہنا چاہتا ہوں۔

غیر آں زنجیر زلفِ دلبرم
گر دو صد زنجیر آری بر درم
(رومیؒ)

زنجیرِ زلفِ دلبر یعنی احکامِ شریعتِ مطہرہ کے علاوہ اگر دو سو زنجیریں بھی میرے پاؤں میں ڈالو گے تو سب کو توڑ کر رکھ دوں گا کہ اللہ کی زنجیر میں بندھے ہوئے دیوانے کو کوئی زنجیر گرفتار نہیں کر سکتی۔

حضرت مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ عشق کے بحرِ بے کراں تھے اور عاشق کو ذکرِ محبوب کے علاوہ کچھ اچھا نہیں لگتا اس لیے کبھی عاشق پر یہ کیفیت طاری ہو جاتی ہے کہ ہماری طرح کوئی اور بھی اللہ کا دیوانہ ملے جس سے محبوبِ حقیقی کی باتیں کر کے قلبِ مضطر کو تسلّی و سکون حاصل ہو۔

خوب گزرے گی جو مل بیٹھیں گے دیوانے دو

حضرت تبریزی رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کے بعد مولانا کسی ایسے ہی دیوانے کی تلاش میں رہتے تھے۔ ایک دن اسی اضطراب میں صلاح الدین زرکوب کی دوکان کے پاس سے گزرے، وہ ورق کوٹ رہے تھے۔ ورق کوٹنے کا ہتھوڑا کچھ اس انداز سے آواز پیدا کرتا ہے کہ اہلِ دل اس آواز سے اپنے قلب میں ایک کیفیتِ عشق محسوس کرتے ہیں پھر مولانا تو سراپا عشق اور سوختۂ جان تھے، یہ آواز سن کر بے ہوش ہو گئے۔ صلاح الدین زرکوب رحمۃ اللہ علیہ نے ہاتھ نہیں روکا اور بہت سے ورق ضایع کر دیے۔ بالآخر صلاح الدین رحمۃ اللہ علیہ کے دل میں مولانا کے فیضِ باطن سے اسی وقت عشقِ الٰہی کی آگ لگ

گئی اور غلبۂ عشق میں دوکان کھڑے کھڑے لٹادی اور مولانا کے ہمراہ ہولیے ۔

اے سوختۂ جاں پھونک دیا کیا مرے دل میں
ہے شعلہ زن اک آگ کا دریا مرے دل میں
ہم طورِ عشق سے تو واقف نہیں ہیں لیکن
سینہ میں جیسے کوئی دل کو ملا کرے ہے
شاید اسی کا نام محبت ہے شیفتہ
اک آگ سی ہے سینہ کے اندر لگی ہوئی

نو سال تک صلاح الدین رحمۃ اللہ علیہ مولانا کی خدمت میں رہے، ان کی صحبت سے مولانا کو بہت سکون ملا۔ بالآخر سنہ ۶۶۴ھ میں صلاح الدین رحمۃ اللہ علیہ نے انتقال فرمایا، ان کے انتقال کے بعد مولانا نے اپنے مریدین میں سے مولانا حسام الدین چلپی رحمۃ اللہ علیہ کو اپنا ہمراز بنالیا اور پھر جب تک زندہ رہے ان کی صحبت سے محبوبِ حقیقی کا غمِ فراق ہلکا کرتے رہے، ان ہی مولانا حسام الدین رحمۃ اللہ علیہ کی ترغیب پر مولانا نے اپنی مشہور تصنیف مثنوی شریف لکھی۔ اس حقیقت کی طرف مولانا نے مثنوی میں خود اشارہ فرمایا ہے ۔

ہمچناں مقصودِ من زیں مثنوی
اے ضیاء الحق حسام الدیں توئی
(رومیؒ)

مولانا حسام الدین کو مخاطب کرکے حضرت عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قصۂ مذکورہ میں جس طرح اس پیاسے کا مقصود گہرے پانی میں بار بار اخروٹ ڈالنے سے پانی کی آواز سننا اور اس کے بلبلوں کو دیکھنا تھا اسی طرح اس مثنوی سے اے حسام الدین! تم ہی میرے مقصود ہو ۔

مثنوی اندر اصول و ابتدا
جملہ بہرِ تست و برتست انتہا
(رومیؒ)

ترجمہ: اور یہ مثنوی ابتدا سے تمہارے ہی لیے ہے اور تم ہی پر اس کی انتہا ہے۔

قصدم از الفاظِ اورازِ تو است
قصدم از انشاش آوازِ تو است

(رومیؒ)

میرا مقصود اس مثنوی سے آپ کا راز بیان کرنا ہے کیوں کہ اس کے الفاظ مصنّف کے کمال پر دال ہیں اور مصنف فی الحقیقت آپ ہی ہیں۔ میں تو صرف ایک آڑ ہوں اور اس کی انشاء سے میرا مطلوب آپ کی آواز ہے۔ جس کو میں آپ کے القائے مضامین کے وقت اپنے گوشِ دل سے سنتا ہوں۔ (ماخوذ از کلیدِ مثنوی دفترِ رابع)

ایک بار مثنوی بیان کرتے کرتے مولانا اچانک خاموش ہوگئے اور فرمایا کہ اس وقت غیب سے مضامین کی آمد نہیں ہو رہی ہے اس وجہ سے مضامین میں کیف نہیں لہٰذا خاموش ہو جانا ہی مناسب ہے۔ اسی موقع پر فرمایا۔

سخت خاک آلود می آید سخن
اے حسام الدیں درِچہ بند کن

(رومیؒ)

میرے چاہِ باطن سے آبِ سخن سخت خاک آلود آرہا ہے۔ لہٰذا اے حسام الدین! چاہِ باطنی کا دروازہ بند کیجیے یعنی زبان پر مہرِ سکوت لگا دیجیے۔ اور زیادہ سخن گوئی کی فرمائش اس وقت نہ کیجیے۔

مثنوی کے مضامین کا الہامی ہونا تو مثنوی کے مطالعہ ہی سے معلوم ہوتا ہے لیکن خود مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک شعر میں اس کو واضح بھی فرمادیا ہے۔

قافیہ اندیشم و دلدارِ من
گویدم مندیش جز دیدارِ من

(رومیؒ)

ترجمہ: جب میں قافیہ سوچنے لگتا ہوں تو میرا محبوب مجھ سے کہتا ہے کہ قافیہ مت سوچ صرف میرے دیدار میں مشغول رہ یعنی صرف میری طرف متوجہ رہو، قوافی ہم الہام فرمائیں گے، تم اپنے قلب کو قافیہ اندیشی میں مشغول نہ کرو۔

حکایتِ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور قاصدِ روم

قیصرِ روم کا سفیر جب ہدایا و تحائف لے کر مدینہ پہنچا تو لوگوں سے دریافت کیا کہ تمہارے بادشاہ کا محل کہاں ہے؟ قوم نے جواب دیا۔

قوم گفتندش کہ او را قصر نیست
مر عمرؓ را قصرِ جانِ روشنے ست

قوم نے کہا کہ ہمارے بادشاہ کا کوئی محل نہیں البتہ امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا محل تو ان کی جانِ پاک ہے جو اللہ کے تعلقِ خاص اور تجلیاتِ قرب سے منور ہو رہی ہے جس نے انھیں سارے جہان کے شاہی محلات سے مستغنی کر دیا ہے۔

اور کہا کہ امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ مدینہ کے قبرستان میں ملیں گے۔ قبرستان جا کر قاصدِ روم نے دیکھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ قمیص اتارے ہوئے صرف تہبند پہنے ہوئے زمین پر سو رہے ہیں۔ نہ تخت و تاج، نہ فوج و لشکر نہ حفاظتی دستہ مگر ان کے چہرے پر نظر پڑتے ہی قاصدِ روم رعب و ہیبت سے کانپنے لگا اور اپنے دل میں کہنے لگا۔

گفت با خود من شہاں را دیدہ ام
پیشِ سلطاناں مِہ بگزیدہ ام

میں نے بڑے بڑے بادشاہوں کو دیکھا ہے اور ایک عمر بڑے بڑے سلطانوں کا جلیس و ہمنشین رہا ہوں۔

از شہانم ہیبت و ترسم نبود
ہیبتِ ایں مرد ہوشم را ربود

بادشاہوں سے مجھے کبھی خوف نہ محسوس ہوا لیکن اس مرد گدڑی پوش کی ہیبت تو میرے ہوش اڑادیتی ہے۔

بے سلاح ایں مرد خفتہ بر زمیں
من بہفت اندام لرزاں چیست ایں

یہ شخص بغیر کسی ہتھیار کے اور بغیر کسی فوجی پہرے کے زمین پر اکیلا سویا ہوا ہے لیکن کیا وجہ ہے کہ اس کی ہیبت سے میرا پورا جسم کانپ رہا ہے اور ایسا لرزہ طاری ہے کہ اگر مجھے سات جسم اور عطا ہو جائیں تو اس لرزہ کا تحمل نہ کر سکیں اور سب کانپنے لگیں۔ پھر وہ قاصد دل میں کہنے لگا:

ہیبتِ حق است ایں از خلق نیست
ہیبتِ ایں مرد صاحب دلق نیست

یہ رعب وہیبت اس گدڑی پوش کی نہیں ہے، دراصل یہ اللہ کی ہیبت ہے کیوں کہ اس گدڑی پوش بادشاہ کا قلب اللہ کے قرب اور معیتِ خاصہ سے مشرف ہے پس یہ اسی معیتِ حق کا رعب وجلال ہے جو اس مردِ حق کے چہرے سے نمایاں ہو رہا ہے۔

پھر یہ قاصد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی صحبت کے فیض سے مشرف باسلام ہو گیا۔

ہر کہ ترسد از حق و تقویٰ گزید
ترسد از وے جن و انس و ہر کہ دید

مولانا فرماتے ہیں: جو خدا سے ڈرتا ہے اور تقویٰ اختیار کرتا ہے اس سے جن اور انس سب ڈرتے ہیں اور جو بھی دیکھے گا اس پر ہیبت اس مردِ حق کی غالب ہو گی۔

فائدہ: اس حکایت سے یہ سبق ملتا ہے کہ انسان کو حقیقی عزت اللہ تعالیٰ کے قوی اور صحیح تعلق سے نصیب ہوتی ہے نہ کہ ظاہری آرائش سے جیسا کہ حمقائے زمانہ اپنے رب کو تو ناراض رکھتے ہیں اور اس کی نافرمانیوں کے باوجود عزت حاصل کرنے لیے بنگلے اور قیمتی لباس اور کاروبار کا سہارا لیتے ہیں لیکن ان کی عزت کا جو مقام ہے وہ دنیا دیکھتی ہے کہ غائبانہ گالیاں پاتے ہیں۔ آج صدرِ مملکت ہیں اور مستعفی ہوئے یا تختہ الٹا گیا تو اخباروں

کی سرخیوں پر ان کا اعزاز واکرام نظر آجاتا ہے۔ یہ دراصل بادشاہ ہیں۔ باد کے معنیٰ ہوا۔ یعنی یہ شاہی ہوا پر تھی۔ اور اولیاء اللہ کی حقیقی شاہی ہوتی ہے اس لیے انھیں شاہ کہا جاتا ہے۔ زندگی میں بھی اور انتقال کے بعد بھی دنیا ان کا عزت سے نام لیتی ہے۔

حکایت حضرت سلیمان علیہ السلام کے تاج کی

مولانا نے واقعہ لکھا ہے کہ ایک بار حضرت سلیمان علیہ السلام نے آئینہ کے سامنے اپنا تاج سر پر رکھا اور وہ تاج ٹیڑھا ہو گیا، آپ نے سیدھا کیا اور وہ پھر ٹیڑھا ہو گیا اس طرح تین بار سیدھا کیا اور تاج تینوں بار ٹیڑھا ہو گیا۔ بس آپ غلبۂ خوفِ الٰہی سے سجدہ میں رونے لگے اور استغفار کرنے لگے، اس کے بعد پھر تاج رکھا تو وہ ٹیڑھا نہ ہوا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام سمجھ گئے تھے کہ میری کوئی بات حق تعالیٰ کو پسند نہ آئی ہو گی اور میاں کی نگاہ پھر گئی ہے اس لیے یہ تاج بے جان ہونے کے باوجود مجھ سے پھر گیا۔

نگاہِ اقربا بدلی مزاجِ دوستاں بدلا
نظر اک ان کی کیا بدلی کہ کل سارا جہاں بدلا

(مجذوبؒ)

حضرت سلیمان علیہ السلام پیغمبر تھے اور نبی معصوم ہوتا ہے اس لیے سوال دل میں آتا ہے کہ کیا ان سے کوئی خطا سرزد ہوئی تھی۔

جواب یہ ہے کہ خطا سرزد نہ ہوئی تھی لیکن انبیاء علیہم السلام اگر اجتہادی طور پر افضل کو چھوڑ کر فاضل اختیار کرتے ہیں تو اس پر بھی ان سے مواخذہ ہوتا ہے۔ حالاں کہ وہ فعل فی نفسہٖ جائز ہوتا ہے پس اسی قبیل سے کوئی بات ہوئی ہو گی۔

اب مولانا فرماتے ہیں:

خاک و باد و آب و آتش بندہ اند
بامن و تو مردہ باحق زندہ اند

اس واقعہ میں ایک اور سوال پیدا ہوتا ہے کہ تاج تو بے جان تھا پھر بے جان نے حرکت کیسے کی کہ ٹیڑھا ہو گیا۔ مولانا نے شعرِ مذکور میں اسی سوال کا جواب دیا ہے کہ خاک اور ہوا،

پانی اور آگ یہ عناصرِ اربعہ کہلاتے ہیں اور ان ہی سے اشیاء کی تعمیر اور تخلیق ہوتی ہے تو یہ عناصر اگرچہ فی نفسہٖ مردہ اور بے جان ہیں لیکن حق تعالیٰ کے ساتھ ان کا تعلق زندوں ہی جیسا ہے۔ یہ تمام جمادات اور نباتات امرِ الٰہی کو سمجھتے ہیں اور حکم سنتے ہی فوراً تعمیلِ حکم بجالاتے ہیں۔

حکایت ایک شخص کا منہ ٹیڑھا ہو جانا

بسبب اس امر کے کہ اس نے پیغمبر صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا نامِ مبارک تمسخر اور بد تمیزی سے لیا تھا

آں دہن کژ کرد از تسخر بخواند
نامِ احمدؐ را دھانش کژ بماند

وہ شخص جس نے منہ چڑا کر تمسخر سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نامِ مبارک لیا، اس کا منہ ٹیڑھا کا ٹیڑھا رہ گیا۔

باز آمد کاے محمد عفو کن
اے ترا الطاف علمِ من لَّدُن

وہ بدبخت نالائق معافی کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ مجھے معاف کر دیجیے آپ کو علمِ لدنّی کے الطاف حاصل ہیں۔

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد
میلش اندر طعنۂ پاکاں زند

مولانا فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کسی کی رسوائی چاہتا ہے تو اس کو پاک لوگوں پر طعن کرنے کی طرف مائل کر دیتا ہے، مائل کرنا بسبب اس کی شامتِ اعمال ہوتا ہے یعنی کسی بڑے گناہ کی سزا میں عقل پر اس قسم کا وبال آتا ہے کہ کسی ولی اللہ کو برا کہنا اور طعنہ دینا شروع کرتا ہے اور اس کے اس جرم کو سببِ قریب بنا دیتے ہیں اس کی ذلّت و ہلاکت اور رسوائی کا۔

ور خدا خواہد کہ پوشد عیبِ کس
کم زند در عیبِ معیوباں نفس

ترجمہ: اور جب حق تعالیٰ کسی بندے کی عیب پوشی کرنا چاہتے ہیں تو اس کو توفیق دیتے ہیں کہ وہ معیوب لوگوں کے عیب پر بھی کلام نہیں کرتا۔

چوں خدا خواہد کہ ماں یاری کند
میلِ مارا جانبِ زاری کند

ترجمہ: جب اللہ تعالیٰ ہم پر احسان کرنا چاہتے ہیں تو ہمارے میلان کو آہ وزاری کی طرف کر دیتے ہیں۔

اے خنک چشمیکہ آں گریانِ اوست
وے ہمایوں دل کہ آں بریانِ اوست

ترجمہ: وہ آنکھ ٹھنڈی ہو جو اس محبوبِ حقیقی کے لیے روتی ہو اور اے مخاطب! وہ دل مبارک ہے جو اس کی سوزشِ عشق سے بریاں ہو۔

از پئے ہر گریہ آخر خندہ ایست
مرد آخر بیں مبارک بندہ ایست

ترجمہ: ہر گریہ وبکا کا انجام (بشرطیکہ اللہ کی محبت اور اس کے خوف سے ہو) خندہ کرتا ہے۔ یعنی خوشی ومسرت پیدا کرتا ہے اور انجام ومآل کا خیال رکھنے والا ہی مبارک بندہ ہے۔

ہر کجا آبِ رواں سبزہ بود
ہر کجا اشکِ رواں رحمت شود

ترجمہ: جہاں آبِ رواں ہو وہاں سبزہ اگ پڑتا ہے اسی طرح جہاں آنسو بہتے ہیں وہاں اللہ کی رحمت کا باغ لہلہانے لگتا ہے، مراد اس سے دل کی سیر ابی ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو دو قطرے بہت محبوب ہیں: ایک وہ قطرہ آنسو کا جو اللہ کے خوف سے بہے اور ایک وہ قطرہ خون کا جو اللہ کی راہ میں بہایا جائے۔

مرحمت فرمود سیّد عفو کرد
چوں زجرأت توبہ کرد آں روئے زرد

جب اس نے جرأت علی المعصیت سے توبہ کی تو سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی خطا کو معاف کردیا۔

رحم خواہی رحم کن بر اشکبار
رحم خواہی بر ضعیفاں رحمت آر

اگر تم اللہ سے اپنے لیے رحمت چاہتے ہو تو آبدیدہ ہو کر معافی مانگنے والے پر رحم کرو، اگر تم رحمتِ الٰہیہ کے خواستگار ہو تو پہلے خود کمزوروں پر رحم کرو۔

حکایت شب چراغ اور گاؤ آبی

دریائی گائے یا بیل دریا سے موتی کو نکال کر لاتا ہے اور رات میں اس کی روشنی میں سبزہ زار سے سوسن اور ریحان جلدی جلدی چرتا ہے اسی لیے اس جانور کا پاخانہ عنبر ہوتا ہے کیوں کہ اس کی غذا نرگس اور نیلوفر وغیرہ لطیف اور خوشبودار نباتات ہیں۔ اب مولانا اس مضمون سے انتقال فرماتے ہیں اور ایک دُرِ بیش بہا بات بیان فرماتے ہیں کہ جس طرح گاؤ بحری کا خوشبو کھانا سبب ہوتا ہے خوشبو حاصل ہونے کا اسی طرح جس کی روحانی غذا نورِ جلال (ذکر وطاعت) ہوگی تو اس کے لبوں سے (کلامِ مؤثر) کیوں کر نہ پیدا ہوگا۔ اسی مضمون کو اس شعر میں بیان فرمایا۔

ہر کہ باشد قوتِ او نورِ جلال
چوں نزاید از لبش سحرِ حلال

جس کی غذا نورِ جلال یعنی ذکر وطاعت ہوگی تو اس کے لبوں سے کیوں کر نہ کلامِ مؤثر پیدا ہوگا۔

پھر وہ دریائی گائے نورِ گوہر میں چرتے چرتے موتی سے دور چلا جاتا ہے۔ اس وقت کوئی تاجر جو اس موتی کی غرض سے وہاں درخت کے اوپر سیاہ کیچڑ لیے بیٹھا رہتا ہے اس موتی

پر پھینک دیتا ہے، اس سے سبزہ زار تاریک ہو جاتا ہے کیوں کہ کیچڑ موتی کی شعاعِ نور کو پھیلنے سے روک دیتا ہے۔ وہ دریائی گاؤ تھوڑی دیر اسی چراگاہ میں دوڑا پھرتا ہے تاکہ اس مخالف کو سینگ میں لپیٹ لے مگر وہ درخت پر مامون بیٹھا رہتا ہے۔ پس جب وہ دریائی گاؤ ناامید ہو جاتا ہے تو وہاں آتا ہے جہاں موتی رکھا تھا مگر وہاں آکر کیچڑ دیکھتا ہے جو دُرِ شاہوار کے اوپر رکھا ہوا ہے۔ پس کیچڑ دیکھ کر بھاگ جاتا ہے۔

اب مولانا یہاں ایک عظیم نصیحت فرماتے ہیں کہ ابلیس لعین بھی اسی جانور کی طرح سیدنا آدم علیہ السلام کے خاکی پتلے کو دیکھ کر بھاگا اور سجدۂ تعظیمی کرنے سے انکار کیا اور امرِ الٰہی پر اعتراض کیا کہ خاک سے آگ افضل ہے اور یہ خاکی ہیں اور میں ناری ہوں اور ابلیس بدبخت کو یہ عقل نہ آئی کہ اس خاک اور آب و گل کے اندر خلافتِ الٰہیہ کی تاجدار سیدنا آدم علیہ السلام کی روح مخفی ہے۔

اِهْبِطُوْا افگند جاں را در بدن

تا بگل پنہاں بود دُرِّ عَدَن

حکمِ الٰہی اِهْبِطُوْا نے سیدنا آدم علیہ السلام کی روحِ مبارک کو جسدِ خاکی میں ڈال دیا اور آپ کے آب و گل کے پتلے میں درِ عدن مخفی ہو گیا۔

اے رفیقاں زیں مقیل وزاں مقال

اِتَّقُوْا اِنَّ الْهَوٰی حَیْضُ الرِّجَالِ

اے رفیقو! اس قیلولہ سے اور مقولہ سے پرہیز کرو تحقیق کہ ہوائے نفسانی حیض الرجال ہے یعنی زندگی کو محض عیش کوشی اور فضول بحث و مباحثہ میں ضایع کرنے کے بجائے سلوک طے کرنے میں فوراً مشغول ہو جاؤ۔

کاں بلیس از متنِ طیں کو رو کر ست

گاؤ کے داند کہ در گل گوہر ست

کہ وہ ابلیس مابین الطین (مٹی کے باطن) سے بے خبر اور اندھا تھا۔ وہ دریائی گاؤ کب واقف تھا کہ کیچڑ میں موتی پوشیدہ ہے۔

فائدہ: اسی طرح حمقائے زمانہ اہل اللہ کی ظاہری خستگی اور بے سر و سامانی کو اپنے بنگلوں اور دیگر ٹھاٹ باٹ اور قیمتی کپڑوں سے موازنہ کرکے دھوکے میں مبتلا ہو جاتے ہیں، انھیں یہ خبر نہیں کہ خزانہ ویرانے میں ہی ہوتا ہے اور بے سر و سامانی ہی میں میر سامانیت، اور اس دیوانگی ہی میں صد فرزانیت مخفی ہے یعنی اللہ والوں کی روح میں تعلق مع اللہ کا خزانہ ہے، ان کی بے سر و سامانی سے دھوکا نہ کھانا چاہیے، خدا ان معاندین کو ہدایت دے جو اہل اللہ سے نفور ہیں اور محروم ہیں۔ القصہ مختصر یہ کہ وہ تاجر درخت سے دیکھتا رہتا ہے اس دریائی گاؤ کو کہ کب یہ احمق اس کیچڑ سے مایوس ہو کر دریا کی طرف رخ کرے اور پھر اتر کر موتی نکال کر کامیاب واپس جاتا ہے، اسی طرح اللہ والوں سے استفادے میں ان کے جسمِ خاکی پر نظر مت کرو، ان کی روح سے اللہ کی خوشبو سونگھو۔ جس طرح مجنون کو جب علم ہوا کہ لیلیٰ کا انتقال ہو گیا تو قبرستان گیا اور زار و قطار روتا ہوا ہر قبر کی مٹی کو سونگھتا تھا یہاں تک کہ جب لیلیٰ کی قبر پر پہنچا تو مٹی کو سونگھ کر کہا کہ ہاں! یہی لیلیٰ کی قبر ہے:

مولانا رحمۃ اللہ علیہ اسی کو فرماتے ہیں۔

ہمچو مجنوں بو کنم ہر خاک را
تا بیابم خاکِ لیلیٰ بے خطا

مثلِ مجنون کے میں بھی ہر خاک کو سونگھتا ہوں یہاں تک کہ خاکِ لیلیٰ کو میں بے خطا پالیتا ہوں، اسی طرح مولیٰ کی خوشبو اللہ والوں سے اللہ کے سچے مجنون اور طالب کو مل جاتی ہے اور وہ چند مجالس اور صحبتوں میں سونگھ لیتا ہے کہ اس جسم کے اندر جو قلب ہے وہ تعلق مع اللہ کی خاص تجلّی سے مشرف ہے۔

حضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سفر میں حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا: تحقیق کہ میں یمن کی طرف سے اللہ کی خوشبو پارہا ہوں، یہ حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ کی خوشبو تھی جو یمن کے کسی قصبۂ قرن میں بہت اللہ والے، اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے عاشق تھے اور ماں کی خدمت کے سبب دربارِ نبوی

صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر نہ ہو سکے تھے۔

گفت پیغمبر کہ بر دستِ صبا
از یمن می آیدم بوئے خدا

پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا کہ ہوا کے ہاتھ پر یمن سے مجھے خدا کی خوشبو آ رہی ہے۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ:

اِنِّیْ لَاَجِدُ رِیْحَ الرَّحْمٰنِ مِنْ قِبَلِ الْیَمَنِ[۱۶] (اوکما قال علیہ السّلام)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں رحمن کی خوشبو یمن کی طرف سے پا رہا ہوں۔

آج بھی خدا کے سچے عاشقین طالبین اللہ والوں سے اللہ کی خوشبو پاجاتے ہیں اور ان سے استفادہ میں عار اور شرم نہیں کرتے۔

اے عدوئے شرم و اندیشہ بیا
کہ دریدم پردۂ شرم و حیا

مولانا فرماتے ہیں کہ اے عشق! اے شرم و اندیشہ کے دشمن! میرے پاس آجا کہ میں نے شرم وحیا کا پردہ چاک کر دیا۔ یعنی وہ غیر پسندیدہ شرم جو اطاعتِ امرِ الٰہی میں حائل ہو اس کو بالائے طاق رکھ دیا۔

حکایت صبر و تحمّلِ حضرت موسیٰ علیہ السلام

حضرت شعیب علیہ السلام کے یہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بکریوں کے چَرانے کا قصہ قرآن شریف میں منصوص ہے۔ اسی زمانے میں ایک دن ایک بکری حضرت کلیم اللہ علیہ السلام سے بھاگ گئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاؤں اس کی تلاش میں دوڑنے سے پُر آبلہ ہو گئے اور آپ علیہ السلام اس کی تلاش میں اتنی دور نکل گئے کہ اصل گلّہ بھی نظر نہ آتا تھا، وہ بکری آخر کار تھک کر سست ہو گئی اور کسی جگہ

---

[۱۶] التشرف بمعرفة احاديث التصوف: ۴۷، ۱۹۰، مؤلفہ حضرت التھانوی رحمہ اللہ

کھڑی ہوگئی تب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وہ ملی۔

آپ نے اس پر بجائے غضب اور غصہ اور ضرب وکوب کے اس کی گرد جھاڑی اور اس کی پشت اور سر پر ہاتھ پھیرتے تھے اور ماں کی طرح اس پر نوازش کرتے تھے اور باوجود اس قدر اذیت برداشت کرنے کے آدھا ذرہ بھی اس پر کدورت اور غیظ نہ کیا اور اس کی تکلیف کو دیکھ کر آپ کا دل رقیق ہوگیا اور آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے اور بکری سے فرمایا کہ میں نے فرض کیا کہ تجھ کو مجھ پر رحم نہیں آیا۔ اس لیے تو نے مجھ کو تھکا دیا لیکن تجھے اپنے اوپر رحم کیوں نہ آیا؟ میرے پاؤں کے آبلوں اور کانٹوں پر تجھے رحم نہ آیا تھا تو تجھے اپنے اوپر تو رحم آنا چاہیے تھا۔

اسی وقت ملائکہ سے حق تعالیٰ شانہٗ نے فرمایا کہ نبوت کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام زیبا ہیں (اس وقت تک آپ کو نبوت نہ عطا ہوئی تھی) یعنی امت کا غم کھانے اور ان کی طرف سے ایذاء رسانی کے تحمل کے لیے جس حوصلہ اور جس دل وجگر کی ضرورت ہوتی ہے وہ خوبی ان میں موجود ہے۔

با ملائک گفت یزداں آں زماں

کہ نبوت را ہمی زیبد فلاں

ترجمہ: ملائک سے حق تعالیٰ نے فرمایا: اس وقت کہ نبوت کے لیے فلاں (حضرت موسیٰ علیہ السلام) زیبا ہیں۔

مصطفی فرمود خود کہ ہر نبی

کرد چوپانیش بزنا یا صبی

ترجمہ: مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر نبی نے نبوت سے قبل بکریوں کی چرواہی کی ہے۔

بخاری شریف میں یہ حدیثِ مذکور وارد ہے اور اس کی حکمت مولانا بیان فرماتے ہیں۔

تا شود پیدا وقار و صبر شاں

کردشاں پیش از نبوت حق شباں

تاکہ بکریوں کے چرانے سے انبیاء علیہم السلام کا صبر اور وقار ظاہر ہوجاوے۔ اسی لیے نبوت سے قبل ان کو شُبان بنایا جاتا ہے یہ شبانی یعنی بکریوں کی چرواہی صبر و حلم کی عادت پیدا کرتی ہے کیوں کہ بکریاں اکثر مختلف جانب بکھر جاتی ہیں ان کے جمع رکھنے اور نگرانی میں پریشانی ہوتی ہے۔ جیسا کہ اس قصّے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پریشان کیا۔

گفت سائل ہم تو نیز اے پہلواں
گفت من ہم بودہ ام دہرے شباں

کسی سائل نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ کیا آپ بھی اے سید الخلائق؟ فرمایا کہ ہاں میں نے بھی ایک زمانے تک بکریاں چرائی ہیں۔

لاجرم حقش دہد چوپانیے
بر فرازِ چرخِ مہ روحانیے

حق تعالیٰ اس چرواہی کے بعد روحانی چوپانی عطا فرماتے ہیں (یعنی فلک قمر کے اوپر روحانی چوپانی) مراد مقامِ ارشاد و تربیتِ عباد ہے۔ پس بعد ادائے حق رعیِ غنم (یعنی ریوڑ چرانے کا حق ادا کرنے کے بعد) کے رعیِ روحانی (یعنی لوگوں کی روحانی راہ بری) کا منصب انبیاء علیہم السلام کو عطا فرماتے ہیں۔

حکایتِ حضرت صفورا علیہا السلام

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے چہرۂ مبارک پر تجلّی طور کے بعد ایسی قوی تجلّی رہتی تھی کہ بدون نقاب آپ کے چہرے کو جو دیکھتا اس کی آنکھ کی روشنی چکاچوند ہو کر ختم ہوجاتی۔ انھوں نے حق تعالیٰ سے عرض کیا کہ ایسا نقاب عطا فرمایئے جو اس قوی نور کا ساتر بن جائے اور آپ کی مخلوق کی آنکھوں کو نقصان نہ پہنچے۔ ارشاد ہوا کہ اپنے کمبل کا نقاب بنالو جو کوہِ طور پر آپ کے جسم پر تھا اور جس نے طور کی تجلی کا تحمل کیا ہوا ہے اور بالیقین یہ عارف کا لباس ہے اور اس کمبل کے علاوہ اے موسیٰ! اگر کوہِ قاف بھی آپ کے چہرے کی تجلی بند کرنے کو آجاوے تو وہ بھی مثل کوہِ طور ٹکڑے ٹکڑے

ہو جاوے گا۔ کمالِ قدرتِ الٰہیہ سے مردانِ خدا کے ابدان نے نورِ بے کیف کا تحمل پایا۔ جس چیز کو کوہِ طور نہ برداشت کرسکا قدرتِ حق اس کی جگہ ایک آبگینہ کو (قلبِ عارف) بنادیتی ہے۔ اسی مضمون کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیثِ قدسی میں بیان فرمایا کہ حق تعالیٰ نے فرمایا:

کہ نگنجیدم در افلاک و خلا
در عقول و در نفوس با علا

کہ میں نہیں سمایا ہوں افلاک اور خلا میں اور نہ عقول اور نفوس میں جو علوی ہیں۔

در دلِ مؤمن بگنجیدم چو ضیف
بے ز چوں و بے چگونہ و بے کیف

مگر مؤمن کے دل میں مہمان کی طرح سماجاتا ہوں بلا چوں وبلا چگوں اور بلا کیف تشبیہ ضیف کے ساتھ اکرام و محبوبیت میں ہے اور پورا دخل دینے میں ہے جیسا کہ مہمان محبوب پورا دخیل اور حاکم ہوتا ہے اور سمانا ظرفیت اور مظروفیت کے طور پر نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ مکان سے منزہ وپاک ہیں، یہ بلا چوں بلا چگونہ بلا کیف ہے۔

بے چنیں آئینہ ایں خوبیِ من
بر نتابدنے زمین و نے زمن

بدون ایسے آئینہ کے میرے جمال کو کوئی برداشت نہ کرسکتا تھا نہ زمین نہ آسمان۔

حاصلِ قصہ حضرتِ موسیٰ علیہ السلام نے اپنے کمبل کا نقاب بنالیا اور بدون نقاب خلائق کو اپنا چہرہ دیکھنے سے منع فرمادیا۔ حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھاہے کہ جونپور میں حضرت قطب المدار صاحب رحمۃ اللہ علیہ کوئی بزرگ گزرے ہیں جن کو نسبتِ موسوی حاصل تھی اور ان کے چہرے کو بے نقاب کوئی دیکھ نہ سکتا تھا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اس کمبل کے ٹکڑے نے وہ کام کیا جو آہنی دیواریں بھی نہ کرسکتی تھیں یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لباس کے علاوہ اگر کوئی نقاب لوہے کا بھی ہوتا تب بھی وہ

نور جو تجلّیٔ طور کے بعد آپ کے چہرے پر تھا اس کے پار ہو جاتا۔ وہ نقاب مصاحبِ حرارتِ عشقِ الٰہی رہا تھا۔ سوز کے وقت وہ ایک عارف باللہ کا خرقہ رہ چکا تھا اس لیے وہ اس نور کا ساتر اور حجاب بن گیا۔

اب حضرت صفورا علیہا السلام جو آپ کی اہلیہ تھیں اور آپ کے حسنِ نبوت پر عاشق تھیں اس نقاب سے بے چین ہو گئیں اور جب صبر کے مقام پر عشق نے آگ رکھ دی تو آپ نے اسی شوق اور بے تابی سے پہلے ایک آنکھ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے چہرے کے نور کو دیکھا اور اس سے ان کی وہ آنکھ غائب ہو گئی۔ اس کے بعد بھی ان کو صبر نہ آیا اور دوسری آنکھ بھی کھول دی اور اس دوسری آنکھ سے جب نظارۂ تجلیاتِ طور کا پسِ منظر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے چہرے پر دیکھنا چاہا تو وہ بھی بے نور ہو گئی۔

مولانا فرماتے ہیں: اسی طرح اللہ تعالیٰ کے راستے میں پہلے طالب روٹی دیتا ہے یعنی روٹی سے پیدا شدہ قوتوں کو مرضیاتِ الٰہیہ کے تابع کر دیتا ہے مگر جب اس پر نورِ طاعت اثر کرتا ہے تو جان بھی حوالہ کر دیتا ہے۔ اس مضمون کا شعر یہ ہے ؎

ہمچناں مردِ مجاہد ناں دہد
چوں بروزد نورِ طاعت جاں دہد

اس وقت حضرت صفورا علیہا السلام سے ایک عورت نے پوچھا کہ کیا تمھیں اپنی آنکھوں کے بے نور ہونے پر کچھ حسرت و غم ہے۔

گفت حسرت می خورم کہ صد ہزار
دیدہ بودے تا ہمی کردم نثار

فرمایا کہ مجھے تو یہ حسرت ہے کہ ایسی سو ہزار آنکھیں اور بھی عطا ہو جاتیں تو میں اُن سب کو اُس محبوب یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے چہرہ تاباں کے دیکھنے میں قربان کر دیتی۔ خزانہ اس بات کی نوبت کب آنے دے گا کہ میرا ویرانہ قصر و محل کو یاد کرے یعنی جس ویرانے میں خزانہ دفن ہوتا ہے تو وہ ویرانہ اس قدر مسرور اور مستغنی ہوتا ہے کہ کبھی محلّاتِ شاہی کو بھی یاد نہیں کرتا۔ اسی طرح حضرت صفورا علیہا السلام نے فرمایا کہ میری

آنکھوں سے نور تو چلا گیا مگر آنکھوں کے حلقے کے ویرانے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے چہرے کا خاص نور سما گیا ہے۔

حق تعالیٰ کو حضرت صفورا علیہا السلام کے عشق کا یہ مقام اور یہ کلام بہت پسند آیا اور خزانۂ غیب سے پھر ان کی دونوں آنکھوں کو ایسی بینائی کا نور بخش دیا جس سے وہ ہمیشہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا کرتی تھیں اور اس میں ایسا تحمل اللہ تعالیٰ نے دیا کہ وہ پھر کبھی اس نورِ خاص سے ضایع نہ ہوئیں۔

حکایت چوہے اور مینڈک کی دوستی

ایک دریا کے کنارے ایک چوہے سے ایک مینڈک کی دوستی ہو گئی اور یہ محبت درجۂ عشق و آشنائی تک پہنچی یہاں تک کہ دونوں ایک وقتِ معین پر ہر صبح کو ملاقات کے پابند ہو گئے اور دیر تک دونوں تبادلۂ خیالات کرتے تھے۔ دونوں کا دل باہم ملاقات سے مسرور اور کشادہ ہوتا۔ ایک دوسرے سے قصے کہتے بھی تھے اور سنتے بھی تھے۔ راز گو تھے، بے زبان بھی تھے اور بازبان بھی تھے جب آپس میں ملتے تو ایک دوسرے کو پانچ پانچ سال کے قصے یاد آتے۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

جوشِ نطق از دل نشانِ دوستی است
بستگیٔ نطق از بے الفتی است

گویائی اور گفتگو کا جوشِ دل سے اٹھنا علامتِ محبت ہے اور گویائی میں رکاوٹ اور بستگی علامتِ بے الفتی ہے۔

دل کہ دلبر دید کے ماند ترش
بلبلے گل دید کے ماند خمش

جس دل نے دلبر کو دیکھ لیا تو ترش رو کب رہ سکتا ہے اور جب بلبل پھول کو دیکھ لیتا ہے تو خاموش کیسے رہ سکتا ہے۔

یار چوں بایار خود بنشستہ شد
صد ہزاراں لوحِ دل دانستہ شد

جب یار اپنے یار کے پاس بیٹھتا ہے تو لاکھوں لوحِ قلب معلوم ہو جاتے ہیں۔

لوحِ محفوظ است پیشانیٔ یار
رازِ کونینش نماید آشکار

لوحِ محفوظ ہے یار کی پیشانی جو کہ کونین کے اسرار آشکارا کر دیتی ہے عاشق پر۔

ہادیٔ راہ ست یار اندر قدوم
مصطفٰی زیں گفت اصحابی نجوم

ہادیِٔ طریق ہے یار سلوک میں اسی سے مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اصحابی رضی اللہ عنہم مثلِ نجوم کے ہیں ہدایت دینے میں۔ نجوم کی ہدایت دنیا کے راستے کی اور ان کی ہدایت آخرت کے راستے کی ہوتی ہے

مولانا کی مراد اشعارِ مذکورہ سے یہ ہے کہ جس طرح عشّاقِ مجازی (متحابین للطبع) کی ملاقات مُظہرِ اسرارِ محبتِ مجازیہ ہوتی ہے اسی طرح متحابین فی اللہ کی تلاقی (ملاقات) مُظہرِ اسرارِ محبتِ حقیقیہ ہوتی ہے۔ پس جس محبت کا سبب حق تعالیٰ کی ذات ہے جیسا کہ طالب کو اپنے مرشد سے ہوتی ہے تو یہ تعلق بھی ہادی الی الحق ہوتا ہے۔ چناں چہ جب مرید اپنے شیخ کے پاس بیٹھتا ہے تو لاکھوں لوحِ قلب معلوم ہوتے ہیں یعنی مرشد کے قلب سے فیض وبرکات وعلوم و مَعارف اور واردات جو پہلے ظاہر نہ تھے منعکس اور منکشف ہونے لگتے ہیں اور شب وروز سالکین کو اس کا مشاہدہ ہے، پیشانیٔ یار کے لوحِ محفوظ ہونے سے مراد یہ ہے کہ طالب کو اپنے مرشدِ کامل کی پیشانی سے یعنی زیارت و ملاقات سے عجیب وغریب علوم اور فیوض محسوس ہوتے ہیں۔ دل کی بیماریوں کو بھی شفا محسوس ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے تعلق ومحبت ویقین میں بھی ترقی محسوس ہوتی ہے۔

آگے مولانا فرماتے ہیں کہ جس طرح ستاروں سے دنیا کے راستے کی ہدایت کے لیے شرط ہے کہ گرد وغبار نہ اڑائے تاکہ فضا صاف رہے اور تمہارے اور ستاروں

کے درمیان اگر فضا آلود ہو جاوے تو پھر ہدایت نہیں ہو گی اسی طرح اللہ والوں کے پاس جب حاضری ہو تو ان کی زیارت و صحبت اور تعلیم وارشاد کا انتظار کرو اور کان بن کر خاموشی سے ان کی بات سنو۔ مباحثہ اور مکالمہ کے طریقے سے غبار نہ اٹھاؤ کہ ردوقدح اور اعتراض واشکال ان کی باتوں پر شروع کردو۔ ایسی حرکت سے شیخ کا قلب مکدر ہو جاوے گا جس سے فیض بند ہو جاتا ہے۔

اس کا یہ مطلب نہیں کہ شیخ کے سامنے بالکل بولو ہی مت۔ کیوں کہ بالکل نہ بولنا بھی فیض بند کر دیتا ہے۔ ہر ضرورت کا علم شیخ کو نہیں ہوتا۔ پس اپنے حالاتِ ضروریہ باطنیہ کی اطلاع کرو اور مشاورت کا سلسلہ کرو، مراد نہ بولنے سے قیل و قال اور اعتراض ہے بالکل نہ بولنے سے تو دل ہی نہ ملے گا اور انس آپس میں نہ پیدا ہونے سے دل ایک دوسرے سے دور ہوں گے جو مضر ہے۔

زاں مئے کاں مے چو نوشیدہ شود

آبِ نطق از گنگ جوشیدہ شود

اللہ تعالیٰ کی محبت کی شراب جب کسی مرشدِ کامل سے پی لی جاتی ہے تو اگر گونگا بھی ہوگا تو اس کی گویائی جوش میں آجاوے گی۔ مراد یہ ہے کہ اللہ والوں کی صحبت سے جب دل میں محبتِ حق پیدا ہو جاتی ہے تو کم پڑھے لوگ بھی ہدایت کے مضامین بیان کرنے لگتے ہیں جس کی نظیر میں حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھ لیا جاوے کہ خود کافیہ تک پڑھے تھے اور بڑے بڑے علماء و محدثین و مفسرین کے شیخِ طریقت تھے۔

از گہے کہ یافت زاں مے خوش لبی

صد غزل آموخت داؤد نبی

جس وقت سے شرابِ محبتِ حق سے حضرت داؤد علیہ السلام کو خوش لبی حاصل ہوئی تو صدہا غزل انھوں نے سیکھ لیں۔ یعنی رقت آمیز اور دردناک کلام ان کے قلب میں از قبیلِ مناجات پیدا ہونے لگا۔

جملہ مرغاں ترک کردہ چیک چیک
ہمزباں دیارِ داؤد ملیک

یہاں تک کہ تمام پرندے چیک چیک کی آوازیں ترک کرکے حضرت داؤد علیہ السلام کی صحبت میں ان کی آواز سننے لگے چند مضامینِ ارشادی بیان کرنے کے بعد۔

رجوع الی الحکایت

مولانا پھر اصل قصہ کی طرف رجوع کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ مینڈک سے ایک دن چوہے نے کہا کہ آپ تو پانی کے اندر دوڑ لگاتے رہتے ہیں اور ہم خشکی میں جدائی کا غم کھاتے ہیں۔ میں ندی کے کنارے تجھے آواز دیتا ہوں تو پانی کے اندر عاشقوں کی آواز سنتا نہیں۔ میں صرف معین تھوڑے وقت پر گفتگو سے سیر نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ نماز کو پانچ وقت تو فرض قرار دیا ہے۔ لیکن عاشقوں کے لیے صلوٰۃ دائمون ہے کہ وہ نوافل پڑھنے کا لطف بھی لیتے ہیں۔

نیست زُرْ غِبًّا نشانِ عاشقاں
سخت مستسقی است جانِ صادقاں

باری باری ناغہ دے کر ملاقات عاشقوں کے لیے نہیں ہے صادقین کی جانیں تو سخت پیاسی ہوتی ہیں۔

نیست زُرْ غِبًّا وظیفہ ماہیاں
زانکہ بے دریا ندارند انسِ جاں

ناغہ دے کر ملاقات مچھلیوں کے لیے نہیں ہے کہ بدونِ دریا کے انھیں تو چین ہی نہیں۔

در دلِ عاشق بجز معشوق نیست
درمیاں شاں فارق و مفروق نیست

عاشقوں کے دل میں بجز معشوق کے کچھ نہیں ہے، ان کے درمیان فارق اور مفروق نہیں ہے۔

مراد مولانا کی اس حدیث کی طرف ہے کہ ملاقات ایک دن کے فصل سے محبت کو بڑھاتی ہے۔ پس مولانا نے یہاں فرمایا کہ مگر عشاق اس حکم سے مستثنٰی ہیں کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

كُنْتُ اَلْزَمُ لِصُحْبَتِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ[۱۷]

یعنی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں تو ہر وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبتِ مبارکہ سے لازم وملزوم کی طرح چپکا رہتا تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اس لزوم کو جائز رکھنا اور منع نہ فرمانا یہ مخصص بن گیا حدیث زُرْ غِبًّا[۱۸] کے لیے۔ پس اس حدیث سے وہ حکم عام مخصوص منہ البعض بن گیا اور یہ حکم ناغہ دے کر ملاقات کے لیے اس وقت ارشاد ہوا تھا جب حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے ابوہریرہ! کل تم کہاں تھے، انھوں نے کہا: بعض اعزہ سے ملنے گیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک دن کے فصل سے ملا کرو پس دونوں حدیثوں میں تطبیق کی صورت یہ ہوئی کہ لزوم ودوامِ صحبت کا موقع جہاں تعلق شدید اور محبت قوی ہو اور غب یعنی ناغہ سے ملنے کا موقع جہاں تعلق غیر قوی اور محبت غیر شدید ہو۔

یک دمِ ہجراں بر عاشق چو سال
وصلِ سالِ متصل پیشش خیال

جدائی کا ایک لحظہ بھی عاشق کے نزدیک مثل سال کے ہے اور متواتر ایک سال کا وصل اس کے سامنے ایک خیال ہے۔

دریا کا پانی کتنا ہی ہولناک ہو لیکن مچھلیوں کے اشتیاق کے سامنے وہ ایک جُرعہ ہے یعنی پانی سے ان کو گھبراہٹ نہیں ہوتی۔

آگے مولانا فرماتے ہیں: اہلِ دنیا عشقِ مجازی کو بہت جلد سمجھ جاتے ہیں مگر

۱۷؎ صحیح البخاری: ۲۷۴/۱ (۲۰۴۳)، کتاب البیوع، باب ما جاء فی قول اللہ تبارک وتعالٰی: فاذا قضیت الصلٰوۃ فانتشروا فی الارض وابتغوا من فضل اللہ الخ، المکتبۃ المظھریۃ

۱۸؎ شعب الایمان للبیھقی: ۵۶۷/۱۰-۵۶۸، (۸۰۰۸)، مکتبۃ الرشد

حق تعالیٰ کی محبت کو جو انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور اولیائے عظام کی مبارک جانوں کو عطا فرمائی جاتی ہے، نہیں سمجھتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ دنیا کے ظاہری آرام کے حجاب میں ہیں اور حق تعالیٰ کی محبت کا لطف موقوف ہے نفس کے تقاضوں کو فنا کرنے پر پس یہ نعمت ان ہی کو ملتی ہے جو اپنے کو مٹا دیتے ہیں محض عقل سے اس کا ادراک ممکن نہیں۔

ور بعقل ادراکِ ایں ممکن بُدے
قہرِ نفس از بہر چہ واجب شُدے
باچناں رحمت کہ دارد شاہ ہش
بے ضرورت چوں بگوید نفس کش

ترجمہ: اگر عقل سے اللہ تعالیٰ کی محبت کا ادراک ممکن ہوتا تو مجاہدۂ نفس کس لیے ضروری ہوتا۔ باوجود ایسی رحمت کے کہ وہ سلطان العقول یعنی اللہ تعالیٰ رکھتے ہیں۔ بے ضرورت کیوں فرماتے کہ نفس کی مخالفت کرو اور خواہشات کو مغلوب کرو۔ مجاہدہ ہی سے نفس میں اضمحلال اور فنائیت پیدا ہوتی ہے اور اسی پر حق تعالیٰ کی معرفت موقوف ہے۔ حضرتِ اقدس حکیم الامت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے جب مولانا سید سلیمان ندوی نے دریافت کیا کہ حضرت! فقیری کس چیز کا نام ہے؟ ارشاد فرمایا کہ اپنے کو مٹا دینے کا۔

رجوع الی الحکایت

پھر اصل حکایت کی طرف رجوع فرماتے ہیں کہ چوہے نے کہا: اے یار مینڈک! میں بدون تیرا چہرہ حسین دیکھے ایک دم کو بھی چین نہیں پاتا۔ دن کو میری معاش تیرا دیدار ہے، رات کو میری تسلی اور قرار اور نیند تو ہی ہے، تیرا احسان ہوگا کہ تو مجھے مسرور کردیا کرے اور وقت بے وقت ملاقات کا لطف چکھا دیا کرے۔

از مروت باشد اَر شادم کنی
وقت بے وقت از کرم یادم کنی

مروت ہوگی کہ تو مجھے شاد کرے اور وقت بے وقت اپنی محبت سے یاد کرلیا کرے۔

بے نیازی از غمِ من اے امیر
دہ زکوٰۃِ حسن و بنگر در فقیر

تو میرے غم سے اے امیر! بے پرواہے، اپنے حسن کی زکوٰۃ دے یعنی اس محتاج پر نظر عنایت فرما اور شرفِ دیدار سے مجھے مسرور فرما۔

اب مولانا رحمۃ اللہ علیہ حق تعالیٰ کی طرف رجوع ہوگئے اور مولانا کا مقصود بھی ان قصوں سے یہی ہے۔

ایں فقیرِ بے ادب نادر خورست
لیک لطفِ عامِ تو زاں برترست

اے اللہ! یہ محتاج بے ادب اور نالائق ہے لیکن آپ کا لطفِ عام اس سے برتر وارفع ہے۔

می نجوید لطفِ عامِ تو سند
آفتابے بر حدثہا می زند

اے اللہ! آپ کا لطفِ عام سند اور قابلیت نہیں ڈھونڈتا ہے اور آپ کا آفتابِ کرم نجاستوں پر بھی اثر کرتا ہے۔

شمس ہم معدہ زمیں را گرم کرد
تا زمیں باقی حدثہا را بخورد

یعنی آپ کے آفتاب نے زمین کا معدہ گرم کردیا جس کی حرارت نے نجاست کو اندر جذب کرلیا۔

جزوِ خاکی گشت ورست از وے نبات
هٰكَذَا يَمْحُو الْاِلٰهُ السَّيِّاٰت

وہ نجاست جزءِ خاکی ہو گئی اور اس سے نباتات پیدا ہوئے اسی طرح اللہ تعالیٰ سیئات کو محو کر دیتے ہیں۔

چوں خبیثاں را چنیں خلعت دہد
طیبیں را تا چہ بخشد در رسد

جب خبیثوں کو ایسا خلعت دیتے ہیں تو طیبین کو تو کیا کچھ بخش دیں گے حصہ میں۔

آں دہد حق شاں کہ لا عینٌ رأت
کاں نگنجد در زبان و در لغت

حق تعالیٰ اپنے مخصوص بندوں کو وہ کچھ دیں گے جو کسی آنکھ نے نہیں دیکھا ہو گا اور جو کہ زبان اور لغت میں نہیں سما سکتا۔

ما کئیم ایں را بیاں کن یارِ من
روزِ من روشن کن از خلقِ حسن

ہم کون ہیں اس کو آپ ہی بیان کیجیے اور میرے محبوب! میرے دن کو خلقِ حسن سے روشن کیجیے۔

مولانا حق تعالیٰ شانہٗ کے تصرفات اور قدرۃِ عجیبہ کو بیان کرتے ہیں کہ اے اللہ! آپ کا آفتابِ کرم جب دنیا میں روشن ہو کر زمین پر پڑی ہوئی نجاستوں کے کچھ حصے کو توخشک کرکے ایندھن بنادیتا ہے۔ جس سے وہ تنور میں روشنی اور نور بن جاتا ہے اور کچھ حصہ زمین کے اندر داخل کرکے کھاد بنادیتا ہے جس سے نباتات اور گلاب وبیلا خوشبو دار پودے نکلتے ہیں۔ زمین کے اندر نجاست کے رقیق اجزا اس طرح داخل ہوتے ہیں کہ آفتاب زمین کے باطن کو گرم کردیتا ہے اور حرارت کا خاصہ انجذاب ہے۔ پس اے اللہ! جب نجاستوں پر آپ کا یہ کرم ہے تو اپنے صالحین اور عاشقین کو کیا کچھ عطا فرمائیں گے۔ ایسی نعمتیں دیں گے کہ آنکھوں نے نہ دیکھی ہوں گی اور نہ خیال و وہم میں بھی ان کا تصور آیا ہو گا۔ جیسا کہ حدیثِ قدسی میں وارد ہے:

اَعۡدَدۡتُّ لِعِبَادِیَ الصَّالِحِیۡنَ مَالَا عَیۡنٌ رَأَتۡ وَلَا اُذُنٌ
سَمِعَتۡ وَلَا خَطَرَ عَلٰی قَلۡبِ بَشَرٍ

آگے مولانا فرماتے ہیں کہ کسی پر غیب سے علوم و مَعارفِ کا وارد ہونا علامت ہے کہ اس شخص کے قلب پر حق تعالیٰ شانہٗ کی طرف سے خاص فیضانِ رحمت ہے اور اس کو اس انداز میں بیان فرماتے ہیں:

چوں بہ بینی بر لبِ جو سبزہ مست
پس بداں از دور کا ینجا آب ہست

جب تو ندی کے کنارے پر سبزہ مست دیکھے تو دور ہی سے یقین کرلے کہ اس جگہ پانی موجود ہے۔

گفت سیماہم وجوہِ کرد گار
کہ بود غمّازِ باراں سبزہ زار

حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ میرے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کے چہروں سے ان کے قلب کا نور چھلکا پڑتا ہے اور یہ فراوانیٔ نور کثرتِ عبادت بالخصوص تہجد کی نماز اور استغفار و آہِ سحر سے ہے۔

دوسرے مصرعہ میں ایک اور مثال دیتے ہیں کہ بارش کی مخبری سبزہ زار کرتا ہے۔

گر بارد شب نہ بیند ہیچ کس
کہ بود در خواب ہر نفس و نفس

اگر شب کو بارش ہو اور کوئی بارش کو نہ دیکھے کیوں کہ رات کو ہر سانس لینے والا نیند میں بے خبر ہوتا ہے لیکن صبح جب باغوں کو ہرا ابھرا دیکھتا ہے تو سمجھ جاتا ہے کہ رات بارش ہوئی تھی۔

تازگیٔ ہر گلستانِ جمیل
ہست بر بارانِ پنہانی دلیل

ہر باغِ باجمال کی تازگی دلیل ہوتی ہے بارانِ مخفی پر۔

رجوع الی الحکایت

پھر مولانا چوہے کی حکایت کی طرف رجوع ہوتے ہیں کہ اس چوہے نے کہا مینڈک سے کہ اے بھائی! میں خاکی ہوں اور تو آبی ہے یعنی پانی کا رہنے والا ہے۔ میں پانی میں آنہیں سکتا، مجبور ہوں اور تو خشکی میں آسکتا ہے۔ لیکن تم کو اطلاع کیسے ہو کہ میں تم سے ملاقات کا مشتاق ہوں۔ دیر تک اس پر مشورہ ہوتا رہا اور انجام کار چوہے نے یہ رائے پیش کی کہ ایک لمبی ڈوری (رسی) لائی جاوے اور ایک کنارہ اس کا تمہارے پاؤں میں بندھا ہوا اور دوسرا سرا میرے پاؤں میں بندھا ہو۔ پس جب مجھ کو ملاقات کرنی ہوگی ڈوری کو ہلادوں گا تو اس طرح تمھیں پانی کے اندر ڈوری کی حرکت محسوس ہوگی اور تم ندی کے کنارے آجایا کرنا۔ اس طرح ہم دونوں کی ملاقات ہوجایا کرے گی۔

مینڈک کو چوہے کی یہ بات بری معلوم ہوئی اور دل میں کہا کہ یہ خبیث مجھے اپنے قید و بند میں لانا چاہتا ہے۔

ایں عجب نبود کہ کور افتد بچاہ
بوالعجب افتادنِ بینائے راہ

یہ تعجب نہیں کہ اندھا کنویں میں گر جاوے تعجب تو یہ ہے کہ بینائے راہ کنویں میں گر جاوے۔

اس خیال کے بعد باوجود مینڈک نے اپنے قلب میں میلان پایا کہ چوہے کی درخواست قبول کرلے، عقل پر جب طبعی خواہش غالب ہوجاتی ہے تو یہ نہایت خطرناک مستقبل کا نقطۂ آغاز ہوتا ہے۔ اب مینڈک کی ہلاکت اور تباہی کا ماجرا بیان فرماتے ہیں کہ یہ دونوں ڈوری ہلاکر بار بار ملاقات کی لذت کے عادی ہوگئے تھے کہ ایک دن اس بری صحبت کا انجام سامنے آیا یعنی اس خبیث چوہے کو ایک چیل اپنے چنگل میں لے اڑی اور ساتھ ہی ساتھ چوں کہ ڈوری کا دوسرا سرا مینڈک کے پاؤں میں بندھا ہوا تھا اس وجہ سے مینڈک بھی پانی کے اندر سے (کہ مسکنِ عافیت وراحت اس کا تھا) لٹکا ہوا چیل کے ساتھ

ساتھ اوپر فضا میں معلّق ہوا۔ چوہے خبیث کا جو حشر ہوا وہی اس مینڈک کا بھی حشر ہوا یعنی دونوں کو ہلاک کرکے چیل نے اپنا لقمہ بنالیا۔ اگر مینڈک پانی کے اندر رہتا اور چوہے خبیث سے دوستی کا یہ رابطہ نہ قائم کرتا تو پانی کے اندر چیل کی دشمنی اس کا کچھ بال بیکانہ کرسکتی اور نہ ہی وہ اس چیل کا لقمۂ تربنتا۔

اس واقعہ میں مولانا نے بری صحبت سے بچنے کی کس اندازِ لطیف سے ہدایت کی ہے کہ پُر لطف قصہ بھی ہے اور ہدایت کی راہ بھی ہے۔ راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ روح اور نفس اور شیطان کو اسی قصّے پر منطبق کیا جاوے کہ نفسِ امارہ مثل خبیث چوہے کے ہے، بُری خصلت کے اعتبار سے اور روح مثلِ مینڈک ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قرب کا پانی ہی اس کا اصلی مرکز ہے اور چیل کی مثال شیطان کی سی ہے۔ پس نفس اپنی خواہشات کے لیے روح کو ہر طرح پھسلاتا ہے اور اس سے ڈور باندھنے کی کوشش کرتا ہے، اب جس کی روح نفس کی خواہش پر تسلیمِ سر کرتی ہے اور اس سے رابطہ قائم کرلیتی ہے تو شیطان اس نفس کو جہاں جہاں چاہتا ہے گھسیٹتا ہے اور روح بھی اس کے ساتھ ذلیل پھرتی ہے بوجہ رابطہ بالنفس کے اور انجام کار شیطان جب دوزخ میں جاوے گا تو یہ نفس جو اس کے چنگل میں تھا وہ بھی جاوے گا اور روح جو نفس سے رابطہ گناہوں میں کیے ہوئے تھی وہ بھی دوزخ میں معذّب ہوگی۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق عطا فرمائیں کہ ہم اس واقعہ سے سبق حاصل کرلیں اور نفس اور شیطان سے اپنے کو محفوظ رکھیں جس کی صورت یہ ہوگی:

الف) روح ذکر اللہ سے غافل نہ ہو کبھی قلب وجوارح دونوں کے ساتھ کبھی صرف قلب کے ساتھ، ان مواقع کی تفصیل بزرگانِ دین سے معلوم کرلیں۔

ب) نفس کتنا ہی گناہ کا لطف سامنے رکھے اُدھر رخ بھی نہ کرو، اس کو اپنا دشمن سمجھو اور دشمن بھی بڑا دشمن۔ ابلیس سے بھی بڑا دشمن نفس ہے۔

ج) شیطان کے وسوسوں پر لاحول ولاقوۃ الا باللہ پڑھتے رہو اور کسی اللہ والے کی نظرِ عنایت کے سائے میں رہو یعنی ان کی صحبت سے ان کے علوم وارشاد سے

استفادہ کرتے رہو اور شیطان کا قبضہ اسی وقت ہوتا ہے جس وقت ہماری روح نفس سے ساز باز اور صلح کر لیتی ہے، لہٰذا ابلیس لعین کے شر سے بچنے کے لیے نفس کی مخالفت از حد ضروری ہے۔ نفس کو جو مغلوب رکھے گا وہ ان شاء اللہ تعالیٰ شیطان پر غالب رہے گا اور نفس پر غالب ہونا آسان نہیں جب تک کسی اللہ والے سے قوی اور صحیح تعلق نہ کیا جاوے۔ قوی تعلق سے مراد محبت اور مناسبت ہے۔ صحیح تعلق سے مراد اس کی ہدایات پر عمل ہے یعنی اپنا حال کہہ کر ان سے مشورہ لیا جاوے، چند دن میں کایا پلٹ جاتی ہے۔

نہ کتابوں سے نہ وعظوں سے نہ زر سے پیدا
دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

(جج اکبر الٰہ آبادی)

حکایتِ طوطی وبقّال

طوطی۔طوطا۔بقال۔دوکاندار

ایک دوکاندار نے ایک طوطا پال رکھا تھا اور اس خوش آواز سبز رنگ کے طوطے سے اس دوکاندار کو بہت محبت تھی اور یہ طوطا خوب باتیں کرتا اور خریداروں کو خوش کرتا اور جب دوکاندار نہ ہوتا تو دوکان کی بھی وہ حفاظت کرتا۔

ایک دن دوکاندار نہ تھا اور اچانک ایک بلی نے کسی چوہے کو پکڑنے کے لیے حملہ کیا۔ اس طوطے نے سمجھا کہ شاید مجھے پکڑنا چاہتی ہے یہ اپنی جان بچانے کے لیے ایک طرف کو بھاگا، اسی طرف بادام کے تیل کی بوتل رکھی تھی، سارا تیل گر گیا۔ جب دوکاندار آیا تو اس نے اپنی گدی پر تیل کی چکناہٹ محسوس کی اور دیکھا کہ بوتل سے تیل گر گیا ہے، اس نے غصے میں اس طوطے کے سر پر ایسی چوٹ لگائی جس سے اس کا سر گنجا ہو گیا۔ یہ طوطا اس دوکاندار سے ناراض ہو گیا اور بولنا چھوڑ دیا۔

طوطے کے اس فعل سے دوکاندار کو سخت پریشانی ہوئی اور بہت ندامت ہوئی کہ اب میں کیا کروں کیوں کہ دوکاندار کو اس کی باتوں سے بڑا لطف ملتا تھا۔ کئی روز تک اس طوطے کی خوشامد کی۔ طرح طرح کے پھل دیے کہ خوش ہو جاوے لیکن طوطا بالکل خاموش تھا۔ اس دوکان پر جو خریدار آتے وہ بھی اس کے خاموش رہنے سے تعجب اور افسوس کرتے۔

ایک دن اس دوکان کے سامنے سے ایک کمبل پوش فقیر سر منڈائے ہوئے گزرے تو یہ طوطا فوراً بلند آواز سے بولا کہ اے گنجے! تو کس سبب سے گنجا ہوا تو نے بھی بوتل سے تیل گرادیا ہوگا۔

طوطے کے اس قیاس سے لوگوں کو ہنسی آگئی کہ اس نے کمبل پوش فقیر کو بھی اپنے اوپر قیاس کیا۔

اب مولانا اس واقعہ سے رجوع کرتے ہوئے نصیحت فرماتے ہیں کہ۔

کارِ پاکاں را قیاسِ خود مگیر
گرچہ باشد در نوشتن شیر و شیر

اے عزیز! پاک لوگوں کے معاملے کو اپنے اوپر قیاس نہ کرو اگرچہ لکھنے میں شیر (یعنی دودھ) اور شیر (جانور) ایک طرح کا ہوتا ہے۔

شیر آں باشد کہ مردم می خورد
شیر آں باشد کہ مردم می خورد

لیکن شیر (دودھ) کو آدمی کھاتا ہے اور شیر (جانور) آدمی کو کھاتا ہے۔

جملہ عالم زیں سبب گمراہ شد
کم کسے ز ابدالِ حق آگاہ شد

تمام جہان اس غلط قیاس کے سبب گمراہ ہو گیا اور شاذ و نادر ہی لوگ اولیاء اللہ اور ابدالِ حق سے آگاہ ہوئے۔

اشقیا را دیدۂ بینا نبود

نیک و بد در دیدۂ شاں یکساں نمود

بدبخت لوگ حق بینی کی آنکھ سے محروم تھے، نیک اور بد ان کی نظر میں یکساں نظر آئے۔

ہمسری با انبیاء بر داشتند

اولیاء را ہمچو خود پنداشتند

اپنے غلط قیاس سے کبھی انہوں نے انبیاء کے ساتھ برابری کا دعوٰی کیا اور کبھی اولیاء اللہ کو اپنے برابر سمجھ لیا۔

گفت اینک مابشر ایشاں بشر

ماو ایشاں بستۂ خوابیم و خور

اگر کسی نے اعتراض کیا ان کی سوئے ادبی پر تو یہ کہا کہ ارے! ہم بھی انسان یہ بھی انسان ہم اور یہ دونوں سونے اور کھانے کے پابند ہیں تو ہم میں اور ان میں کیا فرق ہوا۔

آگے مولانا نے بیان فرمایا کہ ظاہری صورت ایک ہونے سے حقیقت کا اتحاد لازم نہیں آتا اور اس دعوٰی کو چند مثالوں سے سمجھاتے ہیں۔

۱) بھڑ اور شہد کی مکھیوں نے پھولوں کا رس چوسا، دونوں کی غذا میں اتحاد ہے لیکن بھڑ میں اس رس نے زہریلا اثر اس کے ڈنک میں جمع کیا اور شہد کی مکھیوں میں پھولوں کے رس نے شہد بنایا۔

۲) دو قسم کے ہرنوں نے ایک ہی قسم کی گھاس کھائی، ایک کے اندر اسی گھاس نے مینگنیاں بنائیں اور دوسرے ہرن کے اندر اس نے کستوری (مشکِ خالص)۔

۳) دو قسم کے گنّے کو ایک ہی گھاٹ سے پانی دیا گیا، ایک کھوکھلا ہے اور ایک کے اندر اسی پانی نے شکر بنائی یعنی رس سے پُر کیا جس کو گنا کہتے ہیں۔

۴) ایک فاسق انسان روٹی کھاتا ہے۔ اس کے اندر یہ روٹی بخل و حسد اور شہوت

پیدا کرتی ہے اور وہی روٹی ایک اللہ کا ولی کھاتا ہے تو وہ روٹی اس کے اندر اللہ تعالیٰ کا عشق و معرفت پیدا کرتی ہے۔

۵) تلخ پانی اور میٹھے پانی کی صورت ایک ہے مگر حقیقت میں کتنا فرق ہے۔ اسی طرح شقی اور سعید، نیک اور بد کی صورت میں اگر اتحاد ہے تو یہ کیسے لازم آسکتا ہے کہ دونوں کی سیرت اور حقیقت بھی متحد ہے۔

۶) جو کچھ انسان کرتا ہے وہ بندر بھی کرتا ہے۔ لیکن دونوں میں کتنا فرق ہے۔

۷) ایسے ہی حقیقت ناشناس لوگوں نے معجزے کو جادو پر قیاس کیا حالاں کہ معجزہ رحمتِ خداوندی ہے جو مقبولوں کو دیا جاتا ہے اور جادو خدا کی لعنت ہے جو مردود کے ساتھ ہوتا ہے۔

معجزہ ایک حقیقت ہوتا ہے۔ جادو محض خلافِ حقیقت ہوتا ہے اور صرف نظر بندی ہوتی ہے۔

۸) مؤمن اور منافق کے اعمال ظاہری صورت میں متحد ہیں لیکن حقیقت میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔ دونوں کا انجام کس قدر بعد اور تفاوت رکھتا ہے، ایک کا مقام جنت ہے دوسرے کا مقام جہنم ہے۔

۹) خراب اور صحیح سونے کی شکل یکساں ہے لیکن کسوٹی پر دونوں کی قیمت میں کس قدر فرق ہوتا ہے۔

۱۰) دو چہرے ہیں: ایک چہرہ سوئے دوست ہے اور ایک چہرہ خود اپنے ہی کو دیکھ رہا ہے۔ دونوں میں کتنا فرق ہے؟

فائدہ: خلاصہ یہ کہ اللہ والوں کو اپنے اوپر قیاس مت کرو۔ ان کے باطن کو دیکھو کہ حق تعالیٰ کے قرب و تعلق کی دولت سے رشکِ سلاطینِ ہفت اقلیم ہیں اور ان سے استفادہ کرو۔ اور ان کو اپنی طرح مت سمجھو۔

ظرف کی قیمت مظروف کی قیمت سے ہے۔ انسان کا جسم جو ایک ظرف ہے اگر تعلق مع اللہ کی دولت سے مشرف ہے تو اس ظرف کو بہت قیمتی سمجھو۔ دو شیشیاں

ہیں، ہر شیشی کی قیمت دوآنے ہے لیکن ایک شیشی میں عطر ہے۔ اس کی قیمت پانچ روپیہ ہے اور دوسری میں پانی ہے اس کی قیمت دوآنے ہے۔ اور اگر پیشاب ہے تو دوآنے بھی نہیں۔ پس اس شیشی کو دوسری شیشی پر قیاس کرنا کیسے صحیح ہوگا؟

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے نیک اور مقبول بندوں کی عظمت اور ان کا احترام واکرام عطا فرمائیں اور احمقانہ قیاس سے محفوظ فرمائیں۔ آمین۔ تاکہ ان کے ارشاد ومواعظ کی صحبتوں سے استفادے کی ہمیں حرص وطلب پیدا ہو اور اپنی حماقت کے باطل خیالات مانعِ استفادہ نہ ہوں۔

حکایت کفرانِ نمرود

حق تعالیٰ شانہٗ نے عزرائیل علیہ السلام (فرشتۂ موت) سے کہا کہ تم نے اب تک جتنے لوگوں کی روحیں قبض کی ہیں تم کو ان سب میں کس پر زیادہ رحم آیا۔

انہوں نے جواب دیا کہ سب ہی پر میرا دل سوختہ ہوتا ہے غم سے مگر آپ کے حکم کی تعمیل پر سرِ تسلیم خم کرتا ہوں۔

ارشاد ہوا کہ سب سے زیادہ کس پر دل رقیق اور غمگین ہوا۔

کہا: اے ہمارے رب! ایک واقعہ نے میرے دل کو سب سے زیادہ رقیق کیا تھا اور وہ یہ کہ ایک دن موجِ تیز پر ہم نے آپ کے حکم سے ایک کشتی توڑدی۔ یہاں تک کہ ریزہ ریزہ ہوگئی۔ پھر آپ نے فرمایا کہ سب کی جان قبض کرلے سوائے ایک عورت اور اس کے بچے کے۔ اس گروہ سے سب ہلاک ہوگئے بجز اس عورت کے اور اس کے بچے کے کہ دونوں ایک تختے پر رہ گئے۔ تختے کو وہ موجیں چلاتی تھیں، جب کنارے پر اس تختے کو ہوا نے ڈالا، تو دونوں کی خلاصی سے میرا دل خوش ہوا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ اب ماں کی جان قبض کرو اور بچے کو تنہا چھوڑدو۔ آپ کے حکم سے جب میں نے ماں کی جان قبض کی اور بچے کو تنہا چھوڑا اور بچہ ماں سے جدا ہوگیا، اس وقت آپ خود جانتے ہیں کہ کس قدر مجھ کو تلخ معلوم ہوا اور ہمارے دل پر کیا گزر گئی۔ مگر ہم آپ کے حکم کی

تعمیل میں مجبور تھے۔ آپ کے قضاو فیصلے سے کون سر تابی اور روگشی کا پتّہ رکھتا ہے ؎

نیست کس رازہرۂ چون وچرا
ہست سلطانی مسلّم مر اورا

کسی کو آپ کے حکم کے سامنے چوں وچرا کا پتّہ نہیں، آپ ہی کے لیے حقیقی سلطانی مخصوص اور مسلّم ہے۔

اے رب! میں نے ماں کی روح قبض کرتے ہوئے اپنے دل میں صدمۂ عظیم دیکھا اور اس بچے کی یاد اور اس کی بے کسی اب تک میرے تصور و خیال سے نہ گئی۔

حق تعالیٰ نے فرمایا: اب تم اس بچے کا ماجرا سنو کہ میں نے کس طرح اس کی پرورش کی؟ اس طفل کے لیے میں نے موجوں کو حکم دیا کہ اس کو ایک جنگل میں ڈال دو۔ اور ایسے جنگل میں جہاں سوسن اور ریحان اور خوشبودار پھول ہوں اور میوہ دار درخت ہوں اور اس میں آبِ شیریں کے چشمے ہوں۔ میں نے اس بچے کو سو ناز سے پالا۔ لاکھوں مرغِ مطرب خوش صدا نے اس باغ میں سو آوازیں ڈال رکھی تھیں اور میں نے برگِ نسرین سے اس کا بستر بنایا تاکہ فتن اور آفات سے وہ بچہ مامون رہے، میں نے خورشید کو حکم دیا کہ اس کی طرف شعاعیں تیز نہ کر اور اپنی رفتار میں اس کا خیال رکھ، ہوا کو حکم دیا کہ اس پر آہستہ چل، ابر کو حکم دیا کہ اس پر بارش مت برسا، برق کو حکم دیا کہ اس پر تیزی سے میل مت کر، موسمِ خزاں کو حکم دیا کہ اس چمن سے اعتدال کو سلب مت کر۔ حاصل یہ کہ وہ باغ مثلِ روحِ عارفین کے صرصر اور سموم سے محفوظ رہا۔ ایک چیتے نے نیا بچہ جنا تھا۔ میں نے اس کو حکم دیا کہ اس طفل کو دودھ پلائے یہاں تک کہ وہ بچہ فربہ شیر مرد ہو گیا۔ جب اس کے دودھ چھڑانے کا وقت آیا تو میں نے جنات کو حکم دیا کہ اس کو بولنا اور حکومت کرنا سکھاؤ۔ اس کی میں نے اس طرح پرورش کی جو تمام خلائق کے لیے عجیب اور حیرت خیز ہے اور میرے تصرفات اسی طرح عجیب و غریب ہوتے ہیں۔

میں نے حضرت ایوب علیہ السلام کے بدن میں کیڑوں کی پرورش کرائی اور

ان کیڑوں پر باپ جیسی شفقت عطا کی یہاں تک کہ اگر کوئی کیڑا جسم سے نکل کر دور ہوتا تو انھیں ایسا محسوس ہوتا کہ میری اولاد مجھ سے جدا ہو گئی۔

دادہ من ایوب رامہرِ پدر
بہرِ مہمانیٔ کرماں بے ضرر

میں نے ایوب علیہ السلام کو باپ کی طرح مہربانی دی تھی۔ کیڑوں کی مہمانی کے لیے بدوں ضرر پہنچانے کے۔

مادراں را مہر من آموختم
چوں بود شمعے کہ من افروختم

ماؤں کو محبت میں نے ہی سکھائی ہے وہ کیسی شمع ہوگی، جس کو میں نے روشن کیا ہو۔

غرض اس بچے پر میں نے صدہا عنایات اور صدہا علاقے کرم کے کیے تاکہ وہ میرا لطف و کرم بے واسطۂ اسباب دیکھ لے اور تاکہ وہ اسباب سے کش مکش میں مبتلا نہ ہو کیوں کہ اسباب سے مسبب کبھی متخلف بھی ہو جاتا ہے اور تاکہ اس بچے کی ہر استعانت مجھ سے ہی ہو کیوں کہ اسباب کے حجابات اس کے سامنے نہ تھے۔ یعنی بدون اسباب پرورش کا مقتضٰی یہی ہے کہ وہ کسی اور پر نظر نہ کرے۔ تاکہ خود ہماری طرف اس کو عذر نہ رہے گمراہ ہونے میں کہ میں اسباب پر نظر کرنے کے سبب آپ کے انعامات و آیات کی طرف متوجہ نہ ہو سکا اور ہر یارِ بد سے اس کو شکوہ نہ ہو کہ فلاں نے مجھ کو گمراہ کر دیا سو اب افاضۂ نعم بلا اسبابِ عادیہ میں اس کی گنجایش نہ رہی۔

مگر اے عزرائیل! اس بچے نے میرا کیا شکر ادا کیا؟ یہی بچہ نمرود ہو گیا اور میرے خلیل ابراہیم (علیہ السلام) کو جلانے والا (سوزندۂ خلیل) نکلا۔ یعنی اس کا ارادہ یہی تھا مگر حق تعالیٰ نے اپنے خلیل پر آتشِ نمرود کو گلزارِ امن بنا دیا۔

آگے مولانا فرماتے ہیں کہ یہ نفس نہایت ہی خطرناک دشمن ہے، اس سے پناہ مانگتے رہو۔ دوسروں کے لیے تو ماں باپ کی پرورش حجاب بن جاتی ہے مگر اس نالائق نے بلاواسطہ اپنی جیب میں بہت سے موتی ہم سے پائے تھے۔

گرگ درندہ است نفسِ بدیقیں
چہ بہانامی نہی بر ہر قریں

نفسِ بدیقیناً گرگ درندہ ہے۔ اے مخاطب! تو ہر قرین اور ساتھی پر کیا اپنی گمراہی کا الزام اور بہانا رکھتا ہے۔

زیں سبب می گویم اے بندہ فقیر
سلسلہ از گردنِ سگ وامگیر

میں اسی سبب سے کہتاہوں کہ اے بندہ فقیر! زنجیر کتے کی گردن سے بحال کر یعنی نفس کو قید وبند میں رکھو اور اگر تم مغلوب ہورہے ہو تو جلد کسی اللہ والے سے تعلق کرو تاکہ اس کی آہِ سحر گاہی اور دعاؤں اور صحبتوں کی برکتوں سے تم بھی غالب ہو جاؤ۔

یارِ غالب جو کہ تاغالب شوی
یارِ مغلوباں مشوہیں اے غوی

مگر ایسا مرشد اور راہ بر ڈھونڈو جو غالب علی الاحوال ہو یعنی مغلوب الحال نہ ہو تاکہ تم اس غالب کی صحبت سے غالب ہو جاؤ اور اگر مغلوبین کی صحبت میں رہوگے جیسا کہ اہلِ دنیا اور تمام ناقصین فی السلوک ہیں تو ہمیشہ مغلوب ہی رہوگے۔ صحبت جیسی ہوگی اسی طرح کا اثر رونما ہوگا، گویا صحبت ایک بیج ہے پس جس چیز کی تخم ریزی کروگے اسی چیز کا درخت اُگے گا۔

حکمتِ حضرت لقمان عَلَیْہِ السَّلَام

قصہ ہے کہ حضرت لقمان علیہ السلام کو جب ان کے آقا نے خریدا تو اور غلاموں نے ان کو حقیر سمجھا۔ ایک دن آقا نے سب غلاموں کو باغ بھیجا کہ باغ کے پھلوں کو توڑ لاویں۔ تمام غلاموں نے باغ میں پھل توڑ کر خوب شکم سیر ہو کر کھایا اور آقا سے کہا کہ باغ کے پھلوں کو (حضرت) لقمان نے کھالیا ہے۔ آقا لقمان علیہ السلام پر بہت ناراض ہوا۔

حضرت لقمان علیہ السلام نے آقا سے کہا کہ آپ اس الزام کی تحقیق کرلیں۔ میں نے نہیں کھایا۔ میں آپ کو ایک تدبیر بتاتا ہوں۔ اس کے ذریعے یہ حقیقت آپ پر منکشف ہو جاوے گی کہ میوہ کس نے کھایا ہے۔

آقا نے کہا: وہ کیا تدبیر ہے؟

فرمایا: آپ شکار کی تیاری کریں، اصطبل سے گھوڑا منگایا گیا، آقا گھوڑے پر بیٹھا اور حضرت لقمان علیہ السلام نے فرمایا کہ آپ شکار کے لیے صحرا کی طرف تیز چلیں اور چلنے سے قبل سب کو گرم پانی پلادیں اور سب کو شکم سیر پانی پلایا جائے، تھوڑی ہی دیر میں معلوم ہو گا کہ مجرم کون ہے۔

الغرض جب غلاموں کو دوڑنا پڑا تو جن لوگوں نے میوہ کھایا تھا سب کو تیز حرکت کرنے سے قے ہو گئی۔ کیوں کہ گرم پانی پی کر دوڑنے سے معدہ اور گرم ہو گیا اور راستہ بھی صحرا کا ناہموار نشیب و فراز والا تھا جس سے قے ہونا لابدی تھا۔ پس قے میں میوہ صاف ظاہر ہو گیا کیوں کہ تازہ تازہ کھایا تھا۔ یعنی اتنا عرصہ نہ گزرا تھا کہ وہ معدے میں ہضم ہو کر آنتوں میں اتر جاتا اور حضرت لقمان علیہ السلام کو قے نہ ہوئی کیوں کہ ان کے پیٹ میں میوہ نہ تھا۔

حضرت لقمان علیہ السلام کی اس حکمت سے سب غلاموں کو شرمندگی اور ندامت ہوئی اور ان کی حکمت سے آقا بہت خوش ہوا اور یہ آقا کے مقرب ہو گئے۔

حکمتِ لقماں چو تاند آں نمود
پس چہ باشد حکمتِ ربِّ ودود

مولانا فرماتے ہیں کہ جب لقمان علیہ السلام کی حکمت کا یہ حال ہے تو مالکِ حقیقی ربِ ودود کی حکمت کا کیا ٹھکانہ ہو گا۔

قصۂ مقبولیتِ آہ

ایک بزرگ جو نماز ہمیشہ باجماعت پڑھا کرتے تھے، ایک دن کسی نماز کے

لیے مسجد کے دروازے تک پہنچے ہی تھے کہ امامِ مسجد سے باآوازِ بلند السلام علیکم ورحمۃ اللہ کی آواز سنی۔ جماعت کی نماز ختم ہو جانے سے ان بزرگ کو اس قدر صدمہ ہوا کہ اس صدمے سے آہ نکل گئی اور اس آہ سے ان کے دل کے خون کی بو آرہی تھی۔

گفت آہ و درد ازاں آمد بروں

آہِ او میداد از دل بوئے خوں

ان بزرگ سے جماعت فوت ہونے کے غم سے آہ نکلی اور آہ بھی نہایت درد سے پُر تھی کیوں کہ اس صدمے سے ان کا دل خون ہو گیا تھا اور ان کی آہ میں ان کے دل کے خون کی بو آرہی تھی۔ مسجد میں ایک اہلِ دل بزرگ نے دیکھا کہ ایک روشنی مسجد کے باہر سے آئی اور عرش تک چلی گئی، یہ اٹھ کر باہر آئے تو دریافت کیا کہ کس کا نور تھا۔ معلوم ہوا کہ کوئی صاحب ہیں جن کی جماعت فوت ہو جانے سے آہ نکل گئی۔ یہ سمجھ گئے کہ بس اسی آہ کا یہ نور تھا۔ ان بزرگ نے عرض کیا کہ حضرت! آپ مجھے اپنی یہ آہ دے دیجیے اور میری نمازِ باجماعت اس کے بدلے میں لے لیجیے۔ انھوں نے اپنی آہ کا نور اور اس کا مقام نہ سمجھا اور نمازِ باجماعت سے تبادلہ کر لیا۔ رات کو ان بزرگ نے خواب میں دیکھا کہ ایک ہاتفِ غیبی کہہ رہا ہے کہ اے شخص! تو نے آبِ حیواں اور آبِ شفا خریدا ہے اور تو نے اس آہ کا بہت اچھا تبادلہ کیا۔ کیوں کہ یہ آہ اس بندے کی نہایت پُرخلوص تھی۔

شب بخواب اندر بگفتش ہاتفے

کہ خریدی آبِ حیوان و شفے

اور اللہ تعالیٰ نے اس آہ کی مقبولیت اور تیرے اس تبادلے اور اختیار کی برکت سے اس وقت کی تمام روئے زمین کے مسلمانوں کی نماز قبول فرمالی۔

حرمتِ ایں اختیار و ایں دخول

شد نمازِ جملۂ خلقاں قبول

اے مخاطب! تیرے اس اختیار اور اس معاملے سے تمام مخلوق کی نماز قبول ہو گئی۔

فائدہ: اس واقعہ سے حسبِ ذیل نصائح ملتے ہیں۔

۱) کسی کو حقیر نہ سمجھنا چاہیے کہ بعض وقت تلافی اور توبہ اس صدقِ دل اور اخلاص اور خونِ جگر سے ہوتی ہے کہ تمام اعمال سے بالاتر اور برتر ہو جاتی ہے اور آدمی کہاں سے کہاں پہنچ جاتا ہے۔

مرکب توبہ عجائب مرکب است
تا فلک تازد بہ یک لحظہ زپست

ترجمہ: مولانا فرماتے ہیں کہ توبہ کی سواری عجیب سواری ہے کہ پستی اور ذلّت سے عزت اور مقبولیت کی بلندی پر فی الفور پہنچا دیتی ہے۔

۲) اس واقعہ سے یہ سبق بھی ملتا ہے کہ جب کوتاہی اعمال میں ہو حزن اور صدمہ اور خونِ جگر والی مناجات اور گریہ وازاری سے استغفار اور توبہ کرنی چاہیے کہ ایک آہ میں یہ سب کچھ شامل ہے۔

میرا اپیام کہہ دیا جا کے مکاں سے لامکاں
اے میری آہِ بے نوا تو نے کمال کر دیا
(اختر)

۳) اس واقعہ سے جماعت کے ساتھ نماز کی فکر واہتمام کا سبق بھی ملتا ہے۔

قصہء اختلاف در تحقیقِ فیل

ایک ملک میں ہاتھی کو کسی نے کبھی نہ دیکھا تھا، وہاں ہاتھی ہندوستان سے درآمد کیا گیا اور اس کو کسی تاریک گھر میں رکھا گیا۔ جہاں آنکھوں سے نظر نہ آتا تھا۔ تاریک گھر اور ہاتھی بھی سیاہ فام اور دیکھنے والوں کا ہجوم تھا، ہر شخص کو جب آنکھوں سے کچھ نہ دکھائی دیتا تو ہاتھ سے ٹٹول کر قیاس کرتا۔ جس شخص کے ہاتھ میں اس کا کان تھا اس نے کہا: یہ تو ایک بڑا سا پنکھا معلوم ہوتا ہے اور جس شخص کا ہاتھ اس کی پشت پر تھا اس نے کہا: یہ تو مثل تخت ہے اور جس شخص کا ہاتھ اس کے پاؤں پر تھا، اس نے ٹٹول کر

کہا کہ نہیں آپ لوگ غلط کہتے ہیں یہ تو مثل ستون ہے۔ جس شخص کا ہاتھ اس کی سونڈ پر پڑا اس نے کہا: یہ میری تحقیق میں مثل ناودان ہے۔

حاصلِ قصہ یہ کہ جملہ اہلِ عقل اختلافِ کثیر میں مبتلا ہو گئے۔

حضرت رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اگر ان ہاتھوں میں کوئی شمع ہوتی تو اس روشنی میں یہ سب اختلاف سے محفوظ رہتے۔

در کفِ ہر کس اگر شمعے بُدے
اختلاف از گفتِ شاں بیروں شدے

ترجمہ: اگر ہر شخص کے ہاتھ پر کوئی روشنی ہوتی تو اختلاف سے یہ سب نجات پا جاتے۔

فائدہ: راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ آج تمام کائنات میں حق تعالیٰ کی ذاتِ پاک، رسالت اور مقصدِ حیاتِ انسانی اور حشر و نشر میں اختلاف ہے، اس تاریک دنیا میں جو لوگ وحی الٰہی کے نور سے مستغنی ہو کر دنیا اور آخرت کے سنگین اور رنگین رابطوں کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں اور خالق اور مخلوق کے تعلقات کے حقوق اور حدود کی تعیین صرف اپنی عقل سے کرنا چاہتے ہیں یا غیر صاحبِ وحی کی عقل سے استمداد کرتے ہیں تو ان سب کی مثال اسی طرح ہے جیسا کہ قصۂ مذکورہ میں ہے کہ حقیقت تک رسائی کسی کو نہ ہو سکی۔

ایک نابینا خواہ خود راستہ طے کرے یا کسی دوسرے نابینا کی لاٹھی پکڑ کر چلے تو دونوں صورتوں میں ہلاکت اور منزل سے محرومی ہو گی۔ یہ راہرو اور راہ بر بوجہ نابینا ہونے کے اگرچہ کتنی ہی اکثریت میں ہوں لیکن ان کا مجموعہ نابینا ہی ہو گا۔ بینا نہ ہو گا۔ پس حقائقِ اشیاء کی صحیح تحقیق کے لیے محض عقل کافی نہیں روشنی بھی درکار ہے۔ کیوں کہ قصۂ مذکورہ میں سب عقلاء ہی تھے صرف روشنی نہ تھی۔

پس مسلمانوں کو چاہیے کہ اہلِ سائنس اور اہلِ فلاسفہ کی تقلید تحقیق امورِ آخرت اور مقصدِ حیاتِ انسانیت کی تعیین میں ہر گز نہ کریں کہ ان کے پاس روشنی نہیں ورنہ اپنی طرح تمھیں بھی صرف پائخانہ بنانے کی مشین بنا دیں گے یعنی تمھیں بھی یہی سبق دیں گے کہ مقصدِ زندگی صرف کھاؤ پیو اور ہگو کے سوا کچھ نہیں۔

روشنی صرف وحیِ الٰہی کی مستند ہے جو صرف سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع سے مل سکتی ہے۔ روشنی اصلی وہی پرانی روشنی ہے جو ساڑھے تیرہ سو برس پہلے غارِ حرا سے نکلی تھی اور اس نئی روشنی سے تو خدا بچائے ؎

ترا اے نئی روشنی منہ ہو کالا
دلوں میں اندھیرا ہے باہر اُجالا

قصۂ مگس و تخیّلِ خام

(ایک مکھی کی خام خیالی)

ایک جگہ ایک گدھے نے پیشاب کیا، اس کی مقدار اس قدر تھی کہ گھاس کے تنکے اس کے بہاؤ کی زد میں بہنے لگے، ایک مکھی ایک تنکے پر بیٹھ گئی اور گدھے کے بہتے ہوئے پیشاب پر اس نے محسوس کیا کہ میں دریا میں سفر کر رہی ہوں اور یہ بہتا ہوا تنکا ایک عجیب کشتی ہے، دوسری مکھیوں کے مقابلے میں اسے اپنی برتری کا احساس ہوا۔ اور یہ لطف اس نے کبھی نہ پایا تھا۔ پس اس کے خیال میں یہ بات آئی کہ میں دوسری مکھیوں پر اپنی فوقیت اور بلندی کا اعلان کروں چناں چہ اس نے کہا:

یک مگس بر برگِ کاہ و بولِ خر
ہمچوں کشتیباں ہمی افراخت سر

ایک مکھی گھاس کے تنکے اور گدھے کے پیشاب پر مثل کشتی چلانے والے کے اپنا سر ہلا رہی تھی اور کہہ رہی تھی کہ۔

گفت من دریا و کشتی خواندہ ام
مدتے در فکرِ آں می ماندہ ام

مکھی نے کہا کہ میں نے دریا اور کشتی رانی کا فن پڑھا ہے اور اس فکر میں ایک مدت صَرف کی ہے۔

مولانا فرماتے ہیں کہ یہ مکھی جس حماقت میں گرفتار تھی اسی طرح ہمارے

عقلائے زمانہ نے اپنے اوہام اور افکارِ باطلہ کا نام تحقیق رکھا ہوا ہے اور وحیِ الٰہی کے آفتاب سے استفادہ کرنے میں اپنی توہین سمجھ کر مثل خفاش (چمگادڑ) روکشی از آفتاب کرتے ہیں اور خیالاتِ فاسدہ کی تاریکیوں میں اُلٹے لٹکنے کو کمالِ انسانیت سمجھتے ہیں۔ مولانا ایسے ہی حمقائے زمانہ کو نصیحت فرماتے ہیں:

صاحبِ تاویلِ باطل چوں مگس
وہمِ او بولِ خر و تصویرِ خس

فائدہ: جو لوگ تاویلِ باطل میں مبتلا ہو کر نورِ وحیِ الٰہی سے روگردانی کر رہے ہیں تو ان کی مثال اسی مکھی کی سی ہے، ایسا شخص اپنے وہم وخیالِ فاسد کو اپنی نجات وکامرانی کا سبب قرار دیتا ہے اور وحیِ الٰہی کو بھی اپنی رائے کے تابع کرنا چاہتا ہے اور ہر جگہ میں یہ کہتا ہوں۔ میں سمجھتا ہوں۔ میری رائے میں یہ ہے، بکتا رہتا ہے اور تواتر اور اجماعِ امت حتّٰی کہ حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے معتقدات اور فیصلوں پر بھی اپنے فیصلے دیتا ہے۔ پس اس کی مثال بالکل وہی ہے جو اس قصے میں مذکور ہے کہ ان کے اوہام وفاسد خیالات کی مثال گدھے کا پیشاب اور گھاس کے تنکے کی تصویر ہے جس پر خیالات کی کشتی رانی کا اس کو فخر ہے۔ آگے مولانا ایسے شخص کی اصلاح کا طریقہ بیان فرماتے ہیں۔

گر مگس تاویل بگذارد ز رائے
آں مگس را بخت گرداند ہمائے

اگر مکھی تاویل کو اپنی رائے میں دخل نہ دے اور تاویل پرستی سے توبہ کرلے تو تقدیر اس مگس (مکھی) کو ہما بنادے۔ یعنی یہ بابرکت شخصیت بن جاوے اور پائخانے پر بیٹھنے اور غلاظت پسندی کی خو سے نجات پاکر صفِ ابرار وپاکاں میں داخل ہوجائے۔

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ مولانا کا اشارہ ان آیات کی طرف ہے:

۱) اِنَّ الظَّنَّ لَا یُغْنِیْ مِنَ الْحَقِّ شَیْـًٔا[۱۹]

---

[۱۹] النجم: ۲۸

اور

۲) وَاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَیَّ[۲۰]

ترجمہ: نمبر ۱) تحقیق کہ گمان حق کے مقابلے میں کچھ مفید نہیں، نکرہ تحت النفی واقع ہے جو فائدہ عمومِ نفی کا دیتا ہے۔

نمبر ۲) جو لوگ ہماری طرف کامل طور پر متوجہ ہیں ان کی تابع داری کرو یعنی ان کی اتباع ہی کی برکت سے تمھیں بھی دولتِ انابت عطا ہو گی۔

حکایتِ دبّاغ اور اس کا علاج

دبّاغ جو خام چمڑوں کی دباغت کرتے ہیں اور خام چمڑوں کی بدبو سے ان کا دماغ مانوس ہو جاتا ہے۔

ایک دبّاغ ایک دن بازار سے گزر رہا تھا کہ اچانک عطّاروں کے بازار میں پہنچ گیا اور یہ عطر فروشوں کی دوکان کی خوشبو کا تحمل نہ کر سکا کیوں کہ بدبودار ماحول میں رہتے رہتے بدبو اس کی طبیعتِ ثانیہ بن چکی تھی۔ پس عطر کی خوشبو سے یہ شخص بے ہوش ہو کر سڑک کے کنارے گر پڑا۔ ایک خلق کا ہجوم ہو گیا، کوئی وظیفہ دم کر رہا ہے، کوئی اس پر گلاب کا پانی چھڑک رہا ہے، کوئی ہاتھ پاؤں کے ہتھیلی اور تلووں کی مالش کر رہا ہے لیکن ان تدابیر سے بجائے افاقہ ہونے کے بے ہوشی اور بڑھتی جارہی تھی اس کے بھائی کو جب خبر ہوئی تو دوڑ کر آیا اور فوراً خوشبو سونگھ کر سمجھ گیا کہ یہ اسی خوشبو سے بے ہوش ہوا ہے، اس نے اعلان کیا کہ خبردار! اب اس پر نہ تو گلاب پاشی کی جاوے اور نہ کوئی اور خوشبو قریب لائی جاوے۔ یہ فوراً وہاں سے غائب ہو گیا اور کتے کا پائخانہ آستین میں چھپا کر ہجوم کو چیرتا ہوا بھائی کے پاس پہنچا اور اس کی ناک میں داخل کر دیا اور اس کی بدبو سے فوراً اسے ہوش آگیا۔ خلق حیران رہ گئی کہ اس کے بھائی نے کون سا قیمتی نسخہ سونگھا دیا جو یہاں عطّاروں کے پاس بھی نہ مل سکا تھا۔

---

[۲۰] لقمٰن: ۱۵

مولانا فرماتے ہیں:

اند کے سرگینِ سگ در آستین
خلق را بشگافت و آمد با چنیں

اس کا بھائی دوڑ کر کتے کا پائخانہ آستین میں چھپا کر لایا اور ہجوم کو چیرتا ہوا اپنے بھائی کے پاس پہنچا۔

سر بگوشش برد ہمچو راز گو
پس نہادہ چرک بر بینیٔ او

اپنے بھائی کے پاس اپنا سر لے گیا جیسے کہ کوئی راز کی بات اس سے کہنی ہے۔ اور پھر اس کی ناک پر وہ پائخانہ کتے کا رکھ دیا۔ اس علاج سے فوراً اس کو ہوش آگیا۔

فائدہ: احقر مؤلّف (رحمہ اللہ تعالیٰ) عرض کرتا ہے کہ اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت واطاعت کی خوشبو سے جو گھبرا رہا ہو اور اتباعِ سنت کی زندگی سے جس کا دل مانوس نہ ہو رہا ہو تو اس کو وہی بیماری سمجھنا چاہیے جو قصۂ مذکورہ میں دباغ کو تھی یعنی جس گندے معاشرے اور گناہوں کے ماحول میں اس نے ایک طویل عمر گزاری ہے اس کے دل ودماغ اسی گندگی سے مانوس ہوگئے ہیں۔ اب اس کا علاج صرف یہ ہے کہ آہستہ آہستہ اس گندے ماحول سے نکل کر خوشبودار چمن کی سیر کیا کرے اور وہ اللہ والوں کی مجلسیں اور ان کی صحبت ہے، پھر وہاں چند دن رہنے کے بعد یہی شخص کہے گا کہ ہائے! ہم کس قدر گندگی میں تھے اور ماضی کی گندگی کے تصور سے اشکبار ہوکر آہ کھینچے گا اور اللہ والوں کی صحبتوں کا شکر گزار ہوگا کہ اب ناک اس کی روز بروز خوشبو یعنی اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور غلامی کے لطف سے مست وسرشار ہوگی اور کہہ اٹھے گا۔

میں دن رات رہتا ہوں جنت میں گویا
مرے باغِ دل میں وہ گلکاریاں ہیں

(مجذوبؒ)

حکایتِ شاہزادۂ مسحور

ایک بادشاہ کا ایک ہی لڑکا تھا۔ حسنِ صورت اور حسنِ سیرت دونوں ہی سے آراستہ تھا۔ بادشاہ نے اس لڑکے کا ایک حسین شاہزادی سے عقد کرنا چاہا اور کسی زاہد و پرہیز گار صالح خاندان میں رشتہ طے کرنا شروع کیا۔ اس سلسلۂ جُنبانی کی خبر شاہزادے کی ماں کو ہوئی، اس نے شاہ سے کہا کہ آپ صالحیت اور تقویٰ وزہد تو دیکھ رہے ہیں لیکن آپ کے مقابلے میں باعتبارِ عزت ومال کے وہ خاندان کمتر ہے۔ شاہ نے جو جواب دیا، مولانا اس کو بیان فرماتے ہیں:

گفت رو ہر کہ غمِ دیں بر گزید
باقیٔ غمہا خدا از وے برید

شاہ نے جواب دیا: دور ہو بے وقوف! جو شخص دین کا غم اختیار کرتا ہے خدا اس کے تمام دنیاوی غموں کو دور کر دیتا ہے۔

تشریح: یعنی آخرت کا غم مثلِ عصائے موسیٰ علیہ السلام ہے جو جادوگروں کے سانپ بچھوؤں کو نگل گیا تھا، اسی طرح آخرت کا غم دنیا کے تمام غموں کو نگل جاوے گا۔ احقر مؤلف کے اس موقع پر ۲/ شعر ملاحظہ ہوں ؎

ہو آزاد فوراً غمِ دوجہاں سے
ترا ذرۂ غم اگر ہاتھ آئے
سیکڑوں غم ہیں زمانہ ساز کو
اک ترا غم ہے ترے ناساز کو

(اختر)

بالآخر شاہ اپنی زوجہ پر اپنی رائے کو غالب رکھنے میں کامیاب ہو گیا اور شاہزادے کی شادی کر دی۔ طویل عرصے تک انتظار کیا مگر اس شاہزادے سے کوئی لڑکا نہ پیدا ہوا۔ شاہ کو فکر ہوئی کہ کیا بات ہے۔ شاہزادے کی بیوی تو بہت خوبرو اور حسین اور بے

نظیر ہے لیکن اولاد کیوں نہیں ہوتی۔ اپنے مخصوص مُشیروں کو اور علماء وصلحاء کو جمع کیا اور خفیہ طور پر اس مسئلے کے بارے میں مشاورت اور مفاہمت کی۔ تحقیق سے معلوم ہوا کہ اس شاہزادے پر ایک بڑھی عورت کابلی نے جادو کرادیا ہے جس سے یہ اپنی حسین اور رشکِ قمر بیوی سے نفرت کرتا ہے اور اس کریہہ الصورت بڑھی عورت کے پاس جایا کرتا ہے اور اس کے عشق میں بسببِ جادو عرصہ سے اسیر ہے۔

شاہ کو اس اطلاع سے بے حد غم اور صدمہ ہوا اور اس نے بہت صدقہ وخیرات کیا اور سجدے میں بہت رویا، ابھی رونے سے فارغ نہ ہوا تھا کہ ایک مردِ غیبی نمودار ہوئے اور کہا کہ آپ میرے ساتھ ابھی قبرستان چلیں۔ شاہ ان کے ہمراہ قبرستان گیا، انھوں نے ایک پرانی قبر کھودی اور اس میں شاہ کو دکھایا کہ ایک بال میں سو(۱۰۰) گرہ جادو سے دی ہوئی دفن تھی پھر اس مردِ غیبی نے ایک ایک گرہ کو کچھ دم کرکے کھولا اور ادھر وہ شہزادہ صحت یاب ہوتا گیا حتیٰ کہ آخری گرہ کھلتے ہی شاہزادہ اس خبیث بڑھی کے عشق سے نجات پا گیا اور اس کی آنکھوں کی وہ نظر بندی جاتی رہی جس سے حسین بیوی خراب اور بری اور وہ مکروہ خبیث بڑھی عورت خوبصورت معلوم ہوتی تھی۔

پھر اس بڑھی کو شاہزادے نے جب دیکھا تو اس کو نفرت وکراہتِ شدیدہ محسوس ہوئی اور اپنی عقل پر حیرت کررہا تھا اور اپنی حسین بیوی کو جب اس نے دیکھا تو اس کے حسین چہرے مثلِ چاند سے بے ہوش ہوگیا۔ کچھ آہستہ آہستہ ہوش آیا اور آہستہ آہستہ اس کے حسن کا تحمل بھی ہونے لگا۔

اب آگے مولانا اس حکایت سے نصیحت فرماتے ہیں کہ:

اے لوگو! آپ مثلِ شہزادے ہیں اور یہ دنیا بڑھی عورت ہے، اس نے عاشقانِ دنیا پر جادو کررکھا ہے جس سے وہ اس دنیا کے فانی رنگ وبو کے عشق میں مبتلا ہوکر آخرت اور اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم کے انوار وتجلیات سے روکش اور سرگرداں ہیں۔ ورنہ دنیا کی حقیقت صرف اتنی ہے جس کو حضرت مجذوب رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمایا ہے۔

جہاں دراصل ویرانہ ہے گو صورت ہے بستی کی
بس اتنی سی حقیقت ہے فریبِ خوابِ ہستی کی
کہ آنکھیں بند ہوں اور آدمی افسانہ بن جائے

رنگ رلیوں پہ زمانے کے نہ جانا اے دل
یہ خزاں ہے جو بہ اندازِ بہار آئی ہے
(مجذوبؒ)

يَا صَاحِبِیْ لَا تَغْتَرِرْ بِتَنَعُّمٍ
فَالْعُمْرُ يَنْفَدُ وَالنَّعِيْمُ يَزُوْلُ
وَاِذَا حَمَلْتَ اِلَی الْقُبُوْرِ جَنَازَةً
فَاعْلَمْ بِاَنَّكَ بَعْدَهَا مَحْمُوْلُ

یہ اشعارِ مذکورہ صاحب زادۂ سلطان ہارون رشید کے ہیں جنھوں نے سلطنت ترک کرکے فقیرانہ زندگی گزاری تھی اور انتقال سے کچھ قبل اپنے کسی دوست کو ان ہی دو شعر سے نصیحت فرمائی تھی۔

فائدہ: احقر مؤلّف (رحمہ اللہ تعالیٰ) عرض کرتا ہے کہ دنیا نے جس آنکھ پر جادو کردیا ہو اس کا علاج اللہ والوں سے پُر خلوص محبت، موت کو کثرت سے سوچنا، اور اللہ والوں کی صحبت میں کثرت سے حاضری اور اپنی رائے و فکر کو مٹا کر ان کی باتوں کو غور سے سننا اور اس پر عمل کرنا تھا اور ۲ رکعت نفل پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے ہدایت کی دعا مانگنا ہے۔

حکایتِ اخلاص حضرت علی رضی اللہ عنہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اخلاص کا مشہور واقعہ ہے کہ ایک بار آپ نے ایک کافر کو مقابلے کے وقت زیر کیا اور اس کے سینے پر بیٹھ گئے اور اس کافر کو قتل کرنے کے لیے اپنی تلوار نکالی کہ ناگاہ اس کافر نے آپ کے چہرۂ مبارک پر تھوک دیا، اس کافر

کی اس گستاخی کے سبب آپ کے نفس کو ناگواری ہوئی اور آپ نے تلوار کو میان میں کیا اور اس کے سینے سے علیحدہ ہوگئے اور اس کے قتل سے ہاتھ روک لیا۔

اس کافر نے کہا کہ اے امیر المؤمنین! یہ کیا بات ہے کہ میری تھوکنے والی گستاخی کے بعد تو آپ کو فوراً مجھے قتل کرنا چاہیے تھا اور آپ مجھ پر ہر طرح غالب تھے، وہ کونسی بات تھی جو آپ کو قتل سے مانع ہوئی؟

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ میں تجھ کو اے کافر! صرف خدا کی رضاجوئی کے لیے قتل کرنے کا ارداہ کر رہا تھا کہ تو نے میرے چہرے پر تھوک کر میرے نفس کو غضب ناک کر دیا، اب اگر میں تجھے قتل کرتا تو یہ فعل میرے نفس کے غضب اور غصے سے ہوتا اور اخلاص سے نہ ہوتا اور اللہ تعالیٰ اخلاص کے بغیر کسی عمل کو قبول نہیں فرماتے۔ پس تیرا قتل کرنا مجھے منافیٔ اخلاص معلوم ہوا۔ اس لیے میں اس فعل سے باز رہا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اس بات کو سن کر وہ کافر محوِ حیرت ہوگیا اور اس کے دل میں ایمان کی شمع روشن ہوگئی اور اس نے کہا کہ اے امیر المؤمنین! میں ایسے دین کو قبول کرنا اپنی سعادت سمجھتا ہوں جس میں اخلاص کی ایسی تعلیم دی جاتی ہے۔ اور بے شک یہ دین سچا ہے۔ اب مولانا کی زبان سے سنیے، فرماتے ہیں:

از علی آموز اخلاصِ عمل
شیر حق را داں مطہّر از دغل

اے مخاطب! اخلاصِ عمل کا سبق حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سیکھ اور شیر حق کو دغل یعنی مکر و حیلہ سے پاک سمجھ۔

در غزا بر پہلوانے دست یافت
زود شمشیرے بر آورد و شتافت

حالتِ جہاد میں ایک پہلوان کافر پر غالب ہوئے اور شمشیر کو جلد میان سے نکالا۔

او خیو انداخت بر روئے علیؓ
افتخارِ ہر نبی و ہر ولی

اس دشمن نے آپ کے چہرۂ مبارک پر تھوکا حالاں کہ آپ حق تعالیٰ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور جملہ اولیاء کے محبوب ہیں اور جب سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب ہیں تو ہر نبی کے محبوب ٹھہرے۔

درزماں انداخت شمشیر آں علیؓ
کرد او اندر غزاءش کاہلی

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے شمشیر میان میں کی اور اس کے قتل سے کاہلی کی یعنی رک گئے۔

گشت حیراں آں مبارز زیں عمل
وز نمودن عفو و رحم بے محل

وہ کافر حیران ہو گیا اس عمل سے اور ایسے دشمن سے عفو ورحم سے۔

گفت بر من تیغ تیز افراشتی
ازچہ افگندی مرا بگذاشتی

کافر نے کہا: مجھ پر تلوار اس قدر تیزی سے نکالی لیکن پھر کیوں تلوار کو میان میں ڈال دیا اور مجھ کو چھوڑ دیا۔

در محلِّ قہر ایں رحمت ز چیست
اژدہا را دست دادن راہ کیست

محلِّ غصہ وغضب میں یہ رحمت کیسی ہے، اژدہا کو موقع پا کر پھر چھوڑ دینا یہ کون سا راستہ ہے۔

گفت من تیغ از پئے حق میزنم
بندۂ حقم نہ مامورِ تنم

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں خدا کے لیے تلوار چلاتا ہوں، میں خدا کا بندہ ہوں، نفس کا بندہ نہیں ہوں۔

شیر حقم نیستم شیر ہویٰ
فعلِ من بر دینِ من باشد گوا

میں خدا کا شیر ہوں، نفسانی خواہش کا شیر نہیں ہوں، میرا یہ فعل میرے دین کی صداقت پر گواہ ہے۔

چوں خیو انداختی بر روئے من
نفس جنبید و تبہ شد خوئے من

جب تونے میرے چہرے پر تھوک ڈالا اس وقت میرے نفس میں ہیجان اور جذبۂ انتقام ابھرا اور میری خو تباہ ہوگئی۔

نیم بہرِ حق شد و نیمے ہوا
شرکت اندر کارِ حق نبود روا

آدھا عمل تو خدا کے لیے ہوتا اور آدھا نفس کے غضب وانتقام سے ہوتا اور خدا کے لیے جو کام ہو اس میں شرکت جائز نہیں وہ صرف خدا ہی کے لیے ہونا چاہیے۔

گفت من تخمِ جفا می کاشتم
من ترا نوعِ دگر پند اشتم

کافر نے کہا: میں تو ظلم کی تخم ریزی کرتا ہوں مگر آپ کو نوعِ انسانیت کی عظیم نوع سمجھتا ہوں۔

خلاصہ یہ کہ یہ کافر مشرف باسلام ہوا جس کو مولانا اس انداز سے فرماتے ہیں:

تیغِ حلم از آہن تیز تر
بل ّصد لشکر ظفر انگیز تر

ترجمہ: حلم کی تلوار لوہے کی تلوار سے زیادہ تیز ہے اثر میں، بلکہ فتح حاصل کرنے میں حلم زیادہ مؤثر ہے سینکڑوں لشکر سے۔

فائدہ: احقر مؤلف (رحمہ اللہ تعالیٰ) عرض کرتا ہے کہ اس حکایت سے اعمال میں

اخلاص کا بہت بڑا سبق ملتا ہے ،جو کام کرے نیت درست کرلے، اگر اخلاص ہو تو دنیا بھی دین بن جاتی ہے۔ مثلاً ایک شخص کسبِ حلال کے لیے ''لے امرود، لے امرود'' کہتا ہے اور نیت ہے کہ اس سے بال بچوں کے لیے اللہ ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق حلال روزی کماؤں گا، ہر ''لے امرود'' پر اس کو ثواب لکھا جائے گا اور اگر سبحان اللہ سبحان اللہ، کہہ رہا ہے اور نیت یہ ہے کہ اس سے لوگ مجھے بزرگ اور نیک سمجھ کر اپنا مال حوالے کریں گے اور دنیا ملے گی تو اس کا سبحان اللہ بھی دنیا ہے، دین نہیں۔ پس اخلاص بہت ضروری ہے ورنہ سب کیا دھرا اکارت اور ضایع ہونے کا خطرہ ہے اور اخلاص سیکھنے کے لیے ضروری ہے کہ کسی اخلاص والے بندے سے اخلاص کو سیکھا جاوے، اللہ والوں کی صحبت سے یہ نعمت ملتی ہے، صرف کتابوں سے نہیں ملتی۔ علمِ کتابی اور صحبت دونوں ضروری ہیں بلکہ صحبت یافتہ بقدرِ ضرورت دین کا علم بھی سیکھ جاتے ہیں اور مقبول و محبوب بھی ہوجاتے ہیں اور صرف کتاب والا بدون صحبت کے ہرگز اصلاح یافتہ نہیں ہوسکتا۔ کیوں کہ تزکیہ فعلِ متعدی ہے اس کے لیے ایک مزّکی ضروری ہے، یہ فعلِ لازم نہیں ہے کہ خود اپنے فاعل پر پورا ہوجائے، اسی طرف یہ آیت راہ بری کرتی ہے: وَيُزَكِّيهِمْ۔ اس لفظ میں مزکی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور مُزَکّٰی حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین اپنی اصلاح وتزکیہ خود نہ کرسکے حالاں کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک زمانہ ہے، قرآن اتر رہا ہے اور حضرت جبرئیل علیہ السلام کی آمد ورفت ہورہی ہے تو اب کسی کا کیا منہ ہے جو یہ کہے کہ ہمیں اپنا کتابی مطالعہ ہماری اصلاح کے لیے کافی ہے۔ ایسے لوگوں کا خود ضمیر بھی خوب سمجھتا ہے کہ یہ لچر حیلے ہیں اور نفس کی کاہلی اور حبِّ دنیا اور جاہ کسی اللہ والے کے پاس نہیں جانے دیتی۔ دنیا کے نقد عیش وجاہ کو آخرت کے عیش پر ترجیح دے رکھا ہے۔ نفس غالب ہے، مقاومت کی ہمت نہیں اور اصل سبب حق تعالیٰ کی طلب وپیاس کامل اور معتدبہ نہیں، اسی وجہ سے تھوڑے سے دین پر راضی ہوگئے۔ مگر تھوڑی دنیا پر راضی نہیں، رات دن دھن ہے کہ کہیں سے مال ہاتھ لگے۔

اَرَی الْمُلُوْکَ بِاَدْنَی الدِّیْنِ قَدْ قَنِعُوْا
وَمَآ اَرٰھُمْ رَضُوْا بِالْعَیْشِ بِالدُّوْنِ
فَاسْتَغْنِ بِالدِّیْنِ عَنْ دُنْیَا الْمُلُوْکِ کَمَا
اِسْتَغْنَی الْمُلُوْکُ بِدُنْیَا ھُمْ عَنِ الدِّیْنِ

(علامہ امام غزالیؒ)

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں بادشاہوں کو دیکھتا ہوں کہ تھوڑے سے دین پر راضی ہوگئے مگر تھوڑی دنیا پر راضی نہیں ہوئے۔ پس اے مخاطب! تو بھی اپنے دین کی دولت سے بادشاہوں کی دنیا سے مستغنی ہوجا۔ جس طرح وہ دنیا کی حقیر بادشاہت سے دین کی عظیم بادشاہت اور دولتِ لازوال سے لاپرواہوگئے۔

حکایتِ بازرگان وطوطئ محبوس

طوطی وہ سبز رنگ کی چڑیا جس کو عرف میں طوطا کہتے ہیں۔ (غیاث اللّغات)

بازرگان۔ تاجر۔

ایک تاجر کے پاس ایک طوطی تھی جو خوش آواز اور بہت خوبصورت تھی، تاجر نے اپنے سفر ہندوستان کا آغاز کیا اور ازراہِ کرم اپنے غلاموں اور کنیزوں سے دریافت کیا کہ خطۂ ہندوستان سے تمہارے لیے کیا لاویں اور تیرا کیا پیام ہے۔

طوطی نے کہا کہ ہندوستان میں جب کسی باغ وسبزہ زار سے گزرنا اور طوطیوں کا کوئی گروہ نظر آئے تو میرا سلام کہنا اور یہ پیام کہہ دینا:

کاں فلاں طوطی کہ مشتاقِ شماست
از قضائے آسماں در حبسِ ماست

طوطی نے کہا کہ میرا یہ پیام طوطیانِ چمنستانِ ہند سے کہنا کہ فلاں طوطی تم لوگوں کی مشتاق ہے اور قضائے الٰہی سے میری قید میں ہے۔

گفت می شاید کہ من در اشتیاق
جاں دہم اینجا بمیرم در فِراق

طوطی نے کہا کہ بعد سلام میرا یہ پیام کہنا کہ کیا تم لوگوں کے لیے یہ بات مناسب ہے کہ میں تمہارے لیے تڑپ رہی ہوں اور تمہارے شوقِ ملاقات میں اسی طرح تڑپ تڑپ کر جاں بحق ہو جاؤں۔

ایں روا باشد کہ من در بندِ سخت
کہ شما بر سبزہ گاہے بر درخت

اور کہنا کہ یہ کب تمہارے لیے روا ہے کہ میں سخت قید میں رہوں اور تم سب کبھی سبزہ اور کبھی درخت پر لطفِ آزادی اڑاؤ۔

اینچنیں باشد وفائے دوستاں
من دریں حبس و شما در بوستاں

کیا دوستوں کی وفاداری اسی طرح ہوتی ہے کہ میں قید میں رہوں اور تم سب باغوں میں رہو۔

یادِ یاراں یار را میموں بود
خاصہ کاں لیلیٰ و ایں مجنوں بُود

دوستوں کی یاد دوستوں کے لیے نہایت مبارک ہوتی ہے بالخصوص جب دونوں میں تعلقات لیلیٰ اور مجنوں جیسے ہوں۔ تاجر نے اپنی مقید طوطی کی طرف سے جب ہندوستان کے ایک گروہِ طوطیاں کو یہ پیغامات سنائے تو طوطیوں نے بھی اپنا سلام اس کو پیش کیا مگر ایک طوطی نے اس چمن میں جب یہ پیغام سنا تو اس کے جسم میں لرزہ ہوا اور شاخ سے کانپتی ہوئی زمین پر گر گئی اور بالکل مردہ سی ہو گئی۔

تاجر اس پیغام رسانی سے پشیمان ہوا کہ خواہ مخواہ اس غریب کی جان گئی نہ کہتا تو اچھا تھا۔ جب تاجر تجارت سے فارغ ہو کر واپس آیا تو اپنے غلاموں اور کنیزوں کو انعامات تقسیم کیے۔ طوطی نے اس سے کہا کہ طوطیانِ بیابانِ ہند نے مجھے کیا پیغام بھیجا

ہے، جو کچھ سنا ہو یا دیکھا ہو مجھے بتاؤ۔

گفت گفتم آں شکایتہائے تو
باگروہِ طوطیاں ہمتائے تو

تاجر نے کہا: میں نے تیری شکایات تیری شریکِ غم طوطیوں سے کہہ دیں۔

آں یکے طوطی ز دردت بوے برد
زہرہ اش بدرید و لرزید و بمرد

ان طوطیوں میں سے ایک طوطی پر تیرے پیغام کا بہت شدید اثر ہوا حتّٰی کہ تابِ ضبط نہ لاسکنے سے اس کا پتّہ پھٹ گیا اور وہ کانپتی ہوئی مرگئی۔

چو شنید آں مرغ کاں طوطی چہ کرد
ہم بلرزید و فتاد و گشت سرد

جب اس طوطی نے اس طوطی کا یہ فعل سنا کہ اس نے کیا کیا یہ بھی اسی طرح کانپتی ہوئی گر گئی اور ٹھنڈی ہوگئی۔

تاجر یہ ماجرا دیکھ کر رونے لگا کہ ہائے! یہ کیا ہوا اور کہا:

اے دریغا مرغِ خوش آوازِ من
اے دریغا ہمدم و ہمرازِ من

تاجر نے کہا: ہائے افسوس اے خوش آواز مرغ! ہائے افسوس میری ساتھی اور میری ہمراز!

بعد ازانش از قفص بیروں فگند
طوطیک پرید تا شاخِ بلند

اس کے بعد جب تاجر نے سمجھ لیا کہ طوطی صدمے سے مرگئی تو پنجرے سے نکال کر باہر ڈال دیا اور وہ طوطی فوراً اڑ کر شاخِ بلند پر جابیٹھی۔ تاجر نے اوپر منہ کیا اور پوچھا کہ یہ کیاماجرا ہے کچھ مجھ سے بھی تو بیان کر۔

طوطی نے کہا کہ اس طوطی نے مجھے اپنے عمل سے خود مردہ بنا کر یہ سبق دیا تھا کہ تیری آزادی اور رہائی کی یہی صورت ہے کہ تو مردہ ہو جا۔ اس کے بعد طوطی نے سلام کیا اور تاجر کو الفراق کہا۔

الوداع اے خواجہ رفتم در وطن
ہم شوی آزاد روزے ہمچو من

طوطی نے کہا: اے خواجہ! میں نے اپنے وطن کا رخ کیا، اب تجھ سے رخصت ہوتی ہوں اور خدا کرے تو بھی نفس کی زنجیر اور قید و بند سے آزاد ہو جاوے میری طرح (تاکہ تو بھی باغِ قربِ الٰہی میں سیر کرے)۔

خواجہ گفتش فی امان اللہ برو
مر مرا اکنوں نمودی راہِ نو

تاجر نے کہا: فی امان اللہ اے طوطی! جا اپنے وطن مگر تو نے مجھے بھی آزادی کی راہِ انوکھی دکھادی۔

جانِ من کمتر زِ طوطی کے بود
جاں چنیں باید کہ نیکو پے بُود

تاجر نے کہا کہ میری جان کیا طوطی سے بھی کمتر ہے کہ دنیا کے قید خانے اور خواہشاتِ نفس کی غلامی کی زنجیر میں گرفتار رہے اور اللہ تعالیٰ کے باغِ قرب سے محروم۔ پس جان تو ایسی ہی ہونی چاہیے جو اپنے اصل چمن کی طرف اڑ جائے اور قید سے رہا ہو جائے۔

مولانا کو اس واقعہ سے یہ نصیحت فرمانی مقصود ہے کہ قفس سے اس طوطی کو رہائی تقریر اور بلند آوازی اور دعوئ انانیت سے نہیں ملی بلکہ اپنے کو مٹانے اور فنا کرنے سے ملی۔ پس اسی طرح جو طالب طائرِ روح کو نفس و شیطان کے قفس سے آزاد کرانا چاہے اس کو چاہیے کہ فنا ہونا سیکھے اور طریقۂ فنائیت فانی فی اللہ سے سیکھو، کیوں کہ جو خود قیدی ہو وہ دوسرے قیدی کو رہا نہیں کر سکتا اور اللہ والے نفس کے قید و بند سے آزاد ہو گئے ہیں۔ پس ان ہی کی صحبت سے دوسرے قیدی رہائی پا سکتے ہیں۔

حکایتِ رومیاں وچینیاں در صفتِ نقاشی

چینیاں گفتند ما نقاش تر
رومیاں گفتند ما را کرّ و فر

چینیوں نے کہا کہ تعمیرات میں نقش و نگار کے ہم ماہر ہیں۔ رومیوں نے کہا کہ ہم زیادہ شان وشوکت والا نقش بناتے ہیں۔ سلطانِ وقت نے کہا: اچھا ہم تم دونوں کا امتحان کرتے ہیں۔

اہلِ چین و روم چوں حاضر شدند
رومیاں در علمِ واقف تر بُدند

بادشاہ کے پاس اہلِ چین اور اہلِ روم حاضر ہوئے اور اہلِ روم زیادہ اپنے فن میں واقف تھے۔ اہلِ چین نے بادشاہ سے کہا کہ ہم کو ایک گھر نقش و نگار بنانے کے لیے دے دیا جاوے اور اس کو پردوں سے مخفی کر دیا جائے تاکہ اہلِ روم ہماری نقل نہ کر سکیں۔ ان شرائط پر انھوں نے پردے کے اندر نقاشی کا بہترین اور بے نظیر کام دکھایا۔

اہلِ روم نے کہا کہ ہم ٹھیک اسی منقش گھر کے سامنے جو اہلِ چین بنا رہے ہیں دوسرا گھر نقش و نگار والا تیار کرتے ہیں تاکہ آپ اس تقابل سے فیصلہ کر سکیں کہ کون بہتر ہے۔ اہلِ روم نے بھی پردے کے اندر مخفی کام شروع کیا مگر انھوں نے کوئی نقش نہ بنایا، بس خوب صیقل اور صفائی کرتے رہے یہاں تک کہ پورا گھر مثلِ آئینہ چمکنے لگا۔ بوقتِ امتحان اور مقابلہ جب درمیان سے پردہ ہٹایا گیا تو اہلِ چین کے تمام نقش و نگار کا عکس رومیوں کے بنائے ہوئے گھر پر اس طرح پڑا کہ وہ زیادہ خوبصورت معلوم ہو رہا تھا۔

شہہ در آمد آنجا نقشہا
می ربود آں عقل را فہم را

بادشاہ آیا اور اس نے ان نقوش کو دیکھا جو اہلِ چین نے بنائے تھے ایسے خوبصورت نقوش تھے جو عقل و فہم کو اڑا رہے تھے۔

بعد ازاں آمد بسوئے رومیاں

پردہ را برداشت رومی از میاں

اس کے بعد بادشاہ نے رومیوں کے تعمیر کردہ نقش و نگار کو دیکھا تو محوِ حیرت ہو گیا۔

آنچہ آنجا دید ایجا بہ نمود

دیدہ را از دیدہ خانہ می ربود

شاہ نے وہاں جو دیکھا تھا یہاں اس سے بہتر نظر آیا حتّٰی کہ کمالِ حسنِ نقاشی کی کشش سے آنکھیں حلقۂ چشم سے نکلی پڑتی تھیں۔

رومیاں آں صوفیانند اے پسر

بے زِ تکرار و کتاب و بے ہنر

مولانا نے رومیوں کی مثال سے صوفیوں کا مقام بیام فرمایا ہے کہ یہ حضرات بھی دل کی صفائی کا زیادہ اہتمام کرتے ہیں اور اسی کی برکت سے بدون تکرار و کتاب اور ہنر کے اخلاقِ حمیدہ سے منقش ہو جاتے ہیں۔

لیک صیقل کردہ اند آں سینہا

پاک ز آزو حرص و بخل و کینہا

لیکن صوفیائے کرام اپنے سینے کی صیقل اور صفائی بہت کرتے ہیں جس کی وجہ سے ان کے سینے حرص اور بخل اور کینے سے پاک ہوتے ہیں۔

آئینِ ماست سینہ را آئینہ داشتن

کفر است در طریقتِ ما کینہ داشتن

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ ہمارا قانون سینے کو مثلِ آئینہ صاف اور بے غبار رکھنا ہے، ہمارے طریق میں کینہ رکھنا کسی سے نہایت سنگین جرم ہے۔

فائدہ: ہمارے اکابرِ سلسلہ نے تخلیہ پر زیادہ محنت کی ہے یعنی غیر اللہ سے صفائی کا زیادہ اہتمام کراتے ہیں پھر تحلیہ بہت آسان ہو جاتا ہے۔ یعنی اخلاقِ رذیلہ کی اصلاح کو

اخلاقِ حمیدہ کی تحصیل سے مقدم فرماتے ہیں۔ چناں چہ پہلے ذکر بتادیتے ہیں اور عشق کی آگ سے غیر اللہ کو جلا کر خاک کر دیتے ہیں پھر اللہ تعالیٰ کی محبت کی برکت سے ہر حکم پر عمل کرنا اور ہر گناہ کا چھوڑنا آسان ہو جاتا ہے اور یہ سہل اور جلد کامیابی کا راستہ ہے۔

حکایتِ توبۂ صادقہ حضرت نصوح

ایک شخص تھے جن کا نام نصوح تھا، تھے مرد مگر شکل اور آواز بالکل عورتوں کی سی تھی اور شاہی محلات میں بیگمات اور دخترانِ خسرواں کو نہلانے اور میل نکالنے کی خدمت پر مامور تھا اور عورت کے لباس میں یہ شخص ملازمہ اور خادمہ بناہوا تھا۔ چوں کہ یہ مرد شہوتِ کاملہ رکھتا تھا اس لیے مالش زنانِ خسروان سے نفسانی لذت بھی پاتا اور جب بھی یہ توبہ کرتا اس کا نفس ظالم اس کی توبہ کو توڑ دیتا۔ ایک دن اس عاجز نے سنا کہ کوئی بڑے عارف بزرگ تشریف لائے ہیں، یہ بھی حاضر ہوا اور کہا:

رفت پیشِ عارفے آں زشت کار
گفت ما را در دعائے یاد دار

یہ گناہ گار عارف کے سامنے گیا اور کہا کہ ہم کو دعا میں یاد رکھیے۔

آں دعا از ہفت گردوں در گذشت
کارِ آں مسکیں بآخر خوب گشت

ان بزرگ کی دعا سات آسمانوں سے اوپر گزر گئی یعنی اس عاجز مسکین کا کام بن گیا۔

یک سبب انگیخت صنعِ ذوالجلال
کہ رہانیدش ز نفرین و وبال

اس خدائے ذوالجلال نے اپنی قدرتِ خاصہ سے ایک سبب اس کی خلاصی کا پیدا فرمایا۔ وہ سبب یہ غیب سے ظاہر ہوا کہ نصوح اور اس کے ہمراہ جملہ خادمات کی تلاشی کی ضرورت واقع ہوئی کیوں کہ زنانِ خانہ میں ایک بیش بہا موتی گم ہو گیا۔ حمام خانے کے

دروازے کو بند کرکے تلاشی شروع ہوئی۔ جب کسی سامان میں وہ موتی نہ ملا۔

بانگ آمد کہ ہمہ عریاں شوید
ہر کہ ہستید از عجوزو از نوید

آواز دی گئی کہ سب خادمات عریاں ہوجائیں خواہ جوان ہوں یا بڈھی ہوں۔

اس آواز سے نصوح پر لرزہ طاری ہوگیا کیوں کہ یہ دراصل مرد تھا مگر عورت کے بھیس میں عرصے سے خادمہ بناہوا تھا، اس نے سوچا کہ آج میں رسوا ہوجاؤں گا اور شاہ غیرت کے سبب اپنی عزت وناموس کا مجھ سے انتقام لے گا اور مجھے قتل سے کم سزا نہیں ہوسکتی کہ جرم نہایت سنگین ہے۔

آں نصوح از ترس شد در خلوتے
روئے زرد و لب کبود از خشیتے

یہ نصوح خوف سے خلوت میں گیا، چہرہ زرد، ہونٹ نیلے ہورہے تھے ہیبت سے۔

پیشِ چشمِ خویش او می دید مرگ
سخت می لرزید او مانندِ برگ

نصوح موت کو اپنے سامنے دیکھ رہا تھا اور مثلِ برگ لرزہ براندام ہورہا تھا۔

اسی حالت میں یہ سجدے میں گرگیا اور رورو کر کہنے لگا:

گفت یارب بارہا برگشتہ ام
توبہا و عہدہا بشکستہ ام

کہا نصوح نے: اے رب! بارہا میں نے راستہ غلط کردیا اور توبہ اور عہد کو بارہا توڑدیا۔

اے خدا آں کن کہ از تو می سزد
کہ ز ہر سوراخ مارم می گزد

اے خدا! اب وہ معاملہ کیجیے جو آپ کے لائق ہے کیوں کہ میرے ہر سوراخ سے میرا سانپ مجھے ڈس رہا ہے۔

نوبتِ جُستن اگر در من رسد
وہ کہ جانِ من چہ سختیہا کشد

اگر موتی کی تلاشی کی نوبت خادمات سے گزر کر مجھ تک پہنچی تو اف! میری جان کس قدر سختی اور بلا کا عذاب چکھے گی۔

گر مرا ایں بار ستاری کنی
توبہ کردم من ز ہر ناکردنی

اگر آپ اس مرتبہ میری پردہ پوشی فرمادیں تو میں نے توبہ کی ہر نالائق فعل سے۔ نصوح یہ مناجات کرتے کرتے کہنے لگا کہ

در جگر افتادہ ہستم صد شرر
در مناجاتم ببیں خونِ جگر

اے رب! میرے جگر میں سینکڑوں شعلے غم کے بھڑک رہے ہیں اور آپ میری مناجات میں میرے جگر کا خون دیکھ لیں کہ میں کس طرح حالتِ بے کسی اور درد سے فریاد کر رہا ہوں۔

نصوح اپنے رب سے گریہ وزاری کر ہی رہا تھا کہ آواز آئی:

جملہ را جستیم پیش آ اے نصوح
گشت بے ہوش آں زماں پرّید روح

یہ آواز آئی کہ سب کی تلاشی ہو چکی اب اے نصوح! تو سامنے آ اور عریاں ہو جا۔ یہ سننا تھا کہ نصوح اس خوف سے کہ ننگے ہونے سے میرا پردہ فاش ہو گا، بے ہوش ہو گیا۔ اور اس کی روح عالمِ بالا کی سیر میں مشغول ہوئی۔

جاں بحق پیوست چو بے ہوش شد
بحرِ رحمت آں زماں در جوش شد

اس کی روح بے ہوشی کے وقت حق سے قریب ہوئی اور بحرِ رحمت کو اس وقت جوش آیا

اور حق تعالیٰ کی قدرت سے نصوح کی پردہ پوشی کے لیے بلاتاخیر فوراً موتی مل گیا۔

بانگ آمد ناگہاں کہ رفت بیم
شد پدید آں گم شدہ دُرِّ یتیم

اچانک آواز آئی کہ خوف ختم ہوا اور وہ موتی گم شدہ مل گیا۔

آں نصوح رفتہ باز آمد بخویش
دیدہ چشمش تابشِ صدروزہ بیش

وہ بے ہوش نصوح پھر ہوش میں آگیا اور اس کی آنکھیں سینکڑوں دن سے زیادہ روشن تھیں یعنی عالمِ بے ہوشی میں نصوح کی روح کو حق تعالیٰ کی رحمت نے تجلیاتِ قرب کا مشاہدہ کرادیا تھا جس کے انوار اس کی آنکھوں میں بعد ہوش کے بھی تاباں تھے۔

شاہی خاندان کی عورتوں نے نصوح سے معذرت کی اور شفقت سے کہا کہ ہماری بدگمانی کو معاف کردو، ہم نے تم کو بہت تکلیف دی۔

بدگماں بودیم مارا کن حلال
لحمِ تو خوردیم اندر قیل و قال

ہم بدگمان تھے ہم کو معاف کر، ہم نے قیل و قال سے تیرا گوشت کھایا یعنی غیبت یا تلاشی کے خوف سے۔

گفت بُد فضلِ خدا اے داد گر
ورنہ زانچہ گفتہ شد ہستم بتر

نصوح نے کہا کہ یہ خدا کا فضل ہوگیا مجھ پر اے مہربانو! ورنہ جو کچھ میرے بارے میں کہا گیا ہے ہم اس سے بھی برے اور خراب ہیں۔

اس کے بعد سلطان کی ایک دختر نے اس کو مالش اور نہلانے کو کہا مگر نصوح اللہ والا ہوچکا تھا اور بے ہوشی میں اس کی روح قرب کے خاص مقام پر فائز ہوچکی تھی اتنے قوی تعلق مع اللہ اور یقین کی نعمت کے بعد گناہ کی ظلمت کی طرف کس طرح رخ

کرتا کہ روشنی کے بعد ظلمت سے کراہت محسوس ہونا فطری امر ہے۔ نصوح نے دخترِ شاہ سے کہا:

گفت زورِ دستِ من بے کار شد
ویں نصوحِ تو کنوں بیمار شد

نصوح نے کہا کہ اے دختر! میرے ہاتھ کی طاقت اب بے کار ہو چکی ہے اور تمہارا نصوح اب بیمار ہو گیا ہے یعنی اس حیلے سے اس نے اپنے کو گناہ سے بچایا۔

بادلِ خود گفت کز حد رفت جرم
از دلِ من کے رود آں ترس و کُرم

کُرم (کاف پر پیش) بمعنیٰ غم (غیاث)

ترجمہ: نصوح نے اپنے دل میں کہا کہ میرا جرم حد سے گزر گیا اب میرے دل سے وہ خوف اور غم کیسے نکل سکتا ہے۔

توبہ کردم حقیقت باخدا
نشکنم تا جاں شود از تن جدا

نصوح نے کہا: میں نے حقیقی توبہ اپنے مولیٰ سے کی ہے، میں اب اس توبہ کو ہرگز نہ توڑوں گا خواہ جان ہی میرے تن سے جدا ہو جاوے۔

فائدہ: اس واقعہ سے حسبِ ذیل نصائح ملتے ہیں:

ا) اپنی گندی حالت سے کبھی ناامیدی نہ ہونی چاہیے، حق تعالیٰ کی رحمت ہر حالت کی اصلاح پر قادر ہے۔

ب) اللہ والوں سے دعا کی درخواست بھی اپنی اصلاح کے لیے کرنی چاہیے جیسا کہ نصوح نے کیا اور بامراد ہوا۔

ج) حالتِ اضطرار میں اللہ تعالیٰ سے جس طرح نصوح رجوع ہوئے ان کے اس دردناک مضمون سے تضرع اور گریہ وزاری کا سلیقہ اور عنوان کا عمدہ سبق ملتا ہے۔

د)نصوح کی عمرِ طویل گناہوں میں گزری تھی اور کس قدر خطرناک حالت تھی مگر حق تعالیٰ نے ان کی ہدایت کی غیب سے راہ پیدا کی اور توبۂ صادقہ کی توفیق بخشی اوران کی توبہ کا مقام جو آخری شعر میں درج ہے۔ دراصل تائبین کے لیے بڑا سبق آموز ہے یعنی ؎

نشکنم تا جاں شود از تن جدا

سبحان اللہ! اللہ کے سچے بندوں کا یہ کیا ہی پیارا عہد ہے جو ان کے عظیم المرتبت اور عظیم الحوصلہ اور عظیم الہمت ہونے پر بڑی دلیل ہے کہ خواہ جان جسم سے جدا ہو جائے مگر میں اپنی توبہ اور عہد نہ توڑوں گا۔ خدا ہم سب کو ایسی ہی توبۂ نصوح عطا فرمائیں۔ آمین۔

اَللّٰھُمَّ وَفِّقْنَا لِمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی[۲۱]

حکایتِ مکالمۂ جحود با حضرت علی رضی اللہ عنہما

جُحود... انکار کرنے والا (غیاث)

ایک دن ایک منکر بددین نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مباحثہ شروع کیا، آپ بالاخانے پر تشریف فرما تھے۔ یہودی نے نیچے سے کہا: اے علی مرتضیٰ! کیا حق تعالیٰ کی حفاظت پر آپ کو اعتماد ہے۔ آپ نے فرمایا کہ بے شک وہی ہمارا حفیظ ہے۔

گفت خود را اندر افگن ہیں زبام
اعتمادے کن بحفظِ حق تمام

یہودی نے کہا اے مرتضیٰ! آپ اپنے کو بالاخانے سے نیچے گرا دیجیے اور حق تعالیٰ کی حفاظت پر اعتماد کیجیے۔

تا یقین گردد مرا ایقانِ تو
واعتقادِ خوبِ مابرہانِ تو

تاکہ آپ کا اعلیٰ یقین میرے حصولِ یقین کا ذریعہ ہو اور آپ کی یہ عملی دلیل میرے حسنِ اعتقاد کا سبب بن جاوے۔

---

[۲۱] کنز العمال:۲۰۹/۲،(۳۷۹۷)،الباب الثامن الدعاء،الفصل السادس جوامع الادعیۃ،مؤسسۃ الرسالۃ

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ

کے رسد مر بندہ را کو باخدا
آزمایش پیش آرد ز ابتلا

کب بندہ کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ خدا کی آزمایش اور امتحان کی جرأت کرے۔

بندہ را کے زہرہ باشد اے فضول
امتحانِ حق کند اے گیج کول[۲۲]

بندہ کو کہاں اس کا پتّہ (ہمت) اے احمق نالائق! کہ وہ حق تعالیٰ کا امتحان کرے۔

آں خدا را می رسد کو امتحاں
پیش آرد ہر دمے بابندگاں

یہ تو خدا ہی کو حق پہنچتا ہے کہ ہر وقت بندوں کا امتحان کرتا ہے۔

گر بیاید ذرہ سنجد کوہ را
بر دردزاں کہ ترازوش اے فتیٰ

اگر پہاڑ کے دامن میں ایک ذرہ پہاڑ کی بلندی کو دیکھ کر کہے کہ اچھا میں تجھے وزن کروں گا کہ کس قدر طول وعرض اور وزن والا ہے، تو اس بے وقوف ذرہ کو سوچنا چاہیے کہ جب اپنی ترازو پر پہاڑ کو رکھے گا تو اس کی تو ترازو ہی پھٹ جاوے گی یعنی اس وقت نہ یہ ذرہ باقی ہوگا نہ اس کی ترازو سلامت ہوگی، تو وزن کا خیال محض احمقانہ خیال ہوا۔

کز قیاسِ خود ترازو می تند
مردِ حق را در ترازو می کند

پس ایسے احمق اپنے قیاس کے ترازو پر ناز رکھتے ہیں اور اللہ والوں کو اپنے احمقانہ خیالی ترازو میں تولنے کی کوشش کرتے ہیں۔

---

۲۲ ا۔ گیج کول۔ گیج احمق۔ کول۔ عمیق یعنی نہایت احمق

چوں نگنجد او بمیزانِ خرد
پس ترازوے خرد را بر درد

جب اللہ والوں کا بلند مقام ان بے وقوفوں کی ترازو میں نہیں سماتا تو خدا اس گستاخی کی نحوست اور شامت کے سبب ان کی ترازو ہی کو ریزہ ریزہ کر دیتا ہے اور حماقت در حماقت میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ چناں چہ مشاہدہ ہے کہ جو لوگ اللہ والوں کی شان میں گستاخیاں اور اعتراضات کیا کرتے ہیں۔ ان کی عقل سے سلامتی روز بروز گھٹتی چلی جاتی ہے اور عملی حالت روز بروز تباہ ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو محفوظ رکھیں۔ آمین۔

وسوسہ ایں امتحاں چو آیدت
بختِ بدواں کامد و گردن زدست

مولانا نصیحت فرماتے ہیں کہ اگر اس نوع کے امتحان کا وسوسہ بھی آئے تو اس کو اپنی بد بختی اور ہلاکت کی علامت سمجھو اور یہ تدبیر کرو:

سجدہ گہہ را ترکن از اشکِ رواں
کاے خدایا وا رہانم زیں گماں

فوراً سجدے میں گر جاؤ اور گریہ وزاری میں مشغول ہو کر خدا سے پناہ مانگو کہ اے خدا! مجھے ایسے فاسد گمان وخیال سے خلاصی اور رہائی عطا فرما۔ اگر توبہ اور گریہ وزاری سے بھی یہ خیال نہ نکلے تو پھر وہ محض وسوسہ ہے جس کو صرف برا سمجھنا کافی ہے اور اس کی طرف توجہ بھی قصداً نہ کرے، کچھ ہی دن میں ان شاء اللہ نجات پا جاوے گا۔ مگر دعا وفریاد ہمیشہ کرتا رہے اور اللہ والوں سے دعا کی درخواست کرتا رہے۔

حکایتِ گفتگو حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ با ابلیس

ایک دفعہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے گھر پر آرام فرما رہے تھے کہ اچانک ایک شخص نے آپ کو بیدار کر دیا۔ جب آپ نے بیدار ہو کر دیکھا تو وہ شخص پوشیدہ ہو گیا، آپ نے دل میں سوچا کہ میرے گھر کے اندر اس وقت تو کوئی آ نہیں سکتا۔

ایسی جرأت کس نے کی ہے۔ پھر آپ نے دیکھا کہ ایک شخص دروازے کی آڑ میں اپنا منہ چھپائے کھڑا ہے۔ آپ نے دریافت کیا: تو کون؟

جواب دیا: میرا افاش نام ابلیس شقی ہے۔

آپ نے فرمایا: اے ابلیس! تونے مجھے کیوں بیدار کر دیا۔ سچ سچ بتا۔ اس نے کہا: نماز کا وقت ختم ہونے کے قریب ہے۔ آپ کو مسجد کی طرف جلد دوڑنا چاہیے۔

آپ نے فرمایا: ہرگز یہ غرض تیری نہیں ہو سکتی کہ تو خیر کی طرف کبھی راہنمائی کرے، میرے گھر میں تو چور کی طرح گھس آیا اور کہتا ہے کہ میں پاسبانی کرتا ہوں اور خاص کر تجھ جیسا چور کہ راہزن بھی ہے کس مقصد سے مجھ پر تجھے اس قدر شفقت ہے۔

ابلیس نے جواب دیا:

گفت ما اول فرشتہ بودہ ایم
راہِ طاعت را بجاں پیمودہ ایم

ابلیس نے کہا کہ ہم پہلے فرشتہ تھے اور طاعت کے راستے کو اپنی جان سے طے کیا ہے۔

پیشۂ اول کجا از دل رَود
مہرِ اول کے ز دل زائل شود

پہلا پیشہ دل سے کہیں بالکل نکل سکتا ہے اور پہلی محبت بھلا دل سے زائل ہو سکتی ہے؟

نیکواں را رہنمائی می کنم
مربداں را پیشوائی می کنم

میں نیکوں کو راستہ نیکی کا دکھاتا ہوں اور بروں کو برے راستے کی پیشوائی کرتا ہوں۔

گر ترا بیدار کردم بہرِ دیں
خوئے اصلِ من ہمیں است و ہمیں

اگر آپ کو دین کے لیے میں نے بیدار کر دیا تو یہی ہماری اصل فطرت کا مقتضا ہے۔

گفت امیر اے راہزن حجت مگو
مر ترا رہ نیست در من رہ مجو

حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اے راہزن!(ڈاکو) مجھ سے بحث مت کر تجھ کو میرے اندر گمراہ کرنے کا راستہ نہ مل سکے گا، میرے اندر راستہ مت ڈھونڈ۔ سچ سچ بتا کہ تو نے مجھے نماز کے لیے کیوں بیدار کیا، تیرا کام تو گمراہ کرنا ہے۔ اس خیر کی دعوت میں کیا راز ہے جلد بتا۔

ابلیس نے کہا: حضور! بات یہ ہے کہ اگر آپ کی نماز فوت ہو جاتی تو آپ اللہ تعالیٰ کی جناب میں آہ وفغاں کرتے۔ جس سے آپ کا درجہ بہت بلند ہو جاتا اور میں حسد سے جل کر خاک ہو جاتا۔ اس لیے میں نے سوچا کہ آپ کو بیدار کر دوں تا کہ آپ نماز ادا کر لیں۔

گر نمازت فوت می شد آں زماں
می زدی از دردِ دل آہ و فغاں

اگر آپ کی نماز فوت ہو جاتی تو آپ اس وقت دردِ دل سے آہ وفغاں کرتے۔

آں تاسّف آں فغاں وآں نیاز
در گذشتے از دو صد رکعت نماز

اور آپ کا وہ افسوس اور رونا اور ندامت و نیاز مندی اور شکستگی آپ کو دو سو رکعت نوافل سے زیادہ مقرب بنا دیتی اس لیے مجھے آپ کے قربِ اعلیٰ کے خوف اور حسد نے آپ کو بیدار کرنے کے لیے آمادہ کیا۔

من ترا بیدار کردم از نہیب
تا نسوزاند چناں آہِ عجیب

میں نے اسی خوف سے آپ کو بیدار کر دیا تا کہ آپ کی آہِ عجیب مجھے نہ جلا دے۔

من حسودم از حسد کردم چنیں
من عدوم کارِ من مکر است وکیں

میں انسان کا حاسد ہوں، میں نے اسی حسد سے ایسا کیا ہے اور میں انسان کا دشمن ہوں ہوں، میرا کام حسد اور کینہ ہے۔

گفت اکنوں راست گفتی صادقی
از تو ایں آید تو ایں را لائقی

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اب تو نے سچ بات کہی اور حسد و دشمنی جو کچھ تو نے کی ہے تو اسی کے لائق ہے۔

فائدہ: اس حکایت سے یہ سبق ملتا ہے کہ کوتاہیوں اور خطاؤں پر ندامت اور گریہ وزاری سے شیطان کو کتنا غم ہوتا ہے اور حق تعالیٰ کی رحمت کس قدر ایسے بندے پر متوجہ ہوتی ہے۔ حق تعالیٰ ہم سب کو توفیق عطا فرمائیں کہ ندامت کے ساتھ حق تعالیٰ کے حضور میں گریہ وزاری کیا کریں۔ آمین۔

حکایتِ نحوی و کشتی باں

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے مثنوی میں ایک نحوی کی حکایت بیان فرمائی ہے کہ ایک نحوی صاحب دریا عبور کرنے کے لیے کشتی پر سوار ہوئے تو ملاح نے دریافت کیا کہ حضور! آپ کس فن کے ماہر ہیں، فرمایا کہ میں فنِ نحو کا امام ہوں۔ اور کہا کہ افسوس! تو نے اپنی زندگی کشتی چلانے میں گنوادی۔ نحو جیسا فن نہ سیکھا۔

ملاح بے چارہ خاموش ہو رہا۔ قضائے الٰہی سے کشتی بیچ دریا طوفان میں پھنس گئی۔ ملاح نے اس وقت اس نحوی سے کہا کہ حضور! اب اپنے فن سے کچھ کام لیجیے کشتی غرق ہوا چاہتی ہے۔

حضور خاموش رہے کہ اس وقت نحو کیا کام دیتا۔

پھر ملاح نے کہا کہ اس وقت نحو کا کام نہیں محو کا کام ہے، محض نحوی بننے سے کام نہیں چلتا محوی بننے کی ضرورت ہے۔

محوی باید نہ نحو ایں جا بداں
گر تو محوی بے خطر در آب راں

ترجمہ: یہاں تو محو چاہیے نہ کہ نحو، اگر تو محوی ہے تو بے خطر پانی میں راستہ طے کر۔

آبِ دریا مردہ را بر سر نہد
ور بود زندہ ز دریا کے رہد

ترجمہ: دریا کا پانی مردے کو اپنے سر پر رکھتا ہے اور زندہ غرق ہوجاتا ہے یعنی اپنے کو مٹانے اور فنا کرنے سے اللہ کا راستے طے ہوتا ہے۔ تکبر والے محروم اور غرقِ آبِ ہلاکت ہوتے ہیں۔

فائدہ: پس حق تعالیٰ کے راستے میں محویت کام دیتی ہے۔ محض قیل و قال سے کام نہیں چلتا بلکہ بعض اوقات اس قیل و قال سے ناز و پندار پیدا ہوجاتا ہے جو اہل اللہ سے تعلق پیدا کرنے میں عار کا سبب ہوجاتا ہے۔ حق تعالیٰ ایسی محرومی سے محفوظ فرمائیں۔ آمین۔ اور ہم کو فنائیتِ کاملہ عطا فرمائیں۔

فنائیت کیا چیز ہے؟ احقر نے اپنے شیخ و مرشد سے یہ سوال کیا تھا۔

ارشاد فرمایا کہ اپنے کو مٹادینا یا فانی فی اللہ ہوجانا۔ ان اصطلاحات کا مفہوم یہ ہے کہ بندہ اپنی ان مرضیات اور خواہشات کو جو اللہ تعالیٰ کی مرضیات اور احکام کے خلاف ہوں ترک کردے پس اسی کا نام فنائے نفس ہے، ابتدائے سلوک میں یہ عمل مجاہدے اور مشقت سے ہوتا ہے اور انتہائے سلوک میں مرضیاتِ الٰہیہ پر عمل کرنا طبیعتِ ثانیہ بن جاتی ہے۔

انکار کرنا فلسفی کا آیت اِنۡ اَصۡبَحَ مَآؤُکُمۡ غَوۡرًا سے

ایک قاری نے قرآنِ پاک سے جب اس آیت کی تلاوت کی:

اِنۡ اَصۡبَحَ مَآؤُکُمۡ غَوۡرًا [۲۳]

---

[۲۳] الملک: ۳۰

اگر تمہارے چشموں کے پانی گہرائی میں چلے جاویں تو کون قدرت رکھتا ہے کہ وہ اس پانی کو اوپر لا سکے۔ یہ میری ہی قدرت ہے کہ۔

آب را در غو رہا پنہاں کنم
چشمہارا خشک و خشکستاں کنم

میں پانی کو زمین کی گہرائی میں مخفی کر دیتا ہوں اور چشموں کو خشک کر دیتا ہوں جس سے پانی کا قحط ہو جاتا ہے۔ پھر میرے سوا کون ہے جو دوبارہ پانی چشموں میں لا سکتا ہے۔

آب را در چشمہ کہ آرد دگر

اس آیت کو سن کر ایک فلسفی منطقی نے کہا کہ میں لا سکتا ہوں۔ بس رات کو جب سویا تو

شب بخفت و دید او یک شیر مرد
زد طپانچہ ہر دو چشمش کور کرد

وہ رات سو گیا اور دیکھا ایک شیر مرد کو اور اس نے طمانچہ اس کو مارا جس سے دونوں آنکھیں اس کی اندھی ہو گئیں اور اس نے خواب ہی میں کہا۔

گفت زیں در چشمۂ چشم اے شقی
با تبر نورے بیارار صادقی

اس شیر مرد نے کہا: اے بد بخت! اپنی آنکھ کے دونوں چشموں سے اس نور کو واپس لا۔ اگر تو اپنے دعویٰ میں صادق ہے جب خواب سے اٹھا تو اس نے اپنی دونوں آنکھوں کو بے نور پایا اور اندھا ہو گیا۔

گر بنالیدے و مُستغفِر شدے
نورِ رفتہ از کرم ظاہر شدے

اگر یہ بد بخت نالہ کرتا اور استغفار میں مشغول ہو جاتا تو حق تعالیٰ کی رحمت و مہربانی سے اس کو دوبارہ آنکھوں کی روشنی عطا ہو جاتی۔

لیک استغفار ہم در دست نیست
ذوقِ توبہ نُقلِ ہر سر مست نیست

لیکن استغفار اور توبہ کی توفیق اپنے ہاتھ میں نہیں اور توبہ کا ذوق اور داعیہ ہر سرمست کی غذا نہیں ہے۔

فائدہ: حسبِ ذیل نصائح اس حکایت سے ملتے ہیں:

اللہ ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی باتوں میں شبہ کرنا یا بے ادبی کرنا کبھی دنیاوی عذاب کا باعث بھی ہوتا ہے۔ بہت ڈرنے کا مقام ہے۔

توبہ کر لینے کے سہارے پر گناہ کا ارتکاب کبھی نہ کرنا چاہیے کہ توبہ کی توفیق اپنے ہاتھ میں نہیں، ممکن ہے کہ اس جرأت اور گستاخی کے وبال سے توفیقِ توبہ سلب ہو جاوے اور ہمیشہ کے لیے مطرود اور مردود ہو جاوے۔

توبہ کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی کہے یہ مرہم جل جانے کے زخم کو نہایت مفید ہے تو کیا اس مرہم کے سہارے پر کوئی اپنے ہاتھ کو آگ میں ڈالتا ہے۔ یہ مرہم تو اتفاقی حوادث کے لیے ہوتا ہے نہ کہ اپنے ہاتھوں کو خود ہی جلا کر اس مرہم کے فوائد کو آزمایا جاتا ہے۔ اسی طرح گناہوں کی تاریکی اور آگ جو دل کو نقصان پہنچاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی دوری اور ناراضگی کا وبال آجاتا ہے توبہ ان نقصانات کی تلافی کرتی ہے۔ توبہ گناہوں کی آگ کے زخم کا مرہم ہے لیکن اس کا مطلب یہ لینا کہ قصداً آگ سے اپنے کو جلا دیا جاوے اور اس مرہم کو آزمایا جاوے، انتہائی بے وقوفی ہوگی۔

گناہوں سے بچنے کا اہتمام اس قدر ہونا چاہیے کہ یہ تہیہ کر لے کہ اگر گناہ کے تقاضے پر عمل نہ کرنے کی تکلیف سے جان بھی نکل جائے گی پھر بھی گناہ نہ کروں گا اور اس عزم کی بقاء کے لیے اللہ والوں کی صحبت اور اچھے ماحول اور التزامِ ذکر کا اہتمام بھی کیا جاوے۔ اس کے باوجود اگر بر بنائے بشریت کبھی خطا ہو جاوے تو بے شک گریہ وزاری اور توبہ کا مرہم بڑا اکسیر ہے۔ مولانا نے ایک مقام پر فرمایا ہے:

مرکبِ توبہ عجائب مرکب است
تا فلک تازد بیک لحظہ زپست

توبہ کی سواری عجیب سواری ہے کہ ایک لمحے میں گناہوں کی پستی سے نکل کر فلک تک سیر کرتی ہے اور توبہ کرنے والا صاف ستھرا ہو کر اللہ کا پیارا ہو جاتا ہے۔

حکایتِ حکیم جالینوس

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ حکیم جالینوس نے اپنے دوستوں سے کہا کہ دواخانے سے مجھے فلاں نام کی دوا لا دو۔ دوستوں نے کہا کہ یہ دوا تو آپ پاگلوں کو کھلایا کرتے ہیں۔ آپ کو کیا ہو گیا کہ جنون کی دوا طلب کر رہے ہیں۔

جالینوس نے کہا:

گفت در من کرد یک دیوانہ رو

میری طرف ایک دیوانہ دیکھ رہا تھا۔

ساعتے در روئے من خوش بنگرید
چشمکم زد آستینے بر درید

جالینوس نے کہا: ایک گھنٹے تک وہ پاگل مجھے دیکھ کر مسرور ہوتا رہا اور پھر آنکھ سے اشارہ بازی کی اور آستین کو پھاڑ ڈالا۔

گر نہ جنسیت بُدے در من ازو
کے رخ آوردے بمن آں زشت رو

اگر وہ میرا ہم جنس نہ ہوتا یعنی میرے اندر بھی جنون کا مادہ اگر نہ ہوتا تو کب وہ بد صورت میری طرف اس طرح سے رخ کرتا۔

کے پرد مرغے بجز با جنسِ خود
صحبتِ ناجنس گورست و لحد

کب کوئی چڑیا اڑتی ہے سوائے اپنی ہم جنس چڑیوں کے ساتھ اور غیر و ناجنس کی صحبت تو ایسی ہی ہے جیسے کوئی زندہ ہی قبر میں ہو۔

خلاصہ یہ کہ جالینوس نے کہا کہ کوئی وصف جب دو آدمیوں میں مشترک ہوتا

ہے تو یہی قدرِ مشترک سبب ہوتا ہے دونوں کی دوستی اور مناسبت کا۔

در عجب ماندم بجستم حالِ شاں
تا چہ قدرِ مشترک یابم نشاں

ساتھیوں نے کہا کہ ہم تعجب میں ہوئے اور ان دونوں کے حالات کا جائزہ لیا کہ وہ قدرِ مشترک کیا ہے۔

چوں شدم نزدیک من حیراں و دنگ
خود بدیدم ہر دو آں بو دند لنگ

ساتھیوں نے کہا: جب ہم اس پاگل کے قریب گئے تو حیران رہ گئے کہ یہ دونوں لنگڑے تھے۔ یعنی قدرِ مشترک یہ وصف تھا جس سے دونوں میں مناسبت ہو رہی تھی۔

فائدہ: اس حکایت سے یہ سبق ملتا ہے کہ جب انسان نیک آدمی سے مل کر خوش ہو یا نیک آدمی اس سے مل کر خوش ہو تو خدا کا شکر کرے کہ یہ علامت اچھی ہے یعنی طبیعت کی نیکی دونوں میں قدرِ مشترک ہے، خواہ اعمال ابھی اچھے نہ ہوں لیکن ایسا شخص نیکی میں ترقی کی صلاحیت رکھتا ہے۔

اور اگر کوئی برے انسان سے مل کر خوش ہو یا برے انسان اس سے مل کر خوش ہوں اور اپنی برائی کی اصلاح بھی نہ چاہتے ہوں تو سمجھ لینا چاہیے کہ برائی اس کے اندر بھی ہے جو قدرِ مشترک بنی ہوئی ہے۔ دونوں کی مناسبت اور مسرت کا تجربہ ہے کہ اگر کسی کو دیندار سمجھا گیا ہے اس کے ظاہر سے لیکن اس کا اٹھنا بیٹھنا رات دن دنیاداروں میں ہے اور یہ ان کی اصلاح کے لیے نہیں ملتا بلکہ محض خوش طبعی اور تفریحی طور پر وقت گزارتا ہے تو سمجھ لینا چاہیے کہ یہ بھی دنیادار ہے۔ اس مضمون کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''اَلْمَرْءُ عَلٰى دِيْنِ خَلِيْلِهٖ''[۲۴]

ہر آدمی اپنے گہرے دوست کے دین پر ہوتا ہے۔ پس کسی شخص کو اگر

---

[۲۴] جامع الترمذی: ۶۳/۲، باب بعد ذکر باب ماجاء فی اخذ المال، ایچ ایم سعید

پہچاننا ہو کہ یہ آدمی کیسا ہے تو اس کے گہرے دوستوں کو دیکھو کہ وہ کیسے ہیں۔

اسی طرح تجربہ ہے کہ حریصِ دنیا جس دنیا کو حاصل کرنے کی قدرت نہیں رکھتا پھر بھی وہ اس کے تذکرے کو حرصِ سماعت سے سنتا ہے اور اس دنیا کو حرصِ بصارت سے دیکھتا ہے اسی طرح حریصِ آخرت جن اعمالِ آخرت کی قدرت بھی نہیں رکھتے یا ضعفِ ہمت سے نہیں اختیار کر پاتے پھر وہ ان کو دوسروں پر حرصِ بصارت سے دیکھتے ہیں اور ان کے ذکر کو حرصِ سماعت سے سنتے ہیں۔

حکایتِ عیادتِ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم

حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے ایک صحابی بیمار ہوئے اور لاغر ہو گئے۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم عیادت کے لیے تشریف لائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ بہت نقاہت ہے اور حالتِ نزع طاری ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حالت کو دیکھ کر بہت ہی نوازش اور اظہارِ لطف فرمایا۔

بیمار صحابی رضی اللہ عنہ نے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو خوشی سے نئی زندگی محسوس کی اور ایسا معلوم ہوا کہ جیسے کوئی مردہ اچانک زندہ ہو جاوے اور انھوں نے کہا:

گفت بیماری مرا ایں بخت داد

کامد ایں سلطان بر من بامداد

صحابی رضی اللہ عنہ نے کہا: اس بیماری نے تو مجھ کو خوش نصیب اور خوش قسمت کر دیا کہ جس کی بدولت ہمارے سلطان المؤمنین یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم میری امداد کے لیے تشریف لائے اور عیادت فرمارہے ہیں اور انھوں نے کہا:

اے خجستہ رنج و بیماری و تب

اے مبارک درد و بیداریٔ شب

خجستہ۔ مبارک۔ تب۔ بخار۔

ان صحابی رضی اللہ عنہ نے کہا: اے میری بیماری اور بخار اور رنج! اور اے درد اور بیداریٔ شب! تجھے مبارک ہو کہ تو ہی سبب ہے اس وقت کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری عیادت کو میرے پاس تشریف لائے۔

اس کے بعد جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی عیادت سے فارغ ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تمھیں کچھ یاد ہے کہ تم نے ایک بار حالتِ صحت میں کیا دعا کی تھی۔

انہوں نے کہا: مجھے تو یاد نہیں آتا کہ کیا دعا کی تھی۔ اس کے تھوڑے ہی وقفے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے ان کو دعا یاد آگئی اور عرض کیا: یارسول اللہ! مجھے وہ دعا یاد آگئی۔ وہ دعا یہ تھی کہ میں نے اپنے اعمال کی کوتاہیوں اور خطاؤں کے پیشِ نظر یہ دعا کی تھی اے اللہ!

من ہمی گویم کہ یارب آں عذاب
ہم دریں عالم براں بر من شتاب

میں دعا میں کہا کرتا تھا کہ اے اللہ! وہ عذاب جو آخرت میں آپ دیں گے وہ اسی عالم میں یعنی دنیا ہی میں مجھ پر جلد دے دیجیے۔

تا در آں عالم فراغت باشدم
در چنیں درخواست تا دم می زدم

تاکہ عالمِ آخرت کے عذاب سے فارغ ہو جاؤں اور یہ درخواست اب تک میں کرتا رہا۔

اینچنیں رنجورئے پیدا شد
جانِ من از رنج بے آرام شد

یہاں تک کہ یہ نوبت آگئی کہ مجھ کو ایسی شدید بیماری نے گھیر لیا اور میری جان اس تکلیف سے بے آرام ہو گئی۔

ماندہ ام از ذکرو از اورا و خود
بے خبر گشتم ز خویش و نیک و بد

اور اس بیماری کے سبب میں اپنے ذکر اور ان وظیفوں سے جو حالتِ صحت میں میرے معمولات تھے عاجز اور مجبور ہوگیاہوں اور اپنے اقربا اور ہر نیک وبد سے بے خبر پڑاہوں۔

اس مضمونِ دعا کو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے سن کر ناراضگی کا اظہار فرمایااور منع فرمایاکہ آیندہ ایسی دعا کبھی مت کرنااور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی دعاکو منافیٔ عبدیت قرار دیا۔یعنی یہ آدابِ بندگی کے خلاف ہے کہ اپنے مولیٰ سے بلا وعذاب طلب کرے،کیوں کہ ایسی دعا کرنا گویادعویٰ کرنا ہے خداوند تعالیٰ کے سامنے کہ ہم آپ کی بلاوعذاب کوبرداشت کرسکتے ہیں۔

چناں چہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو نصیحت فرمائی کہ

تو چہ طاقت داری اے مورِ سقیم
کہ نہد بر تو چناں کوہِ عظیم

اے مخاطب!توکیاطاقت رکھتاہے کہ تجھ جیسی بیمار چیونٹی پر خدائے پاک ایسابڑاپہاڑ اپنی بلاکار کھ دیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ایں بگوی وسہل کن دشوار را
تا خدا گلشن کند آں خار را

اب اس طرح سے دعا کرو کہ اے اللہ! میری دشواری کو آسان کردیجیے تاکہ خدا تمہاری مصیبت کے کانٹے کو گلشنِ راحت سے تبدیل فرمادے۔

اٰتِنَا فِیْ دَارِ دُنْیَانَا حَسَنْ
اٰتِنَا فِیْ دَارِ عُقْبَانَا حَسَنْ

اور اللہ سے کہو کہ اے اللہ! دنیامیں بھی مجھے بھلائیاں عطافرمااور آخرت میں بھی ہم کو بھلائیاں عطافرما۔

فائدہ: اس حکایت سے یہ سبق ملتاہے کہ کبھی اللہ تعالیٰ سے بلانہ مانگے،ہمیشہ دونوں جہان کی عافیت مانگتارہے اور اپنے رب کے سامنے اپنے ضعف اور عاجزی کا اقرار

کرتا رہے۔ مثلاً اگر کسی شخص کو بدنگاہی کی بیماری ہے تو اس کی صحت واصلاح کے لیے دعا کرے، اللہ والوں سے علاج معلوم کرے اور ان سے بھی دعا کی درخواست کرے مگر کبھی پریشان ہوکر یہ نہ کہے کہ یااللہ! یہ بیماری تو میری اچھی نہیں ہوتی، اس سے تو بہتر ہے تو مجھے اندھا ہی کردے تاکہ آنکھوں سے گناہ نہ ہو۔ تو ایسی دعا جہالت اور نادانی ہوگی، خوب سمجھ لینا چاہیے۔ جہاں تک ہو بلا سے بچو اور عافیت کا سوال کرو۔

میں نے اپنے شیخ پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ سے سنا کہ حضرت منصور رحمۃ اللہ علیہ سائے کے باوجود دھوپ میں نوافل پڑھ رہے تھے، ایک صاحبِ نسبت بزرگ نے اس حالت کو دیکھ کر فرمایا کہ یہ شخص کسی بڑی بلا میں گرفتار ہونے والا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب عافیت سامنے ہو تو بَلا نہ اختیار کرو اور جب دونوں ہی طرف بلا ہو تو جو بَلا آسان ہو اس کو اختیار کرو:

كَمَا هُوَ فِي الْحَدِيْثِ: فَلْيَخْتَرْ اَهْوَنَهُمَا [۲۵]

حکایت بازِ شاہی و کم پیرزن

کم پیرزن: بہت سن رسیدہ بڑھیا

ذکر ہے کہ ایک بار ایک بازِ شاہی، شاہ سے اڑ گیا اور پڑوس میں ایک بوڑھی عورت کے گھر پہنچ گیا۔ اس نے اس کے بڑے بڑے ناخنوں کو اور اس کے بڑے بڑے پروں کو کاٹ دیا اور کہا کہ افسوس کہ تو کس نااہل کے یہاں پڑا تھا۔ جس نے تجھے مثلِ یتیم بنا رکھا تھا۔

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جاہل اور نادان کی محبت اسی طرح کی ہوتی ہے کہ باز کے لیے ناخن اور پر وبازو ہی تو اس کے کمالات تھے جن سے وہ شکار کرتا ہے۔ اور اس نادان کو وہی کمالات معائب نظر آئے اور باز کو اس ظالم نے بالکل ہی بے کار کردیا۔

۲۵؎ صحیح مسلم: ۲۵۶/۲، باب مباعدته صلى الله عليه وسلم للآثام واختياره من المباح اسهله وانتقامه لله تعالٰى عند انتهاك حرماته، ایچ ایم سعید

ایک دن شاہ تلاش کرتے کرتے اس عورت کے گھر آپہنچا اور اچانک اپنے باز کو اس حالت میں دیکھ کر رونے لگا اور وہ باز اپنے پروں کو شاہ کے ہاتھ پر ملتا تھا اور زبانِ حال سے کہہ رہا تھا کہ میں نے آپ سے علیحدگی کا انجام دیکھ لیا اور یہ سخت خطا مجھ سے ہوئی۔

بازمی مالید پر بر دستِ شاہ
بے زباں می گفت من کردم گناہ

باز گفت اے شہ پشیماں می شوم
توبہ کردم نو مسلماں می شوم

زبانِ حال سے پھر کہا کہ اے شاہ! میں شرمندہ ہوں اور توبہ کرتا ہوں اور نیا عہد وپیمان کرتا ہوں۔

گندہ پیر جاہل ایں دنیا و نیست
ہر کہ مائل شد بدو خوار و غبیست

مولانا فرماتے ہیں کہ یہ دنیا اسی جاہل بوڑھی عورت کے مانند ہے جو شخص اس دنیا پر مائل ہوتا ہے وہ بھی اسی طرح ذلیل اور غبی بے وقوف ہے۔

ہر کہ با جاہل بود ہمرازِ باز
آں رسد با او کہ با آں شاہ باز

جو شخص کسی جاہل سے دوستی کرتا ہے اس کا وہی حشر و انجام ہوتا ہے جو اس بازِ شاہی کا اس بوڑھی نادان عورت کے ہاتھ سے ہوا۔

فائدہ: حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بعض نادان اسی طرح خادمِ اسلام ہونے کے مدعی ہیں اور اپنی جہالت اور نادانی سے اسلام کو اپنے نظریاتِ احمقانہ کے تابع کرکے اس کی حقیقی صورت کو مسخ کررہے ہیں اور عموماً یہ وہی لوگ ہیں جو اپنے ذاتی مطالعہ سے اہلِ قلم بن بیٹھے اور کسی کامل استاد سے دین کو

نہیں سیکھا۔ ایسے لوگوں کی تصنیف کے مطالعہ سے احتیاط واجب ہے۔

مسلم شریف میں ہے:

اِنَّ ھٰذَا الْعِلْمَ دِیْنٌ فَانْظُرُوْا عَمَّنْ تَاْخُذُوْنَ دِیْنَکُمْ[۲۶]

اَلْاِسْنَادُ مِنَ الدِّیْنِ[۲۷]

جس شخص سے دین سیکھو پہلے اس کے بارے میں اس وقت کے کاملین کی رائے معلوم کرلو۔ یعنی جس لوٹے سے پانی پینا ہے اس کے اندر دیکھ لو کہ پانی صاف ہے یا کچھ اور ملا ہوا ہے ورنہ جو اس میں ہے وہی منہ میں داخل ہو گا اور دین صحیح کے لیے اسناد ضروری ہے۔

حکایت باز اور چغداں

(لغت) چغد۔ اُلّو۔ چغداں۔ جمع چغد

ایک مرتبہ بادشاہ کا باز اڑتے اڑتے ایک ایسے ویرانے میں پہنچ گیا جہاں بہت سے اُلّو رہتے تھے۔ جتنے اُلّو تھے انھوں نے شور وفتنہ اورالزام تراشی شروع کردی کہ یہ باز ہمارے ویرانے پر قبضہ کرنا چاہتا ہے۔

باز ان بے وقوفوں کے اندر بہت گھبرایا اور کہا کہ

من نخواہم بود ایں جامی روم
سوئے شاہنشاہ راجع می شوم

باز نے کہا: میں یہاں نہ ٹھہروں گا، میں بادشاہ کی طرف واپس جاتا ہوں۔

ایں خراب آباد در چشمِ شماست
ورنہ ما را ساعدِ شہ بازِ جاست

اور یہ ویرانہ تم ہی کو مبارک ہو، میرا مقام تو بادشاہ کے پنجے اور کلائی پر ہوتا ہے۔ اُلّوؤں

۲۶؎ صحیح مسلم: ۱/۱۱، باب بیان الاسناد من الدین، ایچ ایم سعید

۲۷؎ الصحیح لمسلم: ۱/۱۲، قول عبداللہ بن مبارک، باب بیان الاسناد من الدین، ایچ ایم سعید

نے کہا کہ یہ باز حیلہ ومکر کررہاہے اور اس طرح ہمارا استحصال کرنا چاہتا ہے۔

خانہائے مابگیرد او بہ مکر
برکند ما را بسا لوسی ز وکر

اور یہ باز ہمارے گھروں پر اپنے مکر سے قبضہ کرلے گا اور اس خوشامد وسیاست سے ہمارا آشیانہ اکھاڑ پھینکے گا۔ (''وکر'' آشیانہ)

باز نے محسوس کیا کہ یہ نادان احمق اُلّو مجھ پر حملہ نہ کردیں اس لیے اس نے کہا:

گفت باز ار یک پرِ من بشکنند
بیخ چغدستاں شہنشہ برکند

باز نے کہا کہ اگر تم لوگوں کی شرارت سے میرا ایک پر بھی ٹوٹ گیا تو میں جس شاہ کا پروردہ ہوں وہ تمہارے الوستان ہی کو جڑ سے تباہ کرادے گا۔

پاسبانِ من عنایات وی ست
ہر کجا کہ من روم شہ درپئیست

شاہ کی عنایت میری حفاظت کرتی ہے اور میں کہیں بھی چلا جاؤں مگر شاہ کی نگاہِ حفاظت بھی میرے ساتھ ہے۔

در دلِ سلطاں خیالِ من مقیم
بے خیالِ من دلِ سلطاں سقیم

شاہ کے دل میں ہروقت میرا خیال ہے اور بغیر میرے خیال کے شاہ کا دل بیمار ہوجاتا ہے۔

بازم و در من شود حیراں ہما
چغد بود تا بداند سرِّما

میں بازِ شاہی ہوں، مجھ پر ہما بھی رشک کرتا ہے، یہ الّو بے وقوف ہمارے اسرار کو کیا جانیں۔

فائدہ: بعض وقت اولیاء اللہ جو مثلِ بازِ شاہی اور جانبازِ الٰہی ہیں، وہ بھی دنیادار بے وقوفوں کی نگاہ میں ایسے ہی پہچانے جاتے ہیں جس طرح الوؤں نے بازِ شاہی کے متعلق قیاس آرائیاں کی ہیں۔ اسی طرح اللہ والوں کو ستانے والے بھی قیاس آرائیاں کرتے ہیں اور ان کی حفاظت بھی عنایتِ حق کرتی ہے اور وہ کسی وقت بھی شاہِ حقیقی کی نگاہِ حفاظت اور نگاہِ عنایت سے دور نہیں ہیں خواہ کہیں بھی ہوں۔

كَمَا قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى فِيْ شَانِ رَسُوْلِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

"فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا"[۲۸]

تحقیق کہ آپ ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں یعنی اے محمد! کفار آپ کا بال بیکا نہیں کرسکتے کہ آپ ہر وقت میری نگاہِ حفاظت میں ہیں۔

حکایتِ طاؤس و حکیم

طاؤس۔ یعنی مور

ایک مور اپنے خوبصورت پروں کو نوچ نوچ کر پھینک رہا تھا۔ ایک حکیم کا گزر ہوا۔ اس نے معلوم کیا کہ اے طاؤس! ایسے خوبصورت پروں کو اکھاڑ کر کیوں ناشکری کرتا ہے؟ طاؤس نے کہا:

آں نمی بینی کہ ہر سو صد بلا
سوئے من آید پئے ایں بالہا

کیا تو نہیں دیکھتا ہے کہ ہر طرف سے سینکڑوں بلائیں ان ہی بازوؤں کے لیے میری طرف آتی ہیں۔

اے بسا صیاد بے رحمت مدام
بہرِ ایں پرہا نہد ہر سوئے دام

۲۸؎ الطور: ۴۸

اے شخص! اکثر اوقات ظالم شکاری ان ہی پروں کے لیے ہر طرف جال بچھاتا ہے۔

چوں ندارم روز ضبطِ خویشتن
زیں قضاو زیں بلا و زیں فتن

جب میں دن کو ان قضاؤں اور بلاؤں اور فتنوں سے اپنے کو محفوظ رکھنے پر قادر نہیں ہوں تو

آں بہہ آمد کہ شوم زشت وکریہ
تا بوم ایمن دراں کہسار و تیہ

(تیہہ یعنی میدان۔بال یعنی بازو)۔اس سے یہ بہتر ہے کہ میں اپنے پروں کو دور کردوں اور اپنی صورت کو مکروہ بنالوں تاکہ پہاڑوں اور میدانوں میں بے فکر ہوجاؤں۔

نزدِ من جاں بہتر از بال و پر ست
جاں بماند باقی و تن ابتر ست

میرے نزدیک جان کی حفاظت بال وپر کی حفاظت سے زیادہ ضروری اور اہم ہے۔جان تو محفوظ رہے جسم کی ابتری کا جان کے مقابلے میں کیا غم۔

فائدہ: اللہ والے اسی لیے اپنے کو شہرت اور جاہ سے دور رکھتے ہیں جیسا کہ مولانا نے دوسرے مقام پر فرمایا ہے:

خویش را رنجور ساز و زار زار
تا ترا بیروں کند از اِشتہار

اپنے کو بے نام ونشاں اور عاجز و مسکین بناکر رکھو تاکہ شہرت سے یہ حالت تم کو دور رکھے۔کیوں کہ شہرت سے گوشۂ عافیت چھن جاتا ہے اور شہرت بہت سی بلائیں اپنے ساتھ لاتی ہے۔

البتہ اگر خود حق تعالیٰ کسی کامل کو مشہور فرمادیں تو پھر ان ہی کی حفاظت بھی سایہ فگن ہوتی ہے،مذموم شہرت وہ ہے جو خود کوشش کرکے حاصل کی جاتی ہے۔

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ؎

میں تو نام ونشاں مٹا بیٹھا
میر اشہرہ اڑادیا کس نے

بہر حال حتی الامکان بہت سادگی اور خود کو مٹاکر رکھنے ہی میں عافیت ہے۔ جیسا کہ ہمارے اکابر نے اپنے کو بالکل سادہ اور مٹاکر رکھاہے۔ میں نے اپنے شیخ حضرت پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ سے سناہے کہ ایک دفعہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ بانیٔ دیوبند لنگی باندھے سادے لباس میں کہیں سے گزر رہے تھے، ایک شخص نے مولانا کی سادگیٔ لباس سے جولاہا سمجھ کر پوچھا کہ بازار میں آج سوت کا کیابھاؤ ہے؟

مولانا نے جواب دیا: آج میرا بازار جانا نہیں ہوا۔ یہ نہیں فرمایا کہ کیا میں جولاہاہوں کہ اس سے اہانت جولاہوں کی مترشح ہوتی اور عزت کا معیار عنداللہ صرف تقویٰ ہے۔

حکایتِ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ

واقعہ ہے کہ ایک بار حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے یہاں چند مہمان آئے، بعد ضیافت دستر خوان زرد فام ہوگیا۔ دستر خوان میں شوربالگ جانے کے بعد اس کی صفائی کے لیے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خادمہ کو حکم دیا کہ اس کو جلتے ہوئے تنور میں ڈال دو۔ خادمہ نے حسبِ حکم ایساہی کیا، جملہ مہمانوں کو حیرت ہوئی اور دستر خوان کے جلنے اور اس سے دھواں اٹھنے کا انتظار ہونے لگا۔ لیکن اس کو جب تنور سے نکالا تو بالکل محفوظ تھااور صاف ہوگیا تھا۔

قوم گفتند اے صحابیٔ عزیز
چوں نسوزید و منقّٰی گشت نیز

قوم نے کہا: اے صحابی! یہ دستر خوان آگ میں کیوں نہ جلااور بجائے جلنے کے اور صاف وستھراہوگیا۔

گفت زانکہ مصطفیٰ دست ودہاں
بس بمالید اندریں دستار خواں

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس کا سبب یہ ہے کہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دستر خوان سے بارہا اپنے دستِ مبارک اور لبِ مبارک کو صاف کیا تھا۔

اب مولانا نصیحت فرماتے ہیں۔

اے دلِ ترسندہ از نار و عذاب
باچناں دست و لبے کن اقتراب

اے وہ شخص جس کا دل جہنم کی آگ اور عذاب سے خوف زدہ ہو اس کو چاہیے کہ ایسے مبارک ہاتھوں اور لبوں سے قریب ہو جاوے۔ جس کا طریقہ صرف اتباعِ سنت ہے۔

چوں جمادے را چنیں تشریف داد
جانِ عاشق راچہا خواہد کشاد

جب جمادات کو مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک لبوں نے یہ شرافت عطا فرمائی۔ تو اپنی عاشق جانوں کو تو نجانے کیا کچھ عطا فرمایا ہو گا۔

فائدہ : جب دستر خوان کو حسی قرب سے یہ شرف عطا ہوا تو اتباعِ سنت جو قربِ معنوی اور قربِ حقیقی ہے اس سے تو کیا ہی کچھ انعامات دونوں جہاں میں عطا ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیقِ اتباعِ سنت نصیب فرماویں اور اس عظیم نعمت پر حریص فرماویں۔ آمین۔

حکایتِ دزد در عہدِ حضرت عمر رضی اللہ عنہ

ایک چور زمانۂ خلافتِ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ میں جلّادوں کے سپرد کیا گیا۔ اس نے فریاد کی کہ مجھے معاف کر دیا جاوے، یہ پہلی بار کا جرم ہے آیندہ نہ کروں گا۔

بانگ زد آں دزد کے میر دیار
اولیں بارست جرمم در گذار

چور نے آواز دی کہ اے امیر المؤمنین! یہ میرا اول جرم ہے، در گزر کر دیجیے۔

گفت عمر حاشَ للہ کہ خدا
بارِ اول قہر نارد در جزا

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: حاشاللہ! اللہ تعالیٰ پہلی خطا پر قہر نازل نہیں فرماتے۔

بارہا پوشد پئے اظہارِ فضل
باز میرد ازپئے اظہارِ عدل

اکثر مرتبہ اظہارِ فضل کے لیے جرائمِ عباد کی ستاری فرماتے ہیں پھر:

چوں بحد گزری ترا رسوا کند

جب کوئی حد سے گزر جاتا ہے تو پھر اظہارِ عدل کے لیے اسے گرفتارِ بلا و رُسوائی کرتے ہیں۔

تا کہ ایں ہر دو صفت ظاہر شود
آں مبشر گردد ایں منذر شود

تا کہ حق تعالیٰ کی دونوں ہی صفات کا ظہور ہو جاوے اور ایک صفت بشارت دہندہ ہو اور دوسری ترسانندہ (ڈرانے والی) ہو۔

فائدہ: اس حکایت سے سالکین کے لیے بڑا سبق ہے کہ بد نگاہی اور مثل اس کے بہت سے گناہ میں طویل عمر مبتلا رہنے کے باوجود ہمت اور فکرِ اصلاح سے غافل ہیں اور خلق میں صوفی بھی شمار ہوتے ہیں لیکن حق تعالیٰ کی ایک صفت ستاریت سے مطمئن ہونا اور دوسری صفت قہاریت سے بے خوف ہونا سخت نادانی ہے۔ اظہارِ فضل کی صفت ہمیں اصلاح اور توبۂ صادقہ کے لیے موقع فراہم کرتی ہے، اگر اس نعمت سے ہم فائدہ نہ اٹھائیں گے تو اظہارِ عدل کی صفت ہم کو گرفتارِ بلا و ذلت کرے گی۔

پس دوسری صفت کے ظہور سے ہر وقت خائف اور ترساں رہے اور استغفار و گریہ وزاری کے ساتھ ترکِ گناہ کی سخت فکر کرے اور اپنے مصلح سے برابر مشاورت رکھے ورنہ معصیت کے ساتھ اذکار اور وظائف کا نفعِ تام نہ ہو گا اور ایسا سالک ہمیشہ ناقص رہے گا اور منزلِ قربِ الٰہی سے دور کیوں کہ اصرار علی المعصیت اور قربِ الٰہی

میں تضاد ہے۔ شرطِ ولایت تقویٰ ہے نہ کہ کثرتِ اذکار و وظائف، البتہ یہ اذکار وغیرہ حصولِ تقویٰ کے لیے مُعین ضرور ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیقِ حصولِ تقویٰ اور اجتناب عن المعاصی کا اہتمام اور گناہ کی بیماریوں کے علاج کی فکر نصیب فرمائیں اور ان مقاصد کے لیے کسی اللہ والے سے رجوع کی توفیق بخشیں۔ آمین۔

حکایتِ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور عیادتِ مریض

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس حق تعالیٰ کی طرف سے وحی آئی کہ اے موسیٰ! تم نے میری بیماری میں میری عیادت نہیں کی، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا۔

گفت سبحانا تو پاکی از زیاں
ایں چہ رمزست ایں بکن یارب بیاں

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: اے رب! آپ پاک ہیں نقصان اور بیماری سے اور آپ کے اس ارشاد میں کیا راز ہے ظاہر فرما دیجیے۔

گفت آرے بندۂ خاصِ گزیں
گشت رنجور او منم نیکش ببیں

غیب سے آواز آئی کہ اے موسیٰ! میرا ایک خاص بندہ جو میرا منتخب ہے، بیمار ہو گیا پس آپ اس کو بنگاہِ استحسان دیکھیے۔

ہست معذوریش معذوریٔ من
ہست رنجوریش رنجوریٔ من

اس مقرّبِ بارگاہِ حق کی معذوری میری معذوری ہے اور اس کی بیماری میری بیماری ہے۔

در عیادت رفتنِ تو فائدست
فائدہ آں باز با تو عائد ست

تمہارا اس کی عیادت کے لیے جانا تمہارا ہی فائدہ ہے اور اس کا فائدہ ثواب اور قرب اور ثمرۂ دعائے خاص اس بیمار کا تم ہی کو لوٹ کر سب کچھ ملے گا۔

ور عدو باشد ہم ایں احساں نکوست
کہ باحساں بس عدو گشتست دوست

اور اگر کوئی بیمار دشمن بھی ہو تو بھی اس کی عیادت بہتر ہے کیوں کہ احسان سے دشمن بھی بسا اوقات دوست ہو جاتا ہے۔

ور نگرد دوست کینش کم شود
زانکہ احسان کینہ را مرہم شود

اور اگر اس عمل سے دوست نہ بھی ہوا تو کم از کم اس کی عداوت اور کینے میں کمی ہو جاوے گی، اس واسطے کہ احسان زخمِ کینہ کے لیے مرہم ہوتا ہے۔

بس فوائدِ ہست غیر ایں ولیک
از درازی خائفم اے یارِ نیک

اور بھی احسان میں بہت سے فوائد ہیں اس کے علاوہ لیکن درازئ مضمون سے ڈرتا ہوں میں اے نیک دوست۔

فائدہ: اس حکایت میں حسبِ ذیل نصائح ہیں:

۱) اللہ تعالیٰ کو اپنے خاص بندوں سے کس قدر تعلق ہے کہ ان کی بیماری کو اپنی بیماری فرمایا، اس سے ان کی محبوبیت کا مقام معلوم ہوتا ہے اسی حقیقت کو مولانا نے دوسرے مقام پر فرمایا ہے۔

ہر کہ خواہد ہمنشینی با خدا
گو نشیند با حضورِ اولیاء

جو شخص خدا کے ساتھ ہمنشینی کا طالب ہو اس کو چاہیے کہ وہ اولیاء کی مجلس میں بیٹھا کرے اور ان کی محبت و خدمت کو بالواسطہ محبتِ حق اور خدمتِ حق سمجھے۔

خدمتِ او خدمتِ حق کردن است

مگر بالواسطہ کی قید ضرور ملحوظ رہے تاکہ اعتقاد سلامت رہے۔

۲) اگر دشمن بھی ہو تو اس کی عیادت کرلینا اس کو دوست بنادے گا۔

۳) اور اگر دوست نہ بن سکا تو اس کا کینہ ہی کم ہوجاوے گا۔

نوٹ: لیکن جن سے اللہ کے لیے ترکِ تعلق مطلوب ہے ان سے قبل اعلانِ توبہ دور ہی رہے اور کسی عالم متقی سے اس مسئلے کو سمجھ لے۔

قصّہء درخت آبِ حیات

ایک دانانے برائے امتحان کسی سے کہا کہ ہندوستان میں ایک درخت ایسا ہے کہ جو اس کا میوہ کھالیتا ہے کبھی نہیں مرتا۔ اس خبر کو جب بادشاہ نے سنا تو وہ اس کے لیے عاشق اور دیوانہ ہوگیا اور فوراً ایک قاصد اس درخت کی تلاش کے لیے ہندوستان بھیجا۔ یہ قاصد سالہا سال ہندوستان کے اطراف وجوانب میں سرگرداں پھرتا رہا اور کہیں ایسا درخت نہ ملا۔ جس سے بھی دریافت کرتا لوگ اس کو جواب دیتے کہ ایسے درخت کو صرف پاگل، دیوانے تلاش کرتے ہیں اور اس کا مذاق اڑاتے۔ جب غریب الوطنی اور سیاحت کی مشقتوں سے عاجز اور درماندہ ہوا تو نامراد مایوس ہوکر واپسی کا عزم کیا۔ بوقتِ واپسی راستے میں ایک قطب شیخ ملے۔

بود شیخے عالمے قطبے کریم
اندر آں منزل کہ آیس شد ندیم

جس مقام پر یہ شخص نادم اور مایوس ہوکر واپسی کا عزم کررہا تھا وہیں ایک بڑے شیخ قطبِ وقت اور صاحبِ کرم رہتے تھے۔

رفت پیشِ شیخ با چشمِ پُر آب
اشک می بارید مانندِ سحاب

یہ شخص شیخ کے پاس با چشمِ تر حاضر ہوا اور مثلِ بادل کے بہت رویا اور عرض کیا۔

گفت شیخا وقتِ رحم و رافتست
ناامیدم وقتِ لطف ایں ساعتست

کہا: اے شیخ! یہ وقت رحم و مہربانی کا ہے، میں ناامید ہو گیا ہوں اپنے مقصد و مراد میں یہ آپ کی مہربانی کا وقت ہے۔

شیخ نے کہا: کیا نامرادی ہے اور کیا مراد ہے تیری؟ اس نے عرض کیا کہ۔

گفت شاہنشاہ کردم اختیار
از برائے جستنِ یک شاخسار

کہا کہ میرے بادشاہ نے مجھے یہ کام سپرد کیا تھا کہ میں ایسے درخت کو معلوم کر لوں۔

کہ درختے ہست نادر در جہات
میوۂ او مایۂ آبِ حیات

کہ ایک درخت نادر ہندوستان کے اطراف میں ہے جس کا میوہ کھا کر آدمی ہمیشہ زندہ رہتا ہے۔

سالہا جستم ندیدم زو نشاں
جز کہ طنز و تمسخرِ ایں سرخوشاں

میں نے سالہا سال ڈھونڈا مگر اس کا نشان و پتا نہ ملا سوائے اس کے کہ میرا مذاق اڑایا گیا اور مجھے پاگل سمجھا گیا۔

شیخ خندید و بگفتش اے سلیم
ایں درختِ علم باشد اے علیم

شیخ یہ گفتگو سن کر ہنسا اور اس سے کہا کہ اے سلیم! یہ درخت صرف علم کی نعمت ہے۔ علم سے انسان دائمی زندگی پاتا ہے اور بے علم آدمی مردہ ہوتا ہے۔

تو بصورت رفتۂ گم گشتہ
زاں نمی یابی کہ معنیٰ ہشتہ

تو علم کی صورت ڈھونڈ رہا تھا اس وجہ سے گم گشتۂ راہ ہوا اور صورت سے محروم اس لیے

ہوا کہ معنیٰ سے محروم ونامراد رہا۔

فائدہ: اس دانا نے علم کو درخت سے تشبیہ دی جس کا مقصد امتحان تھا۔ علم عرض اور معنیٰ ہے اور اعراض و معانی قائم بنفسہٖ نہیں ہوتے۔ اپنے وجود کے لیے محتاج ہوتے ہیں۔ پس علم کو علماء ہی سے حاصل کیا جاسکتا ہے اور علماء ہی اس کے درخت ہیں۔

علم سے مراد صرف وہی علم ہے جو بندہ کو خدا تک پہنچادے اور جس علم کے ذریعے معاش اور ملازمتیں ملتی ہیں وہ علوم صنعت و حرفت کہلاتے ہیں۔ علم اپنے حقیقی معنیٰ کے اعتبار سے صرف علمِ دین ہے جس کے ذریعے بندہ اپنے مالک کو راضی کرکے دونوں جہان کی باعزت حیات حاصل کرتا ہے اور جس کے بغیر آدمی زندہ رہتے ہوئے بھی مردہ ہوتا ہے۔ اسی مفہوم کے پیشِ نظر علم کو آبِ حیات سے تعبیر کیا گیا، بدونِ علم کے خدا کی معرفت ناممکن ہے کہ بے علم نتواں خدارا شناخت۔

اللہ تعالیٰ علمِ صحیح (علمِ دین) ہم سب کو عطا فرمائیں اور عمل کی توفیق بخشیں، آمین۔

قصّہ عزرائیل علیہ السلام کا بغور دیکھنا ایک شخص کو

ایک سادہ انسان حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس کا چہرہ خوف سے زرد ہورہا تھا۔ پس حضرت سلیمان علیہ السلام نے دریافت کیا کہ تم کیوں خوف زدہ ہو۔ اس نے عرض کیا کہ مجھے حضرت عزرائیل علیہ السلام نے غضبناک نظر سے دیکھا، اس وجہ سے مجھے بے حد تشویش ہے۔ ارشاد فرمایا کہ پھر تم کیا چاہتے ہو۔

اس نے کہا: مجھے یہاں سے ہندوستان پہنچادیجیے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہوا کو حکم دیا کہ اس کو ہندوستان میں اس مقام پر پہنچادو جہاں یہ جانا چاہتا ہے۔

دوسرے دن حضرت عزرائیل علیہ السلام سے حضرت سلیمان علیہ السلام نے بوقتِ ملاقات دریافت کیا کہ آپ نے ایک مسلمان کو اس طرح غور سے کیوں دیکھا جس سے وہ تشویش میں مبتلا ہوا، کیا تمہارا ارادہ اس کی روح کو قبض کرنا تھا اور بیچارے کو اسی غریب الوطنی میں لاوارث کرنا تھا۔

انہوں نے کہا: میں نے اس کو تعجب سے دیکھا تھا کیوں کہ اس کی روح کے قبض کا حکم مجھے ہندوستان میں ملا تھا۔

کہ مرا فرمود حق کامروز جاں
جانِ اورا تو بہندوستاں ستاں

ترجمہ: حق تعالیٰ نے مجھے حکم فرمایا تھا کہ آج اس کی جان تو ہندوستان میں قبض کرلے۔

دیدمش اینجا وبس حیراں شدم
در تفکر رفتہ سرگرداں شدم

اور میں نے اس کو یہاں دیکھا تو بس حیران رہ گیا اور فکر میں سرگرداں ہوگیا۔

چوں بامرِ حق بہندوستاں شدم
دیدمش آنجا و جانش بستدم

جب حکمِ الٰہی سے میں ہندوستان پہنچا تو میں نے اس کو وہاں موجود پایا اور اس کی جان میں نے قبض کرلی۔

تو ہمہ کارِ جہاں را ہمچنیں
کن قیاس و چشم بکشا و ببیں

اے مخاطب! تو اس جہان کے تمام کارناموں کو اسی پر قیاس کرلے اور آنکھیں کھول کر مشاہدہ کرلے۔

از کہ بگریزیم از حق ایں محال
از کہ بر تابیم از حق ایں وبال

ہم کس سے بھاگ رہے ہیں؟ حق تعالیٰ سے ارے! یہ خیال محال ہے، ہم کس سے سرکشی کررہے ہیں؟ حق تعالیٰ سے، ارے! یہ وبال ہی وبال ہے۔

فائدہ: اس واقعہ سے یہ بات معلوم ہوئی کہ ہر وقت اللہ تعالیٰ سے معاملہ صاف رکھو یعنی حقوق اللہ اور حقوق العباد کے تمام فرائض، واجبات ادا کرکے ہی چین سے بیٹھو کہ نہ

معلوم کہاں اور کس وقت ہم دنیا سے حساب کے لیے طلب کر لیے جائیں۔

رہ کے دنیا میں بشر کو نہیں زیبا غفلت
موت کا دھیان بھی لازم ہے کہ ہر آن رہے

جو بشر آتا ہے دنیا میں یہ کہتی ہے قضا
میں بھی پیچھے چلی آتی ہوں ذرا دھیان رہے

قصّہ حسنِ تدبیر تشنہ لب بر لبِ دریا

ایک دریا کے کنارے ایک تشنہ لب (پیاسا) بیٹھا تھا اور دریا کے کنارے ایک دیوار حائل تھی۔

بر لبِ جو بود دیوارِ بلند
بر سرِ دیوار تشنہ درد مند

کسی نہر کے کنارے بلند دیوار تھی اور دیوار پر ایک شخص پیاسِ شدید میں مبتلا تھا۔ پانی کے لیے بے قرار تھا۔ اور پانی سے یہ دیوار حائل اور مانع تھی، اس شخص نے دیوار سے ایک اینٹ پانی میں پھینک دی، پانی کی آواز سے اس کو بہت مسرّت اور تسلی ہوئی، اس نے بار بار دیوار سے ایک ایک اینٹ نکال کر پانی میں ڈالنا شروع کیا۔ پانی نے اس سے کہا تم مجھے اینٹ سے کیوں مارتے ہو، اس میں تمہارا کیا فائدہ۔ تشنہ نے کہا: اس میں دو فائدے ہیں:

فائدۂ اول سماعِ بانگِ آب
کو بود مر تشنگاں را چوں رُباب

اول فائدہ پانی کی آواز سننا ہے کہ پیاسوں کے لیے یہ آواز مثلِ سازِ خوش آواز ہے۔

پستیٔ دیوار قربے می شود
فصلِ او درمانِ وصلے می شود

دوسرا فائدہ یہ ہے کہ دیوار اینٹوں کی کمی سے پست ہورہی ہے اور جس قدر یہ نیچی ہوتی جارہی ہے اسی قدر پانی سے قرب بڑھتا جارہا ہے۔ پس دیوار کی جدائی پانی کی ملاقات کا ذریعہ ہے۔

فائدہ: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ اے اللہ! آپ سے ملاقات کا کیا ذریعہ ہے۔ ارشاد ہوا:

دَعْ نَفْسَكَ وَتَعَالَ

نفس کو چھوڑ دو اور میرے پاس آجاؤ۔

اس حکایت سے سالکین کے لیے یہ سبق ملتا ہے کہ سالک اور طالب اللہ کی پیاسِ شدید میں مبتلا ہے اور نفس سامنے دیوارِ بلند کی طرح حائل ہے اور نفس کے آگے دریائے قربِ حق ہے، اب جو طالب نفس کو مٹانا شروع کرے گا یعنی ایک ایک خواہش خلافِ شرع کو جو مثل اینٹ کے ہے دیوار نفس کی۔ دریائے قرب میں حصولِ رضائے الٰہی کے لیے گرانا شروع کردے تو اس سے دو فائدے ہوں گے:

اول: یہ کہ ہر بری خواہش پر عمل نہ کرنے اور اس کی مرضیٔ حق میں فنا کر دینے سے دریائے قربِ الٰہی سے احساسِ قرب عطا ہو گا۔

فائدۂ دوم: یہ کہ نفس کی دیوار جس قدر پست ہوتی جاوے گی، دریائے قربِ حق سے سالک قریب ہوتا جاوے گا۔ یہاں تک کہ فنائیتِ تامّہ ایک دن قربِ تام کا سبب ہو گا۔

فنائیتِ تامّہ سے مراد یہ ہے کہ اپنی تمام خواہشات کو اللہ تعالیٰ کی مرضیات کے تابع کردے، جس دن یہ مقام مجاہدات اور کسی اللہ والے کی غلامی کے صدقے میں عطا ہو گا تو کیسی کچھ پاکیزہ حیات عطا ہو گی، اس کا کچھ تصور خواجہ صاحب مجذوب رحمۃ اللہ علیہ کے کلام سے کر لیا جاوے ؎

میں رہتا ہوں جنت میں دن رات گویا
مرے باغِ دل میں وہ گلکاریاں ہیں

ہر دم ہے ایک بارشِ انوار قلب پر
ہر وقت ہے تصورِ جانانہ آج کل

جاذب ہزار حسن ہو اٹھتی نہیں نظر
مجذوب ہر حسیں سے ہے بیگانہ آج کل
ہٹتا نہیں خیال کسی دم حبیب کا
وہ مست ہوں میں نغمۂ اِنّی قریب کا

مجذوب خستہ حال سمجھتے ہیں سب جسے
کیا جانے حال خوش کوئی اس خوش نصیب کا
اب اور ہی کچھ ہے مرے دن رات کا عالم
ہر وقت ہے اک ان سے مناجات کا عالم

اب دل میں شب و روز جو ہے ان کا تصور
فرقت میں بھی رہتا ہے ملاقات کا عالم

قصّہ انجامِ وعدۂ فردا

ایک شخص نے ایک کانٹے دار درخت لوگوں کی رہ گزر پر لگایا۔ جس قدر یہ درخت بڑھتا گیا مخلوق کے پاؤں اس کے کانٹوں کے زخم سے پُر خون ہونے لگے۔

ہر دمے آں خاربن افزوں شدے
پائے خلق از زخمِ او پُر خوں شدے

خلق نے اس کو ملامت کی لیکن اس پر کچھ اثر نہ ہوا سوائے اس کے کہ وعدہ کر لیا کرتا کہ کل اس کو اکھاڑ دیں گے۔ حتیٰ کہ اس فعلِ خبیث سے حاکمِ وقت کو اطلاع ہوئی۔

چوں کہ حاکم را خبر شد زیں حدیث
یافت آگاہی ز فعلِ آں خبیث

حاکمِ وقت نے بھی اس کو حکم دیا کہ اس کو اکھاڑ دے، پھر بھی یہ ظالم یہی کہتا رہا کہ کل اکھاڑ دیں گے اور یہ وعدۂ فردا وعدۂ امروز نہ بن سکا۔ اس تاخیر کا انجام یہ ہوا کہ یہ درخت مضبوط ہو گیا اور اس قدر جڑیں گہرائی میں چلی گئیں کہ اس کا اکھاڑنا مشکل ہو گیا اور یہ ظالم اس کے اکھاڑنے سے عاجز ہو گیا۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اسی طرح ہماری بری عادتیں اور گناہ کے خصائل ہیں کہ ان کی اصلاح میں جس قدر دیر کی جاوے گی ان کی جڑیں مضبوط تر ہوتی جاویں گی جس طرح سے کہ

آں درختِ بد جواں تر می شود
ویں کنندہ پیر و مضطر می شود

وہ بُرا درخت جوان ہوتا گیا اور اس کا اکھاڑنے والا بوڑھا اور کمزور ہوتا گیا۔

خاربن ہر روز ہر دم سبز تر
خارِ کن ہر روز زار و خشک تر

خاردار درخت تو ہر روز سبز تر ہو رہا ہے اور اس کو اکھاڑنے والا ہر روز کمزور ہو رہا ہے۔

بارہا از فعلِ خود نادم شدی
بر سرِ راہِ ندامت آمدی

اے مخاطب! بارہا تو اپنے برے فعل سے نادم ہوا اور راہِ ندامت پر آگیا۔

بارہا از خوئے خود خستہ شدی
حس نداری سخت بیحس آمدی

بارہا تو اپنی بری عادت سے عاجز و تباہ ہوا ہے، کیا تو بے حس ہو گیا اے مخاطب! تو انتہا درجہ کا بے حس ہے۔

یا تبر بردار و مردانہ بزن
تو علی وار ایں درِ خیبر بکن

اے بے حس کاہل! اُٹھ اور اپنی پرانی بری عاتوں کی اصلاح کے لیے تبر (برچھی) اٹھا اور مردانہ وار حملہ کر اور مثل حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس دروازۂ خیبر کو اکھاڑ دے۔

فائدہ: اس قصے میں مولانا کا مقصود اس نصیحت کو بیان کرنا ہے کہ سالک اور طالبِ حق کو اپنی بری عادت اور گناہ کی عادت کی اصلاح میں وعدۂ فردا کبھی نہ کرنا چاہیے۔ یعنی یہ نہ کہے کہ کل کروں گا اور جب کل آوے تو پھر یہی کہے کہ کل کرلوں گا۔ اس طرح شیطان اس کل یعنی وعدۂ فردا کو موت تک کھینچ لے جاوے گا اور بے اصلاح ذلیل وخوار قبر میں ڈال کر چین وخوشی منائے گا۔ کیوں کہ جس طرح اس واقعہ میں خار دار درخت کو لگانے والا دیر کرنے سے اکھاڑ نہ سکا اسی طرح تم اصلاح میں جتنی دیر کروگے، اسی قدر بری عادتیں اپنی جڑیں مضبوط کرلیں گی اور تم مرورِ ایام ولیالی سے (دن رات کے گزرنے سے) بوڑھے اور کمزور ہی ہوتے جاؤگے جس کے سبب ان برائیوں کے درختوں کو اکھاڑنا یعنی ان کی اصلاح مشکل ہو جاوے گی، اس لیے بلا تاخیر اٹھو اور ہمّت کا تبر اٹھاؤ اور مثلِ حضرت علی رضی اللہ عنہ برائیوں کے دروازۂ خیبر کو اکھاڑ پھینکو اور جس طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ہمت کا فیض بار گاہِ رسالت سے عطا ہوا تھا، تو بھی بار گاہِ رسالت کے غلاموں سے (اللہ والوں سے) رشتہ جوڑ لے اور ان کی صحبت سے یہ فیضِ مردانہ حاصل کرلے۔

حضرتِ اقدس مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اب بھی کوئی کرسی خالی نہیں، قطب، غوث اور ابدالوں کی سب کرسیاں پُر ہیں۔

ہنوز آں ابرِ رحمت دُر فشاں است
خم و خمخانہ با مہر و نشان است

یہی اولیائے کرام جو تمہارے سامنے زندگی میں حقیر، خستہ حال اور بے قدرے معلوم ہوتے ہیں ایک صدی گزرنے کے بعد تاریخ میں یہی لوگ جنید رحمۃ اللہ علیہ، رومی رحمۃ اللہ علیہ، عطار رحمۃ اللہ علیہ و شبلی رحمۃ اللہ علیہ معلوم ہوں گے۔ یہ خیال احمقانہ ہے کہ اب پہلے جیسے بزرگ کہاں ملتے ہیں۔ یہ شیطانی خیال ہے جس سے ان کی صحبت کے فیض سے محروم رکھنا چاہتا ہے۔ کیا جسمانی بیماریوں کے سلسلے میں کوئی یہ کہہ کر علاج سے محروم

رہتاہے کہ اجی! اب جالینوس اور سقراط وافلاطون کہاں ہیں ان ہی موجودہ ڈاکٹروں سے علاج کراتے ہیں۔ اسی طرح روحانی اور قلبی بیماریوں کی اصلاح کے لیے یہی موجودہ متبعِ سنت حضرات جن کو اکابرِ سلسلہ سے اجازتِ بیعت حاصل ہے۔ ان سے رجوع کرکے اپنی اصلاح شروع کردی جاوے اور اصلاح کے لیے بیعت کا انتظار بھی نہ کیا جاوے کہ بیعت سنتِ غیر مؤکدہ ہے اور اصلاحِ نفس فرض ہے، پس فرض کی تاخیر محض سنت کی خاطر سے کیسے جائز ہوگی۔ البتہ اصلاح شروع کرلینے کے بعد اگر مناسبت معلوم ہو تو سنت سمجھ کر برکت کے حصول کے لیے بیعت بھی ہو جاوے ۔ کیوں کہ بیعت سے طرفین کو تعلقِ خاص ہو جاتا ہے جس سے نفع زیادہ مرتب ہوتا ہے ۔

حکایت کھینچنا چوہے کا مہارِ شتر

ایک چوہے نے ایک اونٹ کی مہار ہاتھ میں لے کر بھاگنے کی کوشش کی، اونٹ نے یہ حرکت دیکھ کر اس کی بے وقوفی کو اور ڈھیل دی اور اپنے کو اس کے تابع کر دیا۔ جدھر آگے وہ چوہا چل رہا تھا، پیچھے پیچھے یہ اونٹ مثلِ تابعدار غلام کے چل رہا تھا۔ یہاں تک کہ ایک دریا سامنے آیا، اب تو چوہے کے اوسان خطا ہوئے اور سوچنے لگا کہ اب تک تو میں نے ایسے عظیم القامت جسم کی راہ بری کی اور مجھے یہ فخر تھا کہ اونٹ میرا تابع تھا مگر پانی میں راہ بری کس طرح کروں، یہ سوچتے ہوئے چوہا کھڑا ہو گیا۔

موش آنجا ایستاد و خشک گشت
گفت اشتر اے رفیقِ کوہ و دشت

چوہا تو وہیں کھڑا ہو گیا اور خشک ہو گیا۔ اونٹ نے کہا: اے ساتھی میرے پہاڑ و جنگل کے!

ایں توقف چیست و حیرانی چرا
پا بنہ مردانہ اندر جو در آ

یہ توقف کیوں اور یہ حیرانی کیوں اندر دریا کے مردانہ قدم رکھ دے۔

چوہے نے کہا: میں اس میں ڈوب جانے کا خوف کرتا ہوں۔

اونٹ نے کہا: اچھا میں دیکھتا ہوں کہ پانی کس قدر ہے آیا تم ڈوب سکو گے یا نہیں، ایک قدم دریا میں رکھ کر کہا: اے موش اور اے میرے شیخ وراہ بر! صرف گھٹنے تک پانی ہے یہاں تک تو راہ بری کیجیے۔

چوہے نے کہا: جہاں پانی تمہارے گھٹنے تک ہے وہاں تو میرے سر پر کئی گنا پانی اونچا ہو گا میرے اور تمہارے زانو میں فرق ہے۔

اونٹ نے کہا: اب گستاخی نہ کرو سیدھے سیدھے پانی میں آکر راہ بری کرو آپ کو تو میری راہ بری پر بڑا ناز و فخر تھا اور بڑے بڑے اعزاز حاصل تھے۔ اے احمق! میں نے تیرے پیچھے اس لیے اقتدا کی تھی تاکہ تیری حماقت اور زیادہ ہو جاوے۔

چوہے نے کہا: پانی میں اترنا میری ہلاکت ہے۔ میری توبہ ہے، آپ معاف کر دیجیے آیندہ آپ کا مقتدا اور شیخ بننے کا کبھی خیال بھی نہ گزرے گا۔

گفت توبہ کردم از بہرِ خدا
بگزرازیں آبِ مہلک مر مرا

چوہے نے کہا: میں نے اللہ کے لیے توبہ کی، میری جان اس خطرناک پانی سے چھڑا لیجیے۔

اونٹ کو چوہے کی توبہ اور ندامت پر رحم آیا اور اس نے کہا: اچھا آ میرے کوہان پر بیٹھ جا اور سو تیرے جیسے اور چوہے بھی میری پیٹھ پر بیٹھ کر ایسے پانی سے بحفاظت گزر سکتے ہیں۔

تو رعیت باش چوں سلطاں نۂ
خود مراں چو مردِ کشتیباں نۂ

تو رعایا بن کر رہ اگر تجھ کو خدا نے سلطان نہیں بنایا اور کشتی مت چلا جب تجھے کشتیبانی (ملاحی) نہیں آتی۔

خدمتِ اکسیر کن مس وار تو
جور می کش اے دل از دلدار تو

اور مثلِ تانبا کے تو اہلِ کیمیا کی خدمت کر کہ وہ اپنے فیضِ صحبت سے تجھے سونا بنا دے

یعنی کسی اللہ والے کی صحبت میں رہ کر اس کی نازبرداری سہہ لے تاکہ۔

گر تو سنگِ خارہ و مر مربوی

چو بصاحبدل رسی گوہر شوی

اگر تو پتھر کی طرح بے حس ہے یعنی خشیت وخوفِ آخرت سے محروم ہے تو جا کسی اہلِ دل (اللہ والے) سے تعلق قائم کر کہ اس کی صحبت سے تو موتی بن جاوے گا۔

عیب کم گو بندۂ اللہ را

متّہم کم کن بدزدی شاہ را

(فارسی میں کم مطلق نفی کے لیے ہے، اردو والا کم مراد نہیں ہوتا)

اللہ والوں کے متعلق عیب گوئی سے باز آجاؤ اور شاہ کو چوری کا الزام مت لگاؤ کہ اسے چوری کی کیا ضرورت ہو سکتی ہے۔

فائدہ: اللہ والے اپنے باطن میں بڑی دولت رکھتے ہیں، ان کے سامنے ہفت اقلیم بھی ہیچ ہے کیوں کہ خالقِ ہفت اقلیم سے ان کے دل کا رابطہ قائم ہو چکا ہے۔ پھر انھیں حقیر مت سمجھو اور اپنے روز و شب کو ان کے روز و شب پر قیاس مت کرو اور مثل اس چوہے کے اپنے دنیاوی ٹھاٹ باٹ یا علمی و عملی جاہ سے دھوکا نہ کھاؤ، اگر تم کسی طرح بھی ان پر برتری کا احساس رکھوگے تو محروم اور ذلیل ہوگے، بالآخر ان ہی کی پیٹھ پر بیٹھ کر ہی راستہ پار کرنا پڑے گا اور اسی چوہے کی طرح توبہ کرنی ہوگی، اس لیے روزِ اول ہی اپنے دماغ سے فانی دنیا کی جاہ و عزت اور مال و دولت اور علمِ ظاہری اور عملِ بے روح کا پندار احمقانہ نکال کر کسی اللہ والے سے نیاز مندانہ تعلق کرلو، چند دن کے بعد اس حقیقت سے تم خود آگاہ ہو جاؤ گے اور قسمیں اٹھاؤ گے کہ۔

تو نے مجھ کو کیا سے کیا شوقِ فراواں کر دیا

پہلے جاں پھر جانِ جاں پھر جانِ جاناں کر دیا

اور اپنے شیخ کے متعلق تم بھی یہی کہو گے جو حضرت مجذوب رحمۃ اللہ علیہ نے کہا۔

نقشِ بتاں مٹایا دکھایا جمالِ حق
آنکھوں کو آنکھیں دل کو مرے دل بنادیا

غفلت میں دل پڑا تھا کہ ناگاہ آپ نے
آگاہ حق سے غیر سے غافل بنادیا

مشکل تھا دین سہل تھی دنیا اب آپ نے
مشکل کو سہل، سہل کو مشکل بنادیا

ہمت بڑھا کے بارِ امانت کا آپ نے
مجھ جیسے ناتواں کو بھی حامل بنادیا

آہن کو سوزِ دل سے کیا نرم آپ نے
نا آشنائے درد کو بسمل بنادیا

مجذوبؔ در سے جاتا ہے دامن بھرے ہوئے
صد شکر حق نے آپ کا سائل بنادیا

حکایت قتل کرنا ہاتھی کے بچے کو اور اس کا انجام

ہندوستان کا واقعہ ہے کہ ایک عقل مند نے اپنے دوستوں کے ایک گروہ کو دیکھا کہ وہ لوگ کسی سفر میں وطن سے بہت دور جانکلے اور بھوک سے بے چین ہوئے۔ اس عقل مند نے انھیں مشورہ دیا کہ دیکھو تمہارے سامنے ہاتھی کے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں، ان کا شکار ہرگز مت کرنا کہ ہاتھی کہیں گیا ہوا ہے وہ واپس آکر تمھیں زندہ نہ چھوڑے گا۔ میری نصیحت کو غور سے سن لو۔ لیکن بھوک کے سبب ان سے صبر نہ ہوا اور انھوں نے ایک بچہ ہاتھی کا پکڑا اور اس کا کباب کھایا۔ اس عقل مند نے کہا: کاش! تم لوگ اس جنگل کی گھاس کھالیتے لیکن اس فعل سے احتیاط کرتے۔ اب اس کا انجام بھی دیکھ لوگے۔

اس گروہ کے ایک شخص نے اس عقل مند فقیر کی نصیحت پر عمل کیا اور اپنا پیٹ محفوظ رکھا اور کچھ پتّے اور گھاس کھا کر اس گروہ سے دور سو رہا۔ کیوں کہ اس نے سوچا کہ ظالموں کے ساتھ رہ کر میں بھی ان ہی میں شمار ہو جاؤں گا اور ہاتھی مجھے بھی نہ چھوڑے گا۔

تھوڑی دیر میں ہاتھی آیا اور اور اپنے بچے کا خون دیکھا۔ اور سمجھ گیا اور شدتِ غضب و غصے سے اس کی سونڈ سے آگ اور دھواں نکلنے لگا۔ پس وہاں آیا جہاں یہ لوگ سوئے ہوئے تھے اور ایک آدمی کو دیکھا کہ الگ سویا ہوا ہے، پہلے اسی دور سوئے ہوئے کا منہ سونگھا اور تین مرتبہ اس کا چکر لگایا مگر اپنے بچے کے گوشت کی بو نہ پایا۔ اس کو بے گناہ سمجھ کر معاف کر دیا اور آگے بڑھا پھر اس گروہ کے پاس گیا اور ہر ایک کا منہ سونگھا اور ہر ایک کو اپنے بچے کے قتل کی پاداش میں سونڈ سے کھینچ کر دو ٹکڑے کر کے ہواؤں میں بکھیر دیا۔

اب مولانا فرماتے ہیں کہ اے لوگو! تم خدا کی مخلوق کی جانوں کو ہلاک کرتے ہو اور اموال کو غصب کرتے ہو۔ اللہ بھی ان ظالموں سے خوب باخبر ہے۔

بوئے رسوا کرد مکر اندیش را
پیل داند بوئے بچہ خویش را

ظلم کا مکر ظالم کے منہ کی بو ظاہر کر دیتی ہے۔ ہاتھی اپنے بچے کی بو کو خوب پہچانتا ہے۔

آنکہ یابد بوئے حق را از یمن
چوں نیابد بوئے باطل را ز من

جو ذاتِ گرامی صلی اللہ علیہ وسلم بوئے خدا کو یمن سے محسوس کر لیتی ہے کیا وہ زمانے کے اہلِ باطل کو نہ پہچانے گی۔

گفت پیغمبر کہ بر دستِ صبا
از یمن می آیدم بوئے خدا

مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہواؤں کے ہاتھ پر یمن سے مجھ کو اللہ کی خوشبو آرہی ہے (یعنی حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ کی محبتِ حق اور ان کے اخلاص اور ایمان کی خوشبو)۔

بوئے کبر و بوئے حرص و بوئے آز
در سخن گفتن بیاید چوں پیاز

اے مخاطب! تکبر اور حرص وخواہش کی بدبو گفتگو میں ظاہر ہو جاتی ہے مثلِ پیاز کھائے ہوئے منہ سے پیاز کی بدبو کے۔

تو ہمی خسپی وبوئے آں حرام
میزند بر آسمانِ سبز فام

اے مخاطب! تو گناہ کر کے سوتا ہے اور اس کی حرام بو آسمان سبز فام تک پہنچتی ہے۔

فائدہ: اس واقعہ کو بیان فرما کر میرے مرشد و شیخ فرمایا کرتے تھے کہ ہاتھی کو اپنی بد بختی سے چھیڑ دینا اتنا خطرناک نہیں (کیوں کہ وہ اپنی تکلیف کا تحمل کرلے گا) جتنا کہ اس کے بچوں کو چھیڑنا خطرناک ہے۔ یعنی پھر کیفرِ کردار کو پہنچا کر دم لیتا ہے۔ پھر اس مثال سے نصیحت فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی توبہ سے معاف ہو جاتی ہے مگر اللہ والوں کو ستانے والوں سے اللہ انتقام لیتا ہے۔

چناں چہ حدیثِ قدسی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جس نے میرے اولیاء کو اذیت دی اس سے میں اعلانِ جنگ کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے اولیاء کے ادب واکرام کی توفیق بخشیں۔ آمین

فضیلتِ درخواستِ دعا از دیگراں

گر نداری تو دمِ خوش در دعا
رو دعا میخواہ ز اخوانِ صفا

اگر تم دعا کے لیے بسببِ شامتِ گناہ زبانِ قبولیت نہیں رکھتے تو جاؤ اللہ والوں سے دعا کی

درخواست کرو کہ وہ اخوانِ صفا تمہارے لیے دعا کریں۔

ایک بار حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وحی آئی کہ اے موسیٰ! مجھ کو ایسے منہ سے پکارو جس منہ سے کوئی خطا نہ ہوئی ہو۔

عرض کیا: اے ہمارے رب! ہمارے پاس ایسا منہ تو نہیں ہے۔

گفت موسیٰ من ندارم آں دہاں
گفت مارا از دہانِ غیر خواں

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: اے رب! میں ایسا منہ نہیں رکھتا ہوں۔

ارشاد ہوا کہ ہم کو دوسروں کی زبان سے پکارو یعنی دوسرے سے دعا کے لیے کہو، دوسرے کی زبان سے تم نے خطا نہیں کی اس لیے تمہارے حق میں وہ بے خطا ہے۔

از دہانِ غیر کے کردی خطا
از دہانِ غیر بر خواں کاے اللہ

غیر کی زبان سے تو نے کب خطا کی ہے پس دوسرے کی زبان سے مجھے اے اللہ کہو۔

(نوٹ) یہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وساطت سے آپ کی امت کو تعلیم مقصود ہے کہ امت ہی خطاکار اور گناہ گار ہوتی ہے اور پیغمبر معصوم ہوتا ہے بظاہر خطاب حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہے مگر دراصل آپ کی امت مخاطب ہے۔

یا دہانِ خویشتن را پاک کن
روحِ خود را چابک وچالاک کن

یا پھر اپنے منہ کو پاک کرلو اور اپنی سست اور غافل روح کو چست وچالاک کرلو۔

(یہ خطاب بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت سے ہے)۔

ذکرِ حق پاک ست چوں پاکی رسید
رخت بر بندد بروں آید پلید

حق تعالیٰ کا ذکر پاک ہے جب ان کا نام لوگے تو تمہارے منہ میں پاکی آجاوے گی اور

ناپاکی اپنا بستر باندھ کر رخصت ہو جاوے گی۔

میگریزد ضدہا از ضدہا
شب گریزد چوں بر افروزد ضیاء

ہر ضد اپنے ضد سے بھاگتی ہے، رات بھاگ جاتی ہے جب دن اپنی روشنی کرتا ہے یعنی نور کے ساتھ تاریکی جمع نہیں ہو سکتی کہ اجتماعِ ضدین محال ہے، اسی طرح اللہ کے نام کی پاکی تمہاری ناپاکی کو دور بھگا دے گی۔

چوں در آید نامِ پاک اندر دہاں
نے پلیدے ماند و نے آں دہاں

جب اللہ کا نام پاک منہ میں آئے گا تو وہاں پلیدی اور گناہ کی تاریکی ٹھہر ہی نہیں سکتی۔

فائدہ: اس واقعہ میں سالکین کے لیے عظیم نصیحت ہے کہ جس حال میں بھی ہو کتنے ہی گناہوں اور برائیوں میں ابتلا ہو مگر اپنی گندگی اور پلیدی کے سبب ذکر میں دیر نہ کرو اور اصلاح کا انتظار نہ کرو بلکہ خود اصلاح بھی ذکر ہی کی برکت سے آسان ہو جاوے گی کیوں کہ ذکر ہی کے نور سے گناہوں کی تاریکی کا احساس[۲۹] بھی ہوتا ہے کہ شے اپنے ضد سے پہچانی جاتی ہے:

اَلْاَشْیَآءُ تُعْرَفُ بِاَضْدَادِھَا

چناں چہ مشاہدہ اور تجربہ ہے کہ ذاکر سے جب خطا ہوتی ہے فوراً اسے توبہ کی توفیق ہوتی ہے، کیوں کہ ذکر کے نور میں گناہوں اور برائیوں کی تاریکی کا احساس فوراً ہو جاتا ہے اور ذکر کے عطر کے بعد گناہوں کی بدبو کا احساس قوی ہو جاتا ہے۔ جس سے جلد توبہ کر کے دل صاف کرنے کی توفیق ہوتی ہے جیسا کہ صاف وشفاف لباس والا معمولی سی گندگی کے دھبے کو برداشت نہیں کر پاتا، جب تک دھو نہیں لیتا چین نہیں ملتا اور گندے لباس والے کو اول تو دھبہ نظر نہ آئے گا کہ پہلے ہی سے کافی دھبے ہیں دوسرے یہ کہ معلوم

---

۲۹ بر دلِ سالک ہزاراں غم بود گر ز باغِ دل خلالے کم بود

ہو جانے پر دھونے کو دل میں تقاضا نہیں ہو گا۔ ان ہی مصالح کے پیشِ نظر اللہ والے سالکین کو پہلے ہی ذکر شروع کرا دیتے ہیں۔ اسی کی برکت سے آہستہ آہستہ سب اصلاحات شروع ہو جاتی ہیں۔

حکایت کہ ہمارا اللہ کہنا لبیکِ خدا ہے

آں یکے اللہ می گفتے شبے
تا کہ شیریں گردد از ذکرش لبے

ایک صوفی درویش ایک رات بہت ہی اخلاص سے اللہ کا نام لے رہا تھا حتّٰی کہ اس پُر خلوص ذکر سے اس کے لب شیریں ہو گئے۔

شیطان نے کہا اے صوفی! خاموش بھی ہو تو بے فائدہ ذکر کی کثرت کر رہا ہے۔ اللہ کی طرف سے تو کوئی جواب تجھے ملتا نہیں، پھر یک طرفہ محبت کی پینگ بڑھانے سے کیا فائدہ؟ شیطان کی اُن پر فریب باتوں سے یہ صوفی شکستہ دل اور افسردہ ہو کر سو گیا اور ذکر ملتوی کر دیا۔

خواب میں دیکھتا ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام تشریف لائے ہیں اور دریافت کر رہے ہیں کہ ذکر سے کیوں غفلت کی۔ صوفی نے کہا کہ اللہ کی طرف سے لبیک کی آواز نہیں آتی جس سے دل میں خیال آیا کہ ہمارا ذکر قبول نہیں۔

حضرت خضر علیہ السلام نے کہا کہ تجھ کو اللہ نے یہ پیغام بھیجا ہے اور فرمایا ہے کہ میرے اس بندے سے کہہ دو کہ

گفت آں اللہ تو لبیکِ ماست
واں نیاز و سوز و دردت پیکِ ماست

اے بندہ! تیرا اللہ کہنا ہی میرا لبیک ہے یعنی جب تیرا پہلا اللہ قبول ہو جاتا ہے تب دوسری بار تجھے اللہ کہنے کی توفیق ہوتی ہے پس یہ دوسری بار اللہ کہنا میری طرف سے لبیک ہے اور اے بندہ! تیرا یہ نیاز اور میرے عشق میں یہ سوز و درد سب میرا پیغام ہے۔

حیلہا و چارہ جوئیہائے تو
جذبِ مابود و کشادایں پائے تو

اوراے بندہ! میری محبت میں تیری یہ تدبیریں اور ذکر و شغل اور محنتیں سب ہماری طرف سے جذب و کشش کا عکس ہیں، کسی نے خوب کہا ہے۔

میری طلب بھی کسی کے کرم کا صدقہ ہے
قدم یہ اٹھتے نہیں ہیں اٹھائے جاتے ہیں

ترس و عشقِ تو کمندِ لطفِ ماست
زیرِ ہر یاربِّ تو لبیکہاست

اے بندہ! تیرا خوف اور تیرا عشق میری ذات سے میرا ہی انعام ہے اور میری مہربانی ومحبت کی کشش ہے اور تیرے ہر بار یارب اور یااللہ کی پکار میں میرا لبیک بھی شامل ہے۔ یعنی جب تو یااللہ کہتا ہے تو میری یہ آواز بھی وہیں موجود ہے کہ حاضر ہوں میں اے میرے بندہ! فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ۔

جانِ جاہل زیں دُعا جز دور نیست
زانکہ یارب گفتنش دستور نیست

جاہل کی جان اس ذکر و دعا سے محروم ہے اور ان کو یارب یارب کہنے کی توفیق ہی نہیں۔

فائدہ: ذاکرین کے لیے اس حکایت میں بڑی خوشخبری ہے، پس ذکر کے وقت یہ تصور بھی رکھا جاوے کہ ہمارا پہلا اللہ قبول ہوتا ہے جب ہماری زبان سے دوبارہ اللہ نکلتا ہے اور یہی دوبارہ اللہ نکلنا پہلے اللہ کی قبولیت کی علامت ہے۔

مبارک ہو ذاکرین کے لیے یہ انعام۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے ذکر کی تا آخری سانس توفیق بخشیں۔ آمین۔

حکایت پیار کرنا مجنوں کا لیلیٰ کی گلی کے کتے کو

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ایک بار مجنوں نے لیلیٰ کی گلی کے کتے کو کہیں دیکھا اور پہچان لیا اور اس کے پاؤں کو بوسہ دیا اور اسے پیار کیا۔ خلق نے کہا: اے پاگل! یہ کیا کر رہا ہے ایسے نجس و ناپاک عیوب سے پُر جانور کو تو پیار کرتا ہے۔ مجنوں نے جواب دیا:

گفت مجنوں تو ہمہ نقشی و تن
اندر آ بنگر تو از چشمانِ من

مجنوں نے کہا: ارے معترض تو سراپا ظاہری نقش اور جسمِ محض ہے، اے ذوقِ عاشقی سے محروم! تو میرے قلب کی کیفیت سے آگاہی حاصل کر اور اس کو میری آنکھوں سے دیکھ۔

کایں طلسم بستۂ مولیٰست ایں
پاسبانِ کوچۂ لیلیٰست ایں

ارے! یہ کتا میرے مولیٰ کا بنایا اور پیدا کیا ہوا اور میری لیلیٰ کی گلی کا چوکیدار بھی ہے۔

آں سگے کو گشت در کویش مقیم
خاکپایش بہ ز شیرانِ عظیم

میرے نزدیک جو کتا لیلیٰ کی گلی میں مقیم ہے اس کے پاؤں کی خاک بڑے بڑے شیروں سے بہتر ہے۔

آں سگے کہ باشد اندر کوئے او
من بشیراں کے دہم یک موئے او

وہ کتا جو لیلیٰ کی گلی میں رہتا ہے اس کی قیمت میری نگاہ میں اس قدر ہے کہ میں شیروں کے عوض بھی اس کے ایک بال کو نہیں دے سکتا ہوں۔

ایکہ شیراں مر سگانش را غلام
گفتن امکاں نیست خامش والسلام

اے مخاطب! بہت سے شیر لیلیٰ کی گلی کے کتے کے غلام ہوگئے اور چوں کہ یہ راز زبان سے ظہور پذیر نہیں ہوسکتے اس لیے میں خاموش ہوتا ہوں اور السلام علیکم کہتا ہوں۔

گر ز صورت بگزرید اے دوستاں

جنت است و گلستاں در گلستاں

اے لوگو! اگر صورت پرستی سے تم آگے عبور کرجاؤ اور ان صورتوں کے خالق سے رابطہ قائم کرلو کہ خالق ہی حسن کا اصل سرچشمہ و مرکز ہے تو دنیا ہی سے تمھیں جنت کا لطف شروع ہوجاوے اور ہر طرف گلستان ہی گلستان نظر آوے۔

فائدہ: اس حکایت میں یہ سبق موجود ہے کہ لیلیٰ کی محبت میں مجنون کی تو یہ عقل وادب ہو کہ محبوب کی گلی کا کتا بھی پیارا معلوم ہو اور مولیٰ کے عاشقوں کو مکہ شریف اور مدینہ شریف کے شہر والوں سے محبت نہ ہو! اور حج سے واپس آکر ان حضرات کی شکایات اور اعتراضات اور وہاں کی تکلیفوں کا ذکر ہوتا ہے، ایسے لوگوں کے بارے میں تو اندیشہ ہوتا ہے کہ ان کا حج بھی قبول نہیں ہے۔

مدینہ شریف میں ایک شخص نے دہی خریدا اور کہا: ارے! یہ تو کھٹا ہے اس سے اچھا تو ہندوستان کا دہی ہوتا ہے، رات کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ او بے ادب! او عشق سے محروم! مدینہ خالی کردے تو اس قابل نہیں کہ یہاں رہے۔ اللہ تعالیٰ سوئے ادبی سے ہم سب کو محفوظ رکھے۔ آمین۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ اے لوگو! اہلِ عرب سے محبت رکھو۔ مگر افسوس کہ آج ہم کو ان آداب کا ذرا بھی پاس نہیں۔ میرے دوستو! کوئی بات خیر خواہی سے انھیں کو سمجھانا اور بات ہے اور ان کی برائیوں سے مجلس گرم کرنا اور بات ہے۔ ان کے لیے دل سے دعا کرنا ہماری سعادت ہے۔

اسی طرح اس واقعہ سے علمائے دین اور اولیائے کرام بالخصوص اپنے شیخ و مرشد اور ان کے گھر والوں اور ان کی اولاد کے حقوق وآداب کا پتا چلتا ہے اور اسی طرح مساجد کے اماموں اور مؤذنوں کے احترام کا سبق بھی ملتا ہے کہ ان حضرات کو مولیٰ کے گھروں

کا پاسبان سمجھ کر ان سے محبت اور ان کی خدمت سے حصولِ رضائے الٰہی کی امید رکھو۔

اگر کمشنر کے کتے کو تکلیف دینے سے مخلوق ڈرتی ہے تو دراصل یہ خوف کمشنر کا شمار کیا جاتا ہے، اسی طرح مولیٰ سے جس کو جس قسم کی بھی نسبت خصوصی یا عمومی حاصل ہو اس کا خیال اسی فرقِ مراتب سے کرنا حق تعالیٰ ہی کے آداب بجالانا ہے۔ مگر یہ باتیں محروم لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتی ہیں جیسا کہ مولانا نے فرمایا ہے کہ ؎

اے خدا جوئیم توفیقِ ادب
بے ادب محروم ماند از فضلِ رب

اے خدا! ہم آپ سے ادب کی توفیق مانگتے ہیں کیوں کہ بے ادب وہی ہوتا ہے جو آپ کے فضل سے محروم ہوتا ہے۔

اے اللہ! ہم سب کو توفیقِ ادب نصیب فرما۔ آمین۔

حکایتِ لیلیٰ و خلیفۂ بغداد

ایک بار خلیفۂ بغداد نے لیلیٰ سے کہا:

گفت لیلیٰ را خلیفہ کاں توئی
کز تو مجنوں شد پریشان و غوی

لیلیٰ سے خلیفۂ وقت نے کہا کہ تو ایسی کالی کلوٹی ہے پھر بھی مجنون تیرے عشق میں پاگل ہو رہا ہے۔

از دگر خوباں تو افزوں نیستی
گفت خامش چوں تو مجنوں نیستی

اور تو دوسری خوبصورت عورتوں سے کچھ بھی تو امتیازی صفت نہیں رکھتی پھر یہ مجنون کیوں دیوانہ ہے۔

لیلیٰ نے جواب دیا: اے خلیفہ خاموش! کیوں کہ تو مجنون نہیں۔

دیدۂ مجنوں اگر بودے ترا
ہر دو عالم بے خطر بودے ترا

اے خلیفہ !اگر مجنون کی آنکھیں تجھے بھی حاصل ہو جاویں تو دونوں جہان سے تو بھی بے خیال ہو جاتا۔

باخودی تو لیک مجنوں بے خود ست
در طریقِ عشق بیداری بدست

اے خلیفہ !تو خودی میں مبتلا ہے لیکن مجنون کو میرے عشق نے بے خودی عطا کی ہے اور راہِ عشق میں بے ہوشی مفید اور ہوش مضر ہوتا ہے۔یعنی محبوب سے باہوش و باخبر ہونا اور غیروں سے بے ہوش اور بے خبر ہونا ہی تکمیلِ عشق کی علامت ہوتی ہے۔

فائدہ:اس حکایت میں حسب ذیل نصائح ہیں:

حضرت حاجی امداداللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ، اللہ تعالیٰ سے عرض کرتے ہیں۔

توکر بے خبر ساری خبروں سے مجھ کو
الٰہی رہوں اِک خبر دار تیرا

اس کا مطلب یہ نہیں کہ بال بچوں سے اور اقرباواحباب سے بھی بے خبر ہو جاویں مطلب یہ ہے کہ ان کی خبر گیری بھی اللہ ہی کے لیے ہو ان سے بدلہ لینے یا بدلہ دینے کی نیت نہ ہو، اس اصول کے پیشِ نظر اس نیت واخلاص کی برکت سے رابطہ بالمخلوق بھی رابطۂ خالق کا جزء بن جاتا ہے۔

دوسری نصیحت یہ ہے کہ اللہ ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم اوراولیائے کرام اور بیت اللہ اور بیت الرسول صلی اللہ علیہ وسلم، حجرِاسود، صفاومروہ، منیٰ، عرفات و مزدلفہ۔ تمام مساجداورومساجدکے خدام اور سب پر نگاہِ مجنون اور نگاہ احترامِ عشق ڈالنے والی نظر کو کسی اہلِ نظر کی صحبت سے بھیک مانگ لو۔ کیوں کہ بغیر اللہ والوں کی نظرِ عنایت اور بغیر ان کی صحبت کے فیض کے یہ نظر ملتی نہیں

ہے۔ آنکھوں کی بصارت اور قلب کی بصیرت میں بڑا فرق ہے۔ ہماری ظاہری بصارت باطنی بصیرت کے تابع ہوتی ہے، پس اگر قلبی بصیرت صحیح ہے تو بصارت بھی صحیح دیکھتی ہے اور اگر قلب بیمار ہے کفر یا فسق کی ظلمت سے تو ظاہری بصارت بھی صحیح کام نہیں کرتی اور خلافِ حقیقت بصیرت کے سبب خلافِ حقیقت بصارت میں مبتلا ہونا امرِ لابدی ہوتا ہے۔ اس کی دنیا میں مثال موجود ہے۔ ایک شخص اللہ کا طالب ہے وہ اللہ والوں کی جوتیاں سر پر رکھنے کو اپنی سعادت اور فخر محسوس کرتا ہے۔ دوسرا صرف دنیا کا طالب ہے اور خدا سے روگرداں ہے، یہ دنیاداروں کی خوشامد اور ان کی چمچہ گیری میں فخر محسوس کرتا ہے تو دونوں کی بصیرتِ قلبی کے فیصلوں نے بصارت کو تبدیل اور متضاد کر دیا۔ اس طرح دورِ صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین میں دیکھیے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی بصیرتِ صحیحہ سے آپ کی بصارت نے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا۔ فرماتے ہیں کہ مجھے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ مبارک ایسا چمکدار اور روشن معلوم ہوتا ہے کہ گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ مبارک میں آفتاب چل رہا ہے:

كَأَنَّ الشَّمْسَ تَجْرِىْ فِىْ وَجْهِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ [۳۰]

اور ابوجہل کی بصیرتِ فاسدہ غیر صحیحہ نے اس کی بصارت کو کس درجہ اندھا کر دیا کہ اس کو آئینۂ حق میں حق نظر نہ آیا۔ بلکہ اپنی ہی بدصورتی نظر آئی۔ جیسا کہ ایک حبشی کی حکایت مشہور ہے کہ کہیں سفر کر رہا تھا، راستے میں ایک آئینہ کسی کا گرا پڑا مل گیا اس نے اٹھا کر دیکھا تو اس کو اپنی ہی شکل نظر آئی، کہنے لگا کہ اگر تو ایسا بھدّا، کالا اور موٹے ہونٹ والا نہ ہوتا تو تجھے اس لاپروائی سے کوئی یہاں جنگل میں کیوں ڈال جاتا۔ اس بے وقوف کو یہ حقیقت نہ معلوم ہوئی کہ یہ آئینہ میری ہی صورت کی عکاسی کر رہا ہے۔

تیسری نصیحت یہ ہے کہ اولیائے کرام کو اہلِ ظاہر اپنی نگاہِ محروم وخالی سے دیکھتے ہیں اسی لیے وہ حضرات ان کو محروم اور خالی نظر آتے ہیں۔ ایک دفعہ حضرت حاجی امداداللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ سے ایک محروم شخص کورِ باطن نے کہا کہ

---

۳۰ جامع الترمذی: ۲/۲۰۶، ابواب المناقب، ایچ ایم سعید

مجھے تعجب ہے کہ آپ سے مولانا قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ بانئ دیوبند اور مولانا اشرف علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کیوں مرید ہوئے۔ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ ہاں بھائی! مجھے بھی تعجب ہے کہ مجھ جیسے سے یہ حضرات کیوں مرید ہوئے۔ یہ حضرت کی فنائیت تھی کہ ذرا بھی ناگواری کا اثر اور تغیر ظاہر نہ ہوا۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنا دیوانہ بنالیں۔ آمین ؎

کسی کو رات دن سرگرمِ فریاد و فغاں پایا
کسی کو فکرِ گونا گوں سے ہر دم سرگراں پایا
کسی کو ہم نے آسودہ نہ زیرِ آسماں پایا
بس اک مجذوب کو اس غم کدہ میں شادماں پایا
جو بچنا ہو غموں سے آپ کا دیوانہ ہو جائے

حکایت مجنوں کی صحرا نوردی اور مشق نامِ لیلیٰ

ایک بار مجنوں دریا کے کنارے صحرا میں بیٹھا انگلیوں سے بالو (ریت) پر بار بار لیلیٰ لکھ رہا تھا۔ ایک صحرا نورد نے یہ تماشا دیکھ کر دریافت کیا کہ

گفت اے مجنونِ شیدا چیست ایں
می نویسی نامہ بہرِ کیست ایں

اے مجنوں عاشق! یہ کیا کام کر رہے ہو، یہ خط کس کے لیے لکھ رہے ہو؟

گفت مشقِ نامِ لیلیٰ می کنم
خاطرِ خود را تسلی می دہم

مجنوں نے کہا: لیلیٰ کی جدائی کا غم جب ستاتا ہے تو اس کا نام بار بار لکھنا شروع کر دیتا ہوں اور اس مشقِ نامِ محبوب سے دلِ فرقت زدہ کو تسلی دیتا ہوں۔

عشقِ مولیٰ کے کم از لیلیٰ بود
گوئے گشتن بہرِ او اولیٰ بود

اب مولانا نصیحت فرماتے ہیں کہ اے لوگو! لیلیٰ کا عشقِ مجازی تو یہ اثر دکھادے تو مولیٰ کا عشقِ حقیقی کب لیلیٰ کے عشق سے کم ہوسکتا ہے، مولیٰ کے لیے گیند بن جانا زیادہ اولیٰ ہے، جس طرح گیند کو ہر شخص ٹھوکر لگاتا ہے اور وہ برداشت کرتی ہے اسی طرح عشق کی راہ میں اپنے کو مٹانا مطلوب ہے۔

فائدہ: اس واقعہ میں ان اہلِ ظاہر اور متقشف اور خشک لوگوں کے اس اعتراض کا جواب ہے جو اللہ اللہ کرنے والوں پر ہوتا ہے کہ یہ صوفیا اللہ اللہ کا اتنا ذکر اور اس قدر اظہارِ عشق اور کثرتِ آہ وفغاں کیوں کرتے ہیں، ہم نے بھی تو اس قدر کتابیں پڑھی ہیں ہمارے پاس بھی کتب خانہ ہے، ہم بھی وعظ اور تقریر کرتے ہیں مگر ہم کو یہ باتیں کیوں حاصل نہیں۔ پھر خود ہی دل میں اپنی محرومی کو اس طرح سمجھا لیتے ہیں کہ ان صوفیوں کا ہائے ہو اور ذکر و شغل اور آہ و نالے سب خلق کو دکھانے اور اپنا گرویدہ بنا کر اپنا حلوا مانڈا درست کرنے لیے ہیں۔ ہائے کاش کہ یہ ظالم سچے اللہ والوں کی خلوتوں کا مشاہدہ کرتے کہ وہاں کون مخلوق ہے جس کے سامنے وہ سجدوں میں سجدہ گاہوں کو آنسوؤں سے تر کر رہے ہیں اور اپنی آہوں کو رب العرش تک پہنچا رہے ہیں اور اپنا سب دکھ درد اپنے مولیٰ سے رو لیتے ہیں۔

سارے جہاں کا دکھڑا مجذوب رو چکا ہے
اب اس پہ فضل کرنا یارب ہے کام تیرا

یہ اولیائے پاک ہیں جن کی آہیں اور ان کا سلام وپیام مسلسل عرش اور رب العرش سے رابطہ قائم کیے ہوئے ہیں۔ خاموش بیٹھے ہیں مگر ان کے دل مولیٰ تک اپنے نعرۂ عشق پہنچا رہے ہیں۔

خامش اند و نعرۂ تکرارِ شاں
می رود تا یار و تختِ یارِ شاں

ترجمہ: حضرات صوفیا (حضرات صوفیا سے مراد وہ ہیں جو متبع شریعت ہیں اور بقدرِ ضرورت علمِ دین سے واقف ہیں اور علمائے شریعت کا اکرام کرتے ہیں وہ جہال گمراہ صوفیا ہرگز مراد نہیں جو شریعت سے طریقت کو الگ سمجھتے ہیں اور اہلِ علم کی اہانت کرتے

ہیں۔ خوب سمجھ لیجیے۔) خاموش ہیں مگر ان کے نعروں کی تکرار محبوبِ حقیقی اور تختِ محبوبِ حقیقی تک رساں ہو رہی ہے۔

میرا پیام کہہ دیا جا کے مکاں سے لامکاں
اے مری آہِ بے نوا تو نے کمال کر دیا

(اختر)

ان مبارک تنہائیوں کو کس کو دکھایا جارہا ہے کہ وہ حلوا مانڈا پیش کرے جب کہ یہ آہیں ساری کائنات سے مخفی ہیں۔

آہ را جز آسماں ہمدم نبود
راز را غیرِ خدا محرم نبود

ان مقبولین کی آہوں کا بجز آسمان کے کوئی ہمدم نہیں اور ان کے اس رازِ محبت کا غیرِ خدا کوئی محرم نہیں۔

اب اس واقعہ سے حسیات میں گفتگو کرتا ہوں کہ لیلیٰ جو سڑنے والی، پیشاب پائخانہ والی لاش تھی وہ تو مجنوں بنادے اور وہ ذاتِ پاک جو لاکھوں ایسی لیلیٰ کو بناتی ہے اور پھر بگاڑ دیتی ہے کیا وہ سرچشمۂ نقش و نگار اور مرکزِ حسن اپنے حسن و عشق کا مجنون نہیں بنا سکتی۔ وہ ذات پاک ہے، اس کے مجنوں بھی پاک ہوتے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام اور اولیائے کرام کی جانیں اس کی مجنون ہیں جو دونوں جہان میں سرخرو اور معزز ہیں۔ حق تعالیٰ اپنے عاشقوں کو یہ انعام دیتے ہیں برعکس لیلیٰ کے مجنوں کو کیا ملا؟ اور مجاز تو خود لغت میں خلافِ حقیقت کو کہتے ہیں۔ پھر وہ انعام بھی خلافِ حقیقت دیتا ہے یعنی عشقِ مجازی کا مبتلا ہمیشہ دھوکے میں رہتا ہے، جس حسن پر مرتا ہے وہ حسن محبوب کی موت سے ختم ہو جاتا ہے اور پھر ہاتھ مَلتا ہے یا خود ہی مر گیا تو کس قدر حسرت سے جاتا ہے اور عاشقِ حق کا محبوب حق تعالیٰ کی ذات ہے جو غیر فانی ہے اس لیے اس کے عشق کا ہنگامہ ہمیشہ گرم تر رہتا ہے اور مرتے وقت اپنے محبوبِ حقیقی کی ملاقات کی امید کی مسرت لے کر جاتا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں:

زیں سبب ہنگامہا شد کل ہدر

باشد ایں ہنگامہ ہر دم گرم تر

عاشق اور معشوق دونوں میں سے کسی ایک کی موت یا بسبب بیماری یا بڑھاپا حسن کا زوال ہو جانے سے عشقِ مجازی کے ہنگامے سرد پڑ جاتے ہیں اور عشقِ حقیقی کا ہنگامہ ہر دم اور ہمیشہ گرم تر رہتا ہے۔ مرنے کے بعد برزخ سے میدانِ محشر اور جنت تک خدا کے عاشقین کی زبان پر مولیٰ ہی مولیٰ کی رٹ ہو گی۔

لیلیٰ و مجنوں کی حکایت سے کسی اہلِ نفس کو عشقِ مجازی کے جواز کا شبہ نہ ہونا چاہیے کہ عشقِ مجازی مطلق حرام ہے اور مجاز بالکل حقیقت کی ضد ہے اور اجتماعِ ضدین محال ہے۔

پس مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کا مجنون لیلیٰ کی حکایت سے خدا کی محبت سکھانے کی مثال ایسی ہی ہے جیسے چھوٹے بچوں کو قاعدہ پڑھاتے وقت حروف سکھانے کے لیے لام سے لڈو پڑھایا جاتا ہے کیا وہاں مقصود لڈو ہوتا ہے۔ سب جانتے ہیں کہ وہاں لڈو نہیں دھرا ہوتا بلکہ صرف لام کا حرف سکھانا ہوتا ہے۔

اسی طرح الف سکھانے کے لیے وہیں الّو کی تصویر ہوتی ہے اور پڑھاتے وقت الف سے الّو پڑھایا جاتا ہے، تو کیا اس سے الّو کی اہمیت مقصود ہے یا بچوں کی طبیعت کی رعایت سے الّو اور بندر کا نام لیا جاتا ہے کہ اسی بہانے سے حروف یاد کر لیں گے۔ پس یاد رکھیے۔

خلق اطفالند جز مستِ خدا

نیست بالغ جز رہیدہ از ہویٰ

تمام مخلوق بچے ہیں، نابالغ ہیں سوائے مستانِ خدا اور جانبازانِ خدا کے اور جب تک خواہشاتِ نفس کے چنگل سے آزادی نہ ہو تو وہ بالغ جسم کے اعتبار سے ہے۔ روح کے اعتبار سے نابالغ ہے خواہ سو برس کا ہی کیوں نہ ہو۔ اب ناظرین کو یہ بات واضح ہو جاوے گی کہ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کا حکایتِ مجنون و لیلیٰ بیان کرنا صرف ہمارے طفلانہ طبائع کی رعایت سے ہے تاکہ ہم اسی بہانے سے خدا کی محبت سیکھ جاویں جیسا کہ عشقِ مولیٰ

کے کم از لیلیٰ بُود" سے مولانا نے بالکل واضح کر دیا ہے۔ اگر مجنون کو لیلیٰ کی قبر کھود کر اس کی سڑی ہوئی بدبودار لاش دکھائی جاتی تو اسے بھی اپنی زندگی رائگاں معلوم ہوتی اور عشقِ مجازی سے توبہ کرتا اور حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ مجنون سے پاگل ہونے کے بعد والے اعمال کے متعلق تو مؤاخذہ نہ ہوگا مگر جن اختیاری اسبابِ عشقِ مجازی سے پاگل ہوا ہے اس کے بارے میں اس سے مواخذہ ہو سکتا ہے۔

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ عشقِ مجازی عذابِ الٰہی ہے، خداوند تعالیٰ ہم سب کو محفوظ رکھیں۔ ایک بار تنہائی میں آپ کے بھتیجے مولانا شبیر علی صاحب مرحوم نے کسی طالبِ علم کو کسی کام سے بھیجا۔ حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ بالاخانے کے کسی حجرے میں تصنیف کر رہے تھے اس امرد کو دیکھتے ہی نیچے اتر آئے اور ایک منٹ بھی خلوت گوارا نہ کی اور مولانا شبیر علی صاحب کو حکم دیا کہ کسی امرد کو تنہائی میں میرے پاس نہ بھیجا کرو۔

حق تعالیٰ کے راستے میں اختلاط اجنبیہ عورت اور امرد (حسین لڑکے) کا زہرِ قاتل ہے ان دو چیزوں سے سالکین اور طالبینِ حق کو اس طرح دور رہنا چاہیے جس طرح زہریلے سانپ سے۔

حسنِ فانی پر اگر تو جائے گا
یہ منقش سانپ ہے ڈس جائے گا

(مجذوبؒ)

دوسرے گناہوں سے سالک کو اتنا ضرر نہیں پہنچتا جتنا کہ بدنگاہی اور عشقِ مجازی کے فتنے سے ضرر ہوتا ہے، نہایت سخت تاریکی عشقِ مجازی سے پیدا ہوتی ہے بلکہ یوں کہیے کہ سمتِ قبلہ بالکل تبدیل ہو جاتی ہے یعنی قلب اگر قطب نما تصور کیا جاوے اور اس کی سوئی کو حق تعالیٰ کی طرف نوے درجہ زاویہ قائمہ مغرب پر سمجھا جاوے تو دوسرے معاصی اور گناہوں سے اگر یہ سوئی دو چار ڈگری شمال و جنوب مائل ہوتی ہے تو توبہ سے

جلد ہی پھر نوے درجہ پر آجاتی ہے مگر عورتوں اور لڑکیوں کے عشق میں اگر دل مبتلا ہو گیا اور بد نگاہی اور اس کے خیال نے دل میں جگہ پکڑ لی تو اب قلب کی سوئی سمتِ مشرق کو نوے درجہ پر زاویہ قائمہ بنائے گی اور ایسے قلب کو حق تعالیٰ سے شرق و غرب کی دوری ہو گی۔ اے اللہ! اختر (رحمۃ اللہ علیہ) اور اس کی جسمانی و روحانی اولاد اور تمام مسلمانانِ عالم کو عشقِ مجازی کے عذاب سے محفوظ فرما۔ آمین۔ ثم آمین

یَارَبَّ الْعَالَمِیْنَ بِرَحْمَتِكَ وَبِنَبِیِّكَ نَبِیِّ الرَّحْمَةِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ

(نوٹ) اگر عشقِ مجازی کی ناپاک بیماری دل میں لگ چکی ہو تو فوراً کسی اللہ والے سے رجوع کیا جاوے، اس کا ان کے پاس مکمل اور شافی علاج موجود ہے اور ہزارہا بندگانِ خدا اس طرح شفایاب ہو گئے اور سنکھیا کشتہ ہو جانے پر نہایت مفید طاقت کی دوا بن جاتی ہے۔ اسی طرح نفس کے ان تقاضوں کا کشتہ بھی مفید ہوتا ہے۔ جس طرح خام سنکھیا مہلک ہے اسی طرح نفس کے برے تقاضوں پر عمل بھی مہلکِ دین و دنیا ہے اور ان کا امالہ راہِ حق میں مفید اور معین ہوتا ہے۔

حکایتِ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی توحید کے بیان میں

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وحی آئی کہ اے موسیٰ! ہم نے تم کو اپنا برگزیدہ بنالیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: اے رب! وہ کیا خصلت ہے جس سے آپ بندوں کو اپنا برگزیدہ بناتے ہیں تاکہ میں اس خصلت میں ترقی کروں۔ ارشاد ہوا:

گفت چو طفلی بہ پیشِ والدہ
وقتِ قہرش دست ہم بروے زدہ

حق تعالیٰ نے فرمایا کہ مجھے اپنے بندے کی یہ ادا بہت پسند آتی ہے کہ جب وہ میرے ساتھ مثل اس چھوٹے بچے کے معاملہ کرتا ہے جو اپنی ماں کے عتاب و قہر پر بجائے بھاگنے کے ماں ہی سے لپٹ جاتا ہے:

مادرش گر سیلئے بروے زند
ہم بمادر آید و بروے تند

اور جب ماں اپنے چھوٹے بچے کو طمانچہ مارتی ہے تو وہ ماں ہی کی طرف بھاگ کر اسی پر گر کر اسے مضبوط پکڑ کر چلّاتا ہے۔

احقر نے بارہا یہ منظر دیکھا ہے کہ ماں نے تین چار سال کے بچے کو خوب مارا اور گھر سے نکالنا چاہا اور وہ چلّاتا روتا ہوا اماں کے پیروں میں لپٹا جا رہا تھا اے اللہ! اپنی رحمت سے اختر (رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً) کو اپنی ذاتِ پاک کے ساتھ اس سے بھی بڑھ کر تعلق عطا فرما اور تمام مسلمانانِ عالم کو بھی یہ دولت عطا فرما۔ آمین۔

از کسے یاری نخواہد غیرِ او
اوست جملہ شرّ او و خیرِ او

اور چھوٹا بچہ ماں کے علاوہ کسی سے مدد نہیں چاہتا حتیٰ کہ باپ کی طرف بھی توجہ نہیں کرتا اور اپنی ہی ماں کو تمام خیر اور شر کا منتہا اور سرچشمہ سمجھتا ہے۔

خاطرِ تو ہم ز مادر خیر و شر
التفاتش نیست جاہائے دگر

اے موسیٰ! آپ کا خیال اور آپ کا تعلق ہمارے ساتھ خیر و شر میں اسی طرح ہے کہ ہمارے علاوہ کسی دوسری جگہ آپ کی توجہ نہیں جاتی۔

غیرِ من پیشت چو سنگست و کلوخ
گر صبیّ و گر جوان و گر شیوخ

اے موسیٰ! آپ کے سامنے ہمارا غیر، خیر و شر اور نفع و ضرر میں مثل ڈھیلے اور پتھر کے ہے یعنی مطلق بے اثر ہے خواہ وہ غیر بچہ ہو یا جوان ہو یا بوڑھا ہو۔

فائدہ: اس حکایت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مقامِ توحید بیان فرما کر مولانا نے یہ نصیحت فرمائی ہے کہ ہم بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنا تعلق اور اعتقاد ایسی سطح پر لانے کی دعا اور سعی و تدبیر کریں جیسے ایک طفلِ صغیر (چھوٹا بچہ) ماں پر جس قدر اعتماد کرتا ہے اسی طرح حق تعالیٰ ہم کو جس حال میں رکھیں تکلیف یا آرام، صحت یا بیماری، تنگدستی یا فراخدستی ہر خوش اور ناخوش، شیریں اور تلخ، موافقِ طبع اور ناموافقِ طبع کل حالات میں

ہم حق تعالیٰ ہی سے رجوع کریں، ان ہی کی طرف بھاگیں۔ ان ہی کی چوکھٹ پر پیشانی رکھیں اور گریہ وزاری، آہ وفغاں کرکے ان ہی سے عافیت مانگیں اور اپنے گناہوں سے استغفار کریں اور حق تعالیٰ کے علاوہ کسی کو بھی اپنا چارہ گر اور جائے پناہ نہ سمجھیں اور اس کے باوجود بھی وہ جس حال میں رکھیں راضی رہیں اور اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی کُلِّ حَالٍ کہیں۔ ہماری ناراضگی اور بے صبری سے مصیبت توٹلے گی نہیں البتہ ایمان ہاتھ سے جاتا رہے گا۔ دنیاکے ساتھ آخرت بھی جاوے گی۔ دعاکی قبولیت میں تاخیر ہو کبھی نہ گھبرائے، امیدوار رہے۔ مایوسی کو کفر سمجھے۔ سیدنا یعقوب علیہ السلام کی دعا بیٹے حضرت یوسف علیہ السلام کی بازیابی کے بارے میں چالیس سال بعد قبول ہوئی، وہ حاکم ہیں اور حکیم بھی ہیں، وہی جانتے ہیں کہ غم کی آگ سے ایمان اور اخلاص کے نور میں کیا ترقی ہورہی ہے اور جنت میں اس صبر کا کیا درجہ ملنے والا ہے جو مجاہدۂ اختیاری سے ہرگز نہ مل سکتا تھا۔ پردیس کے دن کٹ ہی جاتے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام اور حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے مصائب کو یاد کرے۔ اس سے تقویت ہوگی۔ اللہ والوں کی صحبت میں حاضری دے اور ان سے اپنے حالات کہہ کر مشورہ لیتا رہے اور اللہ تعالیٰ سے اپنے ضعف و عجز کا اقرار کرتے ہوئے عافیتِ دارین طلب کرتا رہے اور ان کے ارحم الراحمین ہونے کی صفت کو اور حکیم ہونے کی صفت کو بھی خوب سوچے، یہ سب باتیں بزرگوں کی صحبت کی برکت سے خوب سمجھ میں آجاویں گی۔ یہاں اسی مختصر پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔

ایک بات اور یاد رہے کہ چھوٹی مصیبت بڑی مصیبت سے نجات کا ذریعہ ہوا کرتی ہے بس یوں کہے کہ اے اللہ! شکر ہے کہ اس سے بڑی مصیبت نہ آئی اور اے اللہ! ہم ضعیف ہیں، اس کو بھی اپنی رحمت سے نعمتِ عافیت سے تبدیل فرمادیجیے۔ ایک بزرگ گھر سے صبح کو نکلے، سر میں چوٹ لگ گئی، چوٹ کی تکلیف سے لیٹ گئے اور کہا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی کُلِّ حَالٍ

اللہ حکیم ہے، ان کے ہر کام میں بندے کے لیے خیر و حکمت پوشیدہ ہے۔

ملازم نے اعتراض کیا کہ یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ اس چوٹ میں آپ کا کیا نفع ہوسکتا ہے؟

تھوڑی دیر بعد معلوم ہوا کہ جس طرف یہ بزرگ جانے والے تھے وہاں چند دشمنانِ دین ان کو لاٹھی لیے جان سے مارنے کے لیے کھڑے تھے۔ پھر تو سب کی آنکھیں کھل گئیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو بھی ایسا ہی حسنِ اعتقاد عطا فرمادیں جو حق تعالیٰ کی محبوبیت اور مقبولیت کے انعام کا ذریعہ بن جاوے۔ آمین۔

قصّہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا بلقیس کو دعوتِ اسلام دینا

حضرت سلیمان علیہ السلام نے بلقیس کو بذریعۂ قاصد پیغام بھیجا کہ اے بلقیس!

خیز بلقیسا بیاؤ ملک بیں
بر لبِ دریائے یزداں در بچیں

اے بلقیس! اٹھ اور ملکِ اصلی تعلق مع اللہ کا دیکھ اور دریائے حق کے کنارے پر رضائے الٰہی کے موتی چن لے

خواہرانت ساکنِ چرخِ سنی
تو بمرداری چہ سلطانی کنی

تیری بہنیں جو ایمان لاچکی ہیں اللہ تعالیٰ کے شرفِ تعلق کی برکت سے آسمان روشن پر مقیم ہیں یعنی قربِ اعلیٰ سے مشرف ہیں، اے بلقیس! تجھے کیا ہوگیا ہے کہ تو ایک مردار دنیا پر عاشق ہے۔

خواہرانت راز بخششہائے داد
ہیچ میدانی کہ آں سلطاں چہ داد

اللہ تعالیٰ نے تیری ان بہنوں کو اپنی عظیم عنایات سے کیا کیا بخششیں کی ہیں، کچھ تجھے بھی خبر ہے؟

خیز بلقیسا بیا دولت نگر
جاوداں از دولتِ ما برخور

اے بلقیس! اٹھ اور آ دولتِ باطنی دیکھ اور ہماری دولتِ باطنی سے ہمیشہ پھل کھا۔

خیز بلقیسا بیا دولت در بحرِ جود

ہر دمے بر دار بے سرمایہ سود

اے بلقیس! اٹھ اور بحرِ جود میں آ اور بے سرمایہ کے نفع حاصل کر۔ ہمارے پاس سرمایۂ عبادات وغیرہ بھی اپنا نہیں ہے، سب فضلِ الٰہی اور توفیقاتِ الٰہیہ کا ثمرہ ہے۔

خواہر انت جملہ در عیش و طرب

بر تو چوں خوش گشت ایں رنج و تعب

تیری مؤمنات بہنیں سب کی سب عیشِ ایمانی سے لطف اڑا رہی ہیں اور تو دنیا کا رنج وتعب کب تک برداشت کرتی رہے گی۔

خیز بلقیسا سعادت یار شو

و ز ہمہ ملکِ سبا بے زار شو

اے بلقیس! اٹھ اور سعادت کی ساتھی ہو جا اور تمام ملکِ سبا جو فانی ہے اس سے بے زار ہو جا۔

تو زِ شادی چوں گدائے طبل زن

کہ منم شاہ و رئیسِ گولخن

تو خوشی سے مثل اس فقیر کے ڈھول بجا رہی ہے جس نے اپنی تنگ دستی کے باوجود ڈھول بجانا شروع کیا اور کہا: میں کوڑیوں کا بادشاہ ہوں اور رئیس ہوں تو کیا اس فقیر کو اس شور وغل سے کوئی بادشاہ سمجھ لے گا۔ اسی طرح تو اس دنیا کی بادشاہ اور رئیس بنتی ہے جو کہ اس کوڑی سے بھی زیادہ پلید اور گندی ہے لہٰذا اس کو ترک کر دے اور آخرت کی دائمی دولت کی طرف حریص ہو جا۔

خیز بلقیسا کنوں با اختیار

پیش ازانکہ مرگ آرد گیر و دار

اے بلقیس! اٹھ اور اپنے ارادے واختیار سے ہدایت کو قبول کرلے قبل اس کے کہ اسی گندگی اور مردار پرستی کی حالت میں تجھے موت آ کر بے اختیار کر دے۔

خیز بلقیسا بیا پیش از اجل
در نگر شاہی و ملکِ بے دغل

اے بلقیس ! آجا اور موت سے پہلے اسلام قبول کرلے اور حق تعالیٰ کے قرب کی سلطنتِ لازوال کا کرّ و فر دیکھ لے۔

خیز بلقیسا بجاہِ خود مناز
اندریں در گہ نیاز آور نہ ناز

اے بلقیس ! اٹھ اور اپنے نازِ بے جا پر ناز مت کر کہ بارگاہِ حق میں نیازمندی ہی قبول ہوتی ہے، وہاں ناز کی کوئی قدر و قیمت نہیں۔

خیز بلقیسا وَ مستہ با قضا
ورنہ مرگ آید کُشد گوشِ ترا

اے بلقیس ! اٹھ اور قضا سے جنگ نہ کر۔ ورنہ موت آئے گی اور تیرا کان پکڑ کر مالکِ حقیقی کے پاس لائے گی اس وقت ندامت کے سوا کیا ملے گا۔

بعد ازاں گوشت کشد مرگ آنچناں
کہ چو دزد آئی بشحنہ جاں کُناں

اے بلقیس ! اگر آج اپنے اختیار سے تو نے اسلام نہ قبول کیا تو اس کے بعد موت تیرا کان اس طرح کھینچے گی جس طرح چور کو سپاہی کوتوال کے پاس کھینچتا ہے۔

زیں خراں تا چند باشی نعل دزد
گر ہمی دزدی بیا و لعل دزد

اے بلقیس ! ان گدھوں سے کب تک نعل کی چوری کرتی رہے گی اگر چوری ہی کرنی ہے تو آجا اور اسلام قبول کرلے پھر لعل کی چوری کرنی شروع کر۔ یعنی مجھ سے دولتِ باطنی کا فیض لینا شروع کر دے اور دنیا پرستی سے باز آجا۔

خواہرانت یافتہ ملکِ خلود
تو گرفتہ ملکتِ کورِ کبود

اے بلقیس! تیری بہنیں ایمان واسلام کی دولت سے سلطنتِ لازوال کی مالک ہیں اور تو دنیائے حقیر لیے خوش ہورہی ہے۔

اے خنک آنجاں کزیں ملکت بجست
کہ اجل ایں ملک را ویراں گرست

مبارک ہے وہ شخص جو اس ملکِ فانی کی محبت سے آزاد ہوگیا کیوں کہ موت اس دنیا کو اور دنیا کی تمام لذتوں کو ہم سے چھڑانے والی ہے، تو وہی شخص اچھا ہے جو اس بے وفا کو منہ ہی نہ لگائے بس بقدرِ ضرورت دنیا حاصل کرلے لیکن دل سے دور رکھے اور دولتِ اخروی میں ہمہ تن وہمہ وقت مصروف رہے۔

خیز بلقیسا بیا بارے ببیں
ملکتِ شاہاں وسلطانانِ دیں

اے بلقیس! اٹھ اورآاور دین کے سلاطین کی سلطنتِ لازوال کا مشاہدہ کر۔ وہ اس سلطنت کو ہر وقت اپنے ساتھ لیے پھرتے ہیں۔

كَمَا قَالَ اللهُ تَعَالٰى: نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ[۳۱]

حق تعالیٰ مؤمنینِ کاملین کے قلوب میں ایسا نور عطا فرمادیتے ہیں کہ وہ اس نور کو لیے لوگوں میں پھرا کرتے ہیں۔ وہ نور ہی اس کا باغ وبہار ہے مگر عام مخلوق اس باغ کو نہیں دیکھ سکتی۔

طواف میکن بر فلک بے پر و بال
ہمچو خورشید و چوبدر و چوں ہلال

آسمان پر بے بال وپر کے خورشید اور بدر وہلال کی طرح طواف کرتے رہو۔ یعنی اے لوگو! اللہ کی محبت سیکھو اور عرش والے سے رابطہ کرکے پستی سے نکل کر فلک پر مثل سورج وچاند کے روشن ہوجاؤ۔

۳۱؎ الانعام:۱۲۲

ہم تو شاہ و ہم تو لشکر ہم تو تخت
ہم تو نیکو بخت باشی ہم تو بخت

اے بلقیس! ایمان لانے کی برکت سے تو ہر وقت اپنی ذات کے اندر مستقل سلطنت ولشکر و تختِ شاہی کا مشاہدہ کرے گی۔ کیوں کہ سلاطین کو تخت و تاج کی بھیک دینے والا تیرے قلب پر اپنے لطف و کرم کے ساتھ سایہ فگن ہوگا، اس وقت تو کس قدر نیک بخت ہوگی بلکہ سراپا بخت ہوگی۔

تو زِخود کے گم شوی اے خوش خصال
چوں کہ عینِ تو تر اشد ملک و مال

اے وہ جان پاک جو اللہ تعالیٰ کی محبت و قرب و رضا کی سلطنتِ لازوال اور دولتِ غیر فانی سے مالامال ہوگئی ہے ایسی جان بذاتِ خود سلطنت و دولت ہے پس موت کے وقت تمام چیزیں جدا ہوں گی لیکن تو اپنی ذات سے کیسے الگ ہوسکتا ہے یعنی دولتِ قربِ باطنی جو تیری ذات میں داخل تھی اس کو تیری روح اپنے ساتھ لے کر روبرو حاضر ہوگی۔ کیوں کہ تیرا ملک و حال تیری عینِ ذات بن چکا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام بلقیس کو دعوتِ اسلام پیش کررہے ہیں کہ اے بلقیس! اس ظاہری ملک و مال کو چھوڑ اور باطنی دولت کو حاصل کر۔ اس سے یہ سب ملک و مال اور سب حشم و خدم خود تیرے اندر پیدا ہوجائیں گے اور پھر تجھے اس ظاہری ٹھاٹ باٹ کی ضرورت نہ رہ جاوے گی اور اس دولتِ ظاہری کے ہوتے ہوئے تو صرف خوش بخت ہے لیکن بخت اور تو ایک نہیں ہے، بخت تجھ سے ایک مبائن شے ہے لیکن اگر تو اسلام قبول کرلے تو اس دولتِ باطنی کے صدقے میں بخت خود تیرا عینِ ذات ہوجاوے گا۔ اور پھر کبھی اس دولت کا زوال نہ ہوگا۔

حکایت حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فرعون کو دعوتِ اسلام پیش کرنا

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے فرمایا کہ تو میری ایک بات مان لے

اور اس کے عوض مجھ سے ۴؍ نعمتیں لے لے۔ اس پر اس نے کہا: وہ ایک بات کیا ہے؟

آپ علیہ السلام نے فرمایا: تو علی الاعلان اس بات کا اقرار کرلے کہ خدا کے سوا اور کوئی خدا نہیں۔ وہ بلندی پر افلاک اور ستاروں اور پستی میں انسانوں، شیاطین، جنات اور جانوروں کا پیدا کرنے والا ہے۔ نیز پہاڑوں، دریاؤں اور جنگلوں اور بیابانوں کا بھی خالق ہے، اس کی سلطنت غیر محدود ہے اور وہ بے نظیر و بے مثل ہے اور ہر شخص و ہر مکان کا نگہبان ہے اور عالم میں ہر جاندار کو رزق دینے والا ہے، آسمانوں اور زمین کا محافظ ہے۔ نباتات میں پھول پیدا کرنے والا اور بندوں کی دلوں کی باتوں پر مطلع ہے۔ سرکشوں پر حاکم اور ان کی سرکوبی کرنے والا ہے۔ وہ ہر بادشاہ کا بادشاہ ہے، حکم اسی کا ہے اور وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے، کوئی اس کی مزاحمت نہیں کرسکتا۔

یہ سب سن کر فرعون نے کہا: اچھا اس کے عوض میں وہ چار چیزیں کیا ہیں جو آپ ہم کو دیں گے تاکہ شاید ان عمدہ عمدہ وعدوں کے سبب میرے کفر کا شکنجہ ڈھیلا ہو جاوے اور میرے اسلام سے سینکڑوں کے کفر کا قفل ٹوٹ جاوے اور وہ مشرف باسلام ہوں اور آپ کی ان باتوں سے میری زمینِ شور میں سبزۂ معرفتِ حق سبحانہٗ پیدا ہو جائے۔ اے موسیٰ! جلد اپنے وعدوں کو بیان کرو ممکن ہے کہ میری ہدایت کا دروازہ کھل جائے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حکمِ الٰہی سے فرعون کو چار چیزوں کا انعام سنانا شروع کیا اور فرمایا کہ اگر تو اسلام قبول کرلے تو:

۱) نعمت تجھے یہ ملے گی کہ تو ہمیشہ تندرست رہے گا اور کبھی بیمار نہ ہو گا اور تو موت کا خواہاں ہو گا یعنی اپنے خانۂ تن میں تعلق مع اللہ کا ایسا خزانہ دیکھے گا جس کے ملنے کی توقع میں تو اپنی تمام خواہشاتِ نفسانیہ کو مرضیاتِ الٰہیہ کے تابع کرنے کے لیے مجاہدات میں جان تک دینے کو تیار ہو گا۔ جس طرح کسی کے گھر میں خزانہ دفن ہو تو اس خزانۂ مدفونہ کی خاطر خوشی خوشی اپنے گھر کی ویرانی کو تیار ہو جاتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کے عاشقین اپنی خواہشات کے گھر کو رضائے مولیٰ اور تعلق مع اللہ کی دولت کے لیے خوشی خوشی ڈھا دینے کو تیار ہو جاتے ہیں۔ مگر پھر جو دولت ملتی

ہے وہ رشکِ ہفت اقلیم ہوتی ہے۔ خواہشات کے ابر کو پھاڑنے کے بعد ہی ماہتابِ حقیقی کا نورِ تاباں مست کر دیتا ہے۔

۲)دوسری نعمت یہ کہ اے فرعون! جس طرح ایک کیڑے کو ہراپتا اپنے اندر مشغول کر کے انگور سے محروم کرتا ہے اسی طرح یہ دنیائے حقیر تجھے اپنے اندر مشغول کر کے مولائے حقیقی سے محروم کیے ہوئے ہے۔ آدمی کیڑے کی طرح لذائذِ جسمانیہ میں مصروف ہوتا ہے لیکن جب حق تعالیٰ کا فضل شاملِ حال ہو جاتا ہے تو وہ متنبہ ہو کر ان کو چھوڑ دیتا ہے اور مشغول بحق ہو جاتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کے رگ وریشہ میں ذکرِ حق سما جاتا ہے اور وہ متخلق باخلاق اللہ ہو جاتا ہے۔

۳)تیسری نعمت تجھے یہ ملے گی کہ ابھی تو ایک ملک تجھے عطا ہے اور اسلام کے بعد تجھے دوملک عطا ہوں گے، یہ ملک تو تجھے خدا تعالیٰ کے ساتھ بغاوت کرنے کی حالت میں عطا ہوا ہے تو پھر اطاعت کی حالت میں کیا کچھ عطا ہو گا جس کے فضل نے تجھے تیرے ظلم کی حالت میں اس قدر دیا ہے تو اس کی عنایت وفا کی حالت میں کس درجہ ہو گی۔

۴)چوتھی نعمت یہ ملے گی کہ تو جوان رہے گا اور تیرے بال ہمیشہ کالے رہیں گے اور یہ نعمتیں یعنی جوانی اور بالوں کا ہمیشہ کالا رہنا وغیرہ ہمارے نزدیک بہت حقیر ہیں مگر میرا پالا ایک نادان بچے سے ہے اور بچوں کو یہی وعدہ پسند آتا ہے کہ اگر تو مکتب جاوے گا تو تجھے اخروٹ دوں گا حالاں کہ علم کی نعمت کے سامنے ایک اخروٹ کی کیا حیثیت ہے۔

ان وعدوں کو سن کر فرعون کا دل کچھ کچھ اسلام کی طرف مائل ہوا اور اس نے کہا: اچھا میں اپنی اہلیہ سے مشورہ کرلوں، اس کے بعد وہ گھر گیا اور حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا سے مشورہ کیا۔ حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا نے جو مشورہ دیا وہ عجیب وغریب ہے اور مولانا نے کس پیارے انداز سے اسے بیان فرمایا ہے ؎

باز گفت او ایں سخن با آسیہ
گفت جاں افشاں بریں اے دلِ سیہ

فرعون گھر گیا اور اپنی بیوی حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا سے یہ ماجرا بیان کیا، انہوں نے کہا ارے! اس وعدے پر جان قربان کر دے۔

بس عنایتہاست متنِ ایں مقال
زود دریاب اے شہِ نیکو خیال

یہ گفتگو بہت سی عنایات کی شرح ہے اور وہ عنایات اس کے واسطے بمنزلہ متن کے ہیں پس تو ان کو جلدی سے حاصل کرلے اور ہرگز مت چھوڑ۔

وقت کشت آمد زہے پر سود کشت
ایں بگفت و گریہ کرد و گرم گشت

کھیتی تیار ہے اور نہایت مفید ہے، اب تک جو وقت گزرا ہے سب بے سود گزرا، یہ کہا اور زار زار رونے لگیں اور ان کو ایک جوش آگیا اور کہا: تجھے مبارک ہو، اے گنجے! آفتاب تیرا تاج ہوگیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تیری برائیوں کی پردہ پوشی کی اور تجھے دولتِ باطنی دینا چاہتے ہیں، گنجے کا عیب تو معمولی ٹوپی چھپاسکتی ہے مگر تیرے عیوب کو تو حق تعالیٰ کی رحمت کا تاج چھپانا چاہتا ہے۔ میرا مشورہ تو یہ ہے کہ اے فرعون! تو مشورہ نہ کر۔ تجھے تو اسی مجلس میں فوراً اس دعوت کو خوشی خوشی قبول کرلینا چاہیے تھا۔ یہ بات جو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پیش کی ہے یہ ایسی ویسی بات تو نہ تھی جس میں تو مشورہ ڈھونڈتا ہے، یہ تو ایسی بات تھی کہ سورج جیسی رفیع المرتبۃ مخلوق کے کان میں پڑتی تو سر کے بل اس کو قبول کرنے کے لیے آسمان سے زمین پر آجاتا۔ تجھے معلوم ہے کہ یہ کیا وعدہ ہے اور کیا عطا ہے۔ اے فرعون! یہ رحمت تجھ پر خدا کی ایسی ہے جیسے ابلیس پر رحمت ہونے لگے۔ یہ حق تعالیٰ کا معمولی کرم نہیں کہ تجھ جیسے سرکش اور ظالم کو یاد فرمارہے ہیں۔ ارے! مجھے تو یہ تعجب ہے کہ اس کرم کو دیکھ کر خوشی سے تیرا پتّہ کیوں نہیں پھٹ گیا اور وہ برقرار کیسے رہا۔ اگر تیرا پتّہ خوشی سے پھٹ جاتا تو دونوں جہان سے تجھے حصہ مل جاتا۔ دنیا میں نیک نامی اور آخرت میں نجات عطا ہوتی۔ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس کا پتّہ خدا تعالیٰ کی راہ میں غم یا خوشی سے پھٹ جاوے وہ شہید

ہوتا ہے اور دونوں عالم کے منافع سے متمتع ہوتا ہے۔

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب اللہ والوں کو نااہلوں سے پالا پڑتا ہے تو ان کو اپنے مذاق کے موافق بنانا چاہتے ہیں اور جب وہ ان کے مذاق کے موافق نہیں بنتے تو انھیں اذیتیں دینا شروع کر دیتے ہیں، اللہ والوں کے آنسو جو زمین پر گرتے ہیں، فرشتے ان کو اپنے منہ اور پروں پر ملتے ہیں اور حق تعالیٰ شہیدوں کے خون کے برابر انہیں وزن کرتے ہیں۔ حضرت آسیہ رضی اللہ عنہانے فرعون سے کہا۔

اللہ اللہ زود بفروش و بخَر
قطرۂ دہ بحرِ پُر گوہر ببر

حضرت آسیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہانے کہا: اے فرعون! اللہ اللہ! تو پس وپیش نہ کر، اپنے ایک قطرے کو فوراً دے دے تاکہ اس کے عوض میں اس رسولِ پاک سے دریا پا جاوے یعنی اپنے نفس کو جھکادے اور تکبر سے اعراض نہ کر تاکہ دریائے قربِ حق سے تو مشرف ہو جاوے۔

اللہ اللہ ہیچ تاخیرے مکن
کہ ز بحر لطف آمد ایں سخن

ایسی دولتِ عظمیٰ کس قطرے کو ملتی ہے کہ اسے خود سمندر طلب کرے، یہ تجھ پر نہایت ہی شفقت ہے کہ تجھے بلا رہا ہے، تو کیوں دیر کرتا ہے، جلد اپنے کو ان کے ہاتھوں پر فروخت کر دے کیوں کہ دریائے لطف کی طرف تجھے دعوت دی جارہی ہے۔

اللہ اللہ زود بشتاب و بجو
چوں کہ بحرِ رحمت ست ونیست جو

ارے! جلدی دوڑ اور اس دریا کو طلب کر کیوں کہ وہ رحمت کا سمندر ہے، کوئی معمولی ندی نہیں ہے۔

اللہ اللہ گوئے شو بے دست و پا
تا شود چوگانِ موسیٰ پا ترا

ارے! اگر تو بے دست وپا ہے اور اپنی ذاتی سعی سے اس دریا تک نہیں پہنچ سکتا تو اپنے کو حکمِ موسیٰ (علیہ السلام) کا بالکل مطیع کردے اور تو چوگانِ موسوی کے لیے گیند ہو جاوہ تیرا پاؤں ہو جاوے گا۔

اللہ اللہ تو گمانِ بد مبر
بر چنیں انعامِ عامِ اے بے خبر

ارے! جن انعامات کا تجھ سے وعدہ کیا جارہا ہے تو ان پر بدگمانی مت کر اور انھیں فریب ودھوکا مت سمجھ۔

اللہ اللہ زود دریاب اے فتیٰ
تا نگردی در غلط بینی فنا

اللہ اللہ! ان انعامات کو جلد حاصل کرتا کہ تو غلط بینی سے دھوکا کھا کر برباد نہ ہو۔

اللہ اللہ ترک کن ہستیٔ خود
چوں کہ خواندست بر و اے معتمد

اور جب حق تعالیٰ تجھے خود طلب کررہے ہیں تو دیر مت کر جہاں تک ممکن ہو جلدی کر اور اپنی گردن خدا کے سامنے جھکا دے۔

اللہ اللہ زود تر تعجیل کن
بر فروز از ایں بشارت بے سخن

اللہ اللہ! جلد عمل کر اور اس بشارت سے خوش ہو جا۔

اللہ اللہ تا کنوں کثر باختی
گردن اندر معصیت افراختی

اللہ اللہ! کب تک سرکشی کرتا رہے گا اور گردن تکبر سے اونچی رکھے گا۔

اللہ اللہ چوں عنایت در رسید
بے توقف دروے آمیز اے عنید

اللہ اللہ! ذرا بھی توقف مت کر اور جلد محبوبِ حقیقی سے مل جا۔

اللہ اللہ چوں کہ عصیاناتِ تو
او نمی بالد بروبت شکر گو

اللہ اللہ! جب وہ اللہ تجھے تیرے گناہوں پر شرمندہ نہیں کر رہا ہے تو اس کا شکر ادا کر۔

اللہ اللہ چوں زِ فضلت راہ داد
سر بخاکِ پائے او باید نہاد

اللہ اللہ! جب خدا تجھے اپنے فضل سے اپنے تک رسائی کا راستہ دے رہا ہے تو حضرتِ حق سبحانہٗ تعالیٰ کے سامنے گردن جھکا دے۔

اللہ اللہ با چنیں کفرِ دو تو
چوں قبولت می کند اکرامِ او

اللہ اللہ! دیکھ تو سہی کہ اے فرعون! اس قدر تیرے کفرِ عظیم کے باوجود اس کا اکرام تجھے کیوں کر قبول کر رہا ہے؟ کیا یہ انعام وعطائے شاہی قابلِ قدر نہیں۔

لطف اندر لطف اوگم می شود
کا سفلے بر چرخ ہفتم می شود

اب مولانا جوش میں آکر فرماتے ہیں کہ تمام الطاف اس کے لطف کے سامنے ہیچ ہیں کیوں کہ ایک خاکی فلکِ ہفتم تک پہنچ جاتا ہے اور ناسوتی ملکوتی بن جاتا ہے حالاں کہ۔

خود کہ یابد با چنیں بازار را
کہ بیک گل می خری گلزار را

اور حضرت آسیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا کہ اے فرعون! ایسا عجیب بازار کس کے ہاتھ لگتا ہے کہ ایک گل کے عوض گلزار ملتا ہو۔

دانۂ را صد درختاں عوض
حبّہ را آمدت صدکاں عوض

اور ایسا بازار کہ ایک دانے کے عوض سو درخت ملتے ہوں اور ایک حبہ کے عوض سینکڑوں کانیں عطا ہوتی ہوں۔

چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک

یہ ساری تقریر سن کر فرعون نے کہا: اچھا ہم اپنے وزیر ہامان سے بھی مشورہ لے لیں۔

حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ اس سے یہ بیان نہ کرو کہ وہ اس کا اہل نہیں بھلا اندھی بڑھیا بازِ شاہی کی قدر کیا جانے لیکن فرعون نہ مانا اور ہامان سے مشورہ لیا۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نااہل کے مشیر بھی نااہل ہوتے ہیں۔ چناں چہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مشیر تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تھے اور ابوجہل کا مشیر ابولہب تھا۔ ہر شخص اپنے ہم جنس سے مشورہ لینا پسند کرتا ہے۔

الغرض فرعون کی باتیں ہامان نے جب سنیں تو بہت اچھلا کودا اور غم سے اپنا گریبان چاک کر ڈالا اور شور مچانا، رونا دھونا شروع کیا اور ٹوپی وعمامہ کو زمین پر پٹک دیا اور کہا: ہائے! حضور کی شان میں موسیٰ (علیہ السلام) نے ایسی گستاخی کی۔ آپ کی شان تو یہ ہے کہ تمام کائنات آپ کی مسخّر ہے۔ مشرق سے مغرب تک سب آپ کے پاس خراج لاتے ہیں اور سلاطین آپ کے آستانے کی خاک چومتے ہیں۔ انہوں نے آپ کی سخت توہین کی۔ آپ تو خود پوری دنیا کے لیے مسجود اور معبود بنے ہیں اور آپ ان کی بات مان کر ایک ادنیٰ غلام بننا چاہتے ہیں۔ آپ خدا ہو کر اپنے ہی بندے کا بندہ بننے کے لیے مشورہ کرتے ہیں، میرے نزدیک تو ہزاروں آگ میں جلنا اس توہین سے بہتر ہے۔ اگر آپ کو اسلام کی دعوت قبول ہی کرنا ہے تو ہمیں پہلے ہی مار ڈالیے تاکہ میں حضور کی یہ توہین اپنی آنکھ سے نہ دیکھوں، آپ میری گردن فوراً ماردیں کہ میں اس منظر کو دیکھنے کی تاب نہیں رکھتا کہ آسمان زمین بن جاوے اور خدا بندہ بن جاوے یعنی ہمارے غلام ہمارے آقا بن جاویں اور ہم ان کے غلام بن جاویں۔

اب مولانا اس ہامان بے ایمان کو ڈانٹ پلاتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اے ہامان مردود! کتنی ایسی حکومتیں جو مشرق تا مغرب پھیلی تھیں مگر خدا کے قہر سے آج

ان کا نام ونشان نہیں ہے گویا کہ یہاں کوئی بستی ہی نہ تھی۔ مشرق و مغرب تو خود باقی رہنے والے نہیں ہیں، تو یہ دوسروں کو کس طرح باقی رکھ سکتے ہیں۔

ایں تکبر زہرِ قاتل داں کہ ہست
از مئے پر زہر گشت آں کیج و مست

یہ تکبر جو ہامان میں تھا زہرِ قاتل تھا اور اسی زہر آلود شراب سے ہامان بدمست ہو کر احمق ہو گیا تھا اور اس ملعون کے مشورے سے فرعون نے قبولِ حق سے انکار کرکے خود کو دائمی رسوائی وعذاب کے حوالے کر دیا۔ حق تعالیٰ ہم سب کو استنکاف اور تکبر سے محفوظ فرمادیں۔ آمین۔

جب فرعون ہامان کے بہکانے میں آگیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بات ماننے سے انکار کر دیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ ہم نے تو بہت سخاوت اور عنایت کی تھی مگر تیری قسمت ہی میں نہ تھی، ہم کیا کریں۔

حکایت مجنون اور اس کی ناقہ کی

ایک دفعہ مجنون اونٹنی پر سوار لیلیٰ کی طرف جارہا تھا لیکن جب لیلیٰ کے خیال میں مستغرق ہو کر بے خودی کی حالت ہو جاتی تو مجنون کے ہاتھ سے مہار کی گرفت ڈھیلی ہو جاتی تو اونٹنی لیلیٰ کی طرف چلنے کے بجائے فوراً اپنا رخ مجنون کے گھر کی طرف کرتی کیوں کہ گھر پر اس اونٹنی کا بچہ تھا جس کی محبت اس کو بے چین کیے تھی، جب مجنون کو عالمِ بے خودی سے افاقہ ہوتا تو یہ منظر دیکھ کر سخت حیران و پریشان ہوتا کہ جہاں سے چلا تھا پھر وہاں ہی آپہنچا اور دوبارہ اونٹنی کو لیلیٰ کی طرف چلنے پر مجبور کرتا۔ اس طرح متعدد بار راستے میں یہی ہوا کہ تھوڑی دیر میں لیلیٰ کا خیال اس پر غالب آتا اور بے خودی طاری ہو جاتی اور پھر اونٹنی کافی پیچھے بھاگ آتی۔ بالآخر مجنون کو غصہ آگیا اور اس نے کہا کہ میری لیلیٰ تو آگے ہے اور اس اونٹنی کی لیلیٰ پیچھے ہے یعنی اس کے بچے کی یاد اسے پیچھے بھاگنے پر مجبور کرتی ہے اس لیے یہ راستہ عشق کا طے نہیں ہو سکتا اور میں محبوب کی منزل تک تمام عمر نہ پہنچ سکوں گا پس اوپر ہی سے کود پڑا اور اس کی ایک ٹانگ بھی ٹوٹ گئی۔

جاں ز ہجرِ عرش اندر فاقۂ
تن ز عشقِ خار بن چو ناقۂ

مولانارومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جان صاحبِ عرش (محبوبِ حقیقی تعالیٰ شانہٗ) کی جدائی میں فاقہ زدہ ہے اور جسم اپنے اسبابِ عیش کی جستجو میں مثل اونٹنی کے سمتِ مخالف کو جاتا ہے۔

پائے را بربست گفتا گو شوم
در خمِ چوگانش غلطاں می روم

مجنون نے پاؤں باندھ کر کہا: اب میں گیند بن جاتا ہوں اور لیلیٰ کی کششِ عشق کے چوگان سے لڑھکتا ہوا چلوں گا۔

نوٹ: چوگان اس لکڑی کو کہتے ہیں جس سے گیند کھیلتے ہیں اس کو ہاکی بھی کہتے ہیں۔

عشقِ مولیٰ کے کم از لیلیٰ بود
گوئے گشتن بہرِ او اولیٰ بود

مولانا اب نصیحت اور نتیجہ بیان فرماتے ہیں کہ اس واقعہ سے ہم کو یہ سبق لینا چاہیے کہ لیلیٰ ایک سڑنے والی لاش کی محبت میں تو مجنون کو اس قدر ہمت اور عقل ہو اور ہم مولیٰ کے عاشقین کہلاتے ہیں تو مولیٰ کا عشق لیلیٰ سے کب کم ہو سکتا ہے۔ ان کے لیے تو گیند بن جانا زیادہ اولیٰ ہے۔

فائدہ: اس وقت ہمارے تغافل اور آخرت سے لاپروائی کا بڑا سبب یہی ہے کہ ہماری روح اور عقل تو خدا کی طرف چلنا چاہتی ہے لیکن ہمارا نفس دنیا کی حرص و محبت میں مجنون ہو کر دنیا کی طرف بھاگتا ہے۔ نفس سے ہمہ وقت یہی جنگ ہے، آخرت اور دنیا دو لیلیٰ سے ہمارا پالا پڑا ہے، بس جو لیلیٰ باقی ہے اس کو لے لو اور جو لیلیٰ فانی ہے اس پر صبر کر لو اس کا یہ مطلب نہیں کہ دنیا کو ترک کر دو اور جنگل بھاگ جاؤ۔ یہ تو جہالت ہے بس آخرت کو دنیا پر غالب کر لو۔ یہی کافی ہے لیکن اس کی ہمت کسی اللہ والے کی محبت اور اس کی غلامی ہی سے عطا ہوتی ہے۔

حکایت ایک شخص کا دن میں چراغ لے کر پھرنا

ایک شخص دن کی روشنی میں چراغ لے کر بازار کے اطراف وجوانب میں پھر رہا تھا۔ کسی شخص نے کہا کہ تجھے کیا ہو گیا ہے کہ دن کی روشنی میں چراغ کی ضرورت پیش آرہی ہے۔اس نے کہا کہ میں ہر طرف آدمی ڈھونڈتا ہوں مجھے کوئی آدمی نہیں ملتا۔اس نے جواب دیا کہ آدمیوں سے تو یہ بازار ہی بھرا پڑا ہے۔اس نے کہا کہ؂

ایں نہ مرد انند ایں ہا صورت اند
مردۂ نانند کشتہ شہو تند

اس نے کہا کہ اس بازار میں کوئی مرد نہیں ہے، صرف صورت مرد کی سی ہے یہ سب روٹی اور خواہشاتِ نفسانیہ کے مارے ہوئے ہیں۔

ایں کہ می بینی خلافِ آدم اند
نیستند آدم غلافِ آدم اند

اے مخاطب! اس بازار میں تو جن انسانوں کو دیکھتا ہے یہ سب خصائلِ انسانیت اور آدمیت کے خلاف ہیں، یہ آدمی نہیں ہیں صرف آدمیت کے غلاف میں نظر آرہے ہیں۔

آدمی را آدمیت لازم ست
عود را گر بو نباشد ہیزم ست

آدمی کے لیے صفاتِ آدمیت ضروری ہیں اگر عود جو ایک خوشبودار لکڑی ہے اس میں خوشبو عود کی نہ ہو تو پھر اس میں اور عام ایندھن کی لکڑیوں میں کیا فرق ہے، ایسے عود بے خوشبو کو بھی ایندھن ہی کہو۔

آدمیت لحم و شحم و پوست نیست
آدمیت جز رضائے دوست نیست

آدمیت اور انسانیت گوشت اور چربی اور پوست (کھال) کا نام نہیں ہے۔

آدمیت ان صفات اور اخلاق واعمال کا نام ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہوتی ہے۔

گر بصورت آدمی انساں بُدے
احمدؑ و بوجہل ہم یکساں شدے

ترجمہ: اگر آدمیت صرف انسانی صورت کا نام ہو تو احمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوجہل یکساں ہوتے حالاں کہ ایسا نہیں ہے۔

فائدہ: اگر اس معیار و نظریہ پر ہر شخص اپنی انسانیت اور آدمیت کا جائزہ لے تو روئے زمین پر صرف اللہ والے ہی آدمی نظر آئیں گے۔ باقی تمام دنیائے انسانیت جو صرف کھانے اور ہگنے میں اور ان مقاصد کے ذرائع اور وسائل کی ترقی میں مشغول ہے اور زیستن برائے خوردن ہی اس کا منتہائے مقصد اور مبلغِ علم ہے تو اس کی بلند مقامی کی تشریح کے لیے سب سے موزوں مثال یہی سمجھ میں آتی ہے کہ جس طرح آٹے کی مشین ہے جس کے ایک سرے میں گندم ڈالتے ہیں اور دوسرے سے آٹا نکالتے ہیں اور اس کا نام آٹے کی مشین رکھتے ہیں اسی طرح زندگی کو محض کھانا اور ہگنا سمجھنے والے ایک مشین ہیں جن کے ایک سرے میں روٹی ڈالی جاتی ہے اور دوسرے سرے سے پائخانہ نکلتا ہے تو یہ گو بنانے کی مشین ہوئے یعنی اپنی زندگی کو صرف کھانے اور ہگنے کے لیے سمجھا گویا اپنے کو پائخانہ بنانے کی مشین قرار دینا ہے۔ خدا تعالیٰ اس احمقانہ نظریہ سے محفوظ فرمادیں۔

مولانا کے ان مضامین سے کہ آدمیت، نام گوشت چربی اور انسانی کھال کا نہیں بلکہ رضائے دوست کا نام ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا جس کو حاصل ہو اور اس کی علامت یہ ہے کہ رضائے الٰہی کے اعمال واخلاق سے آراستہ ہو اور ناراضگیٔ حق کے اعمال سے حفاظت و تقویٰ حاصل ہو، ایسا آدمی بے شک آدم والا ہے۔ یعنی نسبت کا مفہوم اس میں موجود ہے اور آدم علیہ السلام کی خاص صفت رَبَّنَا ظَلَمْنَا تھی یعنی اپنے قصور پر آپ طویل عمر روتے رہے حتّٰی کہ آپ کے آنسوؤں سے چھوٹے چھوٹے چشمے ہوگئے اور ان ہی سے خوشبودار پھول گلاب، بیلا وغیرہ پیدا کیے گئے جیسا کہ اس کی روایت تفسیر علی مہائمی میں موجود ہے۔ پس مولانا فرماتے ہیں:

آنکہ فرزندانِ خاص آدم اند
نفحۂ انّا ظلمنا مید مند

جولوگ حضرت آدم علیہ السلام کی خاص اولاد ہیں وہ اپنے باپ کے طریقے پر اپنے رب سے اپنی خطاؤں پر رَبَّنَا ظَلَمْنَا کی آواز بلند کرتے ہیں یعنی گڑگڑا کر معافی مانگتے ہیں۔

مولانا کے اس بیان کردہ نظریہ پر بڑے بڑے بنگلے اور کاروالوں کا اپنے متعلق بڑے آدمی یا چھوٹے آدمی کا فیصلہ کرنا تو درکنار نفسِ آدمی ہونا بھی خطرے میں نظر آوے گا۔ بڑا آدمی وہی ہے جس نے مولیٰ کو راضی کررکھا ہے۔ میدانِ محشر میں کسی کی چاند جوتوں سے گنجی کی جارہی ہو اور وہاں کوئی کہے کہ یہ بڑے آدمی ہیں، ان کے پاس ۲ ہزار گز کا بنگلہ اور تین کاریں اور تین فیکٹریاں تھیں تو ایسے بڑے آدمی بننے سے کیا فائدہ کہ پردیس کا رئیس اور وطنِ آخرت کا بھنگی اور قلاش ہو۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اے لوگو! تم جانتے ہو کہ بڑے آدمی کون ہیں پھر فرمایا کہ بڑے آدمی اَصحاب اللیل اور حملۃ القرآن ہیں یعنی راتوں کو اٹھنے والے۔ تہجد گزار اور حافظِ قرآن مگر حاملینِ قرآن کا عنوان بتاتا ہے کہ قرآن ان کی عملی زندگی بن چکا ہو محض زبان پر نہ ہو ورنہ حفظۃ القرآن فرمایا گیا ہوتا۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو صحیح آدمیت اور انسانیت کا مصداق بنادیں۔ آمین۔ اور بابا آدم علیہ السلام کی نسبت کا صحیح مفہوم اور اس کی صحیح روح ہمارے لحم و شحم اور پوست میں داخل فرمادیں۔ آمین۔

حکایت اس غلام کی جو مسجد سے باہر نہیں آرہا تھا

ایک امیر کا ایک غلام بہت دیندار تھا، اس کا نام سنقر تھا، یہ امیر اپنے غلام سنقر کے ہمراہ کسی ضرورت سے جارہا تھا کہ راستے میں ایک مسجد سے اذان کی آواز سنائی دی، سنقر نے امیر سے کہا کہ آپ میرا انتظار کریں میں نماز ادا کرلوں۔

رفت سنقر میر بر دکاں نشست
منتظر از بادۂ پندار مست

سنقر مسجد گیااور وہ رئیس تکبر کے نشے میں مست ایک دوکان پر بیٹھ کر انتظار کرنے لگا۔

چوں امام و قوم بیروں آمدند

از نماز و وردہا فارغ شدند

جب امام اور قوم نماز اور ورد سے فارغ ہو کر مسجد سے باہر آگئے اور سنقر مسجد میں رہ گیا تو رئیس نے آواز دی اور کہا:

گفت اے سنقر چرا نائی بروں

اے سنقر! تو باہر کیوں نہیں آتا تجھ کو کس نے مسجد میں روک لیا۔ سنقر نے جواب دیا۔

گفت آنکہ بستہ استت از بروں

بستہ است او ہم مرا از اندروں

اے امیر! تجھ کو جو باہر سے اندر نہیں آنے دے رہا ہے وہی مجھے اندر سے باہر نہیں آنے دے رہا ہے۔ یعنی اس غلام کو اس وقت حق تعالیٰ کا خاص قربِ عطا ہو رہا تھا اور وہ مناجات اور ذکر میں مصروف تھا۔

آنکہ نگزارد ترا کائی دروں

می نہ بگذارد مرا کایم بروں

غلام نے کہا: اے امیر! جو ذات کہ تجھے اندر آنے کے لیے نہیں چھوڑ رہی ہے اور تو مسجد سے باہر دوکان پر بیٹھا میرا منتظر ہے وہی ذات مجھے نہیں چھوڑتی ہے کہ میں مسجد سے باہر آوں۔ حق تعالیٰ جسے اپنا بناتے ہیں اس کے یہی آثار و علامات ہوتے ہیں۔

ماہیاں را بحر نگذارد بروں

خاکیاں را بحر نگذارد دروں

مچھلیوں کو سمندر باہر آنے کے لیے نہیں چھوڑتا اور خاکیوں کو سمندر آنے کی اجازت نہیں دیتا۔

اصلِ ماہی ز آب و حیواں از گل ست

حیلہ و تدبیرِ اینجا باطل است

مچھلی کی اصل اور ذات ہی پانی سے ہے اور دوسرے جانوروں کا تعلق خاک سے ہے پس پانی غیروں کو کب قبول کرسکتا ہے، یہاں حیلہ اور تدبیر باطل ہے البتہ حق تعالیٰ کی نصرت واعانت سے یہی خاکی ماہیان بحرِ پاک کبریا کے مصداق بنتے ہیں۔

قفل زفت است وکشاینده خدا
دست در تسلیم زن و اندر رضا

گمراہی کا قفل مضبوط ہے اور بابِ ہدایت کا کھولنے والا خدا ہے۔ رضاو تسلیم کی دولت حاصل کرو جس کے لیے تضرع وزاری لازم ہے، تکبر سے اور تدبیر پر ناز کرنے سے یہ راستہ نہیں کھلے گا۔

ذره ذره گر شود مفتا حہا
ایں کشایش نیست جزا ز کبریا

اگر عالم کا ذرہ ذرہ مفتاح (کنجی) بن جاوے پھر بھی ہدایت کے دروازوں کو بجز ذاتِ کبریا کے دوسرا کون کھول سکتا ہے؟

فائدہ: حاصلِ حکایت یہ ہے کہ توفیقِ اعمالِ صالحہ اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہے، علوم وتدابیر اور عقل پرناز کرنے سے یہ راستہ نہیں کھلے گا۔ صرف فضل وکرم اور رحمتِ الٰہیہ ہی سے راستہ ملتا ہے اور اس کے حصول کا ذریعہ آہ وزاری اور دعا کرنا اور مقبولین سے دعا کی درخواست کرتے رہنا ہے۔

نوٹ: غلام پر اس وقت خاص کیفیت طاری تھی جس سے وہ مغلوب الحال ہورہا تھا اور مغلوب الحال شرعاً حقوق العباد میں معذور ہوتا ہے۔

حکایتِ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا گریز احمق سے

ایک بار حضرت عیسیٰ علیہ السلام پہاڑ کی طرف بھاگ رہے تھے کہ آپ کے امتی نے بلند آواز سے پکارا اور کہا: اے خدا کے رسول! آپ کہاں اس طرح تشریف لے جارہے ہیں۔ وجۂ خوف کیا ہے، آپ کے پیچھے کوئی دشمن بھی نظر نہیں آتا۔ ارشاد فرمایا۔

گفت از احمق گریزانم برو
می رہانم خویش را بندم مشو

فرمایا کہ احمق سے بھاگتا ہوں میں۔ تو جا اپنا کام کر میں اپنے کو احمق کی صحبت سے خلاصی دینا چاہتا ہوں تو میرے بھاگنے میں خلل مت ڈال۔

گفت آخر آں مسیحانہ توئی
کہ شود کور و کر از تو مستوی

امتی نے کہا: اے خدا کے رسول! آپ علیہ السلام کیا وہ مسیحا نہیں ہیں جن کی برکت سے اندھا اور بہرا شفایاب ہو جاتا ہے؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا:

گفت رنجِ احمقی قہرِ خداست
رنج کوری نیست قہر آں ابتلاست

حماقت کی بیماری خدائی قہر ہے اور اندھا ہونا یہ قہر نہیں ابتلاء ہے۔

ابتلا رنجیست کاں رحم آورد
احمقی رنجیست کاں زخم آورد

اور ابتلا ایسی بیماری ہے جو حق تعالیٰ کی رحمت لاتی ہے اور حماقت ایسی بیماری ہے جو زخمِ قہر لاتی ہے۔

زاحمقاں بگریز چوں عیسیٰ گریخت
صحبتِ احمق بسے خونہا بریخت

احمقوں سے بھاگو اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح سے گریز اختیار کرو۔ احمق کی دوستی اور اس کی صحبت سے بہت خونریزیاں ہوئی ہیں یعنی دین اور دنیا دونوں ہی کا خون ہوتا ہے۔

اندک اندک آب را دزدد ہوا
وایچنیں دزد دہم احمق از شما

جس طرح ہوا پانی کو آہستہ آہستہ جذب کر لیتی ہے اسی طرح احمق تم سے تمہاری عقل کے نور کو آہستہ آہستہ جذب کر لے گا۔

آں گریزِ عیسوی نزد بیم بود
ایمن ست او آں پئے تعلیم بود

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ گریز بسببِ خوف نہ تھا آپ تو فضلِ خداوندی سے معصوم اور محفوظ تھے، آپ علیہ السلام نے یہ عمل تعلیمِ امت کے لیے کیا تھا۔

زمہریر او پُر کند آفاق را
چہ غم آں خورشید با اشراق را

اگر تمام جہان سخت سردی سے پُر نور ہو جاوے تو آفتابِ روشن کو اس سے کیا غم ہو سکتا ہے۔ یعنی کسی فردِ واحد کی حماقت چہ معنیٰ اگر سارا جہان ہی احمقوں سے بھر جاوے تو بھی خدا کے رسول کو کوئی ضرر نہیں ہو سکتا۔

فائدہ: اس حکایت سے یہ سبق ملتا ہے کہ احمقوں کی صحبت سے ہمیشہ دور رہے اور قرآن کی اصطلاح میں احمق وہ ہیں جو اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ارشادات کا مذاق اڑاتے ہیں:

كَمَا قَالَ اللهُ تَعَالٰى: اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ وَلٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ [۳۲]

یاد رکھو بے شک یہی ہیں بے وقوف لیکن اپنی بے وقوفی کا علم نہیں رکھتے۔ اسی غیر شعوری حماقت کے سبب یہ لوگ اپنے کو عقلائے زمانہ دانشوروں کی جماعت اور مفکرین و فلاسفہ کے لقب سے منسوب کرتے ہیں لیکن عقل کی بین الاقوامی تعریف انجام بینی اور نتیجہ پر نظر رکھنا ہے اور اس سے یہ لوگ تہی دست ہیں یعنی انجام مابعد الموت کی انھیں مطلق پروا نہیں اسی لیے ان کے بارے میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ [۳۳]

۳۲؎ البقرۃ:۱۳

۳۳؎ الروم:۷

یہ لوگ صرف دنیوی زندگی کے ٹھاٹ باٹ کی سوچتے ہیں اور آخرت سے یہ لوگ غافل ہیں، بس دنیاہی ان کا مبلغِ علم ہے، ایسے لوگوں کی صحبت سے بھی بچناچاہیے مگر یہ کہ کسی دنیوی ضرورت سے ملاجاوے تو ضرورت پر تو بیت الخلاء میں بھی ناک دبا کر بیٹھنا ہی پڑتا ہے لیکن اس سے دل نہیں لگاتے۔ پس دنیا اور اہلِ دنیا سے دل نہ لگاؤ۔

آب در کشتی ہلاکِ کشتی است
آب اندر زیرِ کشتی پشتی است

دنیا میں گزر کرنے کا طریقہ مولانا نے اس شعر میں بیان فرمادیا کہ دنیا میں اس طرح رہو جیسے کشتی پانی میں کہ پانی کشتی کی روانی کا سبب اسی وقت تک ہے جب تک وہ نیچے رہے اور کشتی میں داخل نہ ہو اور اگر پانی اندر داخل ہونے لگے تو کشتی کی ہلاکت کا آغاز بھی شروع ہو جاوے گا۔ اس طرح دنیا کو آخرت کے نیچے رکھو یعنی مقصود آخرت رہے اور دنیا کو اس کے لیے مُعین سمجھو لیکن اگر دنیا آخرت پر غالب آنے لگے تو سمجھ لو کہ اب یہی دنیا بجائے مُعین اور مفید ہونے کے تمہاری ہلاکت کا نقطۂ آغاز شروع کررہی ہے اگر نہ سنبھلے تو رفتہ رفتہ ہلاکتِ کلّی کا دن بھی دیکھنا پڑے گا۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو محفوظ رکھیں احمقوں کی صحبت سے اور حبِّ دنیا کے غالب آنے سے۔

اَللّٰھُمَّ لَا تَجْعَلِ الدُّنْیَآ اَکْبَرَ ھَمِّنَا وَلَا مَبْلَغَ عِلْمِنَا
وَلَا تُسَلِّطْ عَلَیْنَا مَنْ لَّا یَرْحَمُنَا[۳۴]

اے اللہ! مت کر دنیا مقصودِ اعظم ہمارا اور نہ انتہا ہماری معلومات کی اور نہ انتہا ہماری رغبت کی اور نہ مسلّط فرما ہم پر ان کو جو ہم پر رحم نہ کریں۔

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ حُبَّکَ اَحَبَّ اِلَیَّ مِنْ نَفْسِیْ وَاَھْلِیْ وَمِنَ الْمَاءِ الْبَارِدِ[۳۵]

۳۴؎ جامع الترمذی:۲/۱۸۸،ابواب الدعوات،ایچ ایم سعید

۳۵؎ جامع الترمذی:۲/۱۸۷،باب من ابواب جامع الدعوات،ایچ ایم سعید

اے اللہ! کر دے اپنی محبت زیادہ محبوب مجھے میری جان سے اور اہل و عیال سے اور ٹھنڈے پانی سے۔ آمین یارب العالمین۔

اوپر اس مضمون کا کہ نہ مسلّط فرما ہمارے اوپر ان کو جو ہم پر رحم نہ کریں، اپنے ما قبل سے ایک خاص ربط ہے یعنی اگر دنیا مقصودِ اعظم اور انتہا مبلغِ علم اور انتہائی مرغوب ہو جاوے گی تو اس کی پاداش میں ہم پر بے رحم حکمران مسلّط کر دیے جاویں گے۔

حکایت دوماہ کے بچے کا حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے سامنے کلام کرنا

کافروں کی ایک عورت دوماہ کا بچہ گود میں لیے حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کے پاس بغرضِ آزمایش اور امتحان حاضر ہوئی۔ اس دوماہ کے بچے نے کہا:

گفت کودک سَلَّمَ اللهُ عَلَيْكَ
يَا رَسُوْلَ اللهِ قَدْ جِئْنَا اِلَيْكَ

اس بچے نے کہا: یارسول اللہ! السلام علیکم، ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہوگئے۔

مادرش از خشم گفتش ہیں خموش
کیت افگند ایں شہادت را بگوش

غصّے سے اس کی ماں نے کہا: خبردار! خاموش ہو، یہ گواہی تیرے کان میں کس نے سکھادی؟

گفت کو گفتا کہ بالائے سرت
می نہ بینی کن ببالا منظرت

بچّے نے کہا: اے ماں! اپنے سر کے اوپر تو نہیں دیکھتی ہے تو اوپر تو دیکھ۔

ایستادہ بر سرِ تو جبرئیل
مر مرا گشتہ بصد گونہ دلیل

اے ماں! تیرے سر کے اوپر جبرئیل علیہ السلام کھڑے ہوئے ہیں جو مجھے سینکڑوں دلائل کے قائم مقام ہیں۔

گفت می بینی تو گفتا کہ بلے

بر سرت تاباں چو بدرِ کاملے

بچے نے کہا: تو دیکھتی ہے جلد کہہ کہ ہاں تیرے اوپر مثل بدرِ کامل کے وہ فرشتہ ہے۔

می بیاموزد مرا وصفِ رسول

زاں علوم می رہاند زیں سفول

وہ فرشتہ مجھے وصفِ رسول سکھارہا ہے اور کفر و شرک کے ناپاک علوم سے خلاصی و رہائی دلارہا ہے۔

پس رسولش گفت اے طفلِ رضیع

چیست نامت باز گو و شو مطیع

پھر رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: اے دودھ پیتے بچے! یہ بتا کہ تیرا نام کیا ہے اور میرے امر کی تو اطاعت کر۔

گفت نامم پیشِ حق عبد العزیز

عبدِ عزّیٰ پیش ایں یکمشت حیز

بچے نے کہا: میرا نام حق تعالیٰ کے نزدیک عبد العزیز ہے مگر ان تھوڑے سے ذلیل مشرکین نے میرا نام عبد عزّیٰ رکھا ہے۔

(حیز لغت میں مخنث، نامرد، ذلیل کو کہتے ہیں)۔

من ز عزّیٰ پاک و بے زار و بری

حق آنکہ دادت او پیغمبری

میں اس عزیٰ بت سے پاک اور بے زار اور بری ہوں صدقے میں اس ذاتِ پاک کے جس نے آپ کو پیغمبری بخشی ہے۔

پس حنوط آں دم ز جنت در رسید

تا دماغِ طفل و مادر بو کشید

پس جنت سے اسی وقت ایسی خوشبو آئی جس نے بچے اور ماں کے دماغ کو معطر کر دیا۔

آں کسے را خود خدا حافظ بود

مرغ و ماہی مر اورا حارس شود

جس شخص کا خدا خود نگہبان ہو اس کا تحفظ مرغ ماہی بھی کرتے ہیں ۔بچے کے ساتھ ساتھ،اس کی ماں ایمان واسلام کی دولت سے مشرف ہوگئی اور اس نے اسی وقت کلمۂ شہادت پڑھ لیا۔

حکایت رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کا موزہ لے جانا عقاب کا

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار موزہ پہننے کا قصد فرمایالیکن دیکھا کہ اچانک آپ کا موزہ ایک عقاب اُڑالے گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حیرانی ہوئی اور رنج بھی ہوا۔ لیکن تھوڑے ہی وقفہ بعد دیکھا کہ عقاب نے موزے کا منہ زمین کی طرف کیا جس سے ایک سیاہ سانپ گرا اور اس عمل کے بعد عقاب نے موزہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کرکے عرض کیا۔

از ضرورت کردم ایں گستاخئے

من زادب دارم شکستہ شاخئے

اے رسولِ خدا!میں نے اسی ضرورت سے یہ گستاخی کی تھی کہ اس کے اندر سانپ گھسا ہوا تھا۔ مجھے حق تعالیٰ نے آپ کی حفاظت پر مامور فرمایاورنہ میری کیامجال تھی میں تو آپ کے سامنے سراپاادب اور شکستہ بازو ہوں۔

پس رسولش شکر کرد و گفت ما

ایں جفادیدیم و بود آں خود وفا

حضور صلی اللہ علیہ وسلم خدا کا شکر بجالائے اور فرمایا:ہم نے جس حادثے کو باعثِ صدمہ سمجھا وہ دراصل وفا اور باعثِ رحمت تھا۔

موزہ بربودی ومن درہم شدم

تو غمم بردی ومن در غم شدم

اے عقاب! تونے موزے کو اڑالیااور میں ناراض ہوا، تونے میرا غم اڑایا تھااور میں نے اس کو اپنے لیے باعثِ غم سمجھا تھا، عقاب نے کہا کہ اس واقعے کو آپ کے لیے خدا نے درسِ عبرت بنایا ہے۔

عبرت است ایں قصہ اے جاں مر ترا
تا شوی راضی تو در حکمِ خدا

اے محبوب! آپ کے لیے اس قصّے میں عبرتِ خداوندی ہے تا کہ آپ ہر حکمِ خدا میں راضی رہیں اور اس کو اپنے لیے خیر تصور فرمائیں۔

تا کہ زیرک باشی و نیکو گماں
چوں بہ بینی واقعہ بد ناگہاں

تا کہ آپ عمل رضا بالقضا کو نیک گمان کے ساتھ کریں جب کبھی کوئی واقعہ خلافِ طبع پیش آئے۔

ہرچہ از تو یا وہ از قضا
تو یقیں داں کہ خریدت از بلا

جو کچھ کہ فیصلۂ الٰہی سے بظاہر نقصان نظر آئے تو یقین کریں کہ وہ آپ کی بلا خریدنے والا ہے۔

گر بلا آید ترا اندہ مبر
ور زیاں بینی غمِ آں ہم مخور

اگر کوئی بلا آئے تو آپ رنج نہ کریں اور کسی نقصان سے آپ غمگین نہ ہوں۔

کاں بلا دفعِ بلا ہائے بزرگ
واں زیاں منعِ زیانہائے بزرگ

کیوں کہ وہ بلا جو آئی ہے کسی بڑی بلا کی دافع ہے اور وہ نقصان جو پیش آیا ہے کسی بڑے نقصان کا مانع ہے یعنی یہ آئی ہوئی مصیبت کسی بڑی مصیبت سے بچانے کا ذریعہ ہے۔

مار در موزه به بینم در ہوا
نیست از من عکسِ تست اے مصطفیٰ

اور عقاب نے کہا کہ میں نے ہوا میں اڑتے ہوئے موزے میں سانپ دیکھ لیا تو یہ میرا کمال نہیں، اے مصطفیٰ! یہ آپ ہی کے نور اور روشنی کا فیضان اور عکس تھا اور حق تعالیٰ نے اس خاص حکمت کی تعلیم کے لیے اس سانپ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مخفی رکھا۔

فائدہ: اس واقعے میں جو نصیحت ہے واضح ہے کہ کسی مصیبت سے گھبرانا نہ چاہیے اور یہ سوچنا چاہیے کہ یہ کسی بڑی مصیبت کے دور کرنے کے لیے آئی ہے یعنی عافیت کی دعا اور تدبیر بھی مطلوب ہے اور رضا و تسلیم بھی مطلوب ہے۔ لیکن رضا و تسلیم کے لیے فی الجملہ کسی حکمتِ مفیدہ کا تصور مُعین بن جاتا ہے۔

حکایت بادشاہ اور اس کی محبوبہ کی

ایک بادشاہ شکار کرنے نکلا، راہ میں ایک لونڈی کے حسن پر فریفتہ ہو گیا اور خرید کر محلِ شاہی واپس آیا۔ شکار کرنے گیا تھا مگر خود شکار ہو گیا۔ یہ لونڈی سمرقند کے ایک سُنار (صراف) کے لڑکے پر عاشق تھی۔ بادشاہ کے یہاں آکر اس کی جدائی سے گھلنے لگی اور عشق کی بیماری سے ہڈی چمڑا رہ گئی۔ بادشاہ اس کے غم سے جاں بلب ہوا، طبیبوں کو جمع کیا۔ علاج کے لیے ہر انعام و اکرامِ شاہی کا وعدہ کیا اور کہا کہ میری زندگی بچاؤ کہ اگر یہ مرگئی تو سمجھ لو میں بھی مر گیا۔ طبیبوں نے بدون ان شاء اللہ کہے ہوئے دعویٰ کیا کہ ہم بہت جلد اس بیمار لونڈی کو اچھا کر دیں گے۔ لیکن ان کی ہر دوا اُلٹا اثر کرنے لگی اور ؎

چوں قضا آمد طبیب ابلہ شود
آں دوا در نفع خود گمرہ شود

جب بیمار کی قضا آتی ہے تو طبیب بھی بے وقوف ہو جاتا ہے اور اس کی دواء بھی اپنے نفع میں برعکس راستہ اختیار کرتی ہے۔

از قضا سر کنگبیں صفرا فروز
روغنِ بادام خشکی می نمود

تقدیر سے سکنجبین صفرا بڑھا رہا تھا اور روغنِ بادام خشکی میں اور اضافہ کر رہا تھا یعنی ہر دوا مخالف اور اصولِ علاج ناکارہ ثابت ہو رہا تھا۔ بالآخر طبیبوں کی رسوائی ہوئی اور عقل اور تکبر کا دعویٰ ٹھکانے لگ گیا اور اپنی عاجزی اور مایوسی کا اظہار کر کے روسیاہ ہوئے۔

شہ چوں عجزِ آں طبیباں را بدید
پا برہنہ جانبِ مسجد دوید

شاہ نے جب طبیبوں کی عاجزی اور مایوسی دیکھ لی تو ننگے پاؤں مسجد کی طرف دوڑا۔

رفت در مسجد سوئے محراب شد
سجدہ گاہ از اشکِ شہہ پُر آب شد

مسجد گیا اور محراب کی طرف دوڑا اور سجدے میں گر کر اس قدر رویا کہ سجدہ گاہ شاہ کے آنسوؤں سے پُر آب ہو گئی اور اس نے عرض کیا:

کاے کمینہ بخششت ملکِ جہاں
من چہ گویم چوں تو می دانی نہاں

زار زار روتے ہوئے بادشاہ نے عرض کیا کہ اے اللہ! یہ ساری کائنات تیری ادنیٰ بخشش ہے، میں کیا عرض کروں جب کہ تو ہمارے اسرار سے باخبر ہے۔

حالِ ما و ایں طبیباں سربسر
پیشِ لطفِ عامِ تو باشد ہدر

ہمارا حال اور ان طبیبوں کا عدمِ توکل اور ترکِ ان شاء اللہ تیرے لطفِ عام کے سامنے کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔

اے ہمیشہ حاجتِ ما را پناہ
بارِ دیگر ما غلط کردیم راہ

اے وہ ذاتِ پاک جو ہمیشہ ہماری حاجتوں کی پناہ گاہ ہے! ہم پھر سیدھے راستے سے بھٹک گئے۔

چوں بر آورد از میانِ جاں خروش
اندر آمد بحرِ بخشایش بجوش

جب اس بادشاہ نے تہہ دل سے نالہ و فریاد کی تو حق تعالیٰ کی رحمت کا سمندر جوش میں آگیا اور روتے روتے بادشاہ پر نیند طاری ہوگئی اور خواب میں دیکھا کہ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ اے شخص! ناامید نہ ہو۔ میں ان شاء اللہ تعالیٰ! اس محبوبہ کا علاج کردوں گا۔ خواب سے بیدار ہوتے ہی بادشاہ نے قلب کو مسرور پایا اور ان بزرگ کا منتظر تھا کہ وہ تشریف لائے، شاہ آگے بڑھا اور دوڑ کر ان بزرگ کا بصد احترام استقبال کیا۔ اس کے بعد اس شیخِ کامل نے اس لونڈی کا قارورہ دیکھا اور نبض دیکھی، نبض پر ہاتھ رکھ کر ہر شہر کا نام لینا شروع کیا۔ جب سمرقند کا نام لیا تو اس کی نبض کی حرکت تیز ہوگئی۔ شیخ نے سمجھ لیا کہ سمرقند میں یہ کسی کی محبت سے بیمار ہے۔ بیماری کچھ تھی اور علاج کچھ ہو رہا تھا۔

بے خبر بودند از حالِ دروں
اَسْتَعِیْذُ اللہَ مِمَّا یَفْتَرُوْنَ

اندرونی حالت سے لوگ بے خبر تھے اور پناہ چاہتا ہوں میں ان باتوں سے جن کی مجھ پر لوگ افتراء کرتے ہیں۔

پھر شیخِ کامل نے اس لونڈی سے راز معلوم کرلیا کہ وہ سمرقند کے ایک زرگر (صرّاف) پر عاشق ہے، شیخ نے شاہ کو حکم دیا کہ وہ اس کو حاضر کرے چناں چہ اسے دنیاوی دولت کی لالچ پر طلب کیا گیا اور چوں کہ شیخِ کامل طبیبِ کامل بھی تھے، انھوں نے اس شخص کو ایسی دوائیں دیں جس سے اس شخص کا حسن جاتا رہا اور اس لونڈی کے سامنے پھر اس کو پیش کیا چوں کہ اس کی صورت کافی بری اور مکروہ ہوچکی تھی اسے دیکھتے ہی لونڈی کا عشق جاتا رہا اور وہ اس کے عشق کی بیماری سے شفایاب ہوگئی اور تندرست ہونے لگی اور کچھ ہی دن میں بالکلیہ صحت یاب ہوگئی۔

چوں کہ زشت وناخوش ورخ زرد شد
اندک اندک در دلِ او سرد شد

چوں کہ اس لونڈی کی بیماری محض صورت پرستی تھی اس لیے صورت کے بگڑنے سے آہستہ آہستہ عشق بھی زائل ہو گیا اور شفا پا گئی۔

عشقہائے کز پئے رنگے بود
عشق نبود عاقبت ننگے بُوَد

جو عشق صرف رنگ وروپ کی خاطر ہوتا ہے وہ دراصل عشق نہیں بلکہ فسق ہے اور اس کا انجام شرمندگی اور رسوائی کے علاوہ کچھ نہیں۔

زانکہ عشقِ مردگاں پایندہ نیست
زانکہ مردہ سوئے ما آیندہ نیست

مرنے والوں کا عشق پائیدار نہیں ہوتا اور کیوں کہ مردہ ہمارے پاس آنے والا نہیں بلکہ ہم سے جانے والا ہے۔یعنی محبوب جب فانی ہے تو فانی چیز کا عشق بھی فانی ہوتا ہے۔

عشقِ زندہ در رواں و در بصر
ہر دمے باشد زِ غنچہ تازہ تر

حق تعالیٰ جو ہمیشہ زندہ ہیں اور فنا سے پاک ہیں ان کا عشق بھی ہمیشہ غنچے سے بھی زیادہ تر و تازہ رہتا ہے۔

عشقِ آں زندہ گزیں کو باقی ہست
واز شرابِ جاں فزایت ساقی ست

اے طالب! اس زندہ (محبوبِ حقیقی) کا عشق اختیار کر کہ ہمیشہ باقی رہنے والا ہے اور جو محبت و معرفت کی جاں فزا پاک شراب پلانے والا ہے۔

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را
ہر زماں از غیب جانِ دیگر است

تو مگو ما را بداں شہ بار نیست
بر کریماں کارہا دشوار نیست

تو مایوسی سے مت کہہ کہ اس محبوبِ حقیقی تک مجھ جیسے نالائقوں کی کیسے رسائی ہوسکتی ہے کیوں کہ وہ بڑے کریم ہیں اور کریموں کے نزدیک ایسے کام دشوار نہیں ہوتے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ جو بندہ میری طرف بالشت بھر قریب آتا ہے میں اس کی طرف گز بھر قریب ہوجاتا ہوں۔ غرض اس کے عشق و محبت کا دروازہ ہر وقت کھلا ہوا ہے۔ جو چاہے داخل ہو اور اس کا تقرب حاصل کرے۔

فائدہ: مولانا فرماتے ہیں کہ یہ قصہ ہم سب لوگوں کے حسبِ حال ہے چناں چہ ہماری روح کو نفس پر بادشاہ بنایا گیا ہے تاکہ روح نفس سے مرضیاتِ الٰہیہ کے مطابق کام لے کر جنت کا انعام حاصل کرے مگر نفس جو روح کی کنیز ہے، وہ لذاتِ دنیویہ پر عاشق ہے جس کے سبب روح کی اطاعت سے روگرداں ہے اور عموماً اس ماحول اور معاشرے کے اطباء ناقص ہیں جو اس کے علاج پر قادر نہیں پس شیخِ کامل کی ضرورت ہے جو حسنِ تدبیر سے لذاتِ دنیویہ کو نفس کی نظر میں بدصورت کردے پھر نفس کے لیے روح کی تابعداری یعنی حق تعالیٰ کی مرضیات پر چلنا آسان ہوجائے گا۔

علاجِ بد نگاہی و عشقِ مجازی

(از محمد اختؔر عفا اللہ عنہ)

اے خداوندِ جہانِ حسن و عشق
سخت فتنہ ہے مجازی حسن و عشق

غیر سے تیرے اگر ہوجائے عشق
عشق کیا ہے در حقیقت ہے یہ فسق

عشق با مردہ ہے تیرا اِک عذاب
راستے کا ہے تیرے یہ سدِّباب

حکم ہے اس واسطے غضّ بصر
تا ہو زہرِ عشق سے دل بے خطر

بدنگاہی مت سمجھ چھوٹا گناہ
دل کو اک دم میں یہ کرتی ہے تباہ

بدنگاہی تیر ہے ابلیس کا
زہر میں ڈوبا ہوا تلبیس کا

ہوگئے کتنے ہلاک اس راہ میں
کھوکے منزل گرگئے وہ چاہ میں

کھو نہ تو اس طرح سے عمرِ عزیز
عمر کی قیمت ہے بس ذکرِ عزیز

چند دن کا حسن ہے حسنِ مجاز
چند روزہ ہیں فقط یہ ساز و باز

عشق جو ہوتا ہے رنگ و روپ پر
جیسے عاشق شمس کا ہو دھوپ پر

جو ہیں خود عاجز سراپا احتیاج
عشق میں ان کے جو ہیں سرمست آج

عاشق و معشوق کل روزِ شمار
روسیہ ہیں دونوں پیشِ کردگار

قال مولانائے اشرف تھانویؒ
عشقِ فانی ہے عذابِ سرمدی

دل کا ہو مطلوب کوئی غیر حق
ہے یہ مستیٔ شرابِ قہرِ حق

گر حقیقت کی طرف کوئی مجاز
ہو رجوع تو ہے وہ جانِ پاکباز

ہوگیا زندہ وہ گورستان سے
آگیا گلشن میں خارستان سے

خار سے رخ پھر گیا اب سوئے یار
دیکھتا ہے قلب میں اب روئے یار

ذکر حق سے مل گیا جس کو قرار
سامنے اس کے خزاں بھی ہے بہار

نور آیا پس بجھی شہوت کی نار | جیسے ہوجائے خزاں فصلِ بہار
سنگدل ہوتے ہیں یہ سمین تن | خود غرض اور بے وفا ہیں گل بدن
سخت بدرگ بدخصال و زشت خو | بالیقیں ہوتے ہیں یہ بت خوبرو
گھور پر جیسے ہو کوئی سبزہ زار | چشم دھوکا کھا کے ہو اس کا شکار
غیر حق کا دل سے جب نکلے گا خار | دل میں ہوگی چین و لذت کی بہار
جان میں ہوگا طلوع وہ آفتاب | اور حیاتِ طیبہ کا فتح باب
تھا دخانِ شمع مردہ کا حجاب | سخت غیرت میں تھا نورِ آفتاب
آفتابا تو چو قبلہ دامیم | شب پرستی و خفاشی می کنیم
بے گماں ترکِ ادب باشد زما | کفرِ نعمت باشد وفعلِ ہوا
جب کہ ہو غیر خدا کا دل میں خار | ہوگی اس پر ظلمت و کلفت کی مار
ہائے کیا دیکھے گا وہ روئے بہار | جو نہ ہو پابندِ ذکر و فکرِ یار
عمر بھر رکھے گا ساقی تشنہ کام | گر پیئے گا زہرِ نظرِ بد کا جام
جب کہ غیروں میں بھی ہو مشغول دل | ذکر و طاعت میں کہاں لگتا ہے دل
دل میں تیرے ہے جو فکرایں وآں | اس لیے آتا نہیں ہے نورِ جاں
”اے خدا ایں بندہ را رسوا مکن | گر بدم من سرِّمن پیدا مکن“
گر تو چاہے پاک ہو مجھ سا پلید | فضل سے تیرے نہیں کچھ بھی بعید
عشق سے تیری رہوں میں جامہ چاک | دردِ دل سے لوں میں تیرا نامِ پاک
جو بشر بھی سن لے میری آہ کو | بس تڑپ جائے وہ تیری چاہ کو

عشق سے اپنے تو دل کو طور کر
نور سے اخترؔ کا دل معمور کر

حکایت ایک عورت کا رونا حق تعالیٰ کی بارگاہ میں

ایک عورت کے بچے زندہ نہیں رہتے تھے۔ چھ ماہ کے بعد ان کو کسی بیماری کے سبب موت آجاتی، اس طرح سے اس بے کس ماں کے بیس بچے قبرستان پہنچ گئے۔

بست فرزندش چنیں در گور رفت

آتشے در جانِ او افتاد تفت

اس کے بیس بچے قبر میں اسی طرح یکے بعد دیگرے چلے گئے۔ اس غم کی آگ اس کی جان میں بھڑک اٹھی۔

آدھی رات کو اٹھی اور اپنے رب کے سامنے سجدے میں خوب روئی اور اپنا غم اور اپنے جگر کا خون مناجات میں پیش کیا، اس کے بعد سو گئی۔ خواب میں دیکھا کہ وہ جنت میں سیر کر رہی ہے اور اس نے وہاں ایک عالیشان محل دیکھا جس پر اس کا نام لکھا تھا اور جنت کے باغات و تجلیات سے یہ عورت خوش اور بے خود ہوگئی۔

اس کے بعد فرشتوں نے اس سے کہا کہ اے عورت! یہ نعمت بڑی بڑی عبادتوں اور محنتوں سے ملتی ہے لیکن تو چوں کہ کاہل تھی اور عبادات سے اس مقام کو نہ پاسکتی تھی۔ اس لیے خدا نے تجھے دنیا میں یہ مصیبت دے دی ہے جس پر صبر کے عوض تجھے یہ جنت اور محل دیا ہے پھر اس عورت نے وہاں اپنے بچوں کو دیکھا

دید دروے جملہ فرزندانِ خویش

تو اس نے کہا: اے اللہ! یہ بچے میری نگاہوں سے اوجھل ہوگئے تھے مگر تیری نگاہ سے غائب نہ ہوئے تھے۔ یہاں تو سب موجود ہیں۔ اے میرے رب! اگر تو مجھے دنیا میں سینکڑوں سال اسی طرح رکھے جس طرح میں اب ہوں تو کچھ غم نہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ تو میرا خون بہادے تو بھی میں راضی ہوں کہ یہ انعامات تو میرے صبر سے کہیں زیادہ ہیں۔

حکایت ایک بچے کو اس کی ماں کے سامنے آگ میں ڈالنا

ایک یہودی بادشاہ نے ایک عورت سے کہا کہ تو اس بت کو سجدہ کر ورنہ تجھے دہکتی ہوئی آگ میں ڈال دوں گا۔ اس عورت نے سجدہ نہ کیا کہ وہ ایمان اور توحید میں پاکباز اور مضبوط تھی۔ ظالم بادشاہ نے اس کی گود سے بچہ چھین کر اُسے آگ میں پھینک دیا۔ عورت کانپ اٹھی اور اس کا ایمان سخت امتحان میں داخل ہو گیا اور جاں بلب ہو گئی کہ اچانک وہی بچہ آگ کے اندر سے بولتا ہے:

بانگ زد آں طفل اِنِّیْ لَمْ اَمُتْ

اس بچے نے آواز دی کہ میں نہیں مرا، میں تو زندہ ہوں اور کہا۔

اندر آ مادر کہ من اینجا خوشم
گرچہ در صورت میانِ آتشم

اے ماں! تو بھی اندر آجا کہ میں یہاں لطف میں ہوں اگرچہ بظاہر آگ کے اندر معلوم ہوتا ہوں۔

اندر آ مادر ببیں برہانِ حق
تا بہ بینی عشرتِ خاصانِ حق

اے ماں! اندر آجا تا کہ تو بھی اللہ تعالیٰ کے دینِ حق کا معجزہ دیکھ لے اور تا کہ تو بھی حق تعالیٰ کے خاص بندوں کا عیش و آرام دیکھ لے، اگرچہ بظاہر وہ اہلِ دنیا کو بلاؤں میں معلوم ہوتے ہیں۔

اندر آ اسرارِ ابراہیم بیں
کو در آتش یافت وردو یاسمیں

اے ماں! تو بھی اندر آتا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے آتشِ نمرود کے گلزار ہونے کا بھید تو بھی آنکھوں سے دیکھ لے کہ کس طرح انہوں نے آگ کے اندر گلاب اور چنبیلی کی بہار پائی تھی۔

مرگ می دیدم گہِ زادن زتو
سخت خوفم بود افتادن زتو

میں جب تجھ سے پیدا ہو رہا تھا تو اپنی موت کو دیکھ رہا تھا اور دنیا میں آنے سے سخت خوف محسوس کر رہا تھا یعنی ماں کا پیٹ بوجہ مانوس ہونے نو ماہ تک مجھے ایک جہاں معلوم ہو رہا تھا اور اس جہان کو دیکھا ہی نہ تھا اس لیے ایک اجنبی عالم میں آتے ہوئے ہچکچا رہا تھا۔

چوں بزادم رستم از زندانِ تنگ
در جہانے خوش سرائے خوب رنگ

جب میں پیدا ہو گیا تو تنگ قید خانے سے نجات پا گیا اور اپنی دانست میں ایک خوبصورت عالم میں آ گیا۔ اسی طرح جنت کو دیکھنے کے بعد دنیا ماں کے پیٹ کی طرح تنگ و تاریک معلوم ہو گی۔

اندریں آتش بدیدم عالمے
ذرہ ذرہ اندرو عیسیٰ دمے

اس آگ کے اندر میں نے ایک دوسرا عالم پایا جس کا ذرہ ذرہ زندگی بخش ہے ۔

اندر آ مادر بحقّ مادری
بیں کہ ایں آذر ندارد آذری

اندر آ جا اے ماں! میں تجھے حقِّ مادری کا واسطہ دیتا ہوں اندر چلی آ اور دیکھ کہ یہ آگ آگ کا اثر نہیں رکھتی ہے رحمتِ حق نے اس کو چمن بنا دیا ہے۔

قدرتِ آں سگ بدیدی اندر آ
تا بہ بینی قدرتِ فضلِ خدا

اے ماں! تو نے اس کافر یہودی کتے کی طاقت بھی دیکھ لی اب اندر آ تا کہ خدا کے فضل کی طاقت کا بھی مشاہدہ کر لے ۔

اندر آ و دیگراں را ہم بخواں
کاندر آتش شاہ بنہاد ست خواں

اے ماں! اندر آجا اور دوسروں کو بھی بلالے کیوں کہ میرے رب نے آگ کے اندر اپنے کرم کا دستر خوان بچھا دیا ہے۔

اندر آئید اے مسلماناں ہمہ
غیرِ عذب دیں عذاب ست آں ہمہ

اے مسلمانو! سب اندر چلے آؤ، دین کی مٹھاس اور حلاوت کے علاوہ تمام حلاوتیں دنیا کی ہیچ ہیں اور عذاب ہیں۔

مادرش انداخت خود را اندر او
دستِ او بگرفت طفلِ مہر جو

اس لڑکے کی ماں نے اپنے آپ کو اسی آگ میں ڈال دیا تو اس محبت والے لڑکے نے اپنی ماں کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اس کے بعد تمام مخلوق اس آگ میں کود پڑی اور سب نے لطف و کرمِ خداوندی کا مشاہدہ کیا۔

آں یہودی شد سیہ رو و خجل
شد پشیماں زیں سبب بیمار دل

وہ یہودی روسیاہ اور شرمندہ ہو گیا اور اس کی تدبیر اس کے لیے مخالف ثابت ہوئی۔

کاندر آتش خلقِ عاشق تر شدند
در فنائے جسم صادق تر شدند

کیوں کہ لوگ اس آگ میں کود پڑنے کے مشتاق ہو گئے اور جسم کو قربان کر دینے میں صادق الاعتقاد نکلے۔

انچہ می مالید بر روئے کساں
جمع شد در چہرۂ آں ناکساں

نالائق لوگ جو کچھ داغِ بدنامی و رسوائی اللہ والوں کے چہروں پر لگانا چاہتے ہیں وہ سب ان ہی کے چہروں پر الٹ کر تہہ بہ تہہ جم جاتا ہے۔

اس یہودی بادشاہ نے اس آگ سے کہا کہ تجھے کیا ہو گیا ہے کہ تو اپنے

پرستش کرنے والوں پر بھی رحم نہیں کرتی اور ان فرزندانِ توحید کو پناہ و امن دے کر مجھے رسوا کر رہی ہے یا تجھ پر کسی نے جادو کر دیا ہے؟ یہ بات کیا ہے تیری وہ خاصیت جلانے والی کیا ہو گئی؟

گفت آتش من ہمانم آتشم
اندر آ تا تو بہ بینی تابشم

آگ نے کہا: اے کافر! میں وہی آگ ہوں، ذرا تو اندر آ جا کہ میری آتش اور تپش کا مزہ چکھ لے۔

طبعِ من دیگر نگشت و عنصرم
تیغِ حقم ہم زدستوری برم

میری طبیعت اور میری اصل حقیقت تبدیل نہیں ہوئی ہے، میں خدا کی تلوار ہوں لیکن اجازت ہی سے کاٹتی ہوں۔

چوں کہ غم بینی تو استغفار کن
غم بامرِ خالق آمد کار کن

اس لیے جب تم اپنے اندر غم محسوس کرو تو اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی طلب کرو کیوں کہ غم بھی خدا کے حکم ہی سے اپنا کام کرتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ استغفار کی برکت سے راضی ہو جاویں گے تو سزا بھی ہٹا لیں گے۔

چوں بخواہد عینِ غم شادی شود
عین بندِ پائے آزادی شود

جب اللہ کا حکم ہو جاتا ہے تو خود غم ہی خوشی بن جاتا ہے اور خود قید ہی آزادی بن جاتی ہے یعنی اللہ تعالیٰ تبدیلِ اعیان پر قدرۃِ کاملہ رکھتے ہیں پس عینِ غم کو عین خوشی بنا دیتے ہیں۔

باد و خاک و آب و آتش بندہ اند
با من و تو مردہ باحق زندہ اند

ہوا، مٹی پانی آگ سب خدا کے غلام ہیں گو یہ ہمارے تمہارے لیے بے جان ہیں مگر

اللہ تعالیٰ کے آگے زندہ ہیں (اس لیے امتثالِ امرِ الٰہی ان کے لیے مستبعد نہیں)

حکایت ہلاک کرنا ہوا کا قومِ ہود علیہ السلام کو

حضرت ہود علیہ السلام کی قوم پر جب تیز ہوا کا عذاب آیا تو آپ علیہ السلام نے اہلِ ایمان کے گرد ایک خط کھینچ دیا، جب ہوا وہاں پہنچتی تو خود بخود نرم ہو جاتی۔ جو لوگ اس خط کے باہر تھے ہوا ان سب کے پرخچے اڑادیتی تھی۔ اسی طرح حضرت شیبان راعی رحمۃ اللہ علیہ بکریوں کے ریوڑ کے گرد ایک نمایاں خط کھینچ کر جمعے کی نماز کے لیے چلے جاتے تھے تاکہ بکریوں کو کوئی بھیڑیا اٹھا نہ لے جائے۔

ہمچنیں بادِ اجل با عارفاں
نرم و خوش ہمچو نسیمِ بوستاں

مولانا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اسی طرح موت کی ہوا عارفانِ حق پر نسیمِ چمن کی طرح نرم و خوشگوار ہو کر چلتی ہے۔

آتش ابراہیم را دنداں نزد
چوں گزیدہ حق بود چونش گزد

آگ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر تعدی نہ کی، جب کہ وہ مقبولِ حق تھے تو انھیں تکلیف دینے کی آگ کو کیوں کر ہمت ہو سکتی تھی۔

آتشِ شہوت نسوزد اہلِ دیں
باغیاں را بردہ تا قعرِ زمیں

اسی طرح شہوت کی آگ اہلِ دین کو نہیں جلاتی اور بے دین لوگوں کو قعرِ زمین یعنی دوزخ میں پہنچا کر چھوڑتی ہے۔

حکایت ایک مچھر کی فریاد حضرت سلیمان علیہ السلام سے

ایک مچھر نے اپنا مقدمہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے روبرو پیش کیا اور کہا

کہ اے وہ ذاتِ گرامی جس کی سلطنت جن وانس اور ہوا پر ہے! میری مصیبت دور کر دیجیے اور میرا فیصلہ کیجیے۔

پس سلیماں گفت اے انصاف جو
داد انصاف از کہ می خواہی بگو

حضرت سلیمان علیہ السلام نے دریافت کیا کہ اے انصاف ڈھونڈنے والے! تو کس سے اپنا انصاف چاہتا ہے؟ بیان کر۔

گفت پشہ دردِ من از دستِ باد
کودو دستِ ظلم بر ما بر کشاد

مچھر نے کہا کہ میرا درد و غم ہوا کے ہاتھ سے ہے اور وہی دونوں ہاتھوں سے مجھ پر ظلم کرنے والی ہے یعنی جب میں خون چوسنے کی کوشش کرتا ہوں تو ہوا مجھے وہاں سے اڑا دیتی ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ اے مچھر! مجھے خدا نے حکم دیا ہے کہ کوئی فیصلہ اس وقت تک نہ کروں جب تک دونوں فریق حاضر نہ ہوں۔

مچھر نے کہا: بے شک آپ درست فرماتے ہیں۔

اس کے بعد آپ علیہ السلام نے ہوا کو حکم دیا کہ جلد حاضر ہو کہ تیرے ظلم سے ایک فریاد خواہ حاضر ہے۔

باد چوں بشنید آمد تیز تیز
پشہ بگرفت آں زماں راہِ گریز

ہوا حکم سنتے ہی تیز رفتاری سے حضرت سلیمان علیہ السلام کے روبرو حاضر ہو گئی اور مچھر اس ہوا کی تیزی سے راہِ فرار پر بے اختیار مجبور ہو گیا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ اے مچھر! ٹھہر جا۔

پس سلیماں گفت اے پشہ کجا
باش تا بر ہر دورانم من قضا

فرمایا کہ اے مچھر! کہاں جاتا ہے ٹھہر جا کہ میں دونوں کا فیصلہ کر دوں۔

گفت اے شہہ مرگِ من از بودِ اوست

خود سیاہ ایں روز من از دودِ اوست

مچھر نے کہا: اے شاہ! میری موت ہوا ہی کے وجود سے ہے، اس کے دھواں سے تو میرا دن سیاہ ہو جاتا ہے۔

اوچو آمد من کجا یابم قرار

کوبر آرد از نہادِ من دمار

ہوا جب آتی ہے تو مجھے قرار نہ رہا کیوں کہ وہ مجھے ہلاک کرنے کے لیے میری جگہ سے مجھ کو اکھاڑ پھینکتی ہے۔

ہمچنیں جویائے درگاہِ خدا

چوں خدا آید شود جوئندہ لا

اب مولانا سالکین کو ارشاد و تعلیم فرماتے ہیں کہ اسی طرح جو خدا کا طالب ہوتا ہے تو جب خدا کا قرب عطا ہو گا تو حق تعالیٰ کی آمد اس کے رفت کا سبب بنے گی یعنی عطائے قرب کے لیے عبدیت اور فنائیت لازم ہے اور یہی مقرب باللہ ہونے کی علامت ہے پس اگر نفس زندہ ہے اور تکبر سے پُر ہے تو اس انانیت کے ساتھ قربِ خدا محال ہے۔ اس انا کو فنا کرنا ہو گا۔

گرچہ آں وصلت بقا اندر بقاست

لیک زاول آں بقا اندر فناست

اگرچہ قربِ خداوندی کے حصول میں بقا ہی بقا ہے لیکن اس بقا سے پہلے فنا ہونا ضروری ہے۔ اور فنائیت سے مراد یہ ہے کہ اپنی مرضیات کو مرضیاتِ الٰہیہ کا تابع اور غلام بنادے اور غلامی کی صحت اس کے بغیر لغتہً بھی تو درست نہیں۔ وہ غلام ہی کیسا جو مالک کی مرضی پر اپنی مرضی کو غالب رکھے۔

فائدہ: اس واقعہ میں یہ سبق ہے کہ افنائے نفوس کے بعد ہی قرب اور ولایت سے

مشرف ہوتے ہیں اور فنائیت اور مٹانا موقوف ہے مرشدِ کامل کی صحبت پر جیسا کہ مولانا نے دوسرے مقام پر فرمایا ہے کہ ؎

نفس نتواں کشت الّا ظلِّ پیر
دامنِ آں نفس کش را سخت گیر

نفس نہیں فنا ہو سکتا جب تک پیرِ کامل کا سایہ اور راہ بری نصیب نہ ہو۔ پس اس نفس کش کا دامن مضبوط پکڑ لو۔ میرے شیخ مرشد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ مضبوط پکڑنے کی قید اس لیے لگائی گئی ہے کہ کبھی شیخ اصلاح کے لیے عتاب و غضب کا بھی معاملہ کرتا ہے ایسے وقت میں اگر تعلق کمزور ہو گا تو پُر کینہ ہو کر بھاگ جاوے گا جس کو مولانا نے دوسرے مقام پر فرمایا ہے ؎

گر بہر زخمے تو پُر کینہ شوی
پس چرا بے صیقل آئینہ شوی

اگر شیخ کی ہر ڈانٹ سے تو پُر کینہ ہو جائے گا تو بدون رگڑائی کے کس طرح آئینہ بنے گا۔

حکایتِ استنِ حنّانہ

پختہ منبر تعمیر کرنے کے لیے جب کھجور کے تنے سے بنائے ہوئے منبرِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو جس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دیا کرتے تھے ہٹایا گیا تو اس صدمے سے کہ اب مجھ پر خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دینے کے لیے نہ بیٹھیں گے اس نے اس طرح رونا شروع کیا جس طرح چھوٹا بچہ ماں کی جدائی سے روتے ہوئے سسکیاں لیتا ہے۔ اس واقعے کو مولانا کس پیارے انداز سے بیان فرماتے ہیں:

استنِ حنّانہ از ہجرِ رسولؐ
نالہ می زد ہمچو اربابِ عقول

وہ منبر جس کا نام استن حنانہ تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جدائی سے نالہ کر رہا تھا مثل اربابِ عقول کے یعنی جیسے کہ وہ کوئی انسان ہو۔

در تحیُّر ماندہ اصحابِ رسول
کزچہ می نالد ستوں با عرض وطول

اس آوازِ گریہ سے اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم تعجب میں پڑگئے کہ یہ ستون اپنے پورے جسم طول وعرض سے کس طرح رورہا ہے۔

گفت پیغمبر چہ خواہی اے ستوں
گفت جانم از فراقت گشت خوں

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ اے ستون! تو کیا چاہتا ہے؟ اس نے کہا: یارسول اللہ! آپ کی جدائی کے صدمے سے میری جان خون ہورہی ہے۔

از فراقِ تو مرا چوں سوخت جاں
چوں ننالم بے تو اے جانِ جہاں

آپ کی جدائی سے میری جان اندر اندر جل رہی ہے پھر اس آتشِ غم کے ہوتے ہوئے آپ کے فراق سے میں کیوں نہ آہ وفغاں کروں کہ یارسول اللہ! آپ ہی تو جانِ کائنات ہیں۔

مسندت من بودم از من تاختی
بر سرِ منبر تو مسند ساختی

میں آپ کا مسند تھا آپ مجھ سے الگ ہوگئے اور آپ نے میری جگہ دوسرا منبر پسند فرمالیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کہ اے مبارک ستون! اگر تو چاہتا ہے تو تیرے لیے دعا کردوں کہ تو سرسبز وثمر آور درخت ہوجاوے اور تیرے پھلوں سے ہر شرقی وغربی مستفید ہو۔ یا تو عالمِ آخرت میں کچھ چاہتا ہے اور تو ہمیشہ کے لیے تروتازہ ہونا چاہتا ہے۔

اسطوانۂ حنانہ نے کہا: یارسول اللہ! میں تو دائمی اور ابدی نعمت چاہتا ہوں۔

گفت آں خواہم کہ دائم شد بقاش
بشنو اے غافل کم از چوبے مباش

اسطوانۂ حنانہ نے کہا: میں وہ چاہتا ہوں جو ہمیشہ رہنے والی نعمت ہو۔ اب مولانا نصیحت فرماتے ہیں کہ اے غافلو! سن لو تم کو اس لکڑی سے سبق لینا چاہیے کہ انسان ہو کر تم دنیائے فانی پر گرویدہ اور آخرت سے روگرداں ہو رہے ہو اور وہ استن حنانہ نعمتِ دائمی کو نعمتِ فانی پر ترجیح دے رہا ہے۔

آں ستوں را دفن کرد اندر زمین
تا چو مردم حشر گردد یومِ دیں

پھر اس اسطوانۂ حنانہ کو زمین میں دفن کردیا گیا تاکہ مثلِ انسانوں کے روزِ جزا اس کا حشر ہو۔

فائدہ: اسطوانۂ حنّانہ کا رونا جب کہ وہ لکڑی کا ستون تھا یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ تھا۔

حکایت معجزۂ سنگریزہ

ایک بار ابوجہل نے اپنے کفِ دست میں کچھ کنکریاں چھپاکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ اگر آپ خدا کے سچے رسول ہیں تو بتائیے کہ میرے ہاتھ میں کیا ہے۔ آپ تو آسمانوں کی خبر دیتے ہیں۔ پس میرے ہاتھ کی خبر دینا تو آپ کے لیے معمولی بات ہوگی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں بتادوں کہ تیرے ہاتھ میں کیا ہے یا میرے حکم سے تیرے ہاتھ کی چیزیں خود بتادیں کہ میں کون ہوں۔ اس نے کہا کہ دونوں ہی باتیں چاہتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تیرے ہاتھ میں چھ سنگریزے ہیں، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے اس کے ہاتھ کا ہر پتھر کلمۂ شہادت پڑھنے لگا، جب ابوجہل نے سنگ پاروں سے یہ بات سنی تو ان کنکریوں کو غصّے سے زمین پر دے مارا۔

چوں شنید از سنگہا بوجہل ایں
زد ز خشم آں سنگہا را بر زمیں

جب ابو جہل نے سنگریزوں سے کلماتِ شہادت کو سنا تو غصّے سے ان کو زمین پر ڈال دیا۔

چوں بدید ایں معجزہ بو جہل تفت
گشت در خشم وبسوئے خانہ رفت

جب اس معجزے کو ابو جہل نے دیکھا تو غضب ناک ہو کر تیزی سے اپنے گھر کی راہ لی۔

خاک بر فرقش کہ بد کور و لعیں
چشمِ او ابلیس آمد خاک بیں

خاک پڑے اس کے سر پر کہ ملعون بالکل اندھا تھا اور اس کی آنکھیں مثلِ ابلیس لعین کے صرف خاک تھیں، جس طرح ابلیس نے حضرت آدم علیہ السلام کو صرف خاکی پتلا سمجھا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روحِ پاک سے جو نبوت سے آراستہ تھی بے خبر رہا۔

قصہ ایک شخص کا رونا اپنے کتے پر

ایک کتا بھوک سے مر رہا تھا اور ایک شخص اس کا پالنے والا اس کے مرنے سے رو رہا تھا۔ کسی نے دریافت کیا کہ تم کیوں رو رہے ہو؟ اس نے کہا: یہ کتا بڑے بڑے اوصاف رکھتا تھا اور اب بھوک سے مر رہا ہے، اس نے دریافت کیا کہ تمہارے سر پر یہ کس چیز کا ٹوکرا ہے؟ جواب دیا: اس میں روٹیاں ہیں جو میرے سفر کے لیے ہمراہ ہیں۔

گفت چوں ندہی بداں سگ نان و زاد
گفت تا ایں حد ندارم مہر و داد

اس شخص نے کہا کہ ظالم! کیوں نہیں دیتا کتے کو اپنے توشۂ سفر سے، جواب دیا کہ اس حد تک اس کی محبت مجھے نہیں ہے کہ اپنی روٹی بھی کھلا دوں۔

دست ناید بے درم در راہِ ناں
لیک ہست آبِ دو دیدہ رائگاں

اس شخص نے کہا کہ روٹیاں بغیر پیسے کے نہیں ملتی ہیں اور یہ آنسو جو اس کے غم میں گرا رہا ہوں مفت کے ہیں۔

گفت خاکت بر سرا اے پُر باد مشک
کہ لبِ ناں پیشِ تو بہتر ز اشک

اس نے کہا کہ خاک پڑے تیرے سر پر اے سراپا ہوا سے بھرے ہوئے مشک! کہ روٹی کا ٹکڑا تیرے نزدیک بہتر ہے آنسو سے۔

اشک خون ست و بغم آبے شدہ
می نیرزد خوں بخاک اے بیہدہ

ارے ظالم! آنسو تو خون ہے جو غم اور صدمہ سے پانی بن جاتا ہے۔ پس اے بے وقوف! خون کی قیمت خاک کے برابر کیسے ہو سکتی ہے۔ روٹی کو خاک سے تعبیر کیا کہ گندم زمین ہی سے تو پیدا ہوتا ہے۔

من غلامِ آنکہ نفروشد وجود
جز بآں سلطانِ با افضال وجود

اب مولانا یہاں سے ارشادی مضمون بیان فرماتے ہیں کہ میں ایسے عالی حوصلہ شیخ (مرشد تبریزی رحمۃ اللہ علیہ) کا غلام ہوں جو کہ اپنے وجود کو دنیا کی بڑی سے بڑی دولت اور سلطنت کے عوض بھی نہیں فروخت کر سکتا۔ سوائے مولائے حقیقی کے عشق کے بدلے یعنی حق تعالیٰ ہی کی محبت سے میرا مرشدِ پاک اپنے جسم و روح کا سودا کرتا ہے۔ یعنی اولیائے پاک جو جانبازانِ الٰہی ہیں ان ہی کی غلامی کرنی چاہیے ورنہ اگر کسی دنیا دار کے غلام ہو گئے تو وہی حشر تمہارا بھی ہو گا جو اس کتے کا ہوا کہ وہ اپنے نفاق کے دو آنسو گرا دے گا اور کسی کام نہ آوے گا بسبب اپنی پست حوصلگی کے۔ اور حوصلے میں بلندی کیسے آ سکتی ہے جب کہ صرف زمینی ہے۔ اللہ والے چوں کہ عرشی اور سماوی ہیں اس لیے رب العرش کے رابطے سے ان کے حوصلے بھی ہفت افلاک سے زیادہ بلند ہوتے ہیں۔ یہ خاص شرح حق تعالیٰ کا اس فقیر پر انعامِ خاص ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى ذٰلِكَ وَلَا فَخْرَ۔

چوں بگرید آسماں گریاں شود
چوں بنالد چرخ یارب خواں شود

اب مولانا فرماتے ہیں کہ اے لوگو! تم نے ایک نوع آنسوؤں کی ابھی دیکھی جو روٹیوں سے بھی کمتر ہے اور اب اولیائے پاک کے آنسوؤں کا مقام سنو کہ جب ہمارا مرشدِ پاک شمس تبریزی رحمۃ اللہ علیہ روتا ہے تو اس کے اخلاص و درد کی تاثیر سے آسمان بھی رونے لگتا ہے اور جب ہمارا مرشد آتشِ عشقِ حقیقی سے نالہ وفغاں کرتا ہے تو فلک بھی لرزہ براندام ہو کر یارب یارب کرنے لگتا ہے۔

دست اشکستہ بر آرد در دعا
سوئے اشکستہ پرو فضلِ خدا

اور ہمارا شمس تبریزیؔ نہایت بے کسی و تضرع سے دعا کرتا ہے اور شکستہ (ٹوٹے ہوئے دلوں) کی فریاد کی طرف خدا کا فضل اڑ کر آجاتا ہے اور شرفِ قبولیت عطا کرتا ہے۔

حکایتِ ایاز و حاسدین

شاہ محمود کے ایک مقرب درباری غلام ایازؔ نے ایک حجرہ تعمیر کیا اور اس میں اپنی گدڑی اور پرانی پوستین لٹکا دی اور اس حجرے کو مقفل رکھتا تھا اور تنہا جا کر کبھی کبھی اپنی پھٹی پرانی گدڑی اور پوستین کو دیکھ کر رویا کرتا اور کہتا کہ اے اللہ! میں ایک غریب خاندان کا لڑکا تھا اور اس پھٹی حالت میں تھا کہ میرا لباس یہ تھا کہ جسے آج میں حیا و شرم سے مقفل رکھتا ہوں یعنی دوسروں کے سامنے پہننا تو درکنار دوسروں کو دکھانا اور دوسروں کے علم میں لانا بھی اپنی توہین اور ننگ سمجھتا ہوں اور اپنے کو سمجھایا کرتا کہ اے ایاز! تو اب مقرب بارگاہِ سلطان ہے، اس شان و شوکت پر ناز نہ کرنا کہ تیری حقیقت صرف یہی پوستین اور گدڑی ہے۔ عمائد اور وزراء اس راز سے بے خبر تھے، وہ ایاز کو اس حجرے کی طرف آتے دیکھتے اور طرح طرح کی قیاس آرائیاں کرتے۔

ایک دن تمام ارا کینِ سلطنت جمع ہو کر تبادلۂ خیال کرنے لگے کہ ایازؔ تنہا اس حجرے میں کیوں جاتا ہے اور اس کو مقفل بھی رکھتا ہے، اس قفلِ گراں کی کیا ضرورت ہے۔ شاہ اس کو عاشق اور درویش سمجھتا ہے اور یہ شاہ کی دولت اس حجرے میں مخفی کر رہا

ہے۔ اگر اس دفینے کی خبر شاہ کو کر دی جاوے تو دو فائدے حاصل ہوں: ایک تو یہ کہ ایاز کا تقرب ختم ہو جاوے گا دوسرے یہ کہ شاہ کو جب دفینہ مل جاوے گا تو ہم لوگوں کو انعام بھی ملے گا۔ چناں چہ یہ مشورہ طے پایا کہ شاہ محمود کو اطلاع کی جاوے پس ایک وفد نے شاہ سے کہا

شاہ را گفتند او را حجرہ ایست
اندر آں جا زر و سیم و خمرہ ایست

(خمرہ لغت میں بوریا کو کہتے ہیں) عمائدِ سلطنت کے ایک وفد نے شاہ سے کہا کہ ایازؔ کے پاس ایک حجرہ ہے، اس کے اندر سونا چاندی اور بوریا ہے۔

راہ می نہ دہد کسے را اندرو
بستہ می دارد ہمیشہ آں دراو

اور وہ کسی کو اس حجرے میں جانے کی اجازت نہیں دیتا، ہمیشہ اس کے دروازہ کو تالا دیے رہتا ہے۔ شاہ نے یہ سن کر ان لوگوں سے کہا کہ اچھا ہم آج آدھی رات کو اس حجرے کا معائنہ کریں گے اور تم سب لوگ ہمارے ساتھ رہنا۔ جو کچھ اس میں سے دولت ملے ہماری طرف سے وہ سب تم لوگ تقسیم کر لینا۔

با چنیں اکرام و لطف بے عدد
از لئیمی سیم و زر پنہاں کند

اور شاہ نے کہا: افسوس ہے ایاز پر کہ اس قدر عزت و اکرام اور الطافِ شاہی میسر ہوتے ہوئے ایسی حرکت کہ خفیہ سونا چاندی جمع کر رہا ہے۔

ہر کہ اندر عشق یابد زندگی
کفر باشد پیشِ او جز بندگی

جو شخص عشق سے زندگی پاچکا ہو اس کے لیے بندگی کے علاوہ غیر اللہ میں مشغول ہونا ناشکری ہے۔

شاہ کو تو پہلے ہی سے ایاز کی مخلصانہ محبت پر مکمل اعتماد تھا لیکن شاہ ان عمائد سے مذاق کر رہا تھا۔

شاہ را بروے نبودہ ایں گماں
تسخرے می کرد بہرِ امتحاں

شاہ کو ایاز پر بدگمانی نہ تھی اور یہ معاملہ امتحان کے لیے حاسدین کے ساتھ بطورِ تمسخر تھا۔

از ایاز ایں خود محال ست و بعید
کو یکے دریاست و قعرش ناپدید

ایاز سے یہ فعل محال اور بعید تھا۔ کیوں کہ وہ بحرِ وفا ناپید کنار تھا۔

شاہِ شاہان ست بلکہ شاہ ساز
وز برائے چشمِ بدنامش ایاز

ایاز شاہوں کا شاہ بلکہ شاہ ساز ہے اور صرف چشمِ بد سے حفاظت کے لیے نام ایاز رکھا تھا۔

۴۔شاہ می دانست خود پاکیے او
بہرِ ایشاں کرد او آں جستجو

شاہ محمود اس کی پاکدامنی سے باخبر تھا، صرف حاسدین کی اصلاح کے لیے یہ تلاشی کی تھی۔

آخر آدھی رات کو حجرہ کھولا گیا لیکن ارا کینِ سلطنت نے جب وہاں کچھ نہ پایا تو کہنے لگے کہ زمین کے اندر دفینہ ہوگا لہٰذا حجرے کے اندر کھدائی کی گئی پھر بھی کچھ نہ نکلا۔

جملہ در حیرت کہ چہ عذر آورند
تا ازیں گرداب جاں بیروں روند

سب لوگ سخت تعجب میں ہوئے کہ اب شاہ سے کیا معذرت کریں اور اس الزام تراشی کی پاداش سے اپنی جان کو کس طرح چھڑائیں۔

عاقبت نومید دست ولب گزاں
دستہا بر سرزناں ہمچو زناں

بالآخر ناامیدی سے اپنے ہاتھ اور لب کاٹ رہے تھے اور اپنے سروں پر عورتوں کی طرح ہاتھ رکھے ہوئے شرمسار تھے۔

شاہ کے سامنے سب حاضر ہوئے اور کہنے لگے کہ اب حضور جو سزا بھی دیں ہم اس کے مستحق ہیں لیکن اگر آپ ہم کو معاف کردیں تو آپ شاہِ کرم ہیں۔

شاہ نے کہا: جو فیصلہ ایاز کریں گے وہی فیصلہ ہمارا ہوگا کیوں کہ تم لوگوں نے ایاز کی عزت وناموس کو داغدار کرنے کی کوشش کی ہے لہٰذا میں اس میں کچھ فیصلہ نہ کروں گا اور شاہ نے کہا۔

کن میانِ مجرماں حکم اے ایاز
اے ایازِ پاک با صد احتراز

اے ایاز! تم ان مجرمین پر حکم نافذ کرو، اے ایاز! تم اس الزام تراشی سے بالکلیہ پاک وصاف اور محترز تھے۔

زامتحاں شرمندہ خلقے بے شمار
زامتحانہا جملہ از تو شرمسار

اے ایاز! تمہارے امتحان سے خلقِ کثیر شرمندہ اور نادم ہے، اب ایاز کی سعادت اور اس کی فنائیت اور آدابِ عاشقانہ سنیے۔

گفت اے شہ جملگی فرماں تراست
باوجودِ آفتاب اختر فناست

ایاز نے کہا: اے شاہ! جملہ حکمرانی آپ کو زیبا ہے، آپ کی نوازش ہے جو ایاز کو یہ عزت بخشی گئی ورنہ غلام تو غلام ہی ہے۔ آفتاب کے سامنے ستارہ کب اپنا وجود رکھتا ہے یعنی کالعدم ہوتا ہے۔

زہرہ کہ بود یا عطارد یا شہاب
کہ بروں آید بہ پیشِ آفتاب

زہرہ ہو یا عطارد یا شہابِ ثاقب یہ کب آفتاب کے سامنے اپنا وجود پیش کر سکتے ہیں۔ شاہ اس بات سے خوش ہوا اور کہا۔

اے ایاز از تو غلامی نور یافت
نورت از پستی سوئے گردوں شتافت

اے ایاز! تیری عالی حوصلگی سے غلامی اور بندگی کو روشنی عطا ہوئی اور تیرا نور پستی سے فلک کی طرف تیز رفتار ہے۔

حسرتِ آزادگاں شد بندگی
بندگی را چوں تو داری زندگی

اے ایاز! تیری غلامی نے وہ مقام حاصل کیا ہے جس پر آزادی بھی رشک و حسرت کر رہی ہے کیوں کہ تو نے بندگی کا حق ادا کر کے حقیقی زندگی حاصل کر لی ہے۔ ایاز نے کہا۔

گفت آں دانم عطائے تست ایں
ورنہ من آں چارقم و آں پوستیں

یہ سب عالی حوصلگی آپ ہی کی عطا اور آپ ہی کی صحبت کا فیضان ہے ورنہ میں در حقیقت وہی گھٹیا درجہ کا غلام ہوں جو کہ ابتدا میں پھٹی پرانی گدڑی اور پوستین میں حاضر ہوا تھا۔

چارقت نطفہ است و خونت پوستیں
باقی اے خواجہ عطائے اوست بیں

اے مخاطب! تیری گدڑی نطفہ اور تیری پوستین خونِ حیض ہے باقی سب کچھ حق تعالیٰ کی طرف سے عطا ہے۔

فائدہ: اس حکایت میں حضرت رومی رحمۃ اللہ علیہ نے فنائیت کی تعلیم دی ہے کہ جس طرح ایاز عطائے شاہی کے تمام انعامات کے باوجود اپنے کو عجب و تکبر سے بچانے کے لیے ہر روز اپنی پرانی گدڑی اور پوستین کو دیکھتا اور اپنے کو نصیحت کرتا اور کہتا کہ اے ایاز! تیری یہی اصل حقیقت تھی، شاہ کے تقرب سے ناز نہ کرنا۔ اسی طرح سالکین و طالبینِ حق

کو چاہیے کہ اپنی حقیقت پر ہمیشہ نظر رکھیں۔ جیسا کہ حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ کیا انسان کو یہ نہیں معلوم کہ ہم نے اس کو نطفے سے پیدا کیا ہے۔ انسان کی اصل تخلیق باپ کے نطفے اور ماں کے خونِ حیض سے ہوئی ہے اس کے علاوہ انسان کو ظاہری اور باطنی جو کچھ نعمتیں عطا ہوئی ہیں وہ سب حق تعالیٰ کی عطا ہیں۔ اللہ تعالیٰ کتنے ہی اعلیٰ مدارج کسی کو عطا فرمادیں مگر اپنی بنیادی حقیقت نطفۂ پدر اور خونِ حیضِ مادر کا مراقبہ عجب اور تکبر سے حفاظت کا وقایہ اور ذریعہ ہے۔ یعنی انسان کو بار بار یہ دھیان دل میں رکھنا چاہیے کہ ماں کے پیٹ میں جب انسان کی تخلیق ہوتی ہے تو باپ کے نطفے اور ماں کے خونِ حیض ہی سے اس کے اعضاء بنتے ہیں پھر ان اعضاء میں بینائی، شنوائی، عقل و فہم کے خزانے کون رکھتا ہے۔

جان و گوش و چشم و ہوش پاؤ دست

جملہ از دُرہائے احسانت پرست

ایک بزرگ سڑک سے گزر رہے تھے کہ ایک متکبر کے بدن کو ان کے جسم سے کچھ دھکا لگ گیا کیوں کہ زیادہ عمر کے سبب بینائی کمزور ہوگئی تھی۔

اس متکبر نے اکڑ کر کہا کہ او اندھے! تجھے سوجھائی نہیں دیتا، تو نہیں جانتا کہ میں کون ہوں؟ اُن بزرگ نے ارشاد فرمایا کہ میں خوب جانتا ہوں کہ تو کون ہے؟ اگر تو کہے تو میں تجھے بھی بتا سکتا ہوں۔

اس نے کہا: بتایئے۔

ارشاد فرمایا کہ ہر زندگی تین زمانے پر مشتمل ہوتی ہے: ماضی۔ حال۔ مستقبل۔ میں تیرے تینوں زمانے بتائے دیتا ہوں۔ ماضی میں تو باپ کا ناپاک نطفہ اور ماں کا خونِ حیض تھا۔ حال میں تیرے پیٹ کے اندر پائخانہ اور پیشاب بھرا ہوا ہے اور مستقبل میں تو قبرستان میں سڑی ہوئی لاش ہوگا۔

عجب و تکبر بے وقوفوں کو بہت ہوتا ہے ورنہ ذرا بھی عقل سے کام لیا جاوے تو سمجھ میں آجاوے گا کہ انسان کو تکبر کبھی زیبا نہیں۔ حدیثِ قدسی میں ہے کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں: بڑائی میری چادر ہے جو اس میں گھسے گا میں اس کی گردن توڑ دوں گا۔

عجب اور تکبر کا فرق اور ان کی تعریف

عجب کی حقیقت

انسان کا اپنی کسی صفت پر اس طرح نگاہ کرنا کہ بجائے عطائے حق سمجھنے کے اس کو اپنا ذاتی کمال سمجھے جس کا لازمی اثر یہ ہوتا ہے کہ منہ سے بجائے شکر نکلنے کے میں ایسا ہوں، ویسا ہوں نکلتا ہے کیوں کہ عطائے حق کا اسے استحضار نہیں رہتا اور دل ہی دل میں اپنے کو اچھا سمجھتا ہے۔

تکبر کی حقیقت

یہ ہے کہ اپنے کو بڑا سمجھے کسی کے مقابلے میں، پس تکبر میں دوسرے کی تحقیر بھی لازم آتی ہے اور عجب میں دوسرے کی تحقیر لازم نہیں آتی۔

معجب اور متکبر ان دونوں کلیوں کے درمیان نسبتِ اعم ،اخص مطلق کی ہے، متکبر اعم ہے اور معجب اخص ہے۔ اس لیے کہ ہر متکبر میں عجب کا تحقق ضروری ہوتا ہے کیوں کہ جب اپنی کسی صفت پر نظر کرکے اپنی اچھائی اور بڑائی کا تصور ہوگا تب ہی تو دوسرے کو حقیر سمجھے گا اور ہر عجب کے لیے تکبر لازم نہیں کیوں کہ کبھی انسان اپنی صفت پر نظر کرکے صرف اپنے ہی کو اچھا سمجھتا ہے اور اس وقت کسی کی تحقیر سے خالی الذہن ہوتا ہے۔ یہ علمی تحقیق حق تعالیٰ نے اس ناکارہ عبد کو عطا فرمائی ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ وَلَا فَخْرَ

قلب وروح کے امراض میں سالکین کے لیے عجب اور تکبر دونوں ہی مہلک بیماریاں ہیں، ان کی اصلاح میں تغافل نہ ہونا چاہیے۔

ایک مثال سے ان کا ضرر سمجھ میں آجائے گا۔ وہ یہ ہے کہ کوئی عاشق اپنے محبوب کا مشتاق ہے لیکن بوقتِ ملاقات یہ وقوف بجائے محبوب کو دیکھنے کے اپنی جیب سے آئینہ نکال کر اپنی ہی صورت اور اپنے ہی نقش و نگار دیکھ رہا ہے تو یہ شخص اس

محبوب کی نظر میں کس قدر منافق فی المحبت اور محروم سمجھا جاوے گا، اسی طرح سالکین اور طالبینِ حق کو سوچنا چاہیے کہ مولائے حقیقی ہر وقت اپنے بندوں پر ہزارہا الطاف و کرم سے متوجہ ہیں اور بندہ اگر بے وقوفی سے بجائے حق تعالیٰ کی ذات و صفات کی طرف متوجہ ہونے کے اپنی ہی مستعار صفات میں مشغول ہے تو یہ لمحات اس کے لیے نفاق فی المحبت اور فراق و محرومی کے ہوں گے یا نہیں؟ خود ہی فیصلہ کرلو۔ اور اس بیماری کی اہمیت اور اس کے ضرر کا اندازہ لگالو۔ الحمدللہ! کہ اس مثال سے عجب اور کبر کی مضرت بہت ہی واضح طور پر سمجھ میں آجاتی ہے اور عاشقوں کے لیے یہ مثال تازیانۂ عبرت ہے۔

اے اللہ! ہم سب کو عجب و کبر اور جملہ مہلکاتِ طریق سے محفوظ فرما۔ آمین

حق تعالیٰ کا احسان ہے کہ حضرت شیخ کی جوتیوں کے صدقے میں یہ مثالیں اور علوم عطا ہو رہے ہیں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَالشُّکْرُ لَکَ یَا رَبَّنَا۔ اے اللہ! توفیقِ عمل عطا فرما۔

یَا غَیَّاثَ الْمُسْتَغِیْثِیْنَ اھْدِنَا
لَا افْتِخَارَ بِالْعُلُوْمِ وَالْغِنَا

حکایتِ جبری جو خیر و شر میں خود کو مجبور سمجھتا تھا

ایک شخص بد عقیدہ کہتا تھا کہ بندہ مجبورِ محض ہے اور ذاتی طور پر اس کو کچھ اختیار نہیں۔ اس لیے خیر و شر کی کوئی ذمہ داری مجھ پر نہیں۔ ایک دن یہ ملعون ایک باغ میں پہنچا اور مالکِ باغ کی اجازت کے بغیر خوب پھل توڑ کر کھائے۔ مالک نے کہا: او چور کمینے! یہ کیا کر رہا ہے؟ اس نے کہا:

گفت از باغِ خدا بندہ خدا
گر خورد خرما کہ حق کردش عطا

یہ باغ خدا کا ہے اور میں خدا کا بندہ ہوں اور عطائے حق سے کھاتا ہوں تو کیا گناہ ہے۔

مالک نے پہلے اس کو درخت پر رسی سے باندھا اور ایک موٹا مضبوط ڈنڈا اس

کی پیٹھ پر رسید کرنا شروع کیا۔

گفت آخر از خدا شرمے بدار
مے کشی ایں بیگنہ را زار زار

اس نے کہا: اے ظالم! مجھ بے گناہ کی اس بری طرح کیوں پٹائی کر رہا ہے، خدا سے شرم کر۔

گفت کز چوبِ خدا ایں بندہ اش
مے زند بر پشت دیگر بندہ خوش

باغ کے مالک نے کہا: یہ ڈنڈا بھی خدا کا بندہ ہے اور میں بھی خدا کا ہوں، جو دوسرے بندے کی پٹائی اچھی طرح کر رہا ہے۔ مجھے کچھ اختیار نہیں، میں بھی مجبور ہوں، میرا ڈنڈا بھی مجبور ہے، یہ سب خدا کر رہا ہے۔

گفت توبہ کردم از جبر اے عیار
اختیار ست اختیار ست اختیار

(عیار معنٰی ترازوئے زر سنج (غیاث اللغات) اس نے کہا: توبہ کرتا ہوں اس برے عقیدۂ جبر سے، بے شک اختیار ہے، اختیار ہے، اختیار ہے۔

فائدہ: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے ایک شخص نے سوال کیا کہ بندہ مجبورِ محض ہے یا مختار ہے۔

آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ایک پاؤں اٹھا، اس نے اٹھالیا پھر ارشاد فرمایا: اچھا دوسرا پاؤں بھی اٹھا۔ اس نے کہا: دونوں کیسے اٹھا سکتا ہوں۔ آپ نے فرمایا: بس یہی جواب ہے تیرے سوال کا کہ بندہ آدھا مختار ہے، آدھا مجبور ہے، نہ بالکلیہ مختار نہ بالکلیہ مجبور۔

اللہ تعالیٰ سے توفیقِ اعمالِ صالحہ اور فہمِ سلیم مانگتا رہے، بعض گناہوں کی شامت سے عقل پر عذاب آجاتا ہے، اس امت سے وہ عذاب جس سے ابدان مسخ ہوجاتے تھے، اٹھالیا گیا ہے مگر فہم و عقل مسخ ہونے کا عذاب نازل ہوجاتا ہے۔

اندریں امت نہ بُد مسخِ بدن
لیک مسخِ دل بود اے بو الفطن

اللہ تعالیٰ ہم سب کو فہمِ سلیم اور نورِ عقل عطا فرمائیں اور عذابِ مسخِ دل اور مسخِ عقل و فہم سے محفوظ فرمادیں۔ آمین

بزرگوں کا تجربہ ہے کہ اللہ والوں کی صحبت اور ذکر اللہ کی پابندی کرنے والا مسخِ عقل کے عذاب سے محفوظ رہتا ہے۔

حکایت ایک شخص کا اپنے ہاتھ پر شیر بنوانا

زمانۂ جاہلیت میں کسی علاقے کے لوگ اپنے ہاتھوں پر شیر یا چیتے کی تصویر بنوالیا کرتے تھے۔

ایک شخص نے اسی طرح تصویر بنانے والے سے کہا کہ میرے ہاتھ پر شیر بنادے۔ اس نے جب سوئی آگ میں گرم کرکے اس کے ہاتھ پر رکھی تو تکلیف سے اس کی چیخ نکل گئی اور کہا: کیا بناتا ہے؟ اس نے کہا: دم بناتا ہوں، کہا: ارے! بغیر دم کے بھی شیر بن سکتا ہے۔ اس مصور نے دوبارہ سوئی آگ میں گرم کی اور اس کی کھال پر رکھی، وہ پھر چلّایا اور کہا: کیا بناتا ہے؟ مصور نے کہا: اب کان بناتا ہوں۔ کہا: ارے ظالم! بغیر کان کے بھی تو شیر ہوسکتا ہے، مصور نے پھر سوئی گرم کی اور اس کی کھال پر رکھی، یہ پھر چیخا کہ اب کیا بناتا ہے؟ اس نے کہا: اب شیر کا شکم بناتا ہوں۔ اس نے کہا: رہنے بھی دے بغیر شکم ہی کے شیر بنادے۔

اسی طرح جب سر بنانے سے بھی اس نے انکار کیا تو مصور نے غصّے سے جھنجلا کر سوئی پھینک دی اور کہا: دور ہو۔

شیرِ بے دم و سر و شکم کہ دید
اینچنیں شیرے خدا ہم نافرید

بے دم و بے سر و بے شکم کا شیر کس نے دیکھا۔ اسی طرح کا شیر تو خدا نے پیدا ہی نہیں کیا۔

چوں نداری طاقتِ سوزن زدن
از چنیں شیرِ ژیاں پس دم مزن

(لغت ژیاں بکسر ''ژ'' تند خو، دم زدن، بات کرنا (دم مزن، بات مت کر)

اے شخص! جب تو سوئی کی تکلیف کا تحمل نہیں کر سکتا تو ایسے تند خو شیر بنوانے کی بات مت کر۔

اے برادر صبر کن بر دردِ نیش
تارہی از نیشِ نفسِ گبر کیش

اے بھائی! استاد یا مرشد کی تربیت میں سختیوں کو جھیل لے تاکہ نفس کے تقاضائے کفر و فسق سے نجات پا جاوے۔

گر ہمی خواہی کہ بفروزی چو روز
ہستئ ہمچوں شب خود را بسوز

اگر تو مثلِ دن کے روشن ہونا چاہتا ہے تو اپنی ہستی کو مثلِ رات کے فنا کر دے یعنی جس طرح رات کے فنا ہونے سے دن روشن ہوتا ہے، اسی طرح تو اگر نفس کے برے تقاضوں کی اصلاح کسی مرشدِ کامل سے کرالے گا تو گویا اس کی ظلمت و تاریکی فنا ہو جاوے گی اور تیری حیات تعلق مع اللہ کے نور سے روشن ہو جاوے گی۔

کاں گروہے کہ رہید ند از وجود
چرخ و مہر و ماہ شاں آرد سجود

مثال اولیائے کرام کے اپنی ہستی کی قید سے خلاصی حاصل کرلے کیوں کہ اس مجاہدے کے بعد ایسی تجلیاتِ قرب ان کے باطن کو عطا ہوتی ہیں کہ انوارِ شمس و قمر و افلاک ان کے نورِ باطن کے غلام بن جاتے ہیں۔

چوں بہ بینی کر و فرِّ قرب را
جیفہ بینی بعد ازیں ایں شرب را

اے مخاطب! اگر تو حق تعالیٰ کے قرب کی شان و شوکت کا مشاہدہ اپنے باطن میں کرلے تو سارے جہان کو تو اس نورِ حقیقی کے سامنے مردار اور بے قدر دیکھے گا۔

فائدہ: تصویر کشی اسلام میں حرام ہے لیکن مولانا نے اس حکایت میں زمانۂ جاہلیت کا واقعہ بیان فرمایا جس سے مقصود مولانا کا سالکین کو اس بات کی ہدایت دینا ہے کہ اگر مرشدِ کامل یعنی شیخ متبعِ سنت تمہاری اصلاح کے لیے داروگیر اور کچھ سختیاں کرے تو اس کی ہر ڈانٹ ڈپٹ خوشی خوشی برداشت کرلو تاکہ تمہارے اندر اعمالِ صالحہ اور اخلاقِ حمیدہ کی خوراسخ ہوجاوے۔

گر بہر زخمے تو پُر کینہ شوی
پس چرا بے صیقل آئینہ شوی

اگر شیخ کی ہر ڈانٹ سے تم پُر کینہ ہوجاؤ گے تو بغیر رگڑے ہوئے کس طرح آئینہ بن سکتے ہو۔ یہ مجاہدہ چند دن کا ہوتا ہے پھر راحت ہی راحت ہوتی ہے۔

حکایتِ اژدہا افسردہ در شہرِ بغداد

ایک سانپ پکڑنے والا ایک دفعہ پہاڑ کی طرف گیا، برف باری سے دامنِ کوہ میں بڑے بڑے اژدہے بے حس و حرکت پڑے تھے۔

مار گیر اندر زمستانِ شدید
مار می جست اژدہائے مردہ دید

سپیرے نے سخت سردی کے موسم میں ایک مرے ہوئے اژدہے کو دیکھا۔

مار گیر آں اژدہا ر ابر گرفت
سوئے بغداد آمد از بہرِ شگفت

سانپ والے نے اس کو اٹھالیا اور شہرِ بغداد میں تماشے کے لیے لے آیا۔

اژدہائے چوں ستونِ خانۂ
می کشیدش از پئے وا نگانۂ

(وانگاہ متاعِ قلیل۔ حبّہ) وہ اژدہا مثلِ ستونِ خانہ عظیم القامت تھا، سانپ والا اس کو اپنی کمائی کے لیے گھسیٹ رہا تھا۔

او ہمی مردہ گماں بردش ولیک
زندہ بود و او ندیدش نیک نیک

اس سانپ والے نے اس کو مردہ گمان کیا اور وہ زندہ تھا مگر سردی سے بے جان ہو رہا تھا لیکن اس کی خبر اسے نہ تھی۔

کاژدہائے مردۂ آوردہ ام
در شکارش من جگرہا خوردہ ام

سانپ والے نے تماشائیوں سے کہا کہ میں یہ مردہ اژدہا لایا ہوں، اس کے شکار میں مجھے بڑی جانفشانی اور خون پسینہ بہانا پڑا ہے۔

او ز سرما و برف افسردہ بود
زندہ بود و شکلِ مردہ می نمود

وہ اژدہا موسمِ سرما اور برف سے بے جان سا ٹھٹھرا ہوا تھا، در حقیقت زندہ تھا لیکن مردہ معلوم ہو رہا تھا۔

تا بہ بغداد آمد آں ہنگامہ جو
تا نہد ہنگامۂ بر چار سو

یہاں تک کہ وہ اس اژدہے کو بغداد تک گھسیٹ لایا اور اپنی تشہیر اور کمالات کے خوب چرچے کر رہا تھا اور خلقِ کثیر جمع ہو گئی، اطراف و جوانب میں خبر گرم ہوئی کہ۔

مار گیرے اژدہا آوردہ است
بوالعجب نادر شکارے کردہ است

مار گیر (سپیرا) ایک اژدہا لایا ہے بہت ہی نادر اور قابلِ حیرت اس نے شکار کیا ہے۔

جمع آمد صد ہزاراں خام ریش
صیدِ او شد ہر یک آنجا از خریش

ہزاروں ناتجربہ کار اور بے عقل لوگ جمع ہو گئے اور وہ سب اس سانپ والے کے چکر میں پھنس رہے تھے۔

صبح کا وقت تھا، جب آفتاب بلند ہوگیا اور اس کی شعاعوں کی تمازت نے اس اژدہے کو گرم کیا تو اس کے جسم سے افسردگی اور ٹھنڈک کے آثار ختم ہونے شروع ہوئے اور رفتہ رفتہ اس میں زندگی کے آثار دکھائی دینے لگے۔

آفتابِ گرم سیرش گرم کرد
رفت از اعضائے او اخلاطِ سرد

آفتاب کی گرمی نے اس میں زندگی کے آثار نمایاں کردیے اور اس کے اعضاء سے ٹھنڈک ختم ہوگئی۔

مردہ بود و زندہ گشت او از شگفت
اژدہا بر خویش جنبیدن گرفت

اژدہا مردہ تھا زندہ ہوگیا اور اس نے حرکت کرنا شروع کیا۔

خلق را از جنبشِ آں مردہ مار
گشت شاں آں یک تحیر صد ہزار

خلق اس مردہ اژدہے کی حرکت سے حیرت میں ہوگئی اور اس کی یہ حرکت باعثِ صد ہزار حیرت ہوئی۔

با تحیّر نعرہا انگیختند
جملگاں از جنبشش بگریختند

تماشائیوں نے حیرت کے ساتھ نعرے بلند کیے اور سب کے سب راہِ فرار اختیار کرنے لگے۔ جب وہ اژدہا مثلِ شیرِ غرّاں حرکت کرنے لگا تو بہت سی مخلوق بھاگتے وقت ایک دوسرے سے ٹکرا کر زخمی ہوگئی اور وہ سانپ والا بھی وہیں خوف سے دم بخود ہوگیا۔

نفس اژدہاست او کے مردہ است
از غمِ بے آلتی افسردہ است

اب مولانا اس قصے کے بعد ارشادی مضمون بیان فرماتے ہیں کہ اے سالکین! خوب

سمجھ لو کہ نفس گناہوں کے سامان نہ ہونے سے افسردہ اور بے جان معلوم ہوتا ہے لیکن خلوت میں کسی اجنبیہ یا امرد کے پاس اس کا کیا حال ہوتا ہے۔

گر بیابد آلتِ فرعون او
کہ بامرِ او ہمی رفت آب جو

اگر نفس فرعون جیسا سامان واسبابِ عیش وطاقت پا جاوے۔

آنکہِ او بنیادِ فرعونی کند
راہِ صد موسیٰ و صد ہاروں زند

اس وقت ہمارا نفس بھی فرعونی بنیاد پر سرکشی اور ارتکابِ معاصی شروع کردے گا اور سینکڑوں داعین الی الحق کے ساتھ جنگ وگستاخی کرنے پر تُل کھڑا ہوگا۔

فائدہ: اس حکایت میں سالکین کے لیے نہایت ہی اہم سبق مولانا نے بیان فرمایا ہے کہ نفس پر کبھی اعتماد نہ کرو کہ وہ اصل فطرت کے اعتبار سے امّارہ بالسوء ہے۔ پس شیخ کی صحبت اور طویل عمر مجاہدات کی برکت سے اگر نفس کچھ نیک معلوم ہونے لگے پھر بھی اس سے مطمئن ہو کر بے فکر نہ ہونا یعنی احتیاط میں کوتاہی نہ کرنا جیسا کہ بعض بے وقوف جاہل صوفیوں نے جب ایک عرصۂ دراز تک اپنے نفس کو اذکار واشغال کا پابند دیکھا تو مطمئن اور بے فکر ہوگئے اور اجنبیہ عورتوں اور امردوں سے اختلاط کرنے لگے اور سمجھے کہ اب ہمارے نفس کو گناہ کا تقاضا مغلوب نہ کرسکے گا لہٰذا کیوں نہ ان کو پاک نظر سے دیکھ کر کچھ نشاط حاصل کرلیا جاوے مگر ان کی پھر کیا حالت ہوئی کہ بری طرح ذلیل ہوئے، نفس جو افسردہ تھا اسبابِ معصیت کو دیکھ کر زندہ ہونے لگا اور جس نظر کو پاک سمجھا تھا وہی نظر ناپاک اور حرام ثابت ہوئی۔

بالآخر نفس کے سانپ نے ڈس لیا اور راہِ حق میں مردود اور ذلیل ہوگئے۔ اسی وجہ سے ہمارے اکابر نے فرمایا ہے کہ کتنے ہی پرانی متقی ہو جاؤ مگر نفس سے مرتے دم تک بے فکر نہ ہونا۔ حضرت مجذوب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

بھروسا کچھ نہیں اس نفسِ امارہ کا اے زاہد
فرشتہ بھی یہ ہو جائے تو اس سے بدگماں رہنا

نفس کا اژدہا دلا دیکھ ابھی مرا نہیں
غافل ادھر ہوا نہیں اس نے اُدھر ڈسا نہیں

کتا کتنا ہی تربیت یافتہ ہو جاوے مگر اس کی گردن سے زنجیر الگ نہ کرو۔

گر مُعلَّم گشت ایں سگ ہم سگ است

تعلیم یافتہ کتّا، کتّا ہی رہتا ہے۔

سلسلہ از گردنِ سگ وامگیر

زنجیر کو اس کی گردن سے الگ نہ کرنا

اللہ تعالیٰ ہم سب کو نفس کی نگہبانی کی تادمِ آخر توفیق عطا فرمائیں۔ آمین

در تحریصِ متابعتِ ولی مرشد

سایۂ یزداں بود بندہ خدا
مردۂ ایں عالم و زندہ خدا

خدا کا خاص بندہ یعنی مرشدِ کامل خدا کا سایہ ہوتا ہے جو اس جہان کے تعلقات سے مردہ اور خدا کے تعلقات سے زندہ ہوتا ہے۔

دامنِ او گیر زود تر بے گماں
تارہی از آفتِ آخر زماں

جلد اور بلا تامل اس مرشد کا دامن پکڑلے تاکہ آخری زمانے کی آفت سے نجات پالے۔

اندریں وادی مرو بے ایں دلیل
لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ گو چو خلیل

اس وادی (سلوک) میں مرشد کے بغیر نہ چل، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح

لا احبّ الآ فلین (نہیں محبوب رکھتاہوں میں فنا ہونے والوں کو) کا قائل ہو اور غیرِ خدا کا گرویدہ نہ ہو۔

روز سایہ آفتابے را بیاب
دامنِ شہ شمس تبریزی بتاب

ترجمہ: جاؤ ظل اللہ (مرشدِ کامل) کے توسل سے آفتابِ حق سے جاملو اور شاہِ شمس تبریزی کا دامن پکڑلو۔

چوں کہ اتباعِ مرشد کا بیان ہورہا تھا اس لیے مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے مرشد کی یاد تازہ ہوگئی اور ان کا تذکرہ بے ساختہ غلبۂ محبت سے کر دیا۔

رہ ندانی جانبِ ایں سور و عرس
از ضیاء الحق حسام الدیں بپرس

اگر تم کو صحبت شمس تبریزی کی پُر رونق اور بافیض مجلس کا راستہ نہ معلوم ہو تو ضیاء الحق حسام الدین سے پوچھ لو۔

ضیاء الحق لقب ہے اور حسام الدین نام ہے، مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفۂ اعظم تھے، جن کو پہلے حضرت شمس تبریزی رحمۃ اللہ علیہ سے فیض پہنچا پھر وہ مولانا سے مستفیض ہوئے۔

ور حسد گیرد ترا دررہِ گلو
ور حسد ابلیس را باشد غلو

اور اگر راستے میں تلاشِ مرشد کے تجھے حسد حائل ہو اور حسد تیرا اگلا گھونٹنے لگے تو یاد رکھ کہ حسد میں ابلیس تجھ سے زیادہ ترقی کرچکا ہے۔

مولانا نے غالباً یہ بات اپنے مریدین کی مجلس میں فرمائی ہوگی اس لیے اندیشہ ہوا کہ مولانا حسام الدین کے توسل پر کسی کو حسد ہوگا، کیوں کہ عام حالات میں حسد ہی مانع ہوتا ہے اہلِ علم اور اہلِ جاہ کو اللہ والوں کے پاس جانے میں۔ اس لیے اب مولانا حسد کا بیان فرماتے ہیں:

کو زِ آدم ننگ دارد از حسد
باسعادت جنگ دارد از حسد

ابلیس حسد ہی کے سبب حضرت آدم علیہ السلام کے سامنے باادب نہ ہو سکا اور حسد ہی کے سبب نیکی کی مخالفت کرتا رہتا ہے۔

خانما نہا از حسد گردد خراب
بازِ شاہی از حسد گردد غراب

حسد سے گھر بار اجڑ جاتے ہیں اور شاہی باز بوجہ حسد کی نحوست کے خصائل کے اعتبار سے کوّا بن جاتا ہے۔

خاک شو مردانِ حق را زیرِ پا
خاک بر سر کن حسد را ہمچوما

مردانِ حق کے پاؤں کے نیچے خاک ہو جا یعنی اپنے کو مٹادے اور حسد کے سر پر خاک ڈال دے ہماری طرح۔

حق تعالیٰ کا شکر ہے کہ ان کی رحمتِ خاصہ کے صدقے اس ضعیف عبد سے حصۂ اول حکایات کا تمام ہوا۔

اے اللہ! محض اپنی رحمت سے اور اپنے نبیٔ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے قبول فرما اور راقم الحروف اور ناظرین کو توفیقِ عمل عطا فرما۔

اٰمِیْنَ یَارَبَّ الْعَالَمِیْنَ وَصَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ
وَصَحْبِہٖ وَاَھْلِ بَیْتِہٖ اَجْمَعِیْنَ بِرَحْمَتِکَ یَااَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ

راقم الحروف محمد اخترؔ عفا اللہ عنہ (رحمۃ اللہ علیہ)

۱۲/ رجب المرجب ۱۳۹۲ھ

فِیْ لَیْلَۃِ الْخَمِیْسِ
قُبَیْلَ صَلٰوۃِ الْعِشَآءِ

تتمہ حصّہ اول

''منظوم ارشادات حضرتِ اقدس حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ'' نظم کنندہ حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوبؔ رحمۃ اللہ علیہ

اصلاحِ جوشِ طبع

طبیعت کی رو زور پر ہے تو رک
نہیں تو یہ سر سے گزر جائے گی

ہٹا لے خیال اس سے کچھ دیر کو
چڑھی ہے یہ ندی اتر جائے گی

حقوقِ شیخ

شیخ کے ہیں تین حق رکھ ان کو یاد
اعتقاد و اعتماد و انقیاد

علاجِ سستی

اصلاح میں اپنی کر نہ سستی
ہمت پہ ہے منحصر درستی

فرما گئے ہیں حکیم الامت
سستی کا علاج بس ہے چستی

احکامِ عقل طبع وشرع

طبع غالب نہ عقل پر ہو کبھی
اور نہ ہو عقل شرع پر غالب

سعیِ پیہم

جو ناکام ہوتا رہے عمر بھر بھی
بہر حال کوشش تو عاشق نہ چھوڑے

یہ رشتہ محبت کا قائم ہی رکھے
جو سو بار ٹوٹے تو سو بار جوڑے

علاجِ حیلۂ نفس

تو گناہوں کا خود ہے ذمہ دار
آڑ تقدیر کی نہ لے زنہار

ترے اس عذر پر ہے یہ صادق
خوئے بد را بہانۂ بسیار

فرق دل لگنا اور لگانا

دل کیوں نہیں لگتا طاعتوں میں
اس فکر کے پاس بھی نہ جانا

دل لگنا کہاں ہے فرض تجھ پر
تیرا تو ہے فرض دل لگانا

فرقِ اختیاری و غیر اختیاری

لگا رہ اسی میں جو ہے اختیاری
نہ پڑ امرِ غیر اختیاری کے پیچھے

عبادت کیے جا مزہ گو نہ آئے
نہ آدھی کو بھی چھوڑ ساری کے پیچھے

علاجِ وساوس

وساوس جو آتے ہیں اس کا ہو غم کیوں
عبث اپنے جی کو جلانا برا ہے
خبر تجھ کو اتنی بھی ناداں نہیں ہے
وساوس کا لانا کہ آنا برا ہے

رضا بالقضا

مالک ہے جو چاہے کر تصرّف
کیا وجہ کسی بھی فکر کی ہے
بیٹھتا ہوں میں مطمئن کہ یارب
حاکم بھی ہے تو حکیم بھی ہے

کیفیات کی ہوس

چاہے اطمینان اگر مجذوب تو
کر نہ کیفیات کی ہرگز ہوس
عقل و ایماں ہیں رفیق دائمی
آنی جانی اور سب چیزیں ہیں بس

دعوتِ عمل

رہِ عشق میں ہے تگ و دو ضروری
کہ یوں تا بمنزل رسائی نہ ہوگی
پہنچنے میں حد درجہ ہوگی مشقت
تو راحت بھی کیا انتہائی نہ ہوگی

جذبۂ عمل کے بعد عمل کی ضرورت

جذبات ہی پہ اپنے نہ مجذوب شاد رہ
جذبات ہیچ ہیں جو مرتب عمل نہ ہو

پاداشِ عملِ بد

یہ اعمالِ بد کی ہے پاداش ورنہ
کہیں شیر بھی جوتے جاتے ہیں ہل میں

حصّۂ دوم

منظوماتِ مثنوی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ
نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

حمد

حمد لک والشکر لک یَا ذَا الۡمَنَنۡ
حاضری و ناظری بر حالِ ما

تمام تعریفیں اور شکر اے احسان والے رب! آپ ہی کے لیے خاص ہیں اور آپ ہی ہمارے جملہ حالات پر حاضر وناظر ہیں۔

واحد اندر ملکِ او را یار نے
بندگانش را جزا و سالار نے

وہ واحد ہے اوراس کا کوئی شریک نہیں اوراس کے بندوں کا اس کے علاوہ کوئی سالار نہیں۔

خالقِ افلاک و انجم بر عُلا
مردم و دیو و پری و مرغ را

آسمانوں اور ستاروں کا خالق ہے اور آدمی و جن وپری اور چڑیوں کا بھی۔

خالقِ دریا و دشت وکوہ و تیہ
مملکت او بے حد و بے شبیہ

دریا وجنگل وپہاڑ ومیدان کا خالق ہے، اس کی سلطنت غیر متناہی اور بے نظیر ہے۔

شاہِ ما بیدارو ہردم ہوشیار
می رساند روزیٔ ہر مور و مار

ہمارا شاہِ حقیقی ہر وقت بیدار اور مخلوقات کا نگہبان ہے اور ہر چیونٹی و سانپ کا روزی دہندہ ہے۔

كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَأْنٍ

بخواں مرورا بے کار و بے فعلے مداں

ہر دن وہ ایک شانِ خاص میں ہے اور اس ذاتِ پاک کو کسی لمحے بھی امر و تدبیر سے بے پروامت جانو۔

او مبدّل کردہ خاکے رابزر

خاکِ دیگر رابکردہ بوالبشر

اس کی قدرتِ کاملہ خاک کے ایک جزو کو سونا بنادیتی ہے اور خاک کے دوسرے جز کو چند تبدیلیوں کے بعد انسان بنادیتی ہے۔

تا قیامت گر بگویم زیں کلام

صد قیامت بگزرد ویں نا تمام

قیامت تک اگر ہم اس کی حمد بیان کریں تو سو قیامتیں اور گزر جاویں مگر اس کی حمد ناتمام رہے گی یعنی ختم نہ ہوگی۔

نعت

سید و سرور محمد نورِ جاں

بہتر و مہتر شفیعِ مجرماں

سید و سردار ہماری جانوں کے نور محمد صلی اللہ علیہ وسلم، تمام خلائق سے افضل اور مجرمین کی شفاعت کرنے والے ہیں۔

آں چناں گشتہ پُر از اجلالِ حق

کہ در وہم رہ نیابد آلِ حق

آپ صلی اللہ علیہ وسلم جلالتِ شان حق تعالیٰ شانہٗ کے ایسے اکمل واتم مظہر ہیں کہ مخلوقاتِ الٰہیہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بلندیٔ مقام کے فہم سے عاجز ہیں۔

زاں محمد شافعِ ہر داغ بود
کہ ز سرمہ چشمِ او مازاغ بود

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر گناہ گار امتی کے شافع ہیں کہ آپ سید العارفین صلی اللہ علیہ وسلم نے حق تعالیٰ شانہٗ کا مشاہدہ اس طرح کیا کہ ذرا بھی اس رؤیت میں امکانِ خطا نہیں۔

كَمَا قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى[۳۶]

از الم نشرح دو چشمش سرمہ یافت
دید انچہ جبرئیل آں برنہ تافت

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں کو اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ سے وہ خاص نور عطا ہوا تھا جو مشاہدۂ جمال و تجلیاتِ الٰہیہ سے بھی خیرہ نہ ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بوقتِ مشاہدہ ایسی قوی تجلیاتِ حق کا تحمل فرمایا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام سے بھی اس کا تحمل ممکن نہ تھا۔

مصطفی را وعدہ کرد الطافِ حق
گر بمیری تو نمیرد ایں سبق

الطافِ الٰہیہ نے مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم سے وعدہ فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب دنیا سے پردہ فرمالیں گے اس وقت بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دین زندہ رہے گا۔

من کتاب و معجزت را رَافِعَم
بیش و کم کن رازِ قرآں دَافِعَم

حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ میں کتابِ وحی اور معجزات کو بلند کرنے والا ہوں اور کم و زیادہ کرنے والوں کو قرآن سے دور رکھنے والا ہوں۔

چاکرانت شہرہا گیرند و جاہ
دینِ تو گیرد زما ہی تا بماہ

۳۶؎ النجم:۱۷

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب و خدام بہت سے شہروں کے حاکم اور صاحبِ جاہ ہوں گے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دین مچھلی سے چاند تک پھیلے گا یعنی آفاقِ عالم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نور سے منور ہو گا۔ جیسا کہ آج تمام کائنات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام لیوا پھیلے ہوئے ہیں اور پانچ وقت اذانوں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام روشن ہو رہا ہے۔

تا قیامت باقیش داریم ما
تو مترس از نسخِ دیں اے مصطفیٰ!

ہم قیامت تک اس دین کو باقی رکھیں گے اور اے مصطفیٰ! آپ اس دین کے مٹ جانے کا خوف نہ کریں۔

گر بگویم تا قیامت نعتِ او
ہیچ آں را مقطع و غایت مجو

اگر میں قیامت تک مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت کہتا رہوں تب بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت ختم اور متناہی نہ ہو گی۔

منقبتِ اصحاب رضی اللہ عنہم

ما و اصحابیم چو کشتیٔ نوح
ہر کہ دست اندر زند یابد فتوح

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم اور ہمارے اصحاب مثلِ کشتیٔ نوح علیہ السلام ہیں جو شخص ہم سے اور ہمارے اصحاب سے رابطہ کر لے گا وہ کامیاب ہو جاوے گا۔

مونسِ احمد بہ مجلس چار یار
مونسِ بوجہل عتبہ ذو الخمار

مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے چار یار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مونس تھے اور ابو جہل کا مونس عتبہ شرابی تھا۔

چشمِ احمد بر ابوبکر زدہ
وز یکے تصدیقِ صدّیق آمدہ

مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ پر ایسی نگاہِ کیمیا اثر ڈالی کہ ایک نگاہ کے صدقے میں ایسی معیاری تصدیق کی توفیق ہوئی کہ امت میں آپ صدیق کے لقب سے مشرف ہوئے۔

مصطفی زیں گفت با اسرار جو
مردہ راخواہی کہ بینی زندہ تو

مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی سبب سے فرمایا کہ اے لوگو! اگر تم یہ دیکھنا چاہتے ہو کہ کوئی مردہ زمین پر مثل زندہ چل رہا ہے تو میرے صدیق کو دیکھ لو۔

می رود چو زندگاں بر خاکداں
مردہ و جانش شدہ بر آسماں

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اپنے نفس کو اس طرح فنا کرچکے ہیں کہ زمین پر ان کا چلنا پھرنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی مردہ چلتا پھرتا ہو اور ان کی روح رب العرش سے قوی تعلق کے سبب عرش پر فائز ہے۔

چوں عمر شیدائے آں معشوق شد
حق و باطل راچو دل فاروق شد

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر فدا ہوئے تو اس عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے ان کا قلب حق و باطل میں فرق کرنے والا ہوگیا۔

چوں کہ عثماں آں جہاں راعین گشت
نورِ فائز بود ذی النورین گشت

جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس جہان کے لیے سرچشمۂ فیض ہوگئے تو آپ

ذوالنورین کے لقب سے مشرف ہوئے یعنی آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صاحبزادیوں کے عقد سے شرف حاصل ہوا۔

چو ز رویش مرتضیٰ شد دُر فشاں

گشت او شیر خدا در مرجِ جاں

جب فیضِ نورِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت علی رضی اللہ عنہ درفشاں ہوئے اور علومِ خاصہ کے مظہر ہوئے تو آپ دین کی چراگاہ میں شیر خدا کے لقب سے مشرف ہوئے۔

گفت ہر کورا منم مولیٰ و دوست

ابنِ عمِّ من علی مولائے اوست

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کا میں مولیٰ اور دوست ہوں میرے چچا کے بیٹے علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ بھی اس کے مولیٰ اور دوست ہیں۔

افتتاحیہ

بشنواز نے چوں حکایت می کند

وز جدائیہا شکایت می کند

مولانا فرماتے ہیں کہ بانسری سے سنو کہ دردناک آواز میں کیا واقعہ بیان کرتی ہے اور اپنے مرکز کی جدائی سے کیا غم بیان کرتی ہے۔

فائدہ: مراد بانسری سے یہاں انسان کی روح ہے جو عالمِ امر سے کٹ کر اس عالمِ فراق میں آئی ہے اور اس میں **الست بربّکم** کی چوٹ کا درد موجود ہے، یہ روح اپنے اندر حق تعالیٰ کی جدائی کے ہزاروں نغمات مضمر رکھتی ہے مگر جس طرح بانسری خود نہیں بجتی اگرچہ اس میں صدہا دردناک آوازیں مضمر ہیں جب کوئی بجانے والا اس کے ایک سرے کو منہ میں رکھ کر بجاتا ہے تو صدہا آہ و نالے دوسرے سرے سے برآمد ہوتے ہیں، اسی طرح یہ روحِ انسانی بانسری کی طرح ہے جب اپنا ایک سرا شیخِ کامل کے منہ میں تفویض کرتی ہے تو اس کی تمام صلاحیتیں یعنی آہ و نالۂ جدائی کی صدہا دردناک آوازیں اس سے

ظاہر ہو جاتی ہیں چناں چہ حضرت جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کی زبان سے یہ ساڑھے اٹھائیس ہزار دردناک اشعار حضرت شمس الدین تبریزی رحمۃ اللہ علیہ ہی کے فیوض وبرکات سے برآمد ہوئے، اس بانسری کی تشبیہ سے جوازِ بانسری کا شبہ نہ ہونا چاہیے کیوں کہ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ عالم متبعِ شریعت صوفی تھے، جاہل صوفی نہ تھے۔

کز نیستاں تا مرا ببریدہ اند
از نفیرم مرد وزن نالیدہ اند

جب سے مجھے اصل مرکز سے جدا کیا گیا ہے میری آوازِ گریہ سے ہر مرد وعورت پر گریہ طاری ہے۔

سینہ خواہم شرحہ شرحہ از فراق
تا بگویم شرحِ دردِ اشتیاق

اے خدا! میں اپنا سینہ آپ کی جدائی کے غم سے ٹکڑے ٹکڑے چاہتا ہوں تا کہ آپ کی محبت کے دردِ اشتیاق کی شرح کو بیان کر سکوں۔

ہر کسے کو دور ماند از اصلِ خویش
باز جوید روز گارِ وصلِ خویش

جو شے کہ اپنے اصل مرکز سے دور ہو جاتی ہے وہ پھر اصل مرکز کی طرف وصال چاہتی ہے۔

من بہرِ جمعیتے نالاں شدم
جفتِ خوشحالاں وبدحالاں شدم

میں نے ایسی جماعت کو اپنا نالۂ غمناک عشقِ الٰہیہ سنایا جنھوں نے سن کر اپنے سینے میں رقت اور دردِ محبت میں ترقی محسوس کی اور میں نے ایسی جماعت کو بھی سنایا جنھوں نے میرے نالوں سے کوئی اثر قبول نہ کیا۔

ہر کسے از ظنِّ خود شد یارِ من
وز درونِ من نجست اسرارِ من

ہر شخص نے اپنے گمان کے مطابق مجھ سے دوستی کی اور کسی نے میرے سینے کے رازِ مخفی (دردِ محبتِ الٰہیہ) کو نہ ڈھونڈا۔

سرِّ من از نالۂ من دور نیست
لیک چشم و گوش را آں نور نیست

حق تعالیٰ کی محبت کا جو راز میری روح میں مخفی ہے اس کے انوار و آثار میرے نالوں سے محسوس ہوسکتے ہیں لیکن سامعین کی آنکھیں اور کان اس نور کے ادراک سے قاصر ہیں۔

تن زجاں و جاں زِ تن مستور نیست
لیک کس را دید جاں دستور نیست

لیکن یہ امر کہ اسرارِ عشقِ حق سے میرے احباب کیوں بے خبر ہیں کچھ قابلِ تعجب نہیں کیوں کہ جسم اور جان کس قدر ایک دوسرے سے قریب ہیں مگر جان کی معرفت سے جسم کے آگاہ ہونے کا دستور نہیں ہے۔

نے حریفِ ہر کہ از یارے برید
پردہایش پردہائے ما درید

روحِ عارفِ عاشق کا نالۂ غم ناک ہر عاشقِ صادق کا غم خوار ہے اور اس کی دردناک آواز نے طالبین کے دلوں سے حجاباتِ دنیا و مافیہا اٹھادیے۔

نے حدیثِ راہِ پُرخوں می کند
قصہ ہائے عشقِ مجنوں می کند

جانِ عارفِ عاشق سلوک کے نہایت پُر خطر اور پُر خون راستہ کا فسانہ سناتی ہے ایسے عاشقانِ حق کے قصے سناتی ہے جن کے دل میں سوائے محبوبِ حقیقی کے کچھ اور نہ تھا یعنی اپنے رب کے مجنون تھے اور جن کا مذاق یہ تھا۔

بن کے دیوانہ کریں گے خلق کو دیوانہ ہم
برسرِ منبر سنائیں گے ترا افسانہ ہم

دو دہاں داریم گویا ہمچو نے
یک دہاں پنہاں ست در لبہائے وے

اور مثلِ بانسری کے دو منہ رکھتے ہیں: ایک منہ تو اس فیاضِ مطلق سے واصل ہے جس سے اسرارِ غیب القا ہوتے ہیں۔

یک دہاں نالاں شدہ سوئے سما
ہائے و ہوئے در فگندہ در سما

اور دوسرا منہ اے لوگو! تمہاری طرف نالہ اور آہ و فغاں سے ہلچل مچا کر تمہاری روحوں سے غفلت کے پردے چاک کر رہا ہے۔

لیک داند ہر کہ او را منظر ست
کایں فغانِ ایں سرے ہم زاں سرست

لیکن اہلِ نظر واہلِ بصیرت عارفین کے مضامین کو سن کر سمجھ جاتے ہیں کہ ان کی روح کو یہ مضامین عالمِ غیب سے القا ہو رہے ہیں۔

محرمِ ایں ہوش جز بے ہوش نیست
مر زباں را مشتری جز گوش نیست

اس رازِ محبت کا محرم وہی ہوتا ہے جو ماسوائے حق سے اپنے کو بے خبر اور بے ہوش کرتا ہے جس طرح سے کہ زبان کی بات کا صرف کان ہی خریدار ہے۔

یا تو خرد کو ہوش کو مستی و بے خودی سکھا
یا نہ کسی کو ساتھ لے اس کے حریمِ ناز میں

گر نبودے نالۂ نے را ثمر
نے جہاں را پُر نہ کردے از شکر

اگر عارفین کے نالوں میں اثر نہ ہوتا تو کیوں کر ان نالوں سے یہ ثمر ظاہر ہوتے کہ ان کے فیوض وبرکات سے لاکھوں بندگانِ خدا اولیاء اللہ ہوتے رہتے ہیں۔

در غمِ ما روزہا بیگاہ شد

روزہا با سوزہا ہمراہ شد

ہمارے غم سے ہمارے ایام بے کیف ہوگئے اور ہمارے ایامِ زندگانی سوز و غم کے ہمراہ ہوگئے یعنی مجاہداتِ نفس سے یہ ہورہا ہے۔

بلبل کو دیا نالہ تو پروانہ کو جلنا

غم ہم کو دیا ایسا جو مشکل نظر آیا

روزہا گر رفت گور و باک نیست

تو بماں اے آنکہ چوں تو پاک نیست

اوپر کے شعر میں علاجِ عجب وخود بینی کے لیے مولانا نے اپنی بے کیفی کا اظہار کیا اور اب اس شعر میں شکرِ حق ادا کررہے ہیں کہ مبادا یہ تواضع حدِّ ناشکری تک مفضی (بڑھ جانا) نہ ہوجاوے، چناں چہ فرماتے ہیں کہ اگر وہ ایامِ کیف و مستی اور بے خودی چلے گئے تو کیا غم اے خدائے پاک! تو ہمارے دل میں رہے کہ مثل تیرے کوئی شے پاک نہیں۔ اور تمام ماسویٰ مع ان ایامِ پُر کیف کے سب فانی اور متغیر اور حادث ہے۔ پس حالاتِ قبض وبسط پر نظر رکھنے کے بجائے سالک کو اے خدا! آپ کے تعلق و معیتِ خاصہ پر نظر رکھنی چاہیے اور ہر حالت پر آپ کی رضا کے لیے سرِ تسلیم خم کرنا چاہیے اسی مضمون کی تشریح ان اشعار میں موجود ہے۔

بے کیفی میں بھی ہم نے تو اک کیفِ مسلسل دیکھا ہے

جس حال میں بھی وہ رکھتے ہیں اس حال کو اکمل دکھا ہے

جس راہ کو ہم تجویز کریں اس راہ کو اثقل دیکھا ہے

جس راہ سے وہ لے چلتے ہیں اس راہ کو اسہل دیکھا ہے

(مولانا محمد احمد صاحب پرتاب گڑھی رحمۃ اللہ علیہ)

در نیا بد حالِ پختہ ہیچ خام
پس سخن کو تاہ باید و السلام

کوئی ناقص کسی کامل کے مقام کو سمجھ نہیں سکتا پس قصہ مختصر کرتا ہوں اور ہمارا اسلام۔

بادہ در جوشش گدائے جوشِ ماست
چرخ در گردش اسیر ہوش ماست

یہ فانی شراب ہماری مستی لازوال کی گدا ہے اور آسمان باوجود اپنی عظیم اور وسیع جسامت کے ہمارے ہوش کی وسعت کا قیدی ہے۔

عجب کیا گر مجھے عالم بایں وسعت بھی زنداں تھا
میں وحشی بھی تو وہ ہوں لامکاں جس کا بیاباں تھا

(مجذوب رحمۃ اللہ علیہ)

بادہ از ما مست نے کہ ما ازو
قالب ازماہست نے کہ ماازُو

خود بادہ ہم سے اپنی مستی حاصل کرتی ہے نہ کہ ہم اس سے مست ہوتے ہیں یعنی عشقِ مجازی کی کیفیات فی نفسہٖ اپنا کچھ وجود نہیں رکھتی ہیں۔ لہٰذا جب روح نکل جاتی ہے تو وہ عشق اور کیف بھی فنا ہو جاتا ہے کیوں کہ یہ اجسام دراصل اپنے وجود میں ارواح کے محتاج ہیں۔ پس قالب ہم سے ہے نہ کہ ہم قالب سے ہیں۔

بر سماعِ راست ہر کس چیر نیست
طُعمۂ ہر مرغکے انجیر نیست

حق بات کو سننے کے لیے ہر شخص نہیں ہے اور ہر حقیر چڑیا کی غذا انجیر نہیں ہے۔

بند بگسل باش آزاد اے پسر
چند باشی بندِ سیم و بندِ زر

قید کو توڑدے اور آزاد ہو جا اے پسر! کب تک سونے چاندی کا غم کھاتا رہے گا یعنی

ماسوی اللہ سے تعلقات نہ رکھے جائیں اور حرصِ دنیا (حُبِّ مال و حُبِّ جاہ) سے خلاصی حاصل کرلو۔

گر بر بیزی بحر را در کوزۂ
چند گنجد قسمتِ یکروزۂ

زندگی کا سامان اتنا کرو جس سے ضرورتیں پوری ہوتی رہیں اور ضرورت کی تعریف یہ ہے کہ جس کے بغیر ضرر ہو یعنی تن ڈھانکنے کو کپڑا اور پالنے کو ۲/روٹیاں ملتی رہیں اس سے زیادہ حرص فضول ہے۔

کوزۂ چشمِ حریصاں پُر نشد
تاصدف قانع نشد پُر دُر نشد

حریص لوگوں کی بھوکی آنکھ کا کوزہ کبھی پُر نہ ہوگا۔ جب تک سیپ نے قناعت نہ کی موتیوں سے مالامال نہ ہوا۔ یعنی سیپ ایک قطرہ لیتا ہے اور منہ بند کرلیتا ہے اور اس قناعت کی برکت سے وہی قطرہ موتی بناتا ہے۔ اگر وہ حریص ہوتا اور ایک قطرے پر منہ بند نہ کرتا تو موتی سے محروم رہتا۔

ہر کرا جامہ ز عشقے چاک شد
او زِ حرص و عیبِ کلّی پاک شد

عشقِ حقیقی ہی تہذیبِ اخلاق اور تزکیۂ نفس کے لیے بہترین ذریعہ ہے کہ اس کی برکت سے انسان حرص اور جملہ عیوب سے پاک ہو جاتا ہے۔

شاد باش اے عشقِ خوش سودائے ما
اے طبیبِ جملہ علتہائے ما

اے عشق! تو بہت ہی اچھی بیماری ہے کہ جسے لگ جاتی ہے اس کے لیے تو اس کی جملہ بیماریوں کی طبیب بن جاتی ہے۔

اے دوائے نخوت و ناموسِ ما
اے تو افلاطون و جالینوسِ ما

اے عشق! تو ہماری جاہ و تکبر کی بہترین دواء ہے اور تو ہی ہمارے لیے افلاطون اور جالینوس ہے۔

با لبِ دمساز خود گر جفتمے
ہمچو نے من گفتنیہا گفتمے

اگر میں بھی اپنے یار دمساز کے لب سے ملا ہوتا تو مثلِ بانسری کے نالۂ دردناک میری زبان سے بھی جاری ہوتا یعنی جس طرح بانسری میں تو نغماتِ درد بھرے ہیں مگر یہ نغمات نکلتے اسی وقت ہیں جب اس کے ایک سرے کو کوئی منہ میں رکھ کر بجاتا ہے، اسی طرح جب اے طالب! تو اپنی روح کی بانسری کے ایک سرے کو شیخِ کامل کی روح کے میں پکڑا دے گا یعنی تفویض و تسلیم کا قوی رابطہ مرشدِ کامل سے کرلے گا تو پھر تیری روح سے عجیب و غریب نالے نکلیں گے کہ خلق محوِ حیرت ہوگی، جس طرح حضرت رومی رحمۃ اللہ علیہ نے شمس الدین تبریزی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے خود کو کردیا تو روحِ شمس نے اپنا دردِ روحِ جلال الدین میں منتقل کردیا اور ساڑھے اٹھائیس ہزار اشعار مثنوی کے حضرت رومی رحمۃ اللہ علیہ کی زبان سے برآمد ہوئے جو آج خلق کو مست اور بے خود کررہے ہیں۔

ہر کہ او از ہمزبانے شد جدا
بے نوا شد گرچہ دارد صد نوا

جو شخص اپنے ہم زبان سے (ہم مشرب و ہم مسلک سے) جدا ہوجاتا ہے تو وہ بے زبان ہوجاتا ہے اگرچہ سینے میں صدہا آوازیں اور مضامین رکھتا ہو یعنی اسرارِ عشق بیان کرنے کے لیے سامعین کی صلاحیت لازم ہے۔

چوں کہ گل رفت و گلستاں شد خراب
بوئے گل را از کہ جوئیم از گلاب

جب پھول کا موسم جاتا رہا اور باغ تباہ ہوگیا تو ہم پھول کی خوشبو کس سے ڈھونڈیں؟ عرقِ گلاب سے؟

چوں کہ گل رفت و گلستاں در گذشت
نشنوی زیں پس ز بلبل سر گذشت

جب پھول کا موسم جاتا رہا اور باغ اجڑ گیا تو اب بلبل سے عشق کے رموز و اسرار کے چہچہے نہ سنو گے۔

جملہ معشوق ست و عاشق پردۂ
زندہ معشوق ست و عاشق مردۂ

ہر طرف حق تعالیٰ ہی کے مظاہر جلوہ گر ہیں۔ عاشقوں کا اپنا ہی وجود پردہ ہے، اگر اپنے اَنا کو فنا کر دیں تو اللہ تعالیٰ ہی کی تجلی ہر طرف نظر آئے گی۔

گلستاں میں جا کر ہر اک گل کو دیکھا
تری ہی سی رنگت تری ہی سی بو ہے

اس شعر میں ترمیم کی گئی ہے جو عارفین کے مذاق کے مطابق ہے اور عینِ حقیقت ہے۔ صرف حق تعالیٰ ہی کی ذات زندہ حقیقی ہے اور باقی تمام جہان اور اہلِ جہان فانی ہیں۔

چو سلطانِ عزت علم بر کشد
جہاں سر بجیبِ عدم در کشد
اگر ہفت دریاست یک قطرہ نیست
وگر آفتاب است یک ذرہ نیست

چوں نباشد عشق را پروائے او
او چو مرغے ماند بے پروائے او

عشق ہی وصول الی الحق کا ذریعہ ہے کیوں کہ عشق کی وجہ سے محبوبِ حقیقی کی توجہ عاشقین پر ہوتی ہے اور یہی عنایت اور توجہ سلوک طے ہونے کا اصل سبب ہے، اگر محبوبِ حقیقی کی طرف سے عنایتِ خاصہ نہ ہو تو وہ مرغِ روح مثلِ بے بال و پر قابلِ افسوس حالت میں ہے۔

پرو بالِ ما کمندِ عشقِ اوست
موکشانش می کشد تا کوئے دوست

حق تعالیٰ کی محبت اور جذب و توجہ کی کمند ہمارے لیے بال و پر کا کام دیتی ہے جو عاشقوں کو کوچۂ یار تک پہنچا دیتی ہے۔

نہ میں دیوانہ ہوں اصغر نہ مجھ کو ذوقِ عریانی
کوئی کھینچے لیے جاتا ہے خود جیب و گریباں کو

من چہ گویم ہوش دارم پیش و پس
چوں نباشد نورِ یارم پیش و پس

اگر خداوند تعالیٰ کا نور میری راہ نمائی کرنے والا نہ ہو تو مجھے اپنے پیش و پس کی کیا خبر رہے اور مکرِ شیطان و نفس سے کس طرح محفوظ رہوں گا۔

نورِ او در یمن و یسر و تحت و فوق
بر سرم بر گردنم مانندِ طوق

اس کا نور دائیں بائیں اور نیچے اوپر ہر طرف جلوہ گر ہے اور میرے سر و گردن پر مانندِ طوق حاوی ہے یعنی حق تعالیٰ کی معیتِ خاصّہ مجھے حاصل ہے۔

عشق خواہد کایں سخن بیروں رود
آئینہ ات غماز نبود چوں بود

عشق تو چاہتا ہے کہ میرا یہ درد اور مخلوق میں بھی منتقل ہو مگر کیا کروں کہ جب (ضمیر) عکس نمانہ ہو اور مکدر و خراب ہو۔

آئینہ ات دانی چرا غماز نیست
زانکہ زنگار از رخش ممتاز نیست

کیا تجھ کو یہ معلوم ہے کہ تیرا آئینۂ دل کیوں عکس نما نہیں ہے اس لیے کہ اس کے

چہرے سے زنگار دور نہیں کیا گیا یعنی اے مخاطب! تو اسرار و حقائق کو اس لیے نہیں سمجھ پاتا کہ تیرے آئینۂ قلب پر زنگِ غفلت چڑھا ہوا ہے۔

آئینہ کز زنگ و آلایش جداست
پر شعاعِ نورِ خورشیدِ خداست

جو آئینۂ قلب زنگِ غفلت سے پاک و صاف ہے وہ نورِ آفتابِ حق سے روشن ہو رہا ہے۔

رو تو ز نگار از رخِ او پاک کن
بعد ازاں آں نور را ادراک کن

اے طالب! جا پہلے دل کے آئینے کو تعلقاتِ ماسوی اللہ سے پاک کر پھر اس نورِ حقیقی کا مشاہدہ کر۔

اے دردؔ کر تو آئینہ دل کو پاک و صاف
پھر ہر طرف نظارۂ حسن و جمال کر

ایں حقیقت را شنو از گوشِ دل
تا بروں آئی بکلی ز آب و گل

اس سچی بات کو دل کے کان سے سنو تا کہ آب و گل کے تعلقات سے خلاصی پا جاؤ۔

فہم گردارید جاں را رہ دہید
بعد ازاں از شوقِ پادر رہ نہید

اگر کچھ تجھے دونوں جہان کی فلاح مطلوب ہے تو اپنی روح کی ترقی کو راستہ دے اور اس کو تنزّل اور پستی کی راہ پر نہ لگنے دے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ
نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

مسائل واصطلاحاتِ تصوّف

ذات وصفاتِ باری تعالیٰ

ہر چہ اندیشی پذیرائے فناست
واں کہ در اندیشہ ناید آں خداست

انسان مخلوق ہے اور اس کے اندر جو افکار پیدا ہوتے ہیں وہ بھی مخلوق ہیں۔ پس اے مخاطب! تو اللہ تعالیٰ کی ذات کو سمجھنے کے لیے جو کچھ فکر کرے گا وہ فکر بھی مخلوق ہو گی اور فانی ہو گی اور خوب جان لے کہ تیرے احاطۂ فکر میں خدا کی ذات نہیں آسکتی۔ کیوں کہ اس سے لا محدود کا محدود میں آجانا لازم آتا ہے اور یہ محال ہے۔ اسی لیے حدیث شریف میں ذاتِ حق میں فکر وخوض کو ممنوع قرار دیا گیا(کیوں کہ امرِ محال کے پیچھے پڑنا تھا)اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت کے لیے ان کی مخلوقات میں فکر وغور کرو۔

یَتَفَکَّرُوۡنَ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ[۳۷]

فرمایا ہے، فی اللہ نہیں فرمایا۔ پس قرآن سے بھی یہ مدلول ثابت ہو گیا کہ تفکر فی خلق اللہ مفید ہے۔

بس نہا نہا بضد پیدا شود
چوں کہ حق را نیست ضد پنہاں بود

بہت سے مخفی اموراپنی ضد سے ظاہر ہوگئے جیسا کہ یہ قاعدہ مشہورہ مسلّمہ ہے کہ

۳۷؎ اٰل عمرٰن:۱۹۱

وَبِضِدِّهَا تَتَبَیَّنُ الْاَشْیَآءُ اشیاء اپنی ضد سے ظاہر ہو جاتی ہیں۔ اور چوں کہ حق تعالیٰ کی ضد نہیں ہے اس لیے وہ ذاتِ پاک پنہاں اور مخفی ہے۔

ہر کرا باشد ز سینہ فتحِ باب
او زہر ذرّہ ببیند آفتاب

جس شخص کے سینے میں نورِ حق داخل ہو گیا وہ ذرۂ کائنات میں آفتابِ حق کی تجلیات کا مشاہدہ کرتا ہے۔

نورِ نورِ چشم خود نورِ دل است
نورِ چشم از نورِ دلہا حاصل است

آنکھ کی روشنی کی صحتِ ادراک (بصارتِ صحیحہ) دل کی بصیرت کی روشنی کے تابع ہے، قلب جس قدر نورانی ہوتا جاتا ہے اسی قدر بصارت نورِ فراست سے مشرف ہوتی جاتی ہے۔

باز نورِ نورِ دل نورِ خداست
کو ز نورِ عقل و حس پاک و جداست

اور قلب کو نور ذکر اللہ کی کثرت سے عطا ہوتا ہے جس کے قلب میں اللہ تعالیٰ کے خوف اور ان کی محبت کا نور جس قدر ہو گا اسی قدر اس کا دل نورانی ہو گا۔ اللہ تعالیٰ کا نور عقل و حواسِّ خمسہ کے نور سے جدا اور پاک ہے۔ خلاصہ یہ کہ آنکھ کائنات سے اللہ تعالیٰ کی معرفت اس وقت حاصل کرنے کے قابل ہوتی ہے جب اس کی روشنی دل کی روشنی سے وابستہ ہو اور دل کی روشنی وہ معتبر اور مفید ہے جو نورِ خدا سے حاصل ہوئی ہو۔ پس خدا کا نور دل میں اور دل کا نور آنکھوں میں ہو تو کائنات کا ہر ذرہ خدا کے وجود پر گواہ نظر آئے گا۔

حق پدید است از میانِ دیگراں
ہمچو ماہ اندر میانِ اختراں

حق تعالیٰ اپنی مخلوقات میں اس طرح ظاہر ہیں جس طرح ستاروں میں چاند نمایاں اور ممتاز ہوتا ہے اور جنت میں اسی طرح مشاہدۂ جمال عطا ہو گا۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ جنت میں

ہم اپنے رب کو اتنے اژدہام وہجوم میں کس طرح دیکھ سکیں گے۔ ارشاد ہوا کہ جس طرح تم چودہویں کی رات کے چاند کو دیکھتے ہو اور یہ اژدہامِ خلق کچھ مضر نہیں ہوتا۔

گر تو آں رامی نہ بینی در نظر
فہم کن امّا باظہارِ اثر

اگر تو اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھتا ہے ظاہری آنکھوں سے تو آثارِ قدرۃِ الٰہیہ سے مؤثرِ حقیقی کی معرفت حاصل کر۔

پس یقیں در عقلِ ہر دانندہ ہست
ایں کہ با جنبیدہ جنبانندہ ہست

ہر عاقل یہ بات بخوبی سمجھتا ہے کہ ہر متحرک کے لیے کوئی محرّک ہوتا ہے یعنی کوئی شے اگر حرکت کرتی ہے تو اس کو حرکت میں لانے والا بھی کوئی موجود ہوتا ہے۔

تن بجاں جنبد نمی بینی تو جاں
لیک از جنبیدنِ تن جاں بداں

جسم کی حرکت روح کے سبب سے ہے لیکن تم روح کو نہیں دیکھتے اور جب کسی جسم میں حرکت کے آثار دیکھو تو اس کی روح کے وجود پر یقین کرلو۔

دست پنہاں و قلم بیں خط گزار
اسپ در جولاں و ناپیدا سوار

بعض وقت ہاتھ پوشیدہ ہوتا ہے اور قلم خط لکھنے والا معلوم ہوتا ہے۔ گھوڑا میدان میں تیز دوڑتا ہوا معلوم ہوتا ہے اور گردوغبار سے سوار نہیں دکھائی دیتا۔

خاک را بینی بہ بالا اے علیل
باد را نے جزبہ تعریف و دلیل

خاک کو فضا میں اڑتے ہوئے دیکھتے ہو لیکن اس خاک کو جو ہوا اڑا رہی ہے وہ نظر سے مخفی ہے۔ اس کو صرف دلیل ہی سے سمجھتے ہو۔

تیر پیدا بیں و نا پیدا کماں

جانہا پیدا و پنہاں جانِ جاں

کمان بعض وقت چھپی ہوتی ہے اور اس سے نکلا ہوا تیر دکھائی دیتا ہے۔ روح کو تو جسم کی حرکت سے سمجھ لیتے ہو مگر روح الارواح کو سمجھنا مشکل ہے کہ وہ مخفی در مخفی ہے۔

صورتِ دیوار وسقف ہر مکاں

سایۂ اندیشۂ معمار داں

ہر مکان کی چھت اور دیوار کا نقش آنکھوں کے سامنے ہے مگر یہ نقش جس معمار کے سایۂ فکر کا عکس ہے وہ مخفی ہے۔

خود نباشد آفتابے را دلیل

جز کہ نورِ آفتابِ مستطیل

آفتاب کے وجود کی دلیل کے لیے اس کا نورِ مستطیل کافی ہے اور ایسی روشن دلیل کے بعد پھر بھی اس کے لیے دلیل کی ضرورت محسوس کرنا طبعِ خفاشیت کی دناءت (یعنی چمگادڑ کا مزاج رکھنے والی طبیعت کی کمینگی) وذلت کے سوا کچھ نہیں۔

جسم ظاہر روح مخفی آمدہ ست

جسم ہمچوں آستیں جاں ہمچو دست

جسم ظاہر ہے روح مخفی ہے جس طرح ہاتھ مخفی ہے اور آستین ظاہر ہے۔

ایں سخن و آواز از اندیشہ خاست

تو ندانی بحرِ اندیشہ کجاست

یہ گفتگو اور آوازِ تکلم دماغی فکر سے پیدا ہوتی ہے مگر آواز اور سخن تو ظاہر ہے اور فکر کا سمندر مخفی ہے حتیٰ کہ آپریشن کے بعد بھی دماغ میں فکر کا خزانہ نظر نہیں آتا۔

در گزر از ذات و بنگر در صفات

تا صفاتت رہ نماید سوئے ذات

ذاتِ باری تعالیٰ کی معرفت کے لیے صفاتِ باری تعالیٰ کے اندر تفکر کرو تاکہ یہی تفکر فی الصفات تمہارے لیے معرفتِ ذات کا سبب بن جائے۔

زاں کہ نامحدود ناید در حدود
بحرِ مطلق چوں در آید در قیود

کیوں کہ ذاتِ باری تعالیٰ غیر محدود ہے اور تمہاری عقل و فکر کا پیالہ محدود ہے پس غیر محدود سمندر محدود ظرف میں کیسے آسکتا ہے۔

نبوت ووحی

چوں خدا اندر نیاید در عیاں
نائبِ حقند ایں پیغمبراں

کیوں کہ حق تعالیٰ کی ذات بندوں کی نگاہوں سے پردۂ غیب میں ہے اس لیے براہِ راست تکلم وہدایت کے لیے انبیاء علیہم السلام کو منتخب فرمایا اور انھیں رشد وہدایت کے لیے اپنا نائب قرار دیا۔

نور خواہ از مہہ طلب خواہی زخور
نورِ مہہ ز آفتاب ست اے پسر

جب چاند کی روشنی اس کی ذاتی نہیں ہے بلکہ آفتاب کے نور کی عکاسی سے وہ روشن ہے تو چاند کو دیکھنا گویا کہ خورشید ہی کو دیکھنا ہے اور خورشید کی روشنی کا تحمل نہ ہونے سے اس کا دیکھنا بھی مشکل تھا۔

انبیارا دردروں ہم نغمہاست
طالباں رازاں حیاتِ بے بہاست

انبیاء علیہم السلام کے سینوں میں درد و عشقِ الٰہی کے نغمات پوشیدہ ہیں جن سے طالبینِ حق کو حیاتِ بے بہا عطا ہوتی ہے۔

بے تعلّم حق دہد او را علوم
علمہائے برتر از درکِ فہوم

انبیاء علیہم السلام کو بغیر کسی استاد سے پڑھے ہوئے حق تعالیٰ براہِ راست علوم عطا فرماتے ہیں اور ایسے علوم کہ وہاں تک غیر نبی کی عقل و فہم رسا ہی نہیں ہو سکتی۔

آئینہ دل چوں شود صافی و پاک
نقشہا بیند بروں از آب و خاک

جب دل کا آئینہ صاف ہو جاتا ہے تو آب و گل سے بالاتر عالمِ غیب کے مناظر کا مشاہدہ ہونے لگتا ہے۔

فلسفی کو منکرِ حنانہ است
از حواسِ انبیا بیگانہ است

جو فلسفی واقعہ اسطوانۂ حنانہ کا منکر ہے تو اس انکار کا سبب اس نورِ ادراک سے اس کی بیگانگی اور محرومی ہے جو انبیاء علیہم السلام کو عطا کی جاتی ہے۔

قابلِ تعلیم و فہم ست ایں خرد
لیک صاحب وحی تعلیمش دہد

تعلیم و فہم کی صلاحیت عقل کو ہوا کرتی ہے لیکن خود عقل کو عقل انبیاء علیہم السلام کی تعلیم سے عطا ہوتی ہے۔

معجزہ

بر زند از جانِ کامل معجزات
بر ضمیرِ جانِ طالب چوں حیات

حضرات انبیاء علیہم السلام جو کاملین عباد اللہ ہیں طالبینِ حق پر ان کے معجزات کا اثر مثلِ آبِ حیات ہوتا ہے۔

معجزہ از بہرِ قہرِ دشمن است
بوئے جنسیت سوئے دل بردن ست

اور معجزہ کفار پر قہر کے لیے بھی ظاہر ہوتا ہے اور انبیاء علیہم السلام کی محبوبیت اور محبّیت کا اثر دوستوں کے لیے مخصوص ہوتا ہے جس سے عاشقوں کے دل پے درپے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر فدا ہونے لگتے ہیں۔

موجبِ ایماں نباشد معجزات
بوئے جنسیت کند جذبِ صفات

معجزات سے ایمان کا عطا ہونا ضروری نہیں ہوتا ورنہ سارے ہی کافر مسلمان ہو جاتے۔ ایمان کے لیے قلوب میں ایک خاص صلاحیت درکار ہوتی ہے جس کی برکت سے صفاتِ نبوت اس کے اندر اپنا اثر داخل کر دیتی ہیں جیسا کہ موسمِ بہار میں ایک ہی پانی زمین کو سرسبز وشاداب کرتا ہے اور وہی پانی پتھر پر کوئی اثر نہیں ظاہر کرتا۔

بیشتر احوال بر سنت رود
گاہ قدرت خارقِ سنت شود

اکثر حالات میں تو اسبابِ ہدایت اسبابِ عادیہ ہی ہوتے ہیں البتہ گاہ گاہ حق تعالیٰ کی قدرت عادت کے خلاف معجزات کو ظاہر کرتی ہے۔

ایں سبہا بر نظرہا پردہاست
کہ نہ ہر دیدار صنعش راسزا ست

یہ اسبابِ نظر کے لیے حجاب ہیں کہ مسبّبِ حقیقی کی صنعت کے مشاہدے سے حائل اور مانع بنے ہوئے ہیں۔

ہست بر اسباب اسبابِ دگر
در سبب منگر بداں افگن نظر

حالاں کہ یہ جملہ اسباب کسی اور سبب کے تابع ہیں جس کی انتہا مسبّب الاسباب حق تعالیٰ کی ذات پر ختم ہوتی ہے۔ پس اسباب سے نظر ہٹالو۔ جس طرح دیوار میں ایک کیل

ٹھوکنے والے سے دیوار فریاد نہ کرے بلکہ کیل سے فریاد کرے کہ میرے اندر مت داخل ہو، مجھے مت تکلیف دے تو کیل یہی کہے گی کہ بھائی! میرا کچھ اختیار نہیں، مجھ سے فریاد عبث ہے کیل ٹھوکنے والے سے فریاد کرو کہ اگر وہ ہاتھ روک لے تو میں خود بخود رک جاؤں گی۔

ایں سبب را محرم آمد عقلہا
واں سببہا راست محرم انبیا

ان اسبابِ ظاہرہ کے ماہرین تو دنیا کے عقلا ہوتے ہیں مگر ان اسباب کے اسباب سے صرف انبیاء علیہم السلام آگاہ ہوتے ہیں۔

از مسبب می رسد ہر خیر و شر
نیست اسباب و وسائط را اثر

دراصل ہر خیر و شر مسبّبِ حقیقی کے حکم سے ہم تک پہنچتا ہے۔ اسباب اور وسائط کو فاعلِ مختار سمجھ کر ان کی پرستش کرنا حماقت ہے یعنی تدابیر اور اسباب کو محض حق تعالیٰ کا حکم سمجھ کر اختیار کرو مگر ان کو مؤثر نہ جانو اور نتیجے کو صرف خدائے تعالیٰ کے قبضے میں سمجھو۔

اے زغفلت از مسبب بے خبر
بندۂ اسباب گشتستی چو خر

اے مخاطب! تو مسبّبِ حقیقی سے بے خبر ہے اور بندۂ اسباب بنا ہوا ہے مثلِ خر کے۔

چشم بکشا و مسبب را نگر
تا شوی فارغ ز اسبابِ ضرر

آنکھیں کھول اور مسبّبِ حقیقی پر نظر کر تا کہ اسبابِ ضرر سے فارغ ہو جائے۔

تقدیر

اندریں شہر حوادث میر اوست
در ممالک مالکِ تدبیر اوست

اس شہرِ حوادث یعنی کائنات میں تمام تر حاکمیت خاص ہے اللہ تعالیٰ کو اور وہی انتظامِ کائنات کا حقیقی فرمانروا ہے۔

ہیچ برگے بر نیفتد از درخت
بے قضاو حکمِ آں سلطانِ بخت

کوئی پتا درخت سے جدا نہیں ہوسکتا بغیر اس سلطانِ حقیقی کے حکم وفیصلے کے۔

از دہاں لقمہ نشو سوئے گلو
تا نگوید لقمہ را حق کا دخلوا

کوئی لقمہ منہ سے گلے کی طرف نہیں بڑھ سکتا جب تک کہ حق تعالیٰ اس کو حکم نہیں فرماتے کہ داخل ہوجا۔

در زمین و آسمانہا ذرۂ
بر نجنباند نگردد پرۂ

زمین و آسمان میں کوئی ذرہ بغیر حکمِ الٰہی کے نہ تو اپنی جگہ سے حرکت کرسکتا ہے اور نہ اڑ سکتا ہے۔

معنیٔ جف القلم کے ایں بُوَد
کہ جفاہا با وفا یکساں شود

نوشتۂ تقدیر کا مفہوم یہ نہیں ہے کہ ہم خیر و شر میں مجبور ہیں، تقدیرِ الٰہی کا مفہوم صرف یہ ہے کہ ہم اپنے اختیار و ارادے سے جو خیر و شر کرنے والے تھے حق تعالیٰ شانہٗ نے اپنے علمِ ازلی ابدی سے اس کو محفوظ فرمادیا ہے۔ پس اسی علمِ الٰہی کا نام تقدیرِ الٰہی ہے۔ اس سے یہ کہاں لازم آتا ہے کہ انھوں نے ہمیں مجبور کردیا۔ اللہ تعالیٰ ظلم سے پاک ہیں، ان کو بندوں کی ہدایت اگر عزیز تر نہ ہوتی تو سید الانبیاء محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ خونِ مبارک جس کا ہر قطرہ بھی امام ہے تمام انسانیت کے قطراتِ لہو کا، بازارِ طائف میں ہماری ہدایت کے لیے نہ بہتا۔ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں سورۂ احزاب میں: وہ ایسا رحیم ہے کہ وہ خود بھی اور اس کے فرشتے بھی تم پر رحمت بھیجتے رہتے ہیں تاکہ حق تعالیٰ تم کو

تاریکیوں سے نور کی طرف لے آوے اور اللہ تعالیٰ مؤمنین پر بہت مہربان ہے۔

جبر و اختیار

جبریش گوید کہ امر و نہی لاست
اختیارے نیست ایں جملہ خطاست

جبری فرقہ والا کہتا ہے کہ امر و نہی سب بے کار ہے کیوں کہ ہمارے اندر اختیار ہی نہیں ہم تو مجبورِ محض ہیں۔

گر نباشد فعلِ خلق اندر میاں
پس مگو کس را چرا کردی چناں

اگر انسان کے افعال سب غیر اختیاری ہیں تو آپس میں کیوں یہ کہتے ہو کہ یہ کام تو نے ایسا کیوں کیا؟ دار و گیر اور احتساب کا کائنات میں وجود ہی نہ ہوتا۔

جملۂ عالم مقر در اختیار
امر و نہی ایں بیا و آں میار

تمام کائنات میں اختیار کا ثبوت تمہارے اوامر و نواہی تسلیم کر رہے ہیں یعنی اگر اختیار نہ ہوتا تو آپس میں کیوں یہ کہتے ہو کہ یہ کام کر لو اور یہ کام نہ کرو۔

نوٹ: مولانا نے ایک مثال یہ بھی دی ہے کہ اگر تندرست آدمی ہاتھ کی حرکت سے تمہارا شیشے کا گلاس توڑ دے تو اس کو ڈانٹتے ہو اور اگر رعشہ کے مریض سے جس کا ہاتھ بیماری سے کانپتا رہتا ہے کوئی چیز ٹوٹ جاوے تو اسے معذور سمجھتے ہو، اگر اختیار و عدم اختیار سب برابر ہے تو تم دونوں مثالوں میں کیوں فرق کرتے ہو۔

خیر و شر

نیست باطل ہر چہ یزداں آفرید
از غضب و ز حلم و ز نصح و مکید

حق تعالیٰ نے دنیا میں کوئی چیز بھی حکمت سے خالی نہیں پیدا فرمائی چناں چہ غصہ و شہوت، علم و مکر وغیرہ اخلاقِ حمیدہ واخلاقِ رذیلہ سب میں حکمتیں مضمر ہیں۔ بری خواہشات کی حکمت مولانا نے دوسرے مقام پر بیان بھی فرمائی ہے۔

شہوتِ دنیا مثالِ گلخن است
کہ ازو حمامِ تقویٰ روشن است

کہ دنیا کی خواہشیں (حُبِّ جاہ و مال وزن) یہ ایندھن ہیں حمامِ تقویٰ کے لیے، تقویٰ کا حمام ان ہی سے روشن ہوتا ہے جب ان کے تقاضوں پر عمل نہ کیا جاوے اور ان تکالیف پر صبر کرلیا جاوے جو ان خواہشات کے خون سے ہوتا ہے۔

ہزار خونِ تمنا ہزارہا غم سے
دلِ تباہ میں فرمانروائے عالم ہے
(اخترؔ)

میکدہ میں نہ خانقاہ میں ہے
جو تجلی دلِ تباہ میں ہے

دلِ تباہ سے مراد وہ دل ہے جس نے مولیٰ کو راضی کرنے کے لیے اپنی تمام ناجائز خواہشات پر صبر کیا ہے۔

خلقِ آبی را بود دریا چو باغ
خلقِ خاکی را بود آں درد و داغ

پانی کی مخلوق دریا کو باغ سمجھتی ہے اور خاکی مخلوق دریا کو اپنے لیے درد و تکلیف کا سبب سمجھتی ہے۔

زید اندر حقِ آں شیطاں بود
در حقِ شخصِ دگر سلطاں بود

مثلاً زید اپنے حاسد و دشمن کی نگاہ میں شیطان ہے تو اپنے دوستوں کی نظر میں وہی زید سلطان نظر آتا ہے۔

کفر ہم نسبت بخالق حکمت است
چوں بمانسبت کنی کفر آفت ست

کفر کی دو حیثیتیں ہیں: ایک یہ کہ حق تعالیٰ اس کے خالق ہیں، دوسری حیثیت یہ ہے کہ انسان اس کفر کا کاسِب یعنی اختیار کرنے والا ہو۔ پس پہلی صورت میں حکمت ہے اور دوسری صورت میں آفت ہے۔

عیب شد نسبت بمخلوقِ جہول
نے بہ نسبت باخداوندِ قبول

ہر شر اور عیب اپنی پیدایش کے لحاظ سے حکمت کا حامل ہے کہ حق تعالیٰ کا کوئی فعل حکمت سے خالی ہونا محال ہے لیکن اسی شر و عیب کو جب مخلوق اختیار کرتی ہے تو یہی عیب وشر ضرر رساں بن جاتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ خلق اور کسب کا فرق ضروری ہے۔ مرتبۂ خلق میں ہر شر حکمت رکھتا ہے اور مرتبۂ کسب میں وہی شر کاسِب کے لیے آفت بن جاتا ہے۔ مزید تفصیل علمائے ربّانیین سے سمجھ سکتے ہیں۔

موت ومعاد

مرگِ ہر یک اے پسر ہمرنگِ اوست
پیشِ دشمن دشمن وبر دوست دوست

اے مخاطب! ہر شخص کو موت اس کی ہم رنگ شکل میں پیش آتی ہے، اگر دوست ہے یعنی اللہ کا ولی ہے تو موت بھی دوست کی شکل میں آتی ہے اور اگر دشمن ہے یعنی کافر یا نافرمان ہے تو موت بھی دشمن بن کر سامنے آتی ہے۔

اولیا راچوں بوصل افتد نظر
واں کہ ایشاں را اجل باشد شکر

اولیاءاللہ چوں کہ موت کو محبوبِ حقیقی کی ملاقات و دیدار کا ذریعہ سمجھتے ہیں اس لیے ان کے لیے موت شکر کی طرح شیریں ہوتی ہے۔

جاں مجرد گشتہ از غوغائے تن
می پرد باپرِّ دل بے پائے تن

عارف کی جان جسم کے حواسِّ خمسہ ظاہرہ و باطنہ کے ہنگاموں سے آزاد ہو کر دل کے پر سے حق تعالیٰ کی طرف ہر لحظہ اڑتی رہتی ہے بغیر جسم کے پاؤں کے۔

ہست مارا خواب و بیداریٔ ما
برنشانِ مرگ و محشر دو گوا

ہمارا سونا اور بیدار ہونا یہ دونوں گواہ ہیں موت اور حشر پر، حدیث شریف میں وارد ہے کہ **اَلنَّوْمُ اَخُ الْمَوْتِ**[۳۸] نیند موت کا بھائی ہے، جس نے کسی کو نہ دیکھا ہو اس کے بھائی کو دیکھ لے (یہ مقولہ مشہور ہے) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیثِ پاک میں حشر ون شر کا مشاہدہ کرادیا کیوں کہ سونے کے بعد مردہ اور سویا ہوا دونوں یکساں ہو جاتے ہیں۔

شب ززِنداں بے خبر زندانیاں
شب زِدولت بے خبر سلطانیاں

رات کو سو جانے کے بعد قیدی قید خانے کے الم سے اور سلاطین اپنی سلطنت و دولت کے احساس سے بے خبر ہو جاتے ہیں۔ سو کر اٹھنے کے بعد کی حدیث شریف میں دعا کا مضمون بھی ایک استدلالی مضمون کا حامل ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَحْیَانَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا وَاِلَیْہِ النُّشُوْرُ[۳۹]

شکر اس مالکِ حقیقی کا جس نے ہم کو زندہ کر دیا بعد مردہ کر دینے کے اور اسی کی طرف ہمارا ایک دن حساب کتاب کے لیے جمع ہونا ہے۔

۳۸؎ شعب الایمان للبیہقی: ۶/۴۰۸-۴۰۹، (۴۴۱۶)، مکتبۃ الرشد

۳۹؎ سنن ابن ماجۃ: ۴۱۲-۴۱۳ (۳۸۸۰)، باب ما یدعوا اذا انتبہ من اللیل، المکتبۃ الرحمانیۃ

علمِ نافع

خاتمِ ملکِ سلیمان ست علم
جملہ عالم صورت و جان ست علم

حضرت سلیمان علیہ السلام کی خاتم (انگوٹھی) علم تھا۔ یعنی اسمائے الٰہیہ سے اسمِ اعظم تھا۔ جملہ کائنات صورت اور جسم ہے اور علم ہی اس کے اندر روح ہے۔

آدمِ خاکی ز حق آموخت علم
تا بہفتم آسماں افروخت علم

سیدنا آدم علیہ السلام نے حق تعالیٰ سے علم سیکھا:

كَمَا قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا[٤٠]

اس علم نے آپ کو فلکِ سابع (ساتویں آسمان) تک روشن کردیا۔

بو البشر چوں عَلّم الاسماء گشت
صد ہزاراں علمش اندر ہر رگ ست

سیدنا آدم علیہ السلام کو علم حق تعالیٰ نے عطا فرمایا اور وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا سے آپ کی ہر رگ میں لاکھوں انوارِ علوم بھر دیے۔

علم چو بر دل زنی یارے شود
علم چوں بر تن زنی مارے شود

علم کو اگر دل کی اصلاح میں استعمال کرو تو یہ بہترین یار ہے اور اگر تن پروری، عیش کوشی، جاہ طلبی، مجادلہ میں صرف کیا تو یہی علم سانپ بن جاتا ہے۔

ہیں مکش بہرِ ہوا آں بارِ علم
تا بہ بینی از دروں انبارِ علم

---

[٤٠] البقرۃ:۳۱

اے مخاطب! خبر دار علم کو خواہشاتِ نفس کی پیروی میں مت استعمال کرنا تاکہ اس اخلاص کی برکت سے اپنے سینے میں علمِ حقیقی کا انبار (ذخیرہ) پالو۔

بینی اندر دل علومِ انبیاء
بے کتاب و بے معید و اوستا

اپنے اندر علومِ انبیاء کا فیضان موجزن پاؤ گے اور بے کتاب اور استاد یہ نعمت میسر ہوگی بشرطیکہ کسی اللہ والے سے تعلق کرلو۔

قال را بگذار مردِ حال شو
پیشِ مردِ کاملے پامال شو

قیل و قال اور محض الفاظ کو مقصود مت بناؤ ان الفاظ کے معانی اور حقائق کا پتا لگانے کے لیے صاحبِ حال بنو، نرے صاحبِ قال ہی نہ رہو اور صاحبِ حال بننے کا طریقہ یہ ہے کہ کسی مردِ کامل کے پاؤں کے نیچے اپنے نفس کو رکھ دو یعنی دل سے اس کے تابعدار بن جاؤ اور اطلاعِ حالات واتباعِ تجویزات سے سلوک طے کرنا شروع کردو۔

نہ جانے کیا سے کیا ہو جائے میں کچھ کہہ نہیں سکتا
جو دستارِ فضیلت گم ہو دستارِ محبت میں

حکمتِ دنیا فزاید ظن و شک
حکمتِ دینی بردفوقِ فلک

حکمتِ دنیویہ پڑھنے سے ظن و شک میں اضافہ ہوتا ہے اور حکمتِ دینیہ پڑھنے سے اللہ تعالیٰ تک رسائی عطا ہوتی ہے، مافوق الفلک سے مراد یہی ہے۔

جانِ جملہ علمہا این ست ایں
کہ بدانی من کئیم در یومِ دیں

تمام علوم کی روحِ اصلی صرف یہ دولتِ فکر ہے کہ حق تعالیٰ قیامت کے دن ہم کو کس نظر سے دیکھیں گے۔ رضائے الٰہی کی طلب اور ناراضگی سے پناہ میں دل کو گھلانا اصل

علم ہے۔ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ:

اَنَا اَعْلَمُکُمْ بِاللّٰہِ[۴۱] وَاَنَا اَخْشَاکُمْ[۴۲]

اے لوگو! میں تم سب سے زیادہ اللہ کو جاننے والا ہوں اور اسی سبب سے تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں اور حدیث شریف میں آتا ہے کہ:

کَانَ مُتَوَاصِلَ الْاَحْزَانِ دَآئِمَ الْفِکْرَۃِ[۴۳]

ہمیشہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسلسل غمگین اور فکر مند رہتے تھے۔ آخرت کا خوف اور امت کا غم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حال میں رکھتا تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام خلیل اللہ ہونے کے باوجود عرض کرتے ہیں:

وَلَا تُخْزِنِیْ یَوْمَ یُبْعَثُوْنَ[۴۴]

اے ہمارے رب! میدانِ محشر میں ہمیں رسوا نہ کیجیے گا۔ تفسیرِ خازن میں ہے کہ حضرت عزرائیل علیہ السلام غلبۂ خوفِ خداوندی سے سکڑ کر گوریا کے برابر ہو جاتے ہیں۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ خوف سے فرماتے ہیں کہ کاش! میں کوئی درخت ہوتا جو کاٹ دیا جاتا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کاش! میری ماں نے مجھے جنا ہی نہ ہوتا۔ مقبولانِ بارگاہ کا یہی حال ہوتا ہے کہ عظمتِ الٰہیہ کا جس قدر انکشاف ہوتا جاتا ہے، ہیبتِ حق کا غلبہ ہوتا جاتا ہے اور جن کی آنکھیں اندھی ہیں انھیں اپنے علوم سے صرف حلوا، مانڈا اور معاش کی ضروریات حاصل کرنا ہوتا ہے۔ بزرگانِ دین کی صحبت نہ ملنے سے یہی حشر و انجام ہوتا ہے۔ بقول حضرت علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے کہ نورِ نبوت کے بغیر علومِ نبوت پڑھ لینے سے عملی زندگی کبھی درست نہیں ہو سکتی اس لیے فراغِ درسیات اور علومِ ظاہری کے بعد اہل اللہ کی صحبت

۴۱؎ صحیح البخاری: ۷/۱، (۲۰)، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم: انا اعلمکم باللہ، المکتبۃ المظہریۃ

۴۲؎ صحیح البخاری: ۷۵۷/۲، (۵۰۸۱)، کتاب النکاح، باب الترغیب فی النکاح، المکتبۃ المظہریۃ

۴۳؎ شمائل الترمذی: ۱۴، باب کیف کان کلام النبی صلی اللہ علیہ وسلم، ایچ ایم سعید

۴۴؎ الشعرآء: ۸۷

میں حاضری ضروری ہے جس کی مدت حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے چھ ماہ تجویز فرمائی ہے۔

دانش نور ست در جانِ رجال
نے ز دفترنے ز راہ قیلِ و قال

اللہ والوں کی جانوں کو نورِ فراست عطا ہوتا ہے جو قیل و قال اور کتب خانوں کے دفتر سے نہیں ملتا بلکہ کسی اللہ والے کی صحبت میں ایک عمر محنت و مجاہدے سے ملتا ہے۔

مرتبۂ قیاس بمقابلہ نصِّ صریح

مجتہد ہر گہ کہ باشد نص شناس
اندر آں صورت نیندیشد قیاس

مجتہد فقیہ اجتہاد و قیاس اس وقت کرتا ہے جب کہ نصِ صریح کسی فرع میں نہیں پاتا۔

چوں نباید نصّ اندر صورتے
از قیاس آں جا نماید عبرتے

جب کسی جزئیہ میں نص نہیں پاتا اس وقت قیاس کے لیے کلیاتِ منصوصہ میں غور کرتا ہے۔

گفت نار از خاک بیشک بہتر ست
من ز نار و او ز خاکِ ابتر ست

ابلیس نے کہا کہ میں ناری ہوں، خاک سے میرا مقام بلند ہے کیوں کہ کرۂ ناری کا کرۂ خاکی سے مافوق ہونا مسلّمات سے ہے۔

پس قیاس فرعِ بر اصلش کنیم
او زِ ظلمت ما زِ نورِ روشنیم

اور ابلیس نے کہا کہ میں اس حکمِ سجدہ کو کہ فرع ہے قیاس کرتا ہوں اس کے اصل پر

یعنی میری اصل حقیقت نار ہے اس لیے میں روشن ہوں اور حضرت آدم علیہ السلام کی اصل خاک ہے اور خاک میں ظلمت اور تاریکی ہوتی ہے۔

گفت حق نے بلکہ لا انساب شد
زہد و تقویٰ فضل را محراب شد

حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: یہ انساب ہمارے یہاں لاشے ہیں، زہد و تقویٰ ہی ہمارے یہاں معیارِ شرف وعزت ہے۔

زادۂ خاکی منوّر شد چو ماہ
زادۂ آتش توئی اے روسیاہ

زادۂ خاکی سیدنا حضرت آدم علیہ السلام نورِ تقویٰ سے منور ہوگئے اور اے ابلیس ملعون! تو نافرمانی کی ظلمت سے سراپا تاریک اور روسیاہ ہوگیا۔

ایں قیاسات و تحرّی روزِ ابر
یا بشب مر قبلہ را کردست جبر

قیاس اور تحری ابر میں اور رات کی تاریکی میں کیا کرتے ہیں قبلہ درست کرنے کے لیے بوجہ مجبوری۔

لیک با خورشید و کعبہ پیشِ رو
ایں قیاسات و تحَرّی را مجُو

لیکن آفتاب اور کعبہ کے سامنے ہوتے ہوئے پھر بھی قبلہ درست کرنے کے لیے قیاس اور تحری کرنا جس طرح جہل اور حماقت ہے اسی طرح صریح حکم اور فرمانِ الٰہی کے ہوتے ہوئے ابلیس کا یہ قیاس بھی احمقانہ تھا۔

تصوّف وصوفی

کارِ درویشی ورائے کارہاست
دم بدم از حق مر ایشاں را عطاست

اللہ کے عاشقوں کی کائنات ہی الگ ہے، ان کے کاروبار عام عقول وافہام سے مافوق ہیں یعنی ہر وقت ان کے باطن کو جو قربِ پیہم عطا ہو رہا ہے اس راز سے اہلِ ظاہر بے خبر ہیں۔

گر تنِ خاکی غلیظ و تیرہ ہست
صیقلی کن زانکہ صیقل گیرہ ہست

اے مخاطب! تو اگر تاریک باطن اور سخت بے حس ہے تو قلعی کرالے کہ یہ خاکی تن صیقل قبول کرنے کی صلاحیت بھی رکھتا ہے اور قلب کے قلعی گر یعنی اللہ والے ہر دور میں موجود ہیں۔

پس چو آہن گرچہ تیرہ ہیکلی
صیقلی کن صیقلی کن صیقلی

پس اگر تو مثل لوہے کے سیاہ دل ہے تو جلد اپنے نفس کی اصلاح میں مشغول ہو جا۔

صوفی ابن الوقت باشد اے رفیق
نیست فردا گفتن از شرطِ طریق

صوفی ہر وقت رضائے الٰہی کے تابع ہوتا ہے یعنی ہر وقت کی آنِ بندگی اور عنوانِ غلامی کو سمجھ کر فوراً طاعات میں تغیر و تبدل کرلیتا ہے مثلاً بچہ یا بیوی بیمار ہے اور دوالانا ضروری ہے اور نوافل اور ذکر کا بھی یہی وقت تھا تو حق تعالیٰ کی مرضی سمجھ کر دوالانے چلا جاوے گا اور جاہل صوفی کو حقوق العباد کی مطلق پروا نہیں ہوتی اور یہ معاملات اس قدر نازک ہیں کہ جب تک طویل عمر کسی اللہ والے کی جوتیاں نہ سیدھی کی جاویں جام وسنداں باختن نہیں آتا یعنی حقوق اللہ اور حقوق العباد اور حقوق النفس میں اعتدالی توازن برقرار رکھنے کی فہم نہیں پیدا ہوتی اور شیخ بھی مبصر و محقق ہونا چاہیے جو خود بھی کسی بزرگ کی اچھی طرح معتدبہ خدمت میں رہا ہو۔ صوفی کا مسلک یہ نہیں ہوتا کہ جس کام کو حق تعالیٰ ہم سے آج اور اس وقت چاہتے ہوں اور ہم اس کو کل پر ٹال دیں۔ اس شعر میں بعض سطحی لوگ ابن الوقت سے مراد رفتارِ زمانہ کی غلامی لیتے ہیں حاشا وکلّا اس جہل سے اس شعر کا کیا واسطہ۔ زمانے سے بے خوف ہو کر اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا جذبہ ایمان کی ضمانت ہوتا ہے۔

زمانے سے اگر ڈرتا رہے گا
زمانہ تجھ پہ ہنستا ہی رہے گا

ہم کو مٹاسکے یہ زمانے میں دم نہیں
ہم سے زمانہ خود ہے زمانے سے ہم نہیں

سینکڑوں غم ہیں زمانہ ساز کو
اک ترا غم ہے ترے ناساز کو

(اختر)

ہر کہ عاشق گشت رست از وقت وحال
غرقہ شد در بحرِ عشقِ ذوالجلال

جو عاشقِ حق ہو گیا وہ زمانے کی غلامی سے آزاد ہو گیا اور بحرِ عشقِ ذوالجلال میں غرق ہو گیا یعنی ماسوی اللہ سے اس کی طبیعت مرعوب نہیں ہوتی ؎

سینکڑوں غم ہیں زمانہ ساز کو
اک ترا غم ہے ترے ناساز کو

ہو آزاد فوراً غمِ دوجہاں سے
ترا ذرّۂ غم اگر ہاتھ آئے

(اختر)

نورِ حق ظاہر بود اندر ولی
نیک بیں باشی اگر اہلِ ولی

اولیاء اللہ کے چہروں سے اللہ کا نور روشن ہوتا ہے مگر یہ نور معاند کو نظر نہیں آتا۔

طالبانِ حق مثل مجنون کے اللہ تعالیٰ کی خوشبو سونگھ کر بتادیتے ہیں کہ اس عارف وعاشق کے قلب میں حق تعالیٰ کی محبت کی آگ موجود ہے۔

کاں گروہے کہ رہیدند از وجود
چرخ و مہر و ماہ شاں آرد سجود

اولیاء اللہ کی یہ جماعت جنھوں نے اپنی مرضیات کو مرضیاتِ حق کے تابع کردیا اور اس مجاہدے میں وہ نیم جاں ہوگئے مگر حق تعالیٰ کی رحمت نے انھیں وہ اعزاز بخشا کہ ان کی عظمت کا آسمان و شمس و قمر بھی ادب کرتے ہیں یعنی ان ہی کے دم سے خود ان کی حیات قائم ہے کیوں کہ جب روئے زمین پر اللہ اللہ کرنے والے نہ رہیں گے اسی دم قیامت آجاوے گی اور شمس و قمر و افلاک ٹوٹ ٹوٹ کر بکھر جاویں گے۔

ہرچہ گیرد علتی علت شود
کفر گیرد کاملے ملت شود

قلب کے بیماروں کا حال یہ ہے کہ جو کچھ ان کے دل میں خیالات آتے ہیں وہ علت بن جاتے ہیں اور کاملین اگر کفر کو بھی ہاتھ میں لیتے ہیں تو وہ ملت بن جاتا ہے یعنی فساق وفجار اچھی باتیں بھی اپنے نظریات و معتقداتِ قبیحہ کے سانچے میں ڈھال لیتے ہیں اور اللہ والے بری باتوں سے بھی اچھے اسباق حاصل کرلیتے ہیں جیسا کہ مثنوی شریف میں کیسے کیسے واقعات اور قصے ہیں مگر ان سے جو نصائح مولانا نے بیان فرمائے ہیں وہ محوِ حیرت کردیتے ہیں۔

جہل آید پیشِ او دانش شود
جہل شد علمے کہ در ناقص رود

اللہ والوں کی کرامت سے جہل بھی ان کے سامنے عقل و دانش بن جاتا ہے اور برے لوگوں کے پاس اگر علم بھی پہنچ جاتا ہے تو ان کی نحوست سے وہ ان کے حق میں جہل ہو جاتا ہے اور اس علم سے وہ فتنہ ہی پیدا کرتے ہیں۔

تخلیقِ عالم

شد جہاں آئینۂ رخسارِ دوست
ہر دو عالم در حقیقت عکسِ اوست

یہ کائنات صفاتِ الٰہیہ کا مظہر ہے اور دونوں جہاں عکسِ جمالِ دوست ہیں۔

یافت از نورش جماد افتادگی
کرد از مہرش نبات استادگی

حق تعالیٰ شانہٗ کے نورِ پاک سے جمادات نے نشانِ افتادگی پائی ہے کہ جہاں ڈال دیے گئے وہیں پڑے ہیں تسلیم ورضا کے ساتھ اور ان ہی کی عنایت سے نباتات نے اگنا اور اگ کر کھڑا ہونا سیکھا ہے۔

جنبشِ کفہا ز دریا روز و شب
کف ہمی بینی نہ دریا اے عجب

دریامیں جھاگ کی حرکت تو نظر آتی ہے مگر جو امواج اس جھاگ کی حرکت کا اصل سبب ہیں وہ جھاگ کے نیچے روپوش ہیں۔

گر دو چشمِ حق شناس آمد ترا
دوست پر بیں عرصۂ ہر دوسرا

اے مخاطب! اگر تیری دونوں آنکھیں حق شناس یعنی دولتِ عرفانِ حق سے مشرف ہو جائیں تو تجھے سارا جہاں دوست کی نشانیوں سے پُر معلوم ہو۔

عالمِ امر

بے جہت داں عالمِ امر وصفات
عالمِ خلق است حسہا وجہات

عالم کی دو قسمیں ہیں: عالمِ امر، عالمِ خلق۔ عالمِ امر وصفات جہات وحسیات سے معرّیٰ ہے اور عالمِ خلق عالمِ جہات اور عالمِ محسوسات ہے۔

غیب راابرے وبادے دیگر ست
آسماں و آفتابے دیگر ست

عالمِ غیب کے ابر وباد دنیا کے ابر وباد سے الگ ہیں اور وہاں کے آسمان اور آفتاب بھی الگ ہیں۔

ہست بارانہا جزیں باراں بداں
می نہ بیند ایں دو را جز چشمِ جاں

عالمِ غیب کی بارش اس عالم کی بارش سے مختلف ہے مگر ان تمام امورِ مذکورہ کا انکشاف صرف ان ہی کو ہوتا ہے جن کی ارواح تعلق مع اللہ (معیتِ خاصہ) کی دولت سے نورِ خاص پاچکی ہیں، ان ظاہری آنکھوں سے اس عالم کا ادراک ناممکن ہے بصیرۃِ قلب کی ضرورت ہے جس کے حصول کا ذریعہ کسی بزرگِ کامل کی صحبت ہے۔

تخلیقِ انسان و مرتبۂ آں و غرض ازاں

وجہ آدم آئینہ اسما کند
عکسِ خود در صورتش پیدا کند

وجہ آدم علیہ السلام کو اپنے اسماء کا آئینہ بنایا یعنی اپنی جملہ صفات کا سیدنا آدم علیہ السلام کو مظہر بنایا۔

جملہ عالم ہست حاجتمندِ تو
تو گدایانہ چہ گردی کو بکو

تمام کائنات کو انسان کی خدمت کے لیے خلق فرمایا ہے پس اے انسان! تو جب پوری کائنات کا مخدوم ہے تو کائنات کا اپنے کو محتاج مت سمجھ اور گلی در گلی رسوا مت پھر بلکہ

خالقِ کائنات سے رشتہ جوڑ تا کہ تو اپنے صحیح مقصد میں مصروف ہو کر دونوں جہان کی دولت سے مالامال ہو جاوے۔

ہست انساں مرکزِ دورِ جہاں

نیست بے انساں مدارِ آسماں

یہ کائنات انسانِ کامل ہی کے دم سے قائم ہے، جب روئے زمین پر کوئی اللہ، اللہ کرنے والا نہ رہے گا تو افلاک اپنی گردش سے محروم کردیے جائیں گے اور انھیں ریزہ ریزہ کردیا جاوے گا اور قیامت قائم ہو جاوے گی۔

از کمالِ قدرتش ہیں بے شکے

کو دو عالم می نماید در یکے

یہ کمالِ قدرتِ الٰہیہ تو دیکھو کہ بلاشبہ دونوں جہان کا نمونہ بنادیا ایک انسان کو۔

یعنی انسانِ کامل ہی مظہرِ ہر دو جہان اور مقصدِ ہر دو جہاں ہے، اس جہان کو اس کے لیے عالمِ عمل بنادیا اور اس جہان کو اس کے لیے عالمِ جزا بنادیا۔ پس دونوں جہان اسی کے لیے بنائے گئے۔

لامکاں اندر مکاں کردہ مکاں

بے نشاں گشتہ مقید در نشاں

عجیب قدرت ہے اس کی کہ خود لامکان ہے مگر ہمارے قلوب اور ارواح کو جو مکانی ہیں کس طرح اپنا تعلقِ خاص عطا فرمار کھا ہے اور خود بے نشان ہیں اور بانشانوں کو کس طرح اپنا تعلق بخشا ہوا ہے۔

صد ہزاراں بحر در قطرہ نہاں

ذرّۂ گشتہ جہاں اندر جہاں

لاکھوں سمندر ایک قطرے میں مخفی ہو گئے اور ایک ذرہ اپنے اندر کائنات در کائنات رکھتا ہے۔

ہیچ کوزہ گر کند کوزہ شتاب
بہرِ عینِ کوزہ نے از بہرِ آب

کوئی کوزہ گر کسی کوزے کو صرف کوزہ مقصود بنا کر نہیں بناتا بلکہ یہ مقصد ہوتا ہے کہ خلق اس میں پانی پیے گی۔

ہیچ کاسہ گر کند کاسہ تمام
بہرِ عینِ کاسہ نے بہرِ طعام

کوئی کاسہ گر اگر پیالہ بناتا ہے تو اس کا مقصد صرف پیالہ نہیں ہوتا بلکہ اس لیے کہ لوگ اس میں کھانا کھاویں۔

مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ ایں بخواں
جز عبادت نیست مقصود از جہاں

حق تعالیٰ نے انسانوں اور جنوں کو خلق فرما کر ان کا بھی مقصد بیان فرمادیا کہ ان کو اس لیے نہیں پیدا کیا کہ یہ بس کھاتے پیتے زندہ رہیں اور مرجائیں بلکہ انھیں عبادت کے لیے پیدا کیا ہے یعنی ان کی زندگی بہرِ زندگی نہیں بلکہ بہرِ بندگی ہے۔

تشبیہ و تمثیل ذاتِ حق

او بروں از وہم و قال و قیلِ من
خاک بر فرقِ من و تمثیلِ من

وہ ذات پاک ہے ہمارے وہم اور قیل و قال سے اور ہمارے اوپر اور ہماری تمثیلات پر بھی خاک پڑے۔

یک مثل آورد ابلیسِ لعین
تا کہ شد ملعونِ حق تا یومِ دیں

ابلیس لعین نے ایک مثال دی تھی قیامت تک کے لیے وہ ملعونِ بارگاہ ہوگیا۔

روحِ انساں

جانِ گرگاں وسگاں ہر یک جدا است
متحد جانہائے شیرانِ خدا ست

کتوں اور بھیڑیوں کی روحوں میں اختلاف ہے مگر شیرانِ خدا کی ارواح سب متحد ہیں۔

جاں چہ باشد با خبر از خیر و شر
شاد از احساں و گریاں از ضرر

روح کی تعریف یہ ہے کہ وہ خیر وشر سے باخبر ہو اور نیکی سے خوش ہو اور برائی سے غمگین اور خدا کے حضور میں رونے والی ہو۔

مردِ خفتہ روحِ او چو آفتاب
در فلک تاباں و در تن جامہ خواب

آدمی سویا ہوتا ہے اور اس کی روح مثلِ آفتاب کے فلک پر تاباں ہوتی ہے اور جسم لباسِ خواب میں ہوتا ہے۔

مردِ اوّل بستۂ خواب و خورست
آخر الامر از ملائک بہترست

انسان پہلے صرف کھانا اور سونا جانتا ہے مگر ایمان، اسلام، اخلاص کی دولت سے مشرف ہو کر پھر ملائک سے بازی لے جاتا ہے۔

روحِ من چو امرِ ربّی مختفی ست
ہر مثالیکہ بگویم منتفی ست

ہماری روح کو جب حق تعالیٰ نے امرِ رب فرمایا ہے اور کوئی تفصیل نہ بیان کرکے اس کو پردۂ اختفاء میں رکھا ہے تو ہم کہاں سے اس کے لیے مثال بیان کرسکتے ہیں اور جو مثال بھی ہو گی وہ لغو اور بے معنٰی اور غیر حقیقی ہو گی۔

فناوبقا

آئینہ ہستی چہ باشد نیستی
نیستی بگزیں گر ابلہ نیستی

زندگی کا آئینہ کیا ہے؟ فنا ہونا ہے، پس اپنے کو فنا کردے اگر تو احمق نہیں ہے۔

گرچہ آں وصلت بقا اندر فناست
لیک اوّل آں بقا اندر فناست

اگرچہ قربِ مالکِ حقیقی کا ہمارے لیے بقا اور آبِ حیات ہے مگر وہ قرب فنائیت کے بعد ہی عطا ہوتا ہے یعنی بقا سے پہلے فنا ضروری ہے، بقا و فنا اصطلاحاتِ تصوف ہیں۔

فنا کا مفہوم خواہشاتِ نفسانیہ کو مرضیاتِ الٰہیہ کے تابع کرنا ہے۔ بقا کا مفہوم نفسِ امارہ کا لوّامہ سے بڑھ کر مطمئنہ راضیہ مرضیہ ہوجانا ہے اور یہی مقام قربِ خاص کہلاتا ہے۔

چوں زخود رستّی ہمہ برہاں شدی
چوں کہ گفتی بندہ ام سلطاں شدی

جب اپنی ہوائے نفس سے خلاصی پاجاؤ گے تو سراپا برہان ہوجاؤ گے یعنی خود بھی صاحبِ یقین ہوگے اور تم سے دوسرے بھی یقین کی دولت سے مشرف ہوں گے، جب تم اپنے کو غلام و بندہ تسلیم کرلوگے تو اسی بندگی میں سلطانی مضمر ہے۔

چوں بمردم از حواس بوالبشر
حق مرا شد سمع و ادراک و بصر

جب اپنے نفس کو مٹادوگے کسی کامل مرشد کی صحبت کے فیض سے تو حق تعالیٰ کے نور سے تم سنوگے اور اسی کے نور سے دیکھوگے اور اسی نورانی فراست سے ادراک کے حواسِ خمسہ ظاہرہ و حواسِ خمسہ باطنہ اپنے افعال انجام دیں گے۔

چوں پری غالب شود بر آدمی
گم شود از مرد وصفِ آدمی

جب کسی آدمی پر جن مسلّط ہو جاتا ہے تو آدمی کے اوصاف اس سے گم ہو جاتے ہیں یعنی اس کی گفتگو اوراس کے حرکات سب جن کی طرف سے متصور ہوتے ہیں، اسی طرح جب حق تعالیٰ کی محبت غالب ہو جاتی ہے اور انوارِ ذکر وطاعت آنکھوں میں، کانوں میں اور جسم کے ذرہ ذرہ میں سرایت کر جاتے ہیں تو خدا کے نور سے مؤمنِ کامل دیکھتا ہے اور اسی کے نور سے سنتا ہے جیسا کہ حدیثِ قدسی میں ہے:

"كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِيْ يَسْمَعُ بِهٖ وَبَصَرَهُ الَّذِيْ يَبْصُرُ بِهٖ"[۴۵]

اس کی تفصیل معیتِ الٰہیہ میں موجود ہے۔

راہِ فانی گشتہ راہ دیگر ست
زانکہ ہشیاری گناہِ دیگر ست

فانی فی اللہ کا راستہ ایک خاص راستہ ہے، اس راہ میں ہشیاری گناہ ہے یعنی انہماک فی غیر اللہ مضر ہے۔

منتہائے سیر سالک شد فنا
نیستی از خود بود عینِ بقا

سالک کے لیے آخری منزل فنا ہو جانا ہے اور یہی فنائیت ذریعہ حصولِ بقاء وقربِ خاص ہے۔

نیست باشد روشنی ندہد ترا
کردہ باشد آفتاب اورا فنا

ستارے دن میں مغلوب النور ہیں، مفقودالنور نہیں، اگر ان کی روشنی کا وجود ختم ہو جاتا تو رات کو کیوں ان کی روشنی تم کو نظر آتی ہے، معلوم ہوا کہ وجود ہے لیکن آفتاب کے نور سے ان کی روشنی مغلوب کالعدم ہو جاتی ہے۔ اسی طرح اللہ والوں کی

[۴۵] صحیح البخاری:۲/۹۶۲-۹۶۳،(۶۵۴۱)،کتاب الرقاق،باب التواضع،المکتبۃ المظہریۃ

فنائیت کو سمجھ لیا جاوے کہ حق تعالیٰ کی عظمت کے مشاہدے سے اپنے وجود اور اس کی صفات سے بے خبر ہو جاتے ہیں۔

جب مہر نمایاں ہوا سب چھپ گئے تارے
وہ ہم کو بھری بزم میں تنہا نظر آئے

یہی مفہوم وحدۃ الوجود کا ہے جسے جہلا صوفیا نے ہوّا بنا رکھا ہے۔

اِنَّ لِرَبِّکُمْ نَفُحَاتٍ

گفت پیغمبر کہ نفحتہائے حق
اندریں ایام می آرد سبق

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ لِرَبِّکُمْ فِیْ اَیَّامِ دَھْرِکُمْ نَفُحَاتٍ[۴۶]

اے لوگو! تمہارے ایامِ زمانہ یعنی ان ہی شب و روز میں حق تعالیٰ کی طرف سے کرم کے جھونکے چلا کرتے ہیں۔ حضرت شاہ فضلِ رحمٰن صاحب گنج مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ ان ہی لمحات میں پڑھا کرتے تھے۔

کیوں بادِ صبا آج بہت مشکبار ہے
شاید ہوا کے رخ پہ کھلی زلفِ یار ہے

گوش ہش دارید ایں اوقات را
در ربائید ایں چنیں نفحات را

اے لوگو! ان قیمتی لمحات کی طرف دل و جان سے منتظر رہا کرو اور جب ان کے لطف و کرم کی وہ ہوا آجائے تو اس سے فیض یاب ہوا کرو اور اللہ والوں کے قلوب ان نفحاتِ کرم کو اپنی لطافتِ طبع اور نورانی قلب سے سمجھ لیتے ہیں۔

---

[۴۶] کنز العمال: ۷/۶۹۷ (۲۱۳۲۴)، باب صلوٰۃ النوافل والفصل فی الترغیب فیھا، مؤسسۃ الرسالۃ

میلِ تو سوئے مغیلان ست و ریگ
تاچہ گل چینی زخار اے مردہ ریگ

اے اہلِ دنیا! تمہیں حق تعالیٰ کی نسیمِ کرم کے ان جھونکوں کا پتا اس لیے نہیں چلتا کہ تمہاری جانیں مغیلاں (کانٹے دار درخت) اور بالو کی طرف مائل ہیں (یعنی دنیائے حقیر کی طرف) پس اے مردہ دل! تم کانٹوں سے پھول کیسے چن سکتے ہو۔ یعنی زمین سے چپکے ہوئے ہو، تمھیں کیا خبر کہ آسمان کی طرف کیا ہورہا ہے۔ جانور بھی کھاتے، ہگتے ہیں اور غافلینِ حق بھی کھاتے، ہگتے ہیں پس کیا فرق ہے دونوں میں بلکہ حق تعالیٰ نے جانوروں سے بھی بدتر ان کفار کو فرمایا ہے بَلۡ ھُمۡ اَضَلُّ۔ حق تعالیٰ ہم سب کو غفلت کی زندگی سے پناہ عطا فرمائیں۔ آمین۔

وَھُوَمَعَکُمۡ اَیۡنَمَا کُنۡتُمۡ

معیتِ خاصہ

گر بجہل آیئم آں زندانِ او ست
ور بعلم آیئم آں ایوانِ او ست

اگر ہم جہالت میں مبتلا ہوجاتے ہیں تو گویا ان کے قید خانے میں ہوتے ہیں اور علم کی روشنی میں آجاتے ہیں تو گویا ان کے شاہی محل میں آجاتے ہیں۔

گر بخواب آیئم مستانِ ویئیم
ور بہ بیداری بدستانِ وی ایم

اگر خواب میں ہوتے ہیں تو ان کے مست ہوتے ہیں اور اگر بیداری میں ہوتے ہیں تو ان کے ہاتھوں میں ہوتے ہیں۔

ور بگریم ابر پُر زرقِ وی ایم
ور بخندیم آں زماں برقے وی ایم

اور اگر روتے ہیں تو ان کے ابر پُر آب صاف ہوتے ہیں اور اگر ہم ہنستے ہیں تو ہم ان کی برق ہوتے ہیں۔

ور بخشم و جنگ عکس قہر اوست
در بصلح و عذر عکس مہرِ اوست

اور غصہ اور جنگ کی حالت میں صفتِ قہر کے مظہر ہوتے ہیں اور صلح و معذرت خواہی کے وقت ان کی مہربانی و کرم کے مظہر ہوتے ہیں۔

یک سبد پرناں ترابر فوق سر
تو ہمی جوئی لبِ ناں در بدر

اے مخاطب! ایک ٹوکرا روٹی کا بھرا ہوا تیرے سر پر ہے اور تو روٹی کا کنارا (ٹکڑا) دربدر ڈھونڈتا پھر رہا ہے۔ یعنی تیرے باطن میں حق تعالیٰ کی محبت کا خزانہ موجود ہے اور تو بس کھانے پکنے میں لگا ہے اور دربدر ذلیل پھرتا ہے ؎

کہیں کون و مکاں میں جو نہ رکھی جا سکی اے دل
غضب دیکھا وہ چنگاری مری مٹی میں شامل کی

(مجذوبؒ)

بر سرت نان ست و پایت اندر آب
وز عطش و ز جوع گشتستی خراب

تیرے سر پر روٹی کا ٹوکرا ہے اور تیرا پاؤں پانی کے اندر ہے لیکن تو بوجہ جہل اور بے خبری کے بھوک اور پیاس سے تباہ ہو رہا ہے۔

حاصل یہ کہ کسی اللہ والے سے تعلق قائم کرو اور چندے مجاہدات کے بعد پھر تمہیں اپنے قلب میں ایسے باطنی خزائن منکشف ہوں گے جن کے سامنے ہفت اقلیم کی سلطنت گرد معلوم ہو گی۔

ایمان بالغیب

یومنوں بالغیب می باید مرا
زاں بہ بستم روزنِ فانی سرا

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ حق تعالیٰ کی طرف سے حکایت کرتے ہیں کہ اے لوگو! ہمیں ایمان بالغیب تم سے مطلوب ہے اور اسی حکمت سے ہم نے اس کائنات کو ہر طرف سے بند کردیا کہ کسی سوراخ سے تمھیں عالمِ غیب نظر نہ آوے۔

پیشِ شہ او بہ بود از دیگراں
کہ بخدمت حاضر اند و جانفشاں

پس بغیبت نیم ذرّہ حفظ کار
بہ کہ اندر حاضری زاں صد ہزار

شاہ کے سامنے جو حاضر ہوتا ہے وہ تو دوسرے غیر حاضروں سے اچھا کام کرتا ہی ہے کمال تو یہ ہے کہ شاہ کو نہ دیکھ رہا ہو اور پھر بھی اس کے احکام کا حفظ و اہتمام کر رہا ہو اوراس صورت میں آدھا ذرّہ عمل بھی افضل ہوگا ان سو ہزار اعمال سے جو شاہ کو دیکھ کر کیے جاویں گے یعنی شاہ کو بدون دیکھے اس کے احکام کو بجالانا زیادہ واضح اور قوی اخلاص وبندگی کی دلیل ہے۔

طاعت و ایماں کنوں محمود شد
بعدِ مرگ اندر عیاں مردود شد

طاعت اور ایمان لانا بدون دیکھے ہوئے مقبول اور محمود ہے اور مرنے کے بعد جب عالمِ غیب سامنے آجائے گا اس وقت کا ایمان قبول نہیں ہوگا۔

گویدش بگزرز من اے شاہ زود
ہیں کہ نورت سوزِ نارم رار بود

جہنم مؤمن سے کہے گا کہ جلد میرے اوپر سے گزر جا کہ تیرا نور میری آگ بجھائے ڈالتا ہے۔

پس ہلاک نارِ نورِ مومن ست
زاں کہ بے ضد دفعِ ضد لا یمکنست

پس جہنم کی آگ کو بجھانے والا مؤمن کا نورِ ایمان ہے کیوں کہ ہر چیز اپنی ضد ہی سے دفع ہوتی ہے۔

گر ہمی خواہی تو دفع شرّ نار
آبِ رحمت بر دلِ آتش گمار

اے مخاطب! اگر تو چاہتا ہے کہ دوزخ کی آگ تجھے نہ جلائے تو اس پر رحمت کا پانی ڈال دے یعنی کثرت سے استغفار و آہ زاری کر کے حق تعالیٰ کی رحمت کو اپنے اوپر متوجہ کر لے۔

تا ہویٰ تازہ ست ایماں تازہ نیست
کیں ہوا جز قفلِ ایں دروازہ نیست

جب تک خواہشاتِ نفسانیہ تازہ ہیں ایمان میں تازگی نہیں ہو سکتی کیوں کہ یہ خواہشاتِ نفس ہی حق تعالیٰ کے قرب کے دروازے کے لیے قفل ہیں۔

توبۂ نصوح

توبہ کن مردانہ سر آور برہ
کہ فمن یعمل بمثقال یرہ

اے مخاطب! مردانہ وار توبہ کر گناہوں سے اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں قدم رکھ دے کیوں کہ کب تک خدا سے دور رہ کر گناہ کرتا رہے گا اور جب کہ ہر ذرہ ذرہ عمل کو قیامت کے دن اپنے اعمال نامہ میں موجود پاوے گا۔

و از پدر آموز کادم از گناہ
خوش فرود آمد بسوئے پائیگاہ

اور اپنے باپ سیدنا آدم علیہ السلام سے یہ سبق سیکھ لے کہ انھوں نے اپنے قصور سے کس طرح توبہ کی اور اپنے رب کے سامنے اپنے کو جھکا کر عالی منصب حاصل کر لیا۔

لغت۔ پائیگاہ۔ قدر و مرتبہ و منصب (غیاث)

آنکہ فرزندانِ خاصِ آدم اند
نفحۂ اِنَّا ظَلَمْنَا می دمند

جو لوگ خاص اولاد ہیں حضرت آدم علیہ السلام کی وہ بھی اپنے بابا کی تقلید کرتے ہوئے رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا[۲۷] کہتے ہیں۔

عمرِ بے توبہ ہمہ جاں کندن ست
مرگ حاضر غائب از حق بودن ست

بغیر توبہ کے جو زندگی گناہوں میں غرق ہے وہ خود وبالِ جان ہے کیوں کہ حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ جو ہماری نافرمانی کرتا ہے ہم اس کی زندگی کو تلخ کر دیتے ہیں اور خدا سے غافل ہونا مترادف موتِ عاجلہ کے ہے۔

سجدہ گہہ را تر کن از اشکِ رواں
کہ خدایا وا رہانم زیں گماں

سجدہ گاہ کو اپنے آنسوؤں سے تر کرو اور فریاد کرو کہ اے خدا! مجھ کو خیالاتِ فاسدہ سے رہائی عطا فرما۔

جملہ ماضیہا از و نیکو شوند
زہرِ پارینہ ازیں گردد چو قند

توبہ کے آنسو ماضی کی تمام برائیوں کو بھلائیوں سے تبدیل کر دیتے ہیں اور گناہوں کے پرانے زہر کو بھی مثل شکر کر دیتے ہیں۔

---

[۲۷] الاعراف:۲۳

سیئّات را مبدل کرد حق

تاہمہ طاعت شود آں ماسبق

توبہ کی برکت سے حق تعالیٰ تیری سیئات کو حسنات سے تبدیل فرمادیں گے تاکہ تیرا زمانۂ ماضی سب کاسب طاعت میں شمار کیا جاوے۔

ہیں بہ پشتِ آں مکن جرم و گناہ

کہ کنم توبہ در آیئم در پناہ

خبر دار! توبہ کے سہارے پر گناہ کی ہمت مت کرنا کہ توبہ کرکے پھر پناہ میں آجائیں گے۔

زانکہ استغفار ہم در دست نیست

ذوقِ توبہ نقلِ ہر سر مست نیست

کیوں کہ استغفار و توبہ کی توفیق تیرے ہاتھ میں نہیں ہے، ممکن ہے کہ گستاخی اور مسلسل سرکشی کی نحوست سے توفیقِ توبہ سلب کرلی جاوے ذوقِ توبہ ہر سرمست کا حصہ نہیں ہے۔

اندریں امت نہ بُد مسخ بدن

لیک مسخِ دل بود اے بوالفطن

اس امتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مسخ صورتِ ظاہری کا عذاب تو معاف کردیا گیا ہے مگر مسخِ عقل و فہم اور مسخِ صلاحیت و سلامتی سب کا عذاب جاری ہے۔

فوائدِ صحبت

صحبتِ مردانت ازمرداں کند

نارِ خنداں باغ راخنداں کند

کاملین کی صحبت تجھے کامل بنادے گی اور انارِ خنداں پورے باغ کو خنداں کردیتا ہے۔

راہِ سنت باجماعت خوش بُود

اسپ با اسپاں یقیں خوشتر رود

سنت کا راستہ جماعت کے ساتھ راحت اور عافیت سے طے ہوتا ہے جس طرح ایک نئے گھوڑے کو چال سکھانے کے لیے پرانے گھوڑوں کے ساتھ کر دیتے ہیں اور اس طرح بدون مار پیٹ کے وہ نیا گھوڑا آسانی سے اور جلد پرانے گھوڑوں کی خوش رفتاری کی مشق کر لیتا ہے۔

روبجو یارِ خدائی راتو زود
چوں چنیں کردی خدا یارِ تو بود

جاؤ کسی اللہ والے کو ڈھونڈلو اور اگر اس سے دوستی تم نے کر لی تو اس کی غلامی کے صدقے میں تم بھی خدا کے یار ہو جاؤ گے۔

ہمنشینِ مقبلاں چوں کیمیاست
چوں نظر شاں کیمیائے خود کجاست

مقبول بندوں کی صحبت مثل کیمیا ہے کہ فرشی کو عرشی بنا دیتی ہے یعنی مجرمین کو اللہ والا بنا دیتی ہے اور جب ان کی نظر میں یہ کیمیا ہے تو ان کی ذاتِ گرامی خود کس قدر بابرکت ہو گی۔

نہ کتابوں سے نہ وعظوں سے نہ زر سے پیدا
دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا
(اکبرؔ)

یک زمانہ صحبتے با اولیاء
بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

ایک زمانہ اللہ والوں کی صحبت میں بیٹھ کر دین کی صحیح فہم حاصل کرنا بہتر ہے سو برس کی عبادتِ بے ریا سے۔

صحبتِ صالح ترا صالح کند
صحبتِ طالح ترا طالح کند

نیک انسان کی صحبت تجھے بھی نیک بنادے گی اور بروں کی صحبت تجھے بھی بدکار بنادے گی۔ ایک شخص نے احقر سے کہا کہ ایک آم کے درخت کی شاخ کے ساتھ نیم کی شاخ لگ گئ اور بالکل متصل ہوگئ، انجام یہ ہوا کہ تمام پھل اس آم کے نیم کی تلخی سے تلخ اور کڑوے ہونے لگے۔ یہ صحبت کا اثر ہے۔

ہر کہ باشد ہمنشینِ دوستاں
ہست در گلخن میانِ بوستاں

جو شخص کہ مقبول بندوں کی صحبت میں رہتا ہے اگر آتش کدہ میں بھی ہے تو وہ بھی اس کے حق میں باغ ہے۔

لغت: گلخن بضم گاف وخا معجمہ مفتوح آتش خانہ ومجازاً اجائے انداختن خس وخاشاک (غیاث)

مہرِ پاکاں درمیانِ جاں نشاں
دل مدہ الّا بمہرِ دل خوشاں

اللہ تعالیٰ کے پاک اور مقبول بندوں کی محبت کو جان کے اندر پیوست کرلو اور اپنا دل کسی کو مت دیناسوائے اُن کے جن کے دل خدا کی محبت سے اچھے ہوگئے ہیں۔

دل ترا در کوئے اہلِ دِل کُشَد
تن ترا در حبسِ آب وگل کُشَد

اے مخاطب! تیرا دل تجھے اہلِ دل کی مجلس کی طرف کھینچتا ہے مگر تیری خاک تن کے تقاضے (خواہشاتِ نفسانیہ) تجھے پانی اور کیچڑ (دنیائے حقیر) کی طرف کھینچتے ہیں۔

فقر خواہی آں بصحبت قائم ست
نہ زبانت کار می آید نہ دست

اگر باطنی دولت یعنی خاص تعلق مع اللہ حاصل کرنا ہے تو وہ صحبتِ کاملین ہی سے ملتی ہے نہ تیری زبان سے یہ کام ہوگا اور نہ ہاتھ سے۔

ناریاں مرناریاں را جاذبند

نوریاں مرنوریاں راطالب اند

دوزخیوں کو دوزخی اپنی طرف کھینچتے ہیں اور نورانیوں کو نورانی لوگ اپنی طرف کھینچتے ہیں۔

طیّبات آمد بسوئے طیبین

للخبیثین الخبیثات ست ہیں

پاک عورتیں پاک مَردوں کو دی جاتی ہیں اور خبیث مَردوں کے لیے خبیث عورتیں مخصوص ہوتی ہیں۔

چوں کہ دریاراں رسی خامش نشین

اندراں حلقہ مکن خود رانگین

جب اللہ والوں کی مجلس میں حاضری ہو تو خاموش بیٹھو اور اپنے کو ان کی مجلس میں نگ کی طرح ممتاز مت کرو یعنی خود کو مٹا کر رکھو۔

گفت پیغمبر کہ در بحر ہموم

در دلالت داں تو یاراں را نجوم

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بحرِ افکار میں فکرِ صحیح پر دلالت و ہدایت کے لیے میرے اصحاب کو مثلِ نجوم سمجھو۔

اجتناب از صحبتِ بد

ہیں کہ ہر گمراہ راہمرہ مداں

غافلانِ خفتہ را آگہہ مداں

خبردار! ہر گمراہ کو اپنا رفیقِ سفر مت سمجھو اور جو خدا تعالیٰ سے غفلت کی نیند سو رہے ہیں ان کو آگاہِ حق نہ سمجھ لینا۔

اے فغاں از یارِ ناجنس اے فغاں

ہمنشینِ نیک جوئید اے مہاں

برے ساتھی سے اللہ بچائے، برے ساتھی سے اللہ بچائے، نیک ساتھی ڈھونڈو اے معززین!۔

جاہل از با تو نماید ہمدلی
عاقبت زحمت زند از جاہلی

جاہل اگر تیرے ساتھ دوستی اور ہمدردی کا اظہار بھی کرے تو تم اس سے ہوشیار رہو اور دور رہو، کیوں کہ اس کی دوستی کا بھی انجام برا ہی ہوگا۔ دشمنئ خردمنداں بہ از دوستئ ناداں۔

حق ذاتِ پاک اللہ الصمد
کہ بود بہ مارِ بد از یارِ بد

چوں کہ برا سانپ بہتر ہے برے دوست سے اس لیے میں اللہ پاک بے نیاز کی حرمت وعزت وجلال کے صدقے میں برے ساتھی سے پناہ مانگتا ہوں۔

مارِ بد جانے ستاند از سلیم
یارِ بد آرد سوئے نارِ جحیم

زہریلا سانپ اپنے کاٹنے سے جان لے لیتا ہے اور برا ساتھی جہنم کی طرف کشاں کشاں لاتا ہے۔

اے خنک آں مردہ کز خود رستہ شد
در وجودِ زندۂ پیوستہ شد

جو مرنے والا اپنے وجود کو زندگی ہی میں حق تعالیٰ کی رضا کے لیے مٹادے اور اس مقصد کے لیے کسی زندہ یعنی مردِ کامل سے وابستہ ہوجاوے اے اللہ! اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔

وائے آں زندہ کہ با مردہ نشست
مردہ گشت و زندگی از وے بجست

افسوس ہے اس نیک شخص پر بھی جو کسی برے ساتھی کی ہمنشینی سے اپنی صالحیت کو تباہ کر بیٹھا اور حقیقی زندگی سے محروم ہو کر غفلت کی موت سے مردہ ہو گیا۔

طلب و عشقِ محبوبِ حقیقی

تو بہر جائے کہ باشی می طلب
آب می جو دائماً اے خشک لب

جہاں بھی رہو حق تعالیٰ کے لیے بے چین رہو اور اے خشک لب! تو آب قربِ الٰہی کی تلاش میں ہمیشہ بے چین رہنے کی خو پیدا کر اور کسی بے چین ہی کی صحبت سے یہ تڑپ تجھے ہاتھ لگے گی۔

گفت پیغمبر کہ چوں کوبی درے
عاقبت بینی ازاں در ہم سرے

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ اگر کسی دروازے کو کھٹکھٹاتے رہو گے تو ایک دن ضرور اس در سے کسی کا سر نمودار ہو گا۔

کھولیں وہ یا نہ کھولیں در اس پہ ہو کیوں تری نظر
تُو تو بس اپنا کام کر یعنی صدا لگائے جا

بیٹھے گا چین سے اگر کام کے کیا رہیں گے پر
گو نہ نکل سکے مگر پنجرے میں پھڑ پھڑائے جا

(مجذوبؒ)

چوں نشینی بر سرِ کوئے کسے
عاقبت بینی تو ہم روئے کسے

اگر تم کسی گلی کے کنارے امید لگائے بیٹھے رہو گے تو یقیناً تم کسی کا چہرہ اس گلی میں مشاہدہ کرو گے۔ مراد یہ کہ حق تعالیٰ کی راہ میں امید لگائے مجاہدات کی تکالیف جھیلتے رہو ایک

دن ضرور میاں تمہیں مل جائیں گے یعنی قلب میں معیتِ خاصہ کا انکشاف عطا ہو جاوے گا۔

اندریں رہ می تراش و می خراش
تا دمے آخر دمے فارغ مباش

حق تعالیٰ کی راہ میں مشقت اور محنت اصلاحِ نفس کی خاطر برداشت کرتے رہو اور آخری سانس تک اپنے کو فارغ مت سمجھو:

وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ[۴۸]

اپنے رب کی بندگی میں لگے رہو یہاں تک کہ وہ یقینی چیز یعنی موت آجاوے۔

دوست دارد دوست ایں آشفتگی
کوششِ بیہودہ بہ از خفتگی

محبوبِ حقیقی اپنے طالبین کی حیرانی اور عاجزی اور درماندگی کو محبوب رکھتے ہیں اور ٹوٹی پھوٹی ناکارہ کوشش کو بھی بے کار سمجھ کر مت چھوڑ بیٹھو کہ بالکل سو رہنے سے یہ بھی غنیمت ہے۔

نہ چت کر سکے نفس کے پہلواں کو
تو یوں ہاتھ پاؤں بھی ڈھیلے نہ ڈالے

ارے اس سے کشتی تو ہے عمر بھر کی
کبھی وہ دبالے کبھی تو دبالے

حاصل آنکہ ہر کہ او طالب بُود
جانِ مطلوبش برو راغب بُود

خلاصہ یہ کہ جو بندہ اللہ تعالیٰ کا طالب ہوتا ہے اس کی جان پر حق تعالیٰ بھی توجۂ خاص فرماتے ہیں اور اپنا بنا لیتے ہیں۔

۴۸؎ الحجر:۹۹

تشنگاں گر آب جویند از جہاں
آب ہم جوید بعالم تشنگاں

پیاسے اگر پانی کو جہاں میں تلاش کرتے ہیں تو پانی بھی اپنے پیاسوں کو ڈھونڈتا ہے۔

ایکہ تو طالب نۂ تو ہم بیا
تا طلب یابی ازیں یارِ وفا

اے مخاطب! اگر تو طالب نہیں ہے تو بھی مایوس نہ ہو، اللہ والوں کے پاس آ یہاں طلب بھی حق تعالیٰ ان کی برکت و فیضِ صحبت سے عطا فرماویں گے۔

ہر کرا بینی طلب گار اے پسر
یارِ او شو پیشِ او انداز سر

جس شخص کو خدا کا طالب دیکھو اور ان کے لیے بے چین دیکھو اسی کے پاس رہ پڑو اور اسی کو اپنا حقیقی دوست سمجھو اور اس کے سامنے اپنے کو مٹادو۔

گرفتنِ پیرِ کامل

ہر کہ او بے مرشدے در راہ شد
اوز غولاں گمرہ و در چاہ شد

جو شخص بغیر مرشد کے راہِ حق کو طے کرتا ہے وہ شیطان کی گود میں پہنچ کر گمراہ اور چاہِ ضلالت میں گر جاتا ہے۔

گر تو بے راہ بر فرود آئی براہ
گر ہمہ شیری فروافتی بچاہ

اگر تو بے راہ بر کے راہِ حق میں اترے گا تو شیر جیسی عالی ہمت ہونے کے باوجود بھی گمراہی کے کنویں میں گر پڑے گا۔

ہر کہ تنہا نادر ایں رہ را برید
ہم بعونِ ہمتِ مرداں رسید

جس شخص نے نادر طور پر تنہا یہ راستہ قطع بھی کیا ہو تو وہ بھی یقیناً کسی کاملِ وقت کے غائبانہ توجہ وفیضان ہی سے منزلِ مقصود تک پہنچا ہو گا۔

کور ہرگز کے تو اند رفت راست
بے عصاکش کور را رفتن خطاست

اندھا آدمی کبھی سیدھا راستہ طے نہیں کر سکتا اس لیے بغیر لاٹھی پکڑنے والے راہ بر کے کسی اندھے کا چلنا ہی خطا ہے۔

دستِ پیر از غائباں کوتاہ نیست
دستِ او جز قبضۂ اللہ نیست

پیر کا ہاتھ (اس کی توجہ وفیضان) غائبین تک بھی اثر کرتا ہے اور اس کے ہاتھ پر بیعت ہونا گویا کہ حق تعالیٰ ہی سے بالواسطہ توبہ اور عہد کرنا ہے۔

پیر باشد نردبانِ آسماں
تیر پرّاں از کہ گردد از کماں

پیر آسمان کے لیے یعنی خدا تک پہنچنے کے لیے مثل سیڑھی کے ہے، کیا یہ نہیں دیکھتے ہو کہ تیر کہیں بدون کمان بھی اڑ سکتا ہے۔ تیر اگر قیمتی ہو اور کمان معمولی ہو تب بھی تیر کا کام چل جاوے گا پس اگر مرید عالم اور فقیہ اور مفسر اور محدّث ہو اور شیخ بقدرِ ضرورت ہی علمِ دین جانتا ہو مگر اس کی صحبت سے یہ کامل ہو جاوے گا۔ مرغی کے پروں میں مور کا انڈا رکھ دینے سے مور پیدا ہو جاتا ہے اور وہ مرغی کا ممنون تربیت واحسان ہو گا اور اگر خود بینی اور تکبر سے مرغی کے پروں سے یہ مور کا انڈا دور رہے گا تو ہزار سال بھی مردہ ہی رہے گا اور جان نہ آئے گی۔ پس صحبتِ شیخ سے صحیح زندگی عطا ہوتی ہے، میرے شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے عید گاہ سرائے میر کی محراب کی طرف اشارہ کر کے فرمایا تھا کہ یہ میری جائے پیدائش ہے پھر خود ہی توضیح فرمائی کہ یہاں ہی حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے بیعت فرمایا تھا۔

صورتش بر خاک و جاں بر لامکاں
لامکانے فوق وہمِ سالکاں

یہ اللہ والے بزرگانِ دین اگرچہ صورۃً زمین پر نظر آتے ہیں مگر ان کی روحیں عرش والے کے پاس ہوتی ہیں بوجۂ خاص تعلق و رابطہ کے اور یہ باتیں یعنی ان اولیائے پاک کے مقاماتِ رفیعہ جو عالمِ لامکاں سے ہیں ہمارے وہم و تصور سے مافوق و بالاتر ہیں۔

ماہیانِ قعرِ دریائے جلال
بحرِ شاں آموختہ سحرِ حلال

یہ دریائے جلال کی گہرائیوں کی مچھلیاں ہیں اور حق تعالیٰ کے بحرِ قرب نے انہیں سحرِ حلال یعنی کلامِ مؤثر عطا فرمایا ہے۔

شیخِ نورانی ز رہ آگہہ کند
نور را با لفظہا ہمرہ کند

اللہ والے نورانی مشائخ حق تعالیٰ کے راستے سے بھی آگاہ کرتے ہیں اور اپنے ارشادات کے الفاظ کے ہمراہ اپنے انوارِ قلوب بھی شامل کر دیتے ہیں۔

کارِ مرداں روشنی و گرمی ست
کارِ دُوناں حیلہ و بے شرمی ست

مَردوں کا کام روشنی و گرمی ہے یعنی سرگرمیٔ عمل ان کا شیوہ ہوتا ہے اور کمینوں کا کام حیلہ و بہانا سازی اور بے شرمی ہے یعنی مجاہدات سے جان چراتے ہیں۔

از حدیثِ شیخ جمعیت رسد
تفرقہ آرد دمِ اہلِ جسد

اللہ والوں کی باتیں قلب کو سکون عطا کرتی ہیں اور اہلِ ظاہر کی باتیں دل میں انتشار اور بے اطمینانی پیدا کرتی ہیں۔

چوں کہ دستِ خود بدستِ او دہی
پس ز دستِ آکلاں بیروں جہی

اور جس دن تو کسی مرشدِ کامل کے ہاتھ پر بیعت و توبہ کرے گا اسی دن گمراہ کرنے والے تمام طبقات اور ان کے نظریاتِ باطلہ اور افکارِ کاسدہ کے دام سے خلاصی پا جاوے گا۔

راہ بر راہِ طریقت آں بود
کو باحکامِ شریعت می رود

طریقت اور سلوکِ باطنی کا راہ بر وہی ہو سکتا ہے جو احکامِ شریعت کا خود بھی پابند ہو اور طالبین کو اس پابندی کی ہدایت کرتا ہو۔ وہ جہلا صوفیا جنہوں نے شریعت اور طریقت کا فرق بیان کر کے شریعت کے جوئے کے بار کو کندھوں سے اتار کر پھینکا ہے اور خوب حلوے مانڈے اڑا کر اپنی توندیں پھلا رکھی ہیں مولانا نے اس شعر میں ان کی قلعی کھول دی ہے۔ کسی کا اچھا شعر ہے۔

بھر گئے ہو مزاروں کی روٹیاں کھا کر
تمہاری توند کمر سے لگا کے چھوڑوں گا

دست زن در دامنِ ہر کو ولی ست
خواہ از نسلِ عمر خواہ از علی ست

جب کسی ولی اللہ سے مناسبت محسوس ہو تو فوراً اس کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دے دو اور یہ نہ دیکھو کہ اس کی کیا نسبت ہے اور کس خاندان سے ہے۔

گر نباشد در عمل ثابت قدم
چو رہاند خلق را از دستِ غم

اگر کوئی مرشد خود ہی اعمال میں سست ہو گا تو مخلوق کو غفلت کے غم سے کیسے چھڑا سکتا ہے۔

گر تو گوئی نیست پیرے آشکار
تو طلب کن در ہزار اندر ہزار

اگر تو کہتا ہے کہ ہم کو تو کوئی اللہ والا نظر ہی نہیں آتا تو اے شخص! تو برابر تلاش جاری رکھ۔

زانکہ گر پیرے نباشد در جہاں
نے زمیں بر جائے ماند نے مکاں

کیوں کہ اگر اللہ والے زمین پر نہ ہوتے تو یہ زمین اور یہ کون و مکان بھی اپنی جگہ قائم نہیں رہ سکتے تھے یعنی جب اللہ اللہ کرنے والے نہ ہوں گے تو قیامت آجائے گی۔

دست گیر د بندۂ خاصِّ الٰہ
طالباں را می برد تا پیشگاہ

جب حق تعالیٰ کے خاص بندے طالبین کے ہاتھوں کو پکڑ لیتے ہیں یعنی بیعت کر لیتے ہیں تو اپنی اصلاحات اور ارشادات و صحبت کی برکت سے طالبین کو مولیٰ تک پہنچا دیتے ہیں۔

مَنْ جَدَّ وَجَدَ

(جوینده یابنده)

چوں ز چاہے می کنی ہر روز خاک
عاقبت اندر رسی در آبِ پاک

اگر تم کسی کنویں کے لیے ہر روز مٹی نکالتے رہو گے تو انجام کار ایک دن ضرور یہ ہو گا کہ پانی سے تمہارا وصال ہو گا۔

آداب المریدین

چوں گزیدی پیرِ نازک دل مباش
سست و ریزندہ چو آب و گل مباش

جب پیر کو پکڑ لیا تو اب نازک دِل مت بنو اور سست و کاہل مت پڑے رہو۔

گر بامرِ پیر رفتی ایں طریق
مست گردی عاقبت ہم زیں رحیق

اگر حکمِ شیخ کے غلام و تابعدار بن کر اس راہ کو طے کر لیا تو ان شاء اللہ تعالیٰ! خالص شرابِ معرفت سے ایک دن ضرور مست ہو جاؤ گے۔

گر ہزاراں طالب اند و یک ملول
از رسالت بازمی ماند رسول

اگر مجلس میں ایک ہزار طالبینِ حق ہوں اور ایک معترض معاند بھی ہو تو اس کی عدمِ طلب و اعراض کی نحوست مضامین کی آمد میں حائل ہو گی۔

نخوتے دارند و کبر چو شہاں
چاکری خواہند از اہلِ جہاں

اولیائے حق طالبین کے ساتھ بظاہر نخوت و کبر کا معاملہ کرتے ہیں (مثلاً ڈانٹ ڈپٹ اور اصلاح کے لیے سختیاں کرنا وغیرہ) اور باطن میں اپنے کو خادم سمجھتے ہیں اور طالبین کیا سارے جہان سے اپنے کو کمتر سمجھتے ہیں۔

ازیں بر ملائک شرف داشتند
کہ خود را بہ از سگ نہ پنداشتند

اور اہلِ جہاں سے ان کو دولتِ باطنی دینے کے لیے چاکری و مشقت کراتے ہیں۔

کے رسانند ایں امانت را بتو
تا نباشی پیشِ شاں راکع دوتو

حق تعالیٰ کی محبت و خشیت کی امانت کو اللہ والے طالبین کے حوالے اسی وقت کرتے رہتے ہیں جب اپنے سامنے طالب میں تواضع و اخلاص، ادب و نیاز مندی دیکھتے ہیں۔

گڑگڑا کے جو مانگتا ہے جام
ساقی دیتا ہے اس کو مے گلفام
ناز و نخرے کرے جو مے آشام
ساقی رکھتا ہے اس کو تشنہ کام

مستمع چوں تشنہ و جویندہ شد
واعظ ار مردہ بُود گویندہ شد

سامعین میں اگر تشنگی و طلب ہوتو واعظ اگر مردہ بھی ہوتو زندہ ہو جاتا ہے یعنی اگر مضامین کی آمد نہ ہو رہی ہو تو ہونے لگتی ہے۔

ہر چہ را خوب و خوش و زیبا کند
از برائے دیدۂ بینا کند

جو شخص زیبایش اور آرایش کرتا ہے وہ اندھوں کے لیے نہیں کرتا دیدۂ بینا کے لیے کرتا ہے۔

جوشِ نطق از دل نشانِ دوستی ست
بستگیٔ نطق از بے الفتی ست

کسی سے مل کر گویائی کا تقاضا اندر سے اٹھنا علامت باطنی و قلبی تعلق و دوستی کی ہے اور گویائی میں رکاوٹ پیدا ہونا علامتِ بے الفتی ہے جیسا کہ بعض طالبین کی مناسبت سے عجیب مضامین حق تعالیٰ بیان کرا دیتے ہیں اور بعض کی عدمِ مناسبت سے زبان بند بند سی اور مضامین کی آمد رکی رکی سی معلوم ہوتی ہے، اس وقت تکلف ہی سے کچھ بولنا ممکن ہوتا ہے مگر بے کیف ہوتا ہے۔

اجتناب از صوفیانِ مزوّر (نقلی)

اے بسا ابلیس آدم روئے ہست
پس بہر دستے نباید داد دست

اے لوگو! بہت سے ابلیس خصلت صوفیوں کی شکل میں موجود ہیں اس لیے ہر ہاتھ میں ہاتھ جلدی سے نہ دے دینا چاہیے۔

حرفِ درویشاں بدزدد مردِ دوں
تا بخواند بر سلیمے زاں فسوں

کبھی کمینے لوگ بھی بزرگوں کی باتیں اور چند حروف چرا لیتے ہیں یعنی یاد کر لیتے ہیں تا کہ اس طرح عوام طالبین کو دھوکا دیں اور اپنا اُلّو سیدھا کریں۔

اوندا کردہ کہ خواں بنہادہ ام
نائبِ حقّم خلیفہ زادہ ام

یہ نقلی صوفی بھی اعلان کرتا ہے کہ میں نے بھی تصوف کا دستر خوان بچھایا ہے اور میں بھی نائبِ حق اور خلیفہ زادہ ہوں۔

دائم اندر آب کارِ ماہی ست
مار را با او کجا ہمراہی ست

ہمیشہ پانی میں رہنا یہ مچھلیوں ہی کا کام ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ سے ہر وقت رابطہ رکھنا اور غافل نہ ہونا اہل اللہ ہی کا کام ہے۔ سانپ اگر مچھلی پن ظاہر بھی کرے خلق کو دھوکا دینے کے لیے تو کب تک پانی میں رہ سکے گا آخر کار گھبرا کر پانی سے بل میں بھاگ جائے گا، اسی طرح نقلی صوفی مخلوق کے سامنے تو سر جھکائے مراقبہ اور ذکر ہُو کرتا ہے مگر جب خلوت میں جاتا ہے تو فرائض بھی ادا نہیں کرتا۔

گرچہ در خشکی ہزاراں رنگہا ست
ماہیاں را با یبوست جنگہا ست

خشکی میں ہزاروں نقش و نگار ہوں مگر مچھلیوں کو خشکی سے جنگ و عداوت ہے اور ان کو ان ہی نقش و نگار میں موت نظر آتی ہے برعکس پانی میں انھیں طوفان سے بھی خوف نہیں، اسی طرح اللہ والے اسبابِ غفلت و تشویش سے گھبراتے ہیں اگرچہ ہفت اقلیم کی مملکت ہی کیوں نہ ہو۔ اور نقلی صوفی چند ٹکوں اور تھوڑی سی دنیا کے عوض بِک جاتا ہے۔

مجاہدہ وریاضت

راہ دور ست اے پسر ہشیار باش
خواب با گور افگن و بیدار باش

اے مخاطب! راستہ بہت دور دراز کا ہے ہوشیار ہو جا۔ نیند کو اعتدال اور درجۂ ضرورت تک محدود کر اور باقی آرام کی نیند قبر کے لیے چھوڑ دے اور رضائے دوست کے لیے

بیداری اختیار کر۔

ہر کہ جدّے کرد در حدّے رسید
ہر کہ رنجے دید گنجے شد پدید

جس نے کوشش اور مجاہدہ کیا وہ قربِ حق پا گیا اور جس نے بھی مشقت و رنج برداشت کیا اس نے خزانۂ باطنی پالیا۔

ایں ریاضتہائے درویشاں چرا ست
کہ فنائے تن بقائے جانہا ست

درویشوں کو ریاضتیں کیوں کرنی پڑتی ہیں تاکہ فنائے خواہشات تن سے بقائے روح کی نعمت حاصل ہو۔

چوں زچاہے می کنذ ہر روز خاک
عاقبت اندر رسی در آبِ پاک

جب ہر روز خاک کنویں کے لیے نکالتے رہو گے تو ایک دن ضرور پانی تک رسائی حاصل ہوگی۔

گر تو خواہی حُری و دل زندگی
بندگی کن بندگی کن بندگی

اے مخاطب! اگر تو ہوائے نفس سے آزادی اور دل کی حیاتِ بے بہا کا طالب ہے تو بندگی کر، بندگی کر۔ یعنی سراپا اطاعتِ حق میں لگ جا۔

ذکر و فکر و مراقبہ

اذکروا اللہ شاہِ ما دستور داد
اندر آتش دیدو ما را نور داد

حق تعالیٰ نے ہم کو اپنی کثرتِ یاد کا دستور عطا فرمادیا۔ ہم خواہشاتِ نفسانیہ کی آگ میں

جل رہے تھے، ہم کو اپنے حکم اُذْکُرُوا اللّٰہَ سے نور کی طرف طلب فرمالیا یعنی جس طرح دوزخ کی آگ فریاد کرے گی کہ اے مؤمن! جلد مجھ پر سے گزر جا کہ تیرا نور میری آگ کو بجھائے دیتا ہے اسی طرح جو لوگ دنیا میں بری خواہشات کی آگ میں جل رہے ہیں جب وہ کسی اللہ والے سے تعلق مشورے کا قائم کرکے ذکر شروع کردیتے ہیں تو اس نارِ شہوت سے نجات پاجاتے ہیں۔

نارِ شہوت چہ کشد نورِ خدا
نورِ ابراہیم را ساز اوستا

شہوت کی آگ کو کون ختم کرسکتا ہے سوائے نورِ خدا کے پس اس نور کو تو بھی حاصل کرلے کہ اسی کی برکت سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے آتشِ نمرود ٹھنڈی ہوئی تھی۔

ذکرِ حق پاک ست چوں پاکی رسید
رخت بربند و بروں آید پلید

ذکرِ حق پاک ہے اور جب یہ نامِ پاک تو لے گا تو تیری ناپاکی راہِ فرار اختیار کرنے کے لیے بستر باندھ لے گی۔

می گریزد ضدہا از ضدہا
شب گریزد چوں برافروزد ضیا

ہر شے اپنی ضد سے بھاگتی ہے جس طرح شب بھاگتی ہے جب دن روشن ہوجاتا ہے۔

چوں در آید نامِ پاک اندر دہاں
نے پلیدی ماند و نے آں دہاں

جب اللہ تعالیٰ کا نامِ پاک تیرے منہ سے جاری ہوگا اسی وقت نہ پلیدی باقی رہے گی اور نہ وہ ناپاک منہ ہی باقی رہے گا یعنی اس پاک نام کی برکت سے تیرا منہ بھی پاک ہوجاوے گا۔

اللہ اللہ ایں چہ شیریں ست نام
شیر و شکر می شود جانم تمام

اللہ اللہ! یہ نام اللہ کیسا شیریں نام ہے کہ اس سے تومیری جان شیر و شکر ہوئی جاتی ہے۔

گفت ابلیسش کہ اے بسیار گو

ایں ہمہ اللہ را لبیک کو

ایک دن صوفی ذاکرِ حق سے ابلیس نے کہا کہ اے بہت ذکر اللہ کرنے والے! تجھے کبھی اللہ سے بھی کوئی جواب ملا ہے ؟۔

گفت آں اللہ تو لبیکِ ماست

آں نیازِ درد و سوزت پیکِ ماست

اس صوفی کو غیب سے آواز آئی کہ اے شخص! ایک بار اللہ کے بعد جب تجھے دوسری مرتبہ میں اللہ کہنے کی توفیق دیتا ہوں تو یہی میرا لبیک ہے کیوں کہ اگر پہلا اللہ تیرا قبول نہ ہوتا تو دوسرا اللہ تیری زبان سے نہ نکلتا۔

ترس و عشقِ تو کمند شوقِ ماست

زیرِ ہر لبیکِ تو لبیکہا ست

اے مخاطب! تیرا یہ عشق اور تیرا یہ خوف جو میرے ساتھ تجھے وابستہ کیے ہوئے ہے یہ دراصل میری ہی عطا ہے یعنی یہ تیری محبت میری ہی محبت کا پرتو ہے، تیرے ہر لبیک کے اندر میری طرف سے بہت سے لبیک موجود ہیں۔

ایں قدر گفتیم باقی فکر کن

فکر اگر جامد بُود رَو ذکر کُن

اس قدر تشریح کے بعد بھی اگر تجھے ابھی فہم نہیں عطا ہوئی تو میری باتوں میں غور و فکر کر اور اگر تیری فکر ہی جامد ہے تو جا ذکر شروع کر کہ ذکر کی گرمی سے فکر کا جمود ختم ہو جاوے گا۔

ذکر آرد فکر را در اہتزاز

ذکر را خورشید ایں افسردہ ساز

گرمی ذکر فکر کو حرکت میں لاتی ہے اور اپنی فکر سے جمود دور کرنے کے لیے ذکر کو مثلِ آفتاب سمجھو۔

فکر آں باشد کہ بکشاید رہے
راہ آں باشد کہ پیش آید شہے

فکرِ مفید وہ فکر ہے جو راستہ دکھادے اور راستہ مفید وہ ہے جو شاہِ حقیقی سلطان السلاطین یعنی حق تعالیٰ تک تجھے واصل کردے۔

تضرع وگریہ

زور را بگزار وزاری را گزیں
رحم سوئے زاری آید اے مہیں

اے مخاطب مکرم! طاقت پر ناز نہ کر اور اپنی عاجزی و درماندگی کا اقرار کرتے ہوئے حق تعالیٰ کی بارگاہ میں گریہ وزاری کر کہ رحمتِ الٰہیہ رونے والوں ہی کی طرف متوجہ ہوتی ہے۔

اے خنک آں کو نکوکاری گرفت
زور را بگذاشت او زاری گرفت

اس شخص کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں جس نے نیک اعمال اختیار کیے اور زور کو چھوڑ کر یعنی ناز ترک کر کے راہِ نیاز اختیار کرتے ہوئے گریہ وزاری شروع کردی۔

باتضرع باش تا شاداں شوی
گریہ کن تا بے دہاں خنداں شوی

جو حق تعالیٰ کی بارگاہ میں تضرّع و گریہ وزاری پیش کرتا ہے وہ نتیجے میں مسرور ہوتا ہے۔ پس گریہ اختیار کرو تاکہ بے دہاں خنداں ہو جاؤ یعنی قلب میں مسرتِ دائمی عطا ہوگی۔

چوں خدا خواہد کہ ما یاری کند
میلِ ما را جانبِ زاری کند

جب حق تعالیٰ چاہتے ہیں کہ ہم پر اپنا فضل فرماویں تو ہم کو گریہ وزاری کی طرف متوجہ اور مائل کر دیتے ہیں۔

ایں دلم باغست و چشمم ابروش
ابر گرید باغ خندد شاد و خوش

یہ ہمارے دل مثلِ باغ کے ہیں اور آنکھ مثلِ ابر کے ہے اور ابر کے رونے ہی سے باغ ہرا بھرا ہوتا ہے۔

زا برِ گریاں باغ سبز و تر شود
زانکہ شمع از گریہ روشن تر شود

ابر کے رونے ہی سے باغ ہرا بھرا ہوتا ہے جیسا کہ موم بتی جب پگھلتی ہے تب ہی روشن ہوتی ہے۔

تا نہ گرید ابر کے خندد چمن
تا نہ گرید طفل کے جوشد لبن

جب تک ابر نہیں روتا ہے چمن کب ہنستا ہے یعنی شاداب ہوتا ہے اور جب تک بچہ روتا نہیں ہے ماں کا دودھ کب جوش کرتا ہے؟

طفل یک روزہ ہمی داند طریق
کہ بگریم تا رسد دایہ شفیق

ایک دن کا بچہ بھی یہ راستہ جانتا ہے کہ ہم جب تک نہیں روئیں گے دودھ پلانے والی دایہ مہربان ہمارے پاس نہ آئے گی۔

اے خوشا چشمے کہ آں گریانِ او ست
وے ہمایوں دل کہ آں بریانِ اوست

کیا ہی خوش بخت و مبارک وہ آنکھیں ہیں جو محبوبِ حقیقی کی یاد میں رونے والی ہیں اور کیا ہی مبارک وہ دل ہے جو اس محبوبِ حقیقی کے عشق سے تڑپ رہا ہے۔

اے دریغا اشکِ من دریا بدے
تا نثارِ دلبرِ زیبا شدے

اے کاش کہ ہمارے آنسو مثلِ دریا کے کثیر مقدار میں جاری ہو جاتے تاکہ ان کو محبوبِ حقیقی پر فدا کر دیتا۔

نالم اورا نالہا خوش آیدش
از دو عالم نالہ و غم بایدش

میں اس محبوبِ حقیقی کے لیے روتا ہوں کہ ان کو ہمارا نالہ اچھا معلوم ہوتا ہے اور دونوں عالم سے وہ نالہ و غمِ عشق ہی چاہتے ہیں۔

آخرِ ہر گریۂ ماخندہ ایست
مردِ آخر بیں مبارک بندہ ایست

ہمارے ہر گریہ کا انجام مسرت ہے اور جو انجام بیں ہوتا ہے وہ مبارک بندہ ہے۔

ہر کجا آبِ رواں خضرۃ بود
ہر کجا اشکِ رواں رحمت بود

جہاں بھی پانی جاری دیکھو گے سبزہ موجود ہو گا اسی طرح جہاں آنسو رواں ہوتے ہیں وہیں رحمت ہوتی ہے۔

اشک کاں از بہرِ او بارند خلق
گوہر ست و اشک پندارند خلق

جو آنسو حق تعالیٰ کے لیے مخلوق بہاتی ہے وہ آنسو موتی ہیں اور مخلوق آنسو سمجھتی ہے۔

کہ برابر می کند شاہِ مجید
اشک را در وزن با خونِ شہید

کیوں کہ حق تعالیٰ گناہ گاروں کے آنسوؤں کو شہیدوں کے خون کے برابر وزن کرتے ہیں۔

زاری و گریہ عجب سرمایہ ست
رحمتِ کلی قوی تر دایہ است

گریہ وزاری عجیب سرمایہ ہے رحمتِ کلی قوی تر مہربان وپاسبان ہے۔

خواب رابگزار اے چشمِ پدر
یک شبے در کوئے بے خواباں گزر

اے چشمِ پدر! ایک رات کو اپنی نیند کو قربان کرکے اللہ والوں کی گلی میں جا کہ کس طرح اپنے مولیٰ کے لیے بے خواب ہورہے ہیں۔

مایہ در بازارِ دنیا ایں زرست
مایہ اینجا عشق و دو چشمِ ترست

بازارِ دنیا کی پونجی یہ سونا ہے اور بازارِ آخرت کا سرمایہ عشقِ حق اور حق کے لیے اشکبار آنکھیں ہیں۔

فوائدِ خلوت

قعرِ چہ[۴۹] بگزید ہر کو عاقل ست
زانکہ در خلوت صفاہائے دلست

جو عقلِ سلیم رکھتا ہے وہ خلوت اختیار کرتا ہے کیوں کہ تنہائی میں قلب کی صفائی ہوتی ہے۔

خلوت از اغیار باید نے ز یار
پوستیں بہرِ دے آمد نے بہار

خلوت اغیار سے ہوتی ہے نہ کہ یار سے یعنی عاشقینِ حق کی صحبت تو مثلِ بہار ہے پس پوستین موسمِ سرما میں استعمال کرتے ہیں نہ کہ موسمِ بہار میں۔

باجمالِ جاں چوں شد ہمکاسۂ
باشدش ز اخبار و دانش تاسۂ

[۴۹] قعرچہ: معنی کنویں کی گہرائی

جو شخص جمالِ روح کے مشاہدے میں مصروف ہوگا وہ دنیا کی فضول خبروں سے بیگانہ ہوگا۔

تو کر بے خبر ساری خبروں سے مجھ کو
الٰہی رہوں اِک خبردار تیرا

(حضرت حاجی امداداللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ)

فائدہ: خلوتِ مفیدہ وہ خلوت ہے جو اللہ کے لیے ہو۔ایک شخص خلوت میں بیٹھ کر بالاخانے سے سڑک پر گزرنے والی عورتوں کو گھورا کرتا تھا ایسی خلوت تو وبال ہی ہے۔

فوائدِ خاموشی وحفظِ لسان

کودک اول چوں بزاید شیر نوش
مدّتے خامش بود او جملہ گوش

بچہ نوزائیدہ دودھ پینے والا ایک مدت تک خاموش اور سراپا کان رہتا ہے اسی طرح سلوک کی ابتدا میں سالک کو ایک مدت خاموش اور سراپا کان رہنا چاہیے اور اپنے مرشد کی باتیں غور سے سنتے رہنا چاہیے۔

فائدہ: حضرت شیخ تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی مجلس میں نئے آنے والے سالکین کو یہی ہدایت فرمایا کرتے تھے کہ کچھ مدت کان بن کر رہو، زبان مت بنو۔

مدتے می بایدش لب دوختن
از سخن تا او سخن آموختن

ایک مدت اس بچے کو خاموش رہنا پڑتا ہے تاکہ بولنے والوں کی باتیں سنتا رہے اوراندر ہی اندر سیکھتا رہے، اسی طرح ایک مدت سالک کو خاموش رہنا چاہیے تاکہ مرشدِ کامل سے اچھی اچھی باتیں کرنے کا سلیقہ اندر ہی اندر پیدا ہو۔

زانکہ اول سمع باید نطق را
سوئے منطق از رہِ سمع اندر آ

اس واسطے کہ گویائی کے لیے پہلے سماعت کی ضرورت ہے، پہلے کچھ دن مجلسِ اہلِ ارشاد

میں سماعت کرو پھر سماعت کی راہ سے گویائی کی طرف داخل ہو۔

ظالم آں قومے کہ چشماں دوختند

زاں سخنہا عالمے را سوختند

وہ قوم کس قدر ظالم ہے کہ آنکھیں بزرگوں کی طرح بند کرکے زبان سے ایسی بکواس کرتی ہے جس سے ایک عالم گمراہ ہو جاتا ہے۔

نکتۂ کاں جست ناگہ از زباں

ہمچو تیرے داں کہ جست آں از کماں

جو بات زبان سے نکل گئی وہ مثل اس تیر کے ہے جو کمان سے نکل گیا یعنی منہ سے نکلی ہوئی بات واپس نہیں آتی جس طرح کمان سے نکلا ہوا تیر واپس نہیں آسکتا۔

حفظِ اسرار

چوں کہ اسرارت نہاں در دل شود

آں مرادت زُود تر حاصل شود

جب تیرے اسرار دل میں پوشیدہ ہو گئے تو تیری مراد جلد حاصل ہو جاوے گی۔

گفت پیغمبر کہ ہر کو سِر نہفت

زود گردد بامرادِ خویش جفت

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے اپنا راز چھپایا وہ اپنی مراد کو پا گیا۔

دانہا چوں در زمیں پنہاں شود

سِرِّ شاں سرسبزئ بستاں شود

جب دانہ زمین میں پوشیدہ ہو جاتا ہے تو وہی دانہ باغ کی تازگی و شادابی بن جاتا ہے۔

زر و نقرہ گر نبودندے نہاں

پرورش کے یافتندے زیرِ کاں

سونا اور چاندی اگر مخفی نہ ہوتے تو کس طرح کان کے اندر پرورش پاتے۔

تاتوانی پیشِ کس مکشائے راز
برکسے ایں در مکن زنہار باز

جہاں تک ہو سکے کسی کے سامنے اپنا راز مت ظاہر کرو، کسی پر راز کا دروازہ ہرگز مت کھولو۔

برلبم قفل ست و در دل رازہا
لب خموش و دل پُر از آوازہا

میرے لب پر قفل ہے اور دل میں راز مخفی ہیں، لب خاموش ہیں مگر دل غمہائے عشقِ حق سے پُر ہے۔

عارفاں کہ جامِ حق نوشیدہ اند
رازہا دانستہ و پوشیدہ اند

عارفین جو جامِ محبتِ حق پیے ہوئے رازہائے عشق سے باخبر ہیں مگر مخفی رکھتے ہیں۔

نفس کشی و سلوک

دشمن ارچہ دوستانہ گویدت
دام داں گرچہ ز دانہ گویدت

دشمن یعنی نفس اگرچہ دوستی کی صورت میں کوئی بات کہے تو اس کو بھی جال سمجھنا اگرچہ دانہ دکھا رہا ہو۔

گرترا قندے دہد آں زہر داں
گر ترا لطفے کند آں قہر داں

نفس دشمن اگر تجھے گناہوں کی شکر پیش کرے تو اس کو زہر سمجھ اور اگر تجھ پر مہربانی ظاہر کرے تو اس کو قہر سمجھ۔

تو خلافش کن کہ از پیغمبراں
ایں چنیں آمد وصیت درعیاں

تو نفس کے خلاف کیا کر کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح وصیت آئی ہے۔

مشورت با نفسِ خود گر می کنی

ہر چہ گوید کن خلافِ آں دنی

تو اپنے نفس سے اگر مشورہ کرے تو جو کچھ وہ ذلیل کہے اس کے خلاف ہی کر۔

نفس می خواہد کہ تا ویراں کند

خلق را گمراہ و سرگرداں کند

نفس چاہتا ہے کہ تجھے ویران کردے اور خلق کو گمراہ اور سرگرداں کردے۔

ہیں مرو اندر پیے نفس چو زاغ

کو بگورستان برد نے سوئے باغ

خبر دار! یہ نفس جو مثل کوے کے غلاظت خور ہے یعنی معاصی کو محبوب رکھتا ہے اس کے پیچھے مت چل کیوں کہ کوا تو قبرستان مردہ خوری کے لیے جائے گا نہ کہ باغ کی طرف۔

ہیں بکش او را کہ بہرِ آں دنی

ہر دمے قصدِ عزیزے می کنی

خبردار! اس نفس کو فنا کردے کیوں کہ اسی کی خاطر تو ہر وقت اپنے کسی عزیز کی برائی کا قصد کرتا ہے۔

مادرِ بت ہابت نفسِ شماست

زانکہ آں بت مار ایں بت اژدہاست

تمام بتوں کی ماں تمہارا نفس ہے اس واسطے کہ اور بت تو سانپ ہیں اور نفس اژدہا ہے۔

بت شکستن سہل باشد لیک سہل

سہل دیدن نفس را جہل ست جہل

بت توڑ دینا آسان ہے لیکن نفس کے توڑنے کو آسان سمجھنا جہالت در جہالت ہے۔

آتشت را ہیزمِ فرعون نیست
زانکہ چو فرعونِ ماراعون نیست

تیری آتشِ شہوت کے لیے فرعون والا ساماں میسر نہیں ورنہ فرعون کے اسباب تیرے پاس ہیں۔

انچہ در فرعون ہست اندر تو ہست
لیک اژدہاست محبوسِ چہ ہست

جو شرارتیں فرعون میں تھیں تیرے اندر بھی پوشیدہ ہیں لیکن تیرے تمام اژدہے کنویں میں بند ہیں۔

نفست اژدہاست او کے مردہ است
از غمِ بے آلتی افسردہ است

تیرا نفس بھی اژدہاہے، وہ کب مردہ ہے مگر غمِ بے سامانی سے افسردہ ہے۔

کشتنِ ایں کار عقل وہوش نیست
شیر باطن سخرۂ خرگوش نیست

اس نفس کو زیر کرنا عقل وہوش کا کام نہیں، یہ شیر باطن خرگوش کے قبضے میں نہیں آسکتا۔

سہل شیرے داں کہ صفہابشکند
شیر آں باشد کہ خود را بشکند

اس شیر کو معمولی سمجھ جو صف کی صف ایک حملے میں صفایا کردیتا ہے، اصل شیر وہ ہے جو اپنے نفس کو توڑدے۔

نفس نتواں کشت اِلّاظِلّ پیر
دامنِ آں نفس کش راسخت گیر

بغیر شیخِ کامل کے نفس زیر نہیں ہوسکتا، اس نفس کش یعنی پیرِ کامل کا دامن مضبوط پکڑلو۔

فوائد جوع واحتما

نفس فرعون ست ہیں سیر ش مکن
تا نیارد یادِ زاں کفرِ کہن

نفس فرعون خصلت ہے، خبر دار! اسے ضرورت سے زائد موٹا مت کرو تاکہ اس کو اپنی شرارتیں پھر نہ یاد آنے لگیں۔

قوتِ معدہ زیں کہ وجو دباز کن
خوردنِ ریحان و گل آغاز کن

اے مخاطب! ظاہری غذاؤں سے ذرا توجہ کچھ کم کرکے ریحان و گل کھانا شروع کر یعنی ذکر وعبادت کر۔

معدہ راخو کن بدیں ریحان و گل
تابیابی حکمت و قوت رسل

اپنے معدے کو عادی بناؤ ریحان و گل کی غذا کا یعنی انوارِ ذکر کی غذا کھانا شروع کردو۔ تاکہ انبیاء علیہم السلام کی غذا اور حکمت (دینی فہم) سے تجھے کچھ عطا ہو جاوے۔

گر خوری یکبار ازاں ماکولِ نور
خاک ریزی بر سرِنانِ تنور

اگر ایک بار بھی تو یہ نورانی غذائیں کھالے گا یعنی حلاوتِ ذکر وطاعت ومناجات کا لطف پاجاوے گا تو ان روٹیوں سے تجھے اس درجہ شغفِ بے جانہ رہے گا۔ بس بقدرِ ضرورت خوردن برائے زیستن کرے گا جب کہ اس وقت تو زیستن برائے خوردن پر عمل کررہا ہے۔

قربان وہ کر دیتا ہے جنت کی بہاریں
پاتا ہے جو قسمت سے مناجات کا عالم

(مولانا شاہ محمد احمد صاحب پرتاب گڑھی)

جملہ ناخوش از مجاعت خوش شود
جملہ خوشہا بے مجاعت رو بُوَد

اگر بھوک ہو تو ہر کھانا اچھا معلوم ہوتا ہے اور بغیر بھوک اچھے سے اچھا کھانا بھی اچھا نہیں معلوم ہوتا۔

لب فرو بند از طعام و از شراب
سوئے خوانِ آسمانی کن شتاب

نفلی روزوں سے کھانے پینے کا انہماکِ غیر ضروری ختم کر دے اور آسمانی دستر خوان کی طرف رخ کر۔

تا غذائے اصل را قابل شوی
لقمہائے نور را آکل شوی

تا کہ اصل غذائے روحانی کے تو قابل ہو جاوے اور نورانی لقموں کا کھانے والا ہو جاوے یعنی خلوئے معدہ میں ذکر و دُعا و طاعت میں دل خوب لگے گا اور پیٹ بھرے پر تو رونا بھی نہیں آئے گا۔

فائدہ: ذکر و عبادت کا بہترین وقت وہ ہے کہ نہ بالکل پیٹ بھرا ہوا ہو کہ کسل ہو رہا ہو اور نہ بھوک لگی ہو کہ اس وقت دل کھانے میں لگا ہو بس درمیان کی حالت ہونی چاہیے۔

اجتناب از معصیت

ہر کہ او عصیان کند شیطاں شود
کو حسودِ دولتِ نیکاں شود

جو نافرمانی کرتا ہے وہ شیطان کے طریق پر ہو جاتا ہے کیوں کہ شیطان ہی نیکوں کی دولت کا حاسد ہوتا ہے۔

دیو سوئے آدمی شد بہرِ شر
سوئے تو ناید کہ از دیوی بتر

شیطان نیک آدمی کی طرف شر کے لیے آتا ہے اور اے شخص! تیری طرف نہیں آتا کہ تو اس سے بھی بدتر ہے شر میں۔

چوں شدی در خوئے دیوی استوار
می گریزد از تو دیونا بکار

جب تو شیطان کی بری عادتوں کو اپنا لینے میں پختہ کار اور استاد ہو جاتا ہے تو تیرے پاس سے وہ نالائق شیطان بھاگ جاتا ہے اور دوسرا شکار ڈھونڈ تا ہے۔

ہر کہ او بنہاد ناخوش سنّتے
سوئے او نفریں رود ہر ساعتے

جو شخص کہ کسی گناہ کا طریقہ رائج کرتا ہے ہر وقت اس کی طرف لعنت آتی ہے۔

نیکواں رفتند و سنتہا بماند
واز لئیماں ظلم ولعنتہا بماند

نیک لوگ چلے گئے اور ان کے اچھے طریقے باقی رہ گئے اور کمینے لوگ بھی چلے گئے اور ان کے ظلم ولعنت باقی رہ گئے۔

انچہ برتو آید از ظلماتِ غم
آں زبیباکی و گستاخی است ہم

جو کچھ تجھ پر غم کی ظلمتیں آتی ہیں وہ سب تیری بے باکی اور گستاخی سے آتی ہیں۔

ہر کہ گستاخی کند اندر طریق
باشد اندر وادئ حیرت غریق

جو شخص خداوند تعالیٰ کی راہ میں گستاخی کرتا ہے وہ ہمیشہ وادئ حیرت میں غرق رہتا ہے، گستاخی سے مراد اصرار علی المعصیت ہے اور غریقِ وادئ حیرت سے مراد نورِ ہدایت سے محرومی ہے۔

چوں کہ بدکردی بترس ایمن مباش
زانکہ تخم ست و برو یاند خداش

جب تم نے نافرمانی کرلی تو بے خوف مت رہو بلکہ ڈرتے رہو اور استغفار کرتے رہو کیوں کہ حق تعالیٰ کی قدرت تیرے اس برے بیج کو اگا سکتی ہے۔

بارہا پوشد پئے اظہارِ فضل
باز گیرد از پئے اظہارِ عدل

حق تعالیٰ اکثر تو ہمارے گناہوں کی اپنے فضل سے ستاری فرماتے ہیں اور جب ہم حد سے بڑھ جاتے ہیں تو عدل کے اظہار کے لیے گرفت بھی کرتے ہیں۔

تا کہ ایں ہر دو صفت ظاہر شود
آں مبشّر گردد ایں منذِر شود

تا کہ دونوں صفتوں کا ظہور ہو جاوے اور پہلی صفت بشارت دینے والی ہو اور دوسری صفت ڈرانے والی ہو۔

مقام وحال

ہست بسیار مبدل کرد حق
تاہمہ طاعت شود اہلِ حال از
نادر ست اہلِ مقام اندر میاں

اہلِ حال صوفیا بہت ہیں مگر اہلِ مقام نادر ہوتے ہیں یعنی کم ہوتے ہیں۔

اہلِ حال

وہ صوفیا ہیں جن کے حالات میں تغیر و تبدل ہوتا رہتا ہے اور اپنے حال سے مغلوب ہو جاتے ہیں۔

اہلِ تمکین و مقام

وہ صوفیا ہیں جن کے حالات میں ٹھہراؤ اور رسوخ پیدا ہو چکا ہے اور وہ حالات

پر غالب رہتے ہیں مغلوب نہیں ہوتے، ایسے ہی لوگوں کی صحبت مفید ہوتی ہے۔

یارِ غالب جو کہ تا غالب شوی
یارِ مغلوباں مشو ہیں اے غوی

مرشد اور راہ بر ہمیشہ غالب علی الاحوال تلاش کرو تاکہ اس کی صحبت سے تم بھی غالب ہو جاؤ اور جو مغلوب الحال ہیں ان کی صحبت سے احتیاط کرو ورنہ تم بھی مغلوب ہو جاؤ گے۔

عقل

گفت پیغمبر کہ احمق ہر کہ ہست
او عدوِّما و غولِ راہ زن ست

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو احمق ہوتا ہے وہی ہمارا دشمن ہوتا ہے اور ابلیس کا ساتھی ہوتا ہے۔

ہر کہ او عاقل بود او جانِ ماست
روحِ او وروحِ اور یحانِ ماست

جو شخص عاقل ہوتا ہے وہ ہماری جان ہے اور اس کی روح ہمارے لیے مثلِ ریحان ہے۔

آفتِ مرغ ست چشمِ کام ہیں
مخلصِ مرغ ست عقلِ دام ہیں

مرغ کی آفت اس کی آنکھ ہے جو دانے پر حریص ہے اور اس کی خلاصی وہ عقل ہے جو جال کو دیکھ لے۔

عقلِ خود زیں فکرہا آگاہ نیست
درد ما غش جز غمِ اللہ نیست

عقلِ کامل ان افکارِ لایعنی سے فارغ ہوتی ہے اور اس کے اندر سوائے اللہ کے غم کے اور

کچھ نہیں ہے۔

اے خنک آنکس کہ عقلش نر بود
نفسِ زشتش مادہ و مضطر بود

مبارک ہے وہ شخص جس کی عقل نر ہو اور اس کا نفسِ امارہ مادہ اور مغلوب۔

ہست عقلے ہمچو قُرصِ آفتاب
ہست عقلے کمتر از ذرہ شہاب

بعض عقل مثلِ قرصِ آفتاب کے قوی النور ہے اور بعض عقل ذرۂ شہاب سے بھی کمتر ہے۔

عقلِ خود با عقلِ یارے یار کن
امر ہم شوریٰ بخواں و کار کن

اپنی عقل کو کسی شیخِ کامل کی عقل کی غلامی میں ڈال دے اور حکمِ مشورہ پر عمل کرتے ہوئے اپنے تمام کاموں کو انجام دے۔

چشم غرہ شد بخضرائے دمن
عقل گوید بر محکِ ماش زن

آنکھ تو غلاظت کے ذخیرے پر اُگے ہوئے لہلہاتے سبزے پر فریفتہ ہوگئی مگر عقل کہتی ہے کہ اس فیصلے کو میری کسوٹی پر جانچ کرو۔

محبت و عشق

عاشقم بر رنجِ خویش و دردِ خویش
بہرِ خوشنودئ شاہِ فردِ خویش

میں اپنے رنج و درد پر بھی عاشق ہوں اور یہ صبر و تسلیم اپنے شاہِ حقیقی کو راضی کرنے کے لیے اختیار کرتا ہوں۔

ناخوشِ او خوش بُوَد بر جانِ من
جاں فدائے ما و دل رنجانِ من

اپنی مرضی سے ان کی مرضی زیادہ عزیز تر ہے میری جان میں، میری جان فدا ہو ان پر اور میرا دل بھی۔

از محبت تلخہا شیریں شود
از محبت مسّہا زریں شود

محبت سے تمام تلخیاں شیریں ہو جاتی ہیں او محبت سے تانبا سونا بن جاتا ہے۔ یعنی حق تعالیٰ کی محبت دل میں حاصل کر لینے کے بعد تمام احکامِ الٰہیہ پر عمل اور ممنوعاتِ شرعیہ سے بچنا آسان ہو جاتا ہے۔

از محبت نار نورے می شود
از محبت دیو حورے می شود

محبت سے نار نور بن جاتی ہے اور محبت سے مکروہ بھی محبوب ہو جاتا ہے۔ یعنی محبتِ حق سے شہوت کی آگ مغلوب ہو کر نورِ تقویٰ بن جاتی ہے اور ہر مجاہدہ لذیذ ہو جاتا ہے اور یہ مذاق ہو جاتا ہے۔

نہ شود نصیبِ دشمن کہ شود ہلاکِ تیغت
سرِ دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

عشقِ آں شعلہ ست کوچوں بر فروخت
ہرچہ جز معشوق باشد جملہ سوخت

عشقِ حق کا شعلہ جس دل میں روشن ہو جاتا ہے تو وہ عشق دل میں بجز خدا کے سب غیر کو جلا کر خاک کر دیتا ہے، غیر سے مراد وہ علائق ہیں جو مضرِّ آخرت ہوں اور بیوی بچوں کے اور عزیز و اقربا کے حقوق کی فکر مُعینِ آخرت ہے۔

عشق سمندر جوشد بحر را مانندِ دیگ
عشق ساید کوہ را مانندِ ریگ

عشق سمندر کو مثلِ دیگ جوش دیتا ہے اور پہاڑ کو مثلِ ریت پیس دیتا ہے یعنی عشقِ حق

عطا ہونے کے بعد حق تعالیٰ شانہٗ کی راہ میں کوئی مانع اپنا وجود باقی نہیں رکھ سکتا جس سے راستہ بالکل بے غبار اور صاف اور سہل ہو جاتا ہے۔

تیغ لا در قتلِ غیرِ حق براند
در نگر زاں پس کہ بعدِ لا چہ ماند

لا الٰہ کی لا تلوار ہے تو اس لا سے غیرِ حق کو قتل کر دے یعنی قلب سے نکال دے پھر دیکھ کہ اس لا کے بعد دل میں صرف الا اللہ ہی نظر آئے گا۔

عشق و ناموس اے برادر راست نیست
بردرِ ناموس اے عاشق مایست

عشق اور جاہ پسندی اے بھائی! دونوں باتیں جمع نہیں ہو سکتی ہیں اس لیے اگر عاشق بننا ہے تو ناموس کے دروازے پر کبھی مت کھڑے ہونا۔

شاد باش اے عشق خوش سودائے ما
اے طبیبِ جملہ علتہائے ما

اے عشق! تو خوش رہے کہ تو ہماری بہت ہی اچھی بیماری ہے اور تو ہی ہماری جملہ روحانی بیماریوں کی دوا ہے۔

اے دوائے نخوت و ناموسِ ما
اے تو افلاطون و جالینوسِ ما

اے عشق! تو ہی ہمارے ناموس و نخوت کی دوا ہے اور تو ہی ہمارے لیے افلاطون و جالینوس ہے۔

عاشقی پیدا است از زاریٔ دل
نیست بیماری چو بیماریٔ دل

عاشقی وجود پاتی ہے جب دل روتا ہے اور دل کی بیماری جیسی کوئی بیماری نہیں۔

(نوٹ) ہمارے مرشد رحمۃ اللہ علیہ اس شعر کو تہجد کے وقت اکثر پڑھا کرتے تھے۔

ہر کجا شمعِ بلا افروختند

صد ہزاراں جانِ عاشق سوختند

جہاں بھی اس محبوبِ حقیقی نے امتحانِ محبت کا چراغ روشن کیا وہیں ہزاروں عاشقوں نے اپنی جانیں نثار کر دیں۔

عشق از اول چرا خونی بود

تا گریزد ہر کہ بیرونی بود

عشق پہلے خونی نظر آتا ہے تا کہ غیر مخلص دربارِ عشقِ الٰہی میں داخل نہ ہو سکے لیکن عاشقینِ صادقین داخل ہی ہو جاتے ہیں اور پھر لطف ہی لطف حاصل کرتے ہیں۔

آں طرف کہ عشق می افزود درد

بو حنیفہ شافعی درسے نہ کرد

جس راہ میں عشق درد بڑھاتا ہے اس راہ کی تعلیم امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے نہیں دی اور یہ حضرات بڑے درجہ کے اولیاء اللہ ہیں اور عاشقینِ حق ہیں مگر ان سے تدوینِ فقہِ ظاہری کا کام لیا گیا اور:

وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ [۵۰]

سے معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ نے ظاہری اور باطنی معاصی دونوں ہی کے ترک کا حکم فرمایا ہے پس ظاہری گناہوں کے احکام کو شریعت اور باطنی گناہوں کے احکام کو طریقت کہتے ہیں، یہ استدلال حضرتِ اقدس حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمایا ہے اور اسی آیت سے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ جو لوگ شریعت اور طریقت میں مخالفت اور مغایرت ثابت کرتے ہیں وہ انتہائی اندھیرے میں ہیں۔ پس فقہِ باطنی کی تدوین کے لیے حق تعالیٰ نے صوفیائے کرام کو پیدا فرمایا اور چار امام فقہِ ظاہری

۵۰۔ الانعام: ۱۲۰

کی خدمت پر مامور فرمائے تو چار ہی امام فقہِ باطنی کی خدمت پر مامور فرمائے، فقہِ ظاہری شریعت کے چار امام یہ ہیں: حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ، حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، فقہِ باطنی کے چار امام یہ ہیں:

حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت شیخ خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ۔

عاشقاں را شد مدرس حسنِ دوست
دفتر درسِ ہمہ شاں روئے اوست

عاشقوں کے لیے مدرس حسنِ محبوب ہوتا ہے اور دفتر و درس سب محبوب کا چہرہ ہوتا ہے۔ محبوب سے مراد جس طالب کو شیخ سے مناسبتِ قویہ کے سبب محبتِ شدیدہ ہو جاوے جیسے جلال الدین رحمۃ اللہ علیہ اپنے شیخ حضرت شمس الدین تبریزی پر عاشق تھے اور حضرت مولانا حسام الدین اپنے خلیفہ پر بھی غایتِ مناسبت سے عاشق تھے۔

ہر چہ گویم عشق را شرح و بیاں
چو بعشق آیم خجل باشم ازاں

میں جو کچھ کہ عشق کی شرح بیان کرتا ہوں جب عشق مجھ پر طاری ہوتا ہے تو میں اس کے کر و فر اور شان و شوکت کے مشاہدے سے اپنے بیان کو قاصر پا کر شرمسار ہو جاتا ہوں۔

شرحِ عشق ار من بگویم بر دوام
صد قیامت بگذرد واں نا تمام

اگر میں شرحِ عشق ہمیشہ بیان کرتا رہوں تو سو قیامت گزر جاوے اور وہ بیان مکمل نہ ہو گا کیوں کہ وہ محبوبِ حقیقی غیر متناہی صفات والا ہے پس اس کی شرح کیسے متناہی ہو سکتی ہے۔

در نگنجد عشق در گفت و شنید
عشق دریائیست قعرش ناپدید

عشق گفت و شنید میں نہیں سماسکتا وہ تو ایک دریائے ناپید اعمیق ہے۔

عقل در شرحش چو خر در گل بخفت
شرحِ عشق و عاشقی ہم عشق گفت

عقل عشق کی شرح کرتے کرتے مثل گدھے کے مٹی میں سو گئی یعنی عاجز ہوگئی اس کے بعد شرحِ عشق و عاشقی کو خود عشق ہی نے تمام کیا۔

آفتاب آمد دلیلِ آفتاب
گر دلیلت باید از وے رو متاب

آفتاب کا طلوع ہونا خود آفتاب کے لیے دلیل ہے اگر پھر بھی تجھے دلیل چاہیے تو آفتاب سے اپنا چہرہ کیوں پھیرتا ہے جب اس کی شعاعوں کی تیری آنکھیں متحمل نہیں ہوتیں۔

جرعہ خاک آمیز چوں مجنوں کند
صاف گر باشد ندانم چوں کند

جب جرعہ خاک آمیز (ارتکابِ گناہ کی ظلمت اور طاعتوں کا نور) مجنون کررہا ہے تو صاف پیوگے تو نہ جانے کیا اثر کرے گا یعنی تقویٰ کامل کے ساتھ ذکر و عبادت کا نورِ خالص تو کس قدر تم کو پُر کیف کردے گا۔

عشق می گوید بگوشم پست پست
صید بودن بہتر از صیادی ست

عشق میرے کان میں آہستہ آہستہ یہ کہہ رہا ہے کہ صید ہونا صیّادی سے بہتر ہے یعنی حق تعالیٰ کی محبت کا شکار ہوجانا بہتر ہے اس بات سے کہ اپنے لیے ہم خود اپنے چاہنے والے تیار کریں۔

بر درم ساکن شو د بے خانہ باش
دعوئ شمعی مکن پروانہ باش

عشق کہتا ہے کہ اے عاشق! میرے دروازے پر پڑا رہ اور بے گھر رہ اور شمع ہونے کا دعویٰ مت کر بلکہ پروانہ بن کے رہ۔

دل چاہتا ہے در پہ کسی کے پڑا رہوں
سر زیرِ بارِ منتِ درباں کیے ہوں

عشق آں بگزیں کہ جملہ انبیاء
یافتند از عشق اوکار و کیا

حق تعالیٰ کا عشق حاصل کرو کہ تمام انبیاء علیہم السلام کو حق تعالیٰ ہی کے عشق سے لازوال سلطنت عطا ہوئی۔ (کار کیا۔ بادشاہی)۔

عشق زندہ در رواں و در بصر
ہر دمے باشد ز غنچہ تازہ تر

عشق زندہ حقیقی یعنی حق سبحانہٗ تعالیٰ کا ہمیشہ ہماری رگوں میں اور آنکھوں میں پھولوں کی کلیوں سے بھی زیادہ تازہ تر ہے۔

دانکہ عشقِ مُردگاں پایندہ نیست
زانکہ مردہ سوئے ما آیندہ نیست

یقین کرلو کہ دنیاوالوں کا عشق باقی رہنے والا نہیں کیوں کہ یہ ایک دن مرنے والے ہیں اور مرنے والا ہماری طرف آنے والا نہیں بلکہ ہم سے جانے والا ہے۔

عشقہائے کز پئے رنگے بود
عشق نُبوَد عاقبت ننگے بُوَد

وہ عشق جو ان صورتوں کے نقش و نگار کے لیے ہوتا ہے وہ عشق نہیں محض نفس کی خواہش ہے پس یہ فسق بصورتِ عشق ایک دن رسوائی کا سبب ہوتا ہے۔

عشق نبود آنکہ در مردم بود
ایں فساد از خوردنِ گندم بود

جو عشق کسی عورت یا لڑکے سے کیا جاتا ہے وہ دراصل عشق نہیں بلکہ گیہوں کھانے کا فساد ہے یعنی اگر روٹیاں نہ ملیں تو یہ عشق غائب ہو جاوے جیسا کہ دمشق میں جب قحط پڑا اور کئی فاقہ پر فاقہ ہوئے تو عاشقوں سے پوچھا گیا کہ روٹی لاؤں یا معشوق؟ تو عاشقوں نے کہا: روٹی لاؤ، جان جا رہی ہے۔

حضرت سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کو فرمایا ہے ؎

چناں قحط سالی شد اندر دمشق
کہ یاراں فراموش کردند عشق

چوں رود نور و شد پیدا دخاں
بفسرد عشقِ مجازی آں زماں

جب معشوق کا حسنِ عارضی ختم ہو جاتا ہے اور دھواں ظاہر ہو جاتا ہے یعنی وہی صورت مکروہ معلوم ہونے لگتی ہے تو اسی وقت یہ عشقِ مجازی ختم ہو جاتا ہے۔

عشق با مردہ نباشد پائیدار
عشق را با حی و با قیوم دار

عشق مرنے والوں سے پائیدار نہیں ہوتا، عشق ہمیشہ حقیقی زندہ اور سارے جہان کے سنبھالنے والے سے کرو، وہ تمھیں بھی سنبھال لے گا ؎

ارے یہ کیا ظلم کر رہا ہے کہ مرنے والوں پہ مر رہا ہے
جو دم حسینوں کا بھر رہا ہے بلند ذوقِ نظر نہیں ہے

(مجذوبؒ)

نکالو یاد حسینوں کی دل سے اے مجذوبؔ
خدا کا گھر پئے عشقِ بتاں نہیں ہوتا

عشق ز اوصافِ خدائے بے نیاز
عاشقی بر غیرِ او باشد مجاز

عشق حق تعالیٰ کے اوصاف سے کرنا حقیقی ہے اور غیر اللہ سے دل لگانا مجازی ہے۔

تشنگاں گر آب جویند از جہاں
آب ہم جوید بعالم تشنگاں

پیاسے اگر جہان میں پانی ڈھونڈتے ہیں تو پانی بھی اپنے پیاسوں کو جہان میں تلاش کرتا ہے۔

میلِ معشوقاں نہان ست و ستیر
میلِ عاشق با دو صد طبل و نفیر

معشوقوں کی محبت مخفی اور مستور ہوتی ہے اور عاشق کی فطرت سینکڑوں طبل و نفیر بجاتی ہے ۔مراد یہ ہے کہ مرشد کی شانِ محبوبیت اِظہارِ محبت اگر طالب پر نہ کرے تو یہ اس کی شان کو زیبا ہے مگر طالب کے لیے اظہارِ محبت ہی میں نفع ہے حتیٰ کہ حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے شیخ کے ساتھ تملّق کو جائز فرمایا ہے کیوں کہ تملّقِ مذموم وہ ہے جو دنیا کے لیے ہو اور یہ دین کے لیے ہے اس لیے محمود ہے۔

دیو اگر عاشق شود ہم گوئی برد
جبرئیلے گشت آں دیوی بمرد

ابلیس بھی اگر حق تعالیٰ شانہٗ کا عاشق ہوجاوے تو میدان سے گیند لے جاوے اور جبرئیل ہوجاوے اور اس کی ابلیسیت ختم ہوجاوے۔

عشق را صد ناز و استکبار ہست
عشق با صد ناز می آید بدست

عشق کو سینکڑوں ناز اور شانِ استغنا ہے، عشق سینکڑوں ناز اٹھانے کے بعد ہاتھ آتا ہے۔

توبہ یک زخمے گریزانی ز عشق
تو بجز نامے نمی دانی ز عشق

اگر شیخ کی ایک مرتبہ ڈانٹ لگانے سے تو بھاگ نکلتا ہے تو عشق کا دعویٰ مت کر تو نے صرف عشق کا نام سن لیا ہے۔ حقیقتِ عشق سے تو واقف نہیں۔

گر بہر زخمے تو پُر کینہ شوی
پس چرا بے صیقل آئینہ شوی

اگر اسی طرح ہر زخم سے تو پُر کینہ ہوتا رہے گا تو شیخ کی سختیوں کے بغیر کیسے آئینہ ہو گا۔

آئینہ بنتا ہے رگڑے لاکھ جب کھاتا ہے دل
کچھ نہ پوچھو دل بہت مشکل سے بن پاتا ہے دل

نافِ ما بر مہرِ خود ببریدہ اند
عشقِ خود در جانِ ما کاریدہ اند

ہماری ناف کو اپنی محبت کی شرط پر کاٹا ہے اور ہماری جان میں اپنے عشق کا بیج بو دیا ہے۔

دل ازل سے تھا کوئی آج کا شیدائی ہے
تھی جو اک چوٹ پرانی وہ ابھر آئی ہے

(مجذوبؒ)

اے عدوئے شرم و اندیشہ بیا
کہ دریدم پردۂ شرم و حیا

اے عشق! تو دشمنِ شرم و اندیشہ ہے تو اب میرے دل میں آجا کیوں کہ میں نے پردۂ شرم و حیا کو پھاڑ دیا ہے۔

ہمارا کام ان کی یاد اور ان کی اطاعت ہے
نہ بدنامی کا خطرہ اب نہ پروائے ملامت ہے

(نوٹ) یہاں شرم و حیا سے مراد حمیت الجاہلیہ ہے یعنی وہ شرم و عار جو اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں حائل اور مانع ہو اور جو شرم و حیا گناہوں سے حفاظت کرے وہ تو ایمان کا شعبہ ہے اور مطلوب و محمود ہے۔ حق تعالیٰ نے

لَا یَخَافُوْنَ لَوْمَۃَ لَآئِمٍ[۵۱]

---

۵۱ المآئدۃ:۵۴

جو حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی شان میں فرمایا ہے وہاں ان کی یہی شانِ عشق بیان فرمائی ہے کہ ان کو ہماری اطاعت میں مخلوق کی ملامت وطنز واعتراض کا خوف نہیں ہوتا، اسی مفہوم کو مولانا نے اس طرح بیان کیا ہے کہ ؎

کہ دریدم پردۂ شرم و حیا

نعرۂ مستانہ خوش می آیدم

تا ابد جاناں چنیں می بایدم

اے محبوبِ حقیقی! آپ کی یاد میں نعرۂ مستانہ مجھے بہت ہی محبوب ہے اور قیامت تک آپ سے یہی چاہتا ہوں کہ اسی طرح نعرۂ مستانہ لگاتا رہوں۔

وقت آں آمد کہ من عریاں شوم

جسم بگذارم سرا سر جاں شوم

اب وہ وقت آپہنچا کہ میں اس جسم کے لباس کو اتاردوں اور سراسر جان ہوکر اپنے محبوبِ حقیقی سے جاملوں۔

خرم آں روز کزیں منزلِ ویراں بروم

راحتِ جاں طلبم از پئے جاناں بروم

وجد وحال وکیفِ عاشقی ودیوانی

ہرچہ غیرِ شورش ودیوانگی ست

اندریں رہ دوری وبیگانگی ست

حق تعالیٰ کی رضا اور رضا کے اعمال کے علاوہ جو بھی فضولیات اور لغویات ہیں وہ سلوک میں دوری اور بیگانگی کا باعث ہوتی ہیں۔

تو کر بے خبر ساری خبروں سے مجھ کو

الٰہی رہوں اک خبردار تیرا

(حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ)

(نوٹ)شورش ودیوانگی اور غیرِ حق سے بے خبری کا مفہوم یہ نہیں جو جہلائے صوفیا سمجھے ہوئے ہیں کہ بیوی بچوں کو دوسروں کے رحم و کرم کے حوالے کرکے خود چلّوں اور مراقبوں میں آنکھیں سرخ کیے "یاحق" کا نعرہ لگاتے رہتے ہیں۔ مولانا کا مفہوم صرف یہ ہے کہ بیوی بچوں اور دیگر حقوقِ واجبہ ادا کرنے کے بعد وقت کو فضول خبروں اور گپ شپ میں ضایع نہ کیا جاوے اور احباب سے قدرے خوش طبعی اور مزاح کی بھی اجازت ہے البتہ کثیر مزاح ممنوع ہے۔ اِیَّاکُمْ وَکَثْرَۃَ الْمَزَاحِ اے لوگو! کثرتِ مزاح سے بچو۔

باز دیوانہ شدم من اے طبیب
باز سودائی شدم من اے حبیب

پھر اے مرشد! میں دیوانہ ہو رہا ہوں اور اے محبوب! پھر مجھے عشق سودائی بنا رہا ہے۔

بارِ دیگر آمدم دیوانہ وار
رو روا ے جاں زودز نجیرے بیار

دوسری بار پھر دیوانہ وار حاضر ہوا ہوں، اے میری جان! جا اور جلد عشق کی زنجیر لا کر میرے پاؤں میں ڈال دے۔

غیرِ آں زنجیر زلفِ دلبرم
گر دوصد زنجیر آری بردرم

سوائے محبوبِ حقیقی کی زنجیرِ محبت کے اگر دنیا کے علائق کی دوسو زنجیریں بھی لائے گا تو میں اسے توڑدوں گا۔

ما اگر قلاش و گر دیوانہ ایم
مست آں ساقی و آں پیمانہ ایم

ہم اگر قلاش اور دیوانہ ہیں تو کیا مضایقہ! ہمیں تو اس خوش قسمتی پر مسرت ہے کہ ہم اس ساقی الست اور اس پیمانہ کے مست ہیں۔

آزمودم عقلِ دور اندیش را
بعد ازیں دیوانہ سازم خویش را

میں نے عقلِ دور اندیش کو بہت آزمایا مگر اس سے منزل نہ ملی اس کے بعد اپنے کو دیوانہ بنالیا۔

یا تو خرد کو ہوش کو مستی و بیخودی سکھا
یا نہ کسی کو ساتھ لے اس کے حریمِ ناز میں

کہاں خرد ہے کہاں ہے نظام کار اس کا
یہ پوچھتی ہے تری نرگس خمار آلود

ہیں منہ برپایم آں زنجیر را
کہ دریدیم سلسلہ تدبیر را

ہاں خبر دار اے لوگو! مجھ دیوانہ کے پاؤں میں علائقِ دنیا کی زنجیر نہ ڈالو کہ میں نے اسباب و تدابیر کے پردوں سے ماوراء مسبّبِ حقیقی اور مدبّرِ حقیقی سے رابطہ کرلیا ہے۔

نوٹ:۔ مولانا کی مراد انہماک فی الدنیا کے اس درجہ سے بچانا ہے جو آخرت کو تباہ کرنے والا ہے ورنہ اجمالی طلب کے ساتھ بقدرِ ضرورت دنیا کا کسب تو مطلوب اور مامورِ شرعی ہے۔

اَجۡمِلُوۡا فِی الطَّلَبِ[۵۲]

البتہ اگر حقوقِ واجبہ کسی کے ذمے نہ ہوں تو وہ مستثنیٰ ہے۔

زیں خرد جاہل ہمی باید شدن
دست در دیوانگی باید زدن

اس خرد سے جو آخرت کے لیے مضر ہو رہی ہے جاہل ہی رہنا اچھا ہے اور ہاتھ دیوانگی کی دولت پر مارنا چاہیے۔

۵۲؎ سنن ابن ماجة: ۲/۷۲، (۲۱۴۲)، باب الاقتصاد فی طلب المعیشة، المکتبة الرحمانیة

من چہ گویم یک رگم ہشیار نیست
شرحِ آں یارے کہ اورا یار نیست

میں کیا کہوں کہ میری ایک رگ بھی ہوشیار نہیں پھر کس طرح اس محبوبِ حقیقی کی محبت کی شرح کروں جس کا کوئی مثل و شریک و ہمسر نہیں۔

چوں زنم دم کآتشِ دل تیز شد
شیر ہجر آشفتہ و خونریز شد

مگر کس طرح میں خاموش رہوں کہ دل کی آگ بھی تیز ہوتی جارہی ہے اور جدائی کا دودھ جوش کر کے خونریز ہوتا جارہا ہے۔

خاصہ زاں بادہ کہ از خُمِّ نبی ست
نے مئے کہ مستیٔ او یک شبی ست

خاص کر وہ بادۂ محبت جو نبی علیہ السلام کے خم سے عطا ہورہی ہو اس کا کیف تو لازوال ہے برعکس دنیاوی شراب کی مستی کے کہ وہ صرف ایک رات رہتی ہے۔

قرب وانس

قرب بر انواع باشد اے پسر
می زند خورشید بر کہسار و در

قربِ حق ہر بندے کے ساتھ الگ الگ ہے جس طرح آفتاب کا نور کہسار و دُر پر مختلف دکھائی دیتا ہے۔

قربِ خلق ورزق بر جملہ ست عام
قربِ وحیٔ عشق دارند ایں کرام

مخلوق ہونے اور رزق پانے کا قرب تو سب پر عام ہے مگر قربِ وحیِ الٰہی اور عشقِ الٰہی انبیاء علیہم السلام اور اولیائے کرام کو عطا کیا جاتا ہے۔

قرب نے بالا و پستی رفتن ست
قربِ حق از قیدِ ہستی رستن است

قرب اوپر نیچے چلنے کا مفہوم نہیں ہے بلکہ قربِ حق اپنے نفس کی قید سے آزاد ہونا ہے۔

آنکہ شد انسش بشاہِ فردِ خویش
یافت درمانہائے جملہ دردِ خویش

جو شخص کہ اپنے شاہِ حقیقی سے اپنے قلب وروح کو مانوس کرلے تو وہ حق تعالیٰ کے پاس اپنے ہر درد کی دوا پائے گا۔

چوں ازاں اقبالِ شیریں شد دہاں
سرد شد بر آدمی ملکِ جہاں

جب حق تعالیٰ کی محبت کا لطف مل جاتا ہے تو پھر اس جہان کی سلطنت بھی اسے سرد معلوم ہوتی ہے۔

تسلیم ورضا بالقضا وتوکل

اسے بھی آپ کی مرضی پہ سونپتا ہوں میں
دیا ہے آپ نے جو کچھ بھی اختیار مجھے
(احسنؔ)

شرط تسلیم ست نے کارِ دراز
سود نبود در ضلالت ترکتاز

حق تعالیٰ کی راہ میں تسلیم و تفویض شرط ہے نہ کہ کارِ دراز۔ غلط سمت کو کتنی ہی دوڑ دھوپ اور مشقت اٹھائی جاوے مگر کچھ فائدہ نہیں بجز دوری کے۔

ہمچو اسماعیل پیشش سر بنہ
شاد وخنداں پیشِ تیغش سر بنہ

مثل حضرت اسماعیل علیہ السلام کے حق تعالیٰ کے سامنے سر رکھ دو اور خوش خوش تیغِ تسلیم کے سامنے گردن پیش کردو۔

اے جفائے اوزِ دولت خوب تر
و انتقامِ اوز جاں محبوب تر

اے شخص! اس محبوبِ حقیقی کی جفا دولت سے بہتر ہے اور اس کا انتقامِ عشق جان سے محبوب تر ہے یعنی اس کا کرم کبھی بصورتِ ستم ہوتا ہے جیسے بیماری اور حزنِ اضطراری سے قرب میں ترقی ہونا پس اس حالت سے بھی گھبرانا نہ چاہیے۔

عاشقم بر رنجِ خویش و دردِ خویش
بہر خشنودیٔ شاہِ فردِ خویش

اس محبوبِ حقیقی کی خوشنودی کے لیے میں اپنے رنج و درد پر بھی عاشق ہوں، یہ تسلیم و رضا ان کو محبوب ہے۔

فائدہ: مراد یہ ہے کہ شکایت و ناگواری نہیں البتہ اظہارِ عبدیت کے لیے دعائے عافیت کرنا منصوص اور دین کی اعلیٰ فہم ہے۔ اگر بعض اکابر نے دعا بھی نہیں کی تو یہ فعل قابلِ تقلید نہیں، بس ان کو مغلوب الحال سمجھ کر معذور سمجھا جاوے گا۔

عاشقم بر قہر بر لطفش بجد
اے عجب من عاشقِ ایں ہر دو ضد

میں اس محبوب کے لطف اور قہر دونوں پر عاشق ہوں۔ اے لوگو! یہ کیسی عجیب بات ہے کہ میں ہر دو ضد پر عاشق ہوں۔

فائدہ: یہ اولیائے کرام ہی کا پتّہ ہے کہ دو کیفیاتِ متضادہ پر عاشق ہوں۔

مردہ باید بود پیشِ امرِ حق
تانہ آید زخم از ربُّ الفلق

حق تعالیٰ کے حکم کے سامنے سراپا غلام بن جاؤ جس طرح مردہ زندہ کے ہاتھ میں

ہوتا ہے تاکہ تجھے اپنی رائے وانانیت کے سبب قضائے حق زخم نہ لگادے۔

با قضا ہر کہ شبیخوں آورد
سرنگوں آید زخونِ خود خورد

جو شخص کہ قضا سے جنگ کرتا ہے وہ ذلیل ہوتا ہے اور اپناہی خون اس کو پینا پڑتا ہے۔

چوں قضا آید طبیب ابلہ شود
ہر دوا در نفعِ خود گمرہ شود

جب قضا آتی ہے تو طبیب بھی بے عقل ہو جاتا ہے اور ہر دوا بجائے مفید ہونے کے مضر ہو جاتی ہے۔

از قضا سر کنگبیں صفرا فزود
روغنِ بادام خشکی می نمود

قضا سے سکنجبین جو صفرا کا قاطع ہے صفرا کو بڑھا دیتا ہے اور روغنِ بادام جو دافعِ خشکی ہے خشکی کو زیادہ کرتا ہے۔

گر قضا صد بار قصدِ جاں کند
ہم قضا جانت دہد درماں کند

اگر قضا سو مرتبہ جان کا قصد کرتی ہے تو قضا ہی تجھے جان بھی عطا کرتی ہے اور درماں بھی کرتی ہے۔

رزق از وے جو مجو از زید و عمرو
مستی از وے جو مجو بنگ و خمر

رزق اللہ تعالیٰ سے تلاش کر اور زید و عمرو سے مت بھیک مانگ۔ مستی اللہ تعالیٰ سے طلب کر بھنگ اور شراب سے مت طلب کر۔ یعنی اس کی محبت میں لازوال کیف ہے۔

ہیں از و خواہید نے از غیر او
آب در یم جو مجو در خشک جو

خبر دار! صرف خدا ہی سے طلب کرو نہ کہ اس کے غیر سے، پانی سمندر سے حاصل کرنہ کہ خشک نہر سے۔

گفت پیغمبر باآوازِ بلند
باکل زانوئے اشتر بہ بند

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ توکل کا مفہوم یہ نہیں کہ تدبیر کو ترک کردو جیسا کہ ایک صحابی نے عرض کیا کہ ہم نے اونٹ کو بدون باندھے ہوئے خدا کے بھروسے پر چھوڑدیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ پہلے اونٹ کو رسی سے باندھ دو کہ تدبیر اختیار کرنا بھی خدا ہی کا حکم ہے۔ اس کے بعد بھروسا صرف خدا پر کرو۔ اپنی تدبیر اور رسی پر نہ کرو۔

گر توکل می کند دو کار کن
کسب کن ہمہ تکیہ بر جبار کن

اگر توکل اختیار کرنا ہے تو دو کام کرنے ہوں گے: تدبیر بھی کرو اور بھروسا صرف خدا پر کرو۔

رمز الکاسب حبیب اللہ شنو
از توکل در سبب کاہل مشو

کسب و تدبیر کرنے والا حق تعالیٰ کا محبوب ہوتا ہے:

لِقَوْلِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ: طَلَبُ كَسْبِ الْحَلَالِ فَرِيْضَةٌ بَعْدَ الْفَرِيْضَةِ[۵۳]
(اَوْ كَمَا قَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ)

اس لیے توکل کا سہارا لے کر اسباب میں کاہلی مت اختیار کرو۔

زہد و فقر

حق ہمی خواہد کہ تو زاہد شوی
تا غرض بگذاری و شاہد شوی

۵۳؎ شعب الایمان للبیہقی: ۱۱/۱۷۵ (۸۳۶۷)، مکتبۃ الرشد

حق تعالیٰ چاہتے ہیں کہ تو پرہیز گار اور متقی ہو جاوے تا کہ نفس کے رذائل و غوائل سے تزکیہ عطا ہونے کے بعد تجھے ایمانِ تقلیدی سے ترقی ہو کر ایمانِ تحقیقی عطا ہو جاوے۔

ایں جہاں دام است و دانہ اش آرزو
در گریز از دا نہائے دامِ او

یہ دنیا جال ہے اور دانہ آرزو ہے پس اس جال کے دانوں سے تو اپنے کو دور رکھ۔

ہر چہ غیر اوست استد راجِ تست
گر چہ تخت و ملکِ تست و تاجِ تست

جو نعمت بھی تجھے منعمِ حقیقی سے غافل کر کے صرف اپنا ہی بنا لے تو وہ نعمت نہیں استدراج ہے اگر چہ تخت و تاج سلطنت ہی کیوں نہ ہو:

سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ[۵۴]

حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم ان کفار کو بتدریج لیے جا رہے ہیں اس طور پر کہ ان کو خبر نہیں۔ یعنی نافرمانی کے باوجود نعمتوں کی فراوانی رحمت نہیں ہے بلکہ عذاب کے لیے ایک قسم کی ڈھیل ہوتی ہے۔

دیوی ترساندت ہر دم ز فقر
ہمچو کبکش صید کن اے باز صقر

شیطان تجھے تنگدستی سے ہر وقت ڈراتا ہے اے باز شکاری! تو اس کو مثل کبک شکار کر لے یعنی اس مردود کی بات کو حقیر سمجھ کر التفات نہ کر۔

ہر دکاں رہست سودائے دگر
مثنوی دکّانِ فقرست اے پسر

اے لڑکے! ہر دوکان میں دوسرے سامان ہیں اور مثنوی فقر و بے سروسامانی کی دوکان ہے۔

۵۴؎ الاعراف:۱۸۲

چو شکستہ می رہد اشکستہ شو

امن در فقر ست اندر فقر رو

جب کشتی شکستہ ہونے سے محفوظ ہو گئی ظلم سے تو سمجھ لے کہ امن فقر میں ہے پس فقر اختیار کر۔ کشتی کو حضرت خضر علیہ السلام نے شکستہ کیا تھا کہ ساحلِ بحر پر ظالم بادشاہ اچھی کشتی کو غصب کر رہا تھا۔

چوں کہ شاہے دست یابد بر شہے

بکشدش یا باز دارد در چہے

جب جنگ میں کوئی بادشاہ کسی کو گرفتار کرتا ہے تو اسے قتل کرتا ہے یا پھر قید خانے میں ڈالتا ہے۔

ور بیابد خستۂ افتادہ را

مرہمش سازد شہہ و بدہد عطا

اور اگر شاہ کسی زخمی کو راہ میں پڑا دیکھتا ہے تو اس کے مرہم بھی لگاتا ہے اور اس کو انعام بھی دیتا ہے۔

فائدہ: مطلب جاہ و مرتبہ کی فکر نہ کرو، اپنے کو مٹا کر رکھو۔

تقویٰ

ہر کہ ترسید از حق و تقویٰ گزید

ترسد از وے جن و انس و ہر کہ دید

جو شخص حق تعالیٰ سے ڈرتا ہے اور تقویٰ اختیار کرتا ہے اس سے جن و انس اور جو بھی اس کو دیکھتا ہے ہیبت زدہ اور مرعوب ہوتا ہے۔

ہیبتِ حق است ایں از خلق نیست

ہیبتِ ایں مرد صاحبِ دلق نیست

یہ رعب حق تعالیٰ کے تعلق کا ہوتا ہے اس گدڑی پوش فقیر کا نہیں ہوتا۔

چوں زلقمہ تو حسد بینی دوام
جہل و غفلت زاید آں راداں حرام

جب کوئی لقمہ تیرے اندر مادۂ حسد پیدا کرے اور جہل و غفلت بڑھادے تو سمجھ لے کہ وہ لقمہ حرام ہے۔

علم و حکمت آید از لقمہ حلال
عشق و رقت زاید از لقمہ حلال

لقمۂ حلال سے علم و حکمت اور عشق و رقت میں ترقی عطا ہوتی ہے۔

مرغِ باپر می پرد تا آشیاں
پرِّ مردم ہمت ست اے مردماں

مرغ پر سے اڑ کر آشیاں تک پہنچتا ہے اور آدمی کا پر ہمت ہے اسی ہمت سے سلوک طے ہوتا ہے اور ہمت حلال لقمے سے پیدا ہوتی ہے۔

باز اگر باشد سپید و بے نظیر
چوں کہ صیدش موش باشد شد حقیر

باز اگر سفید اور بے نظیر ہو لیکن بجائے شیر نر کے چوہے کا شکار کرتا ہو تو حقیر اور ذلیل سمجھا جاوے گا۔ اسی طرح اگر انسان صرف دنیائے حقیر میں لگ رہا تو جس طرح حقارت صید کی حقارتِ صیّاد پر دلالت کرتی ہے یہ انسان بھی حقیر اور رسوائے دوجہاں ہوگا۔

خوف و رجا

چوں کہ بد کردی بترس ایمن مباش
زانکہ تخم ست و بروید خداش

جب کہ تونے گناہ کیا تو بے خوف مت رہ کیوں کہ وہ گناہ تخم ہے حق تعالیٰ اس کی پاداش کا درخت اگادیں گے۔ یعنی جلد توبہ کرلے اور حق تعالیٰ کو راضی کرلے۔

راز ہا را می کند حق آشکار
چوں بخواہد رست تخمِ بد مکار

حق تعالیٰ رازوں کو ظاہر کر دیتے ہیں اس لیے بے خوف نہ ہونا چاہیے کہ ہمارے گناہ کو کوئی دیکھ نہیں رہا ہے اور جب بُرے اعمال کے تخم اُگ سکتے ہیں اور اپنے کو ظاہر کر سکتے ہیں تو برائی کے تخم مت بونا۔

چند گاہے او بپوشاند کہ تا
آید آخر زاں پشیمانی ترا

حق تعالیٰ چند بار تمہارے گناہوں کو چھپاتے ہیں تاکہ تم کو شرمندگی وندامت لاحق ہو اور تم باز آجاؤ۔

ہر کہ ترسد مر ورا ایمن کنند
مردِ دل ترسندہ را ساکن کنند

جو شخص ڈرتا ہے حق تعالیٰ اس کو امن عطا فرماتے ہیں اور ایسے ہی دلوں کو سکون بخشتے ہیں جو ڈرنے والے ہیں۔

انبیاء گفتند نو میدی بدست
فضل و رحمتہائے رب بس بے حدست

انبیاء علیہم السلام نے فرمایا کہ کہ ناامیدی کفر ہے، رب کے افضال اور رحمتیں غیر متناہی ہیں۔

از چنیں محسن نشاید نا امید
دست در فتراکِ ایں رحمت زنید

ایسے محسن رب سے ناامید نہ ہونا چاہیے، اس محسن کے دامنِ رحمت کو مضبوط پکڑنا چاہیے۔

بعد نومیدی بسے امید ہاست
از پسِ ظلمت بسے خورشید ہاست

ناامیدی کے بعد بہت سی امیدیں ہیں یعنی کسی معاملے میں ناکامی ہو تو دل چھوٹا کر کے

ہمت نہ ہارو کہ امیدوں کی اور بہت سی راہیں ہیں اور ایک تاریکی کے پیچھے امیدوں کے بہت سے خورشید روشن ہیں بارگاہِ رحمت کی طرف سے۔

ناامیدی راخدا گردن زدست
چوں گنہ مانند طاعت آمدست

حق تعالیٰ نے ناامیدی کی گردن اڑادی ہے اس طرح کہ اس کو کفر قرار دیا اگرچہ کسی کے گناہ اتنے کثیر ہوں جس طرح کثرت سے نیکی کی جاتی ہے۔

تومگومارابداں شہ بار نیست
برکریماں کارہادشوار نیست

تو یہ مت کہہ کہ ہم جیسے بروں کی گنجایش اس کی بارگاہ میں نہیں کیوں کہ وہ کریم ہے اور کریموں پر اپنے کرم کا اظہار کچھ دشوار نہیں ہوتا۔

کوئے نومیدی مرو اُمید ہاست
سوئے تاریکی مرو خورشیدہاست

ناامیدی کی راہِ تاریک مت چل کہ بارگاہِ رحمت میں امیدوں کے لاکھوں آفتاب طلوع ہیں۔

صدقِ مقال وحسنِ گفتار

رنگِ صدق ورنگِ تقویٰ رنگِ دیں
تا ابد باقی بود بر عابدیں

رنگِ صدق (اعمال کا مطابقِ سنت ہونا) رنگِ تقوی اور رنگِ دین قیامت تک عابدین کی ارواح پر قائم رہے گا بر عکس تن پرستوں کے عیش کا فنا ہر وقت مشاہدہ کرسکتے ہو۔

دل بیارآمد ز گفتارِ صواب
آنچناں کہ تشنہ راآمد آب

صحیح باتوں سے دل کو اس طرح سکون ملتا ہے جس طرح پیاسے کو پانی سے۔

آدمی مخفی ست در زیرِ زباں

ایں زباں پردہ ست بر درگاہِ جاں

آدمی پوشیدہ ہوتاہے جب تک گفتگو نہیں کرتا۔یہ زبان باطن کے لیے پردہ ہے جب زبان کھلی پردہ کھلااور باطن اچھایابرابے پردہ ہوا۔

اخلاقِ حسنہ

ورعدوباشد ہمیں احساں نکوست

کہ باحساں بس عدو گشتست دوست

دشمن کے ساتھ احسان ہی کرنے میں خیر ہے کیوں کہ بہت سے دشمن احسان سے دوست ہوگئے۔

ورنہ گردد دوست کینش کم شود

زانکہ احساں کینہ را مرہم شود

اور بوجہ خباثتِ طبع وہ دشمن اگر دوست نہ ہوسکے گاتواس کاکینہ ہی کم ہوجاوے گااس واسطے کہ احسان کینے کازخم اچھاکرنے کے لیے مرہم کاکام کرتاہے۔

وربود صورت حقیرو ناپذیر

چوں بود خلقش نکو درپاش میر

اور اگر کسی کی صورت مکروہ اور حقیر معلوم ہو لیکن اگر اس کے اخلاق اچھے ہیں تو اسی کے پاس مرنایعنی تادمِ آخراس کی صحبت کولازم کرلو۔

صورتش دیدی ز معنیٰ غافلی

ازصدف دُر راگزیں گرعاقلی

اس کی صورت کو تونے دیکھااور سیرت سے تغافل برتاتجھے تو سیپ کے خول سے موتی کی تلاش مناسب ہوتی اگر توعاقل ہوتا۔

خلقِ نیکو وصفِ انسانی بود
آدمی با خلقِ بد حیواں شود

اچھے اخلاق انسانیت کے اوصاف ہیں اور بد اخلاق آدمی صرف جانور ہوتا ہے۔

چوں شود اخلاق و اوصافِ نکو
ہشت جنت خود توئی اے نیک خو

اگر تیرے اخلاق پاکیزہ اور اچھے ہو جائیں (اور جو عادتاً بدون کسی پیرِ کامل کے ممکن نہیں) تو دنیا ہی میں تجھے لطفِ جنت ملنے لگے۔

گر گرفتارِ صفاتِ بد شدی
ہم تو دوزخ ہم عذابِ سرمدی

اے مخاطب! اگر تونے اپنی اصلاح کسی شیخِ کامل سے نہ کرائی اور برے اخلاق اور برے اعمال میں مبتلا رہا تو دنیا ہی میں تجھے دوزخ کی کلفت اور بے چینی محسوس ہونے لگے گی۔

ہر کہ دارد در جہاں خلقِ نکو
مخزنِ اسرارِ حق شد جانِ او

جس شخص کے اندر اخلاقِ حسنہ دیکھو تو سمجھ لو کہ اس کی جان اسرارِ عشقِ الٰہیہ کی حامل ہے۔

انچہ گفتم ہست از عین الیقین
نے ز استدلال و تقلید ست ایں

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں جو کچھ کہتا ہوں عین الیقین کے مقام سے کہتا ہوں، میری باتیں محض عقلی دلائل اور تقلیدی نہیں ہیں، مولانا نے اس شعر میں اپنا مقامِ قرب و مشاہدہ بیان کر دیا۔

فائدہ: ذکر و مجاہدہ اور صحبتِ شیخ کے فیضان سے جب قلب مصفّٰی و مجلّٰی ہو جاتا ہے تو عالمِ غیب کی باتوں کو سمجھنے کی خاص صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے اور حق تعالیٰ کے ساتھ قلب کو معیتِ خاصہ عطا ہوتی ہے اور اسی مشاہدۂ بصیرۃِ قلب کا نام عین الیقین ہے ورنہ بصارت سے مشاہدہ مغیبات کا اس عالم میں محال اور ممتنع ہے۔

صبر

صد ہزاراں کیمیا حق آفرید

کیمیائے ہمچو صبر آدم نہ دید

لاکھوں کیمیا حق تعالیٰ نے پیدا فرمائے مگر صبر جیسی کیمیا کسی انسان نے نہ دیکھی۔

مکرِ شیطان ست تعجیل و شتاب

لطفِ رحمان ست صبر و احتیاب

عجلت اور جلد بازی عکس مکرِ شیطانی ہے اور صبر اور احتیاط فیضِ لطفِ رحمانی ہے۔

باسیاستہائے جاہل صبر کن

خوش مدارا کن بعقلِ مِن لَّدُن

خوش تدبیری سے جاہل کی ایذاء پر صبر کرتے رہو اور خوش اخلاقی سے اس کی مدارات ودلجوئی خداداد عقل سے کرتے رہو۔ مدارات، وہ خوش اخلاقی جو دین کے لیے کی جاوے۔ تملّق، وہ خوش اخلاقی جو تحصیلِ دنیا کے لیے ہو۔ پس مدارات محمود اور تملق مذموم ہے۔

قناعت

از قناعت ہیچکس بے جاں نشد

و ز حریصی ہیچکس سلطاں نشد

قناعت کی تعریف تھوڑی چیز پر راضی رہنا اور آخرت کی نعمتوں کو سوچ کر دنیا اور اہلِ دنیا سے سیر چشم رہنا قناعت ہے۔ کوئی شخص قناعت کی برکت سے احساسِ کمتری اور کمزوری میں مبتلا نہیں ہوتا اور حرص کے سبب کوئی شخص سلطان نہیں ہوجاتا بلکہ اگر سلطان بھی حریص ہو تو اسے بھی سیر چشمی نہ ہوگی اور شانِ استغنائے سلطانی سے محروم ہوگا۔

عاقل اندر بیش ونقصان ننگرد
زانکہ ایں ہر دو چو سیلے بگزرد

عاقل انسان نفع ونقصان، کمی وبیشی سے اس درجہ خائف نہیں ہوتا جو عقل وحواس میں فتور پیدا کردے یا اعمال اور اخلاق کو اعتدال سے دور کردے(البتہ کچھ طبعی تاثر کا ہونا بمقتضائے بشریت کچھ مضر نہیں بلکہ بوجہ مجاہدہ ترقی درجات کا سبب ہوتا ہے) اور کمی وبیشی کے سیلاب کو آنی جانی چیز سمجھتا ہے۔ جس طرح سمندر میں مد وجزر ہوا ہی کرتا ہے۔ سیلاب چڑھتا ہے تو اترتا بھی ہے۔

گر بریزی بحر را در کوزۂ
چند گنجد قسمتے یک روزۂ

اے مخاطب! اگر تو حرص کے سبب سمندر کو ایک کوزے میں بھرنا چاہے گا تو اس کوزہ میں ایک ہی دن کا حصہ آسکے گا اس لیے حرص کا فائدہ بجز ذہنی انتشار اور فقدانِ جمعیت کے اور کچھ نہیں۔

کوزۂ چشمِ حریصاں پُر نہ شد
تا صدف قانع نہ شد پُر در نہ شد

حریصوں کی آنکھیں کبھی سیر نہیں ہوتی ہیں (جس کے نتیجے میں ایسے لوگ ہمیشہ بے سکون رہتے ہیں) حالاں کہ ان کو صدف سے سبق حاصل کرنا چاہیے کہ وہ بارش سے صرف ایک قطرہ لیتا ہے اور منہ بند کرلیتا ہے اور اس قناعت پر حق تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کا انجام یہ ہوتا ہے کہ وہی قطرہ موتی بنتا ہے۔ اگر وہ ایک قطرے پر قناعت نہ کرے تو پانی اس کے منہ سے باہر آنے لگے گا اور موتی سے بھی محروم ہوگا۔

شکرِ منعم واجب آمد در خرد
ور نہ بکشاید درِ خشمِ ابد

منعم (نعمت دینے والا) کا شکر عقلاً واجب ہے ورنہ ناشکری کے سبب حق تعالیٰ کا غضب نازل ہوتا ہے۔

شکرِ جانِ نعمت و نعمت چو پوست
زانکہ شکر آرد ترا در کوئے دوست

شکر جانِ نعمت ہے اور نعمت مثل پوست ہے کیوں کہ شکر تجھے محبوب تک پہنچادیتا ہے حاصل یہ کہ شکر سے قرب میں ترقی ہوتی ہے اور ناشکری سے حاصل شدہ قرب بھی چھن جاتا ہے۔

نعمت آرد غفلت و شکر انتباہ
صیدِ نعمت کن بدامِ شکرِ شاہ

نعمت غفلت پیدا کرتی ہے اور شکر اس غفلت کو دور کرتا ہے، پس نعمت کا شکار دامِ شکرِ شاہ سے کر یعنی جس قدر شکر کرے گا نعمت میں ترقی کا وعدہ ہے۔

رحمتِ مادر اگرچہ از خداست
خدمتِ او ہم فریضہ ست و سزاست

ماں کی رحمت اگرچہ حق تعالیٰ ہی کی مخلوق و عطا ہے مگر حق تعالیٰ ہی نے ماں کی خدمت کو بھی فرض کردیا۔

ترکِ ذکرش ترکِ شکرِ حق بُوَد
حقِ او لاشک بحق ملحق بُوَد

ماں کی شفقت ورحمت کا شکر نہ ادا کرنا ترکِ شکرِ حق قرار دیا گیا اور ماں کا حق، حق تعالیٰ نے اپنے حق کے ساتھ ملحق فرمادیا اور حدیث شریف میں ہے کہ جس نے انسان کا شکر ادا نہ کیا اس نے اللہ کا شکر بھی ادا نہ کیا۔

جان و گوش و چشم و ہوش و پا و دست
جملہ از دریائے احسانت پُر است

جان و گوش و چشم و ہوش و دست و پا سب کے سب اے خدا! آپ کے احسان کے موتی سے پُر ہیں۔

اینکہ شکرِ نعمت تو می کنم
اینہم از تو نعمتے شد مغتنم

یہ شکرِ نعمت جو میں کرتا ہوں یہ بھی تو اے خدا! آپ ہی کی نعمتِ توفیق ہے۔

شکر آں شکر از کجا آرم بجا
من کئیم از تست توفیق اے خدا

اس شکر کی توفیق کا شکر میں کیسے بجالاؤں کہ ہر شکر کے بعد پھر اس شکر کا شکر واجب ہوتا ہے اور تسلسل لازم آتا ہے پس اے خدا! میں کچھ نہیں ہوں، صرف آپ ہی کی طرف سے سب توفیق ہے۔

سخاوت

گفت پیغمبر کہ دائم بہرِ پند
دو فرشتہ خوش منادی می کنند

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہمیشہ دو فرشتے یہ دعا کرتے رہتے ہیں:

کاے خدایا منفقاں را سیر دار
ہر درم شاں را عوض دہ صد ہزار

کہ اے خدا! سخاوت کرنے والوں کو ہمیشہ سیر و آسودہ رکھ اور ان کے ایک درہم کے عوض ایک لاکھ انھیں عطا فرما۔

شفقت علی الخلق

خیر کن با خلق بہرِ ایزدت
تا بیابی راحتِ جانِ خودت

صرف رضائے حق کے لیے مخلوق کے ساتھ خیر خواہی کرتا کہ حق تعالیٰ کی رحمت سے تو اپنی جان میں راحت محسوس کرے۔

سبق رحمت بر غضب ہست اے فتی
لطفِ غالب بود در وصفِ خدا

حق تعالیٰ کی رحمت غضب پر سبقت لے گئی اور لطفِ حق ان کے اوصاف پر غالب ہے۔

حسنِ ظن

ظن نیکو بر براخوانِ صفا
گرچہ آید ظاہر از ایشاں جفا

نیک گمان رکھو حق تعالیٰ کے خاص بندوں کے ساتھ اگرچہ بظاہر ان کی کوئی بات تمہارے فہم میں جفا معلوم ہو کیوں کہ حسنِ ظن نصوص سے مامور بہ ہے اور بلا دلیل مقبول عمل ہے اور بد گمانی پر دلیل کا مواخذہ اور مطالبہ ہوگا، پس کیوں محشر میں زحمتِ دلائل کا سامان کرو اور دلائلِ شرعیہ نہ پیش کرسکنے پر عذاب میں مبتلا ہو۔

مشفقے گر کرد جور از امتحاں
عقل باید کو نباشد بدگماں

اگر کوئی مشفق مربی امتحانِ اخلاص و محبت کے لیے کچھ سختی کرے تو عاقل کو چاہیے کہ بدگمان نہ ہو کہ بڑے بد خلق یا تند خو ہیں۔ حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا شعر ہے؎

میں ہوں نازک طبع اور وہ تند خو
خیر یہ گزری محبت ہوگئی

لاکھ جھڑکو اب کہاں پھرتا ہے دل
ہوگئی اب تو محبت ہوگئی

(مجذوبؒ)

ہیں ز بدناماں نباید ننگ داشت
گوش بر اسرارِشاں باید گماشت

ہاں خبر دار! گمناموں کو حقیر مت سمجھنا کہ ان ہی بے نام ونشان بندوں میں صاحبِ اسرار بھی ہیں پس ان کے اسرار سے استفادے میں عار نہ کرو، ان کے ارشادات کو بغور سنو بشرطیکہ یہ شخص کسی بزرگ متبعِ سنت کا تربیت یافتہ ہو۔

ہیچ کافر را بخواری منگرید
کہ مسلماں رفتنش باشد امید

کسی کافر کو ذلت اور حقارت کی نگاہ سے مت دیکھ کہ ممکن ہے کہ خاتمہ اس کا اسلام اور ایمان پر مقدر ہو چکا ہو۔ البتہ قلب میں اللہ کے لیے عداوت اور بغض مامور بہٖ ہے:

اَلْحُبُّ لِلّٰہِ وَالْبُغْضُ لِلّٰہِ[۵۵]

پس اعمال اور افعالِ کفر سے نفرت ہونا تو مطلوب ہے مگر ذات کو حقیر نہ سمجھا جاوے، جس طرح کوئی حسین چہرے پر سیاہی مل لے تو سیاہی کو کالا کہیں گے حسین کو نہ کہیں گے کیوں کہ وہ حسین اگر سیاہی دھوڈالے چہرہ پھر چاند کی طرح روشن ہو جائے گا اسی طرح ہر کافر وفاسق کے لیے امکان موجود ہے کہ وہ کفر وفسق کی سیاہی کو توبہ کے پانی سے دھو کر حق تعالیٰ کا محبوب ومقبول بن جاوے۔

عدل

عدل چہ بود وضع اندر موضعش
ظلم چہ بود وضع درنا موقعش

عدل کیا ہے کسی شے کو اس کے مقام پر رکھنا اور ظلم کیا ہے کسی شے کو اس کے مقام سے ہٹا کر بے موقع رکھ دینا۔

۵۵؎ شعب الایمان للبیہقی:۱۲/۵۷،(۹۰۶۶)،مکتبۃ الرشد

عدل چہ بود آب دہ اشجار را

ظلم چہ بود آب دادن خار را

عدل کیا ہے درختوں کو پانی دینا اور ظلم کیا ہے کانٹوں کو پانی دینا۔

ادب

از ادب پُر نور گشت ست ایں فلک

از ادب معصوم و پاک آمد ملک

ادب ہی کی برکت سے فلک پُر نور ہے اور ادب ہی کی برکت سے ملائکہ معصوم و پاک ہیں۔

از خدا جوئیم توفیق ادب

بے ادب محروم گشت از لطفِ رب

ہم خدا ہی سے توفیقِ ادب طلب کرتے ہیں کیوں کہ بے ادب شخص لطفِ رب سے محروم ہوتا ہے۔

بے ادب تنہا نہ خود را داشت بد

بلکہ آتش در ہمہ آفاق زد

بے ادب تنہا اپنے کو تباہ نہیں کرتا ہے بلکہ تباہی کی آگ آفاقِ عالم میں لگاتا ہے۔

دل نگہدارید اے بے حاصلاں

در حضورِ حضرتِ صاحبدلاں

اے محروم لوگو! جب کسی اللہ والے کے پاس جاؤ تو اپنے قلب کو اعتراض و بدگمانی سے محفوظ رکھو ورنہ اس کا عکس ان کے قلوبِ مصفّٰی پر پڑے گا اور ان کی اذیت باعثِ وبال ہو گی۔

جز خضوع و بندگی و اضطرار

اندراں حضرت ندارد اعتبار

بجز خضوع و بندگی و اضطرار حق تعالیٰ کی راہ میں اور کسی چیز کا اعتبار نہیں۔

اخلاص

از علی آموز اخلاصِ عمل
شیر حق را داں مطہّر از دغل

اخلاصِ عمل کو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سیکھ اور اس شیر خدا کو پاکانِ حق سے سمجھ۔

گفت من تیغ از پئے حق می زنم
بندۂ حقم نہ مامورِ تنم

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں تلوار خدا کی رضا کے لیے چلاتا ہوں میں بندۂ حق ہوں نہ کہ بندۂ تن۔

شیرِ حقم نیستم شیرِ ہوا
فعلِ من بر دینِ من باشد گوا

میں شیر حق ہوں، شیر خواہشِ نفس نہیں، میرا فعل میرے دین کی صداقت پر گواہ ہے۔

تا اُحِبُّ لِلّٰہِ آید نامِ من
تا کہ اَبْغَضُ لِلّٰہِ آید کامِ من

تاکہ اس حدیث کے مطابق کہ جو شخص اللہ کے لیے محبت کرے اور اللہ ہی کے لیے عداوت کرے اور اللہ ہی کے لیے کسی کو کچھ عطا کرے اور اللہ ہی کے لیے کسی کو کچھ نہ دے اس نے اپنے ایمان کو کامل کرلیا میرا نام بھی من احب للہ اور ابغض للہ میں داخل ہو۔

تا اعطیٰ للہ آید جودِ من
تا امسك للہ آید بودِ من

تاکہ من اعطیٰ للہ میں ہماری سخاوت داخل ہو اور تاکہ من امسك للہ میں ہمارا امساک یعنی خرچ کو روک دینا داخل ہو۔

ذوق باید تا دہد طاعات بر
مغز باید تا دہد دانہ شجر

نورِ اخلاص چاہیے طاعات میں تاکہ اس کا پھل ملے، دانہ کے اندر مغز ہونا چاہیے تاکہ اس دانے سے شجر پیدا ہو۔

دانۂ بے مغز کے گردد نہال
صورتِ بے جاں نباشد جز خیال

دانۂ بے مغز کب سرسبز وشاداب ہوتا ہے اور صورت بغیر روح کے بے حقیقت اور محض خیال ہے۔

ما دریں انبارِ گندم می کنیم
گندمِ جمع آمدہ گم می کنیم

ہم یہاں گندم کا ذخیرہ یعنی طاعات جمع کررہے ہیں مگر جمع کیاہوا یہ گندم (ذخیرۂ طاعات بہ سببِ عدمِ اخلاص) گم اور ضایع کررہے ہیں۔

موش تا انبارِ ما حفرہ زدست
و ز فنش انبارِ ما خالی شدست

ابلیس نے ہمارے ذخیرۂ طاعات میں مثل چوہے کے راستہ بنالیا ہے اور اس کی خفیہ تدبیر سے ہماری نیکیاں ضایع ہورہی ہیں عجب وریا وغیرہ شامل کردینے کے سبب۔

اول اے جاں دفعِ شرّ موش کن
بعد ازیں انبارِ گندم کوش کن

پہلے اے روح سالک! اپنے رذائل کا تزکیہ کرالے اور اصلاح کا زیادہ اہتمام کر تاکہ ابلیس موش خصلت کے شر کا دفعیہ ہوجاوے پھر طاعات کے ذخیرے کی سعی کر۔

فائدہ: یہی وجہ ہے کہ جاہل صوفیا اذکار، اشغال اور مراقبات وغیرہ پر زیادہ توجہ کرتے ہیں اور محققین صوفیا اصلاحِ نفس کی ضرورت پر زیادہ توجہ دیتے ہیں اور ذکر ووظائف

کو بطورِ اعانت بتاتے ہیں اور جہلاء کے یہاں اصلاح کا باب ہی نہیں بجز چلّوں اور مراقبوں کے، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ عمر بھر کی عبادت کو عجب و ریا اور اظہار و تفاخر وغیرہ ضایع کر دیتے ہیں۔

ریزہ ریزہ صدق ہر روزے چرا
جمع می ناید دریں انبارِ ما

اور اگر یہ بات نہیں تو کیا وجہ ہے کہ ہمارے اعمال کے انوار مفقود ہوتے ہیں، چوں کہ سلوک کا اول ہی قدم سیر من المخلوق الی الخالق ہے اور یہاں عمر بھر طاعاتِ کثیرہ کے باوجود سیر من المخلوق الی المخلوق ہی ہے کیوں کہ ان طاعات و حسنات سے وہ مخلوق ہی میں جاہ و مرتبہ چاہتا ہے اور حق تعالیٰ اخلاص والی عبادت قبول فرماتے ہیں اور اخلاص بدون کسی محقق شیخ کی صحبت کے عادتاً حاصل نہیں ہوتا۔

اخلاقِ رذیلہ و مضراتِ طریق

گر گرفتارِ صفاتِ بد شدی
ہم تو دوزخ ہم عذابِ سرمدی

اے مخاطب! اگر تو اخلاق رذیلہ میں گرفتار رہے گا اور اصلاح کی فکر و اہتمام میں مجاہدہ نہ کرے گا تو تیری زندگی خود دوزخ اور عذابِ سرمدی بن جاوے گی۔

مایۂ دوزخ چہ باشد خلقِ بد
خلقِ بد آمد براہِ دوست سد

اخلاقِ رذیلہ ہی دوزخ کا سرمایہ ہے اور اخلاقِ رذیلہ ہی محبوبِ حقیقی کے راستے میں رکاوٹ ہے۔

چوں ز عادت گشت محکم خوئے بد
خشمت آید از کسے کو وا کشد

جب تیری کوئی عادت جڑ پکڑ لیتی ہے تو اس بری عادت کو دور کرنے والے ہی پر تجھے غصہ آتا ہے۔

چوں خلافِ خوئے تو گوید کسے
کینہا خیزد ترا با او بسے

جب تیرے برے اخلاق کے خلاف کوئی نصیحت کرتا ہے تو تجھے اس ناصح ہی سے سخت کینہ پیدا ہو جاتا ہے۔

بارہا از خوئے خود خستہ شدی
حس نداری سخت بے حس آمدی

بارہا تو اپنی بری عادتوں سے ذلیل ہوا لیکن تو ایسا بے حس ہے کہ تجھے کچھ احساس ہی نہیں ہوتا۔

آں درختِ بد جواں تر می شود
ویں کنندہ پیر و مضطر می شود

بری عادت کا درخت تو مضبوط ہوتا جاتا ہے اور اس کا اکھاڑنے والا روز بروز کمزور ہو جاتا ہے (بوجہ زیادتیٔ عمر کے)

یا تبر برگیرد مردانہ بزن
تو علی وار ایں درِ خیبر بکن

یا تو تبر اٹھا اور مردانہ حملہ کردے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرح اس درِ خیبر کو جڑ سے اکھیڑ ڈال۔

یا بگلبن وصل کن ایں خار را
وصل کن بانورِ یار ایں نار را

اور یا اگر اتنی ہمت نہیں کہ نفس کو توڑ سکے تو اپنے خارِ رذیلہ کو کسی اللہ والے کی صحبت کے پھول سے ملادے اور یارِ باوفا کے نور سے اپنی نارِ شہوت کو ملادے۔

تا کہ نورِ او کشد نارِ ترا
وصلِ او گلشن کند خارِ ترا

تا کہ اس اللہ والے کا نور تیری نارِ شہوت کو مغلوب اور کمزور کر دے اور اس کی صحبت کی برکت تیرے خار کو گلشن بنا دے۔

کبر و عجب

علّتے بدتر زپندارِ کمال
نیست اندر جانت اے مغرورِ حال

اپنے کو کامل سمجھنے کی بیماری سے بڑھ کر کوئی بیماری نہیں، پس اے وہ شخص جو موجودہ حالت سے اپنے کو بڑا سمجھ رہا ہے! اپنے انجام پر نظر کر کہ نہ جانے خاتمہ کیسا ہو۔

کسی کو آہ فریبِ کمال نے مارا
میں کیا کہوں مجھے فکرِ مآل نے مارا
(احمدؔ)

زاں نمی پر دبسوئے ذوالجلال
کو گمانے می برد خود را کمال

ایسا شخص جو اپنے کو کامل سمجھ لیتا ہے وہ حق تعالیٰ کی راہ میں سست رفتار اور کاہل ہو جاتا ہے اور اس کی ترقی ختم ہو کر زوال پذیر ہو جاتی ہے۔

علّتِ ابلیس اَنَا خیرٌ بدست
ویں مرض در نفسِ ہر مخلوق ہست

ابلیس کی بیماری یہی تھی کہ وہ انا خیرٌ (میں اچھا ہوں سیدنا آدم علیہ السلام سے) کہتا تھا اور یہ مرض ہر شخص میں ہے۔

چند دعویٰ و دم و باد و بردت
اے ترا خانہ چو بیت العنکبوت

اے شخص! جب تیرا گھر مثل مکڑی کے جالے کے کمزور ہے تو کب تک دعویٰ اور فخر کی بات کرتا رہے گا۔

ابتدائے کبر و کیں از شہوت ست
راسخیٔ شہوتت از عادت ست

تکبر اور کینے کی ابتدا شہوت سے ہوتی ہے یعنی نفس بڑا بننا چاہتا ہے اور بری خواہش کا رسوخ بری عادت سے ہوتا ہے۔

زلّتِ آدم ز اشکم بود و باہ
وانِ ابلیس از تکبر بود و جاہ

حضرت سیدنا آدم علیہ السلام کی لغزش کا تعلق خواہشِ شکم اور خواہشِ باہ سے تھا اور ابلیس لعین کی آن سرکشی تکبر اور جاہ کے سبب تھی۔

لَا جَرم او زود استغفار کرد
واں لعین از توبہ استکبار کرد

سیدنا آدم علیہ السلام نے بہت جلد اپنے قصور کا اعتراف کرکے رَبَّنَا ظَلَمْنَا کہنا شروع کر دیا اور گریہ وزاری واستغفار میں مصروف ہوگئے اور اس ملعون ابلیس نے توبہ کرنے سے عار وننگ محسوس کیا اور باغیانہ روش اختیار کی۔

فائدہ: حضرتِ اقدس حکیم الامت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ ہر گناہ اور نافرمانی کا سبب یا باہ ہوتا ہے یا جاہ ہوتا ہے۔

گناہِ باہی

وہ گناہ ہے جو خواہشِ نفس سے مغلوبیت کے سبب صادر ہوتا ہے اس گناہ پر ندامت اور پھر توبہ کی توفیق ہوجاتی ہے اور عجب و تکبر اور تقدس کا احساس ختم ہو کر عبدیت و تذلل کی شان پیدا ہوجاتی ہے۔

گناہِ جاہی

جس گناہ کا منشا حُبِّ جاہ اور تکبر ہوتا ہے مثلاً کسی کو حقیر سمجھنا اور اس کی غیبت کرنا۔ اللہ والوں کی خدمت سے دل میں اپنی ذلّت محسوس کرنا یا غریبوں اور مسکینوں، طالب علموں اور مسجد کے خدام کو بنگاہِ حقارت دیکھنا اور انھیں اپنا محتاج سمجھنا یا ان پر اپنی برتری کا احساس ہونا، اپنی خطا کو تسلیم نہ کرنا اور اپنے ظلم کے باوجود مظلوم سے معافی مانگنے میں شرم مانع ہونا، یہ سب جاہی گناہ کہلاتے ہیں اور چوں کہ جاہی گناہ کا اصل سبب تکبر و نخوت ہے اس لیے ایسے لوگوں کو ندامت اور توبہ سے اکثر محرومی رہتی ہے پس خلاصہ یہ نکلا کہ گناہِ جاہی اشد ہے گناہِ باہی سے۔ ان دونوں بیماریوں کی صحت مطلوب ہے اور ان کی صحت موقوف ہے اہل اللہ کی صحبت اور ان سے قوی اور صحیح تعلق پر جس کا ثمرہ اطلاعِ حالات اور اتباعِ تجویزات ہے۔

تو بداں فخر آوری کز ترس و بند
چاپلوست کردم مردم روزِ چند

تو اس جاہ پر فخر کرتا ہے کہ مخلوق تیرے خوف اور اثر سے چند دن کے لیے تیری چاپلوسی میں مشغول ہے جیسا کہ حکامِ دنیا کا حال ہے لیکن حکومت سے برطرف ہونے پر ان کا کیا حشر وانجام ہوتا ہے۔

ہر کرا مردم سجودے می کنند
زہر اندر جانِ او می آگنند

جس شخص کے قدموں پر مخلوق بہت زیادہ استقبال اور احترام کے لیے سر جھکاتی ہے تو سمجھ لو کہ اس کی جان میں تکبر اور فرعونیت کا زہر گھولتی ہے۔

اے خنک آں را کہ ذلت نفسهٗ
وائے آں کز سرکشی شد خوئے او

اس شخص کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں جس کا نفس ذلیل اور تابع ہو اور ہلاکت ہو اس شخص پر کہ جس کی عادت ہی سرکشی کی پڑ گئی ہو۔

حدِّخود بشناس و در بالا مپر
تا نیفتی در نشیبِ شور و شر

اپنی حقیقت (ناپاک نطفہ) کو پہچانو اور تکبر و بڑائی کی راہ پر مت چلو تاکہ شور و شر کے گڑھے میں نہ گر جاؤ۔

خود چہ باشد پیشِ نورِ مستقر
کرّ و فرِّ افتخارِ بو البشر

حق تعالیٰ شانہٗ کے نورِ مطلق دائم و قائم کے سامنے انسان کے فخر کا کرّوفر کیا حقیقت رکھتا ہے۔

ریا و نفاق

خواجہ پندارد کہ طاعت می کند
بے خبر کز معصیت جاں می کند

ریاکار سمجھتا ہے کہ میں عبادت میں مشغول ہوں اس بے خبر کو یہ نہیں معلوم کہ ریا کے جرم سے اپنی جان کو عذاب کی راہ پر لے جارہا ہے۔

گر بصورت آدمی انساں بُدے
احمد و بوجہل ہم یکساں شدے

ریاوالی عبادت کی صورت تو عبادت کی ہے مگر اس عبادت میں روح نہیں ہے جس طرح آدمی صرف صورت سے آدمی نہیں ہوتا۔ ایک انسانی صورت کفر میں مبتلا ہو کر ذلیل و خوار ہے، دوسری صورتِ انسانی اپنی حقیقت کے سبب یعنی تاجِ نبوت سے امام الانبیاء ہے۔

فائدہ: اکثر عبادت میں سالک کو شبہ ہوتا ہے کہ میں دکھاوا کر رہا ہوں اور خویش و اقارب اور احباب کے سامنے خوفِ ریا سے ذکر و معمولات کو ملتوی کر دیتا ہے تو معلوم ہونا چاہیے کہ ریا ایسی بیماری نہیں ہے کہ بدون قصد آکر ہم سے لپٹ جائے۔ ریا سے بچنے کے لیے یہی کافی ہے کہ ریا کا ارادہ نہ کرے یعنی مخلوق کو دکھانے کا ارادہ نہ کرے اور اگر

حق تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے عبادت کی نیت کر کے عبادت شروع کی جاوے اور پھر بھی وسوسۂ ریا آوے تو یہ ریا نہیں صرف وسوسۂ ریا ہے۔ جس طرح مکھی آئینے کے اوپر ہوتی ہے مگر اندر معلوم ہوتی ہے اسی طرح یہاں قلب میں اخلاص ہے مگر قلب کے باہر وسوسۂ ریا پریشان کرتا ہے اور وہ اندر معلوم ہوتا ہے۔ حالاں کہ اندر نہیں اس لیے سالک کو پریشان نہ ہونا چاہیے اور نہ خوفِ ریا سے معمولات کو ترک کرنا چاہیے۔ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ جس طرح مخلوق کو دکھانے کے لیے عبادت کرنا ریا ہے اسی طرح مخلوق کے سامنے خوفِ ریا سے عبادت کا ترک کرنا بھی ریا ہے۔ پس ہر حال میں ذکر و معمولات کی پابندی کرنی چاہیے خواہ خلوت ہو یا احباب کی معیت سے جلوت ہو۔ البتہ احتیاطاً استغفار ضرور کرتے رہنا چاہیے۔

شہوت

مارِ شہوت را بکش در ابتدا

ورنہ اینک گشت مارت اژدہا

خواہش کے سانپ کو ابتدا ہی سے مار دینا چاہیے ورنہ اگر دیر کرو گے تو یہ بڑھتے بڑھتے اژدہا ہو کر تمہارے قابو سے باہر ہو جاوے گا۔

آفتِ دیں در ہوا و شہوت ست

ورنہ اینجا شربت اند شربت ست

دین کی آفت خواہشاتِ نفسانیہ ہیں اگر ان کی اصلاح کرالی جاوے تو پھر دین کی راہ نہایت پُر لطف اور لذیذ راہ ہے۔

نارِ شہوت می نیار امد بآب

زانکہ دارد طبع دوزخ در عذاب

شہوت اور خواہشِ نفسانی کی آگ کو دنیا کا پانی نہیں بجھا سکتا کیوں کہ اس کی خاصیت عذاب دینے میں دوزخ کی طرح ہے۔

نارِ شہوت چہ کشد؟ نورِ خدا
نورِ ابراہیم را ساز اوستا

شہوت کی آگ کو کیا چیز بجھا سکتی ہے صرف نورِ خدا اور یہ نور اللہ والوں کی صحبت التزام و دوامِ ذکر اتباعِ سنت سے حاصل کیا جاتا ہے نورِ ابراہیمی کو اپنا بنالو یعنی حق تعالیٰ سے قوی اور صحیح تعلق کر لو بس صاحبِ نور ہو جاؤ گے۔

ترکِ خشم و شہوت و حرص آوری
ہست مردی ورگ پیغمبری

غصہ اور شہوت اور حرص کا ترک کرنا یہ مَردوں کا کام ہے اور پیغمبرانہ حوصلہ ہے اور اتباعِ سنت کی برکت سے غلاموں کو بھی اس نعمت سے عطا ہوتا ہے۔

خشم و شہوت مرد را احول کند
ز استقامت روح را مبدل کند

غصہ اور شہوت آدمی کو احول بنادیتا ہے، احول وہ بیماری ہے جس میں آدمی کو ایک چیز دو نظر آتی ہے یعنی ہر شے خلافِ حقیقت نظر آنے سے روح استقامت سے محروم ہو جاتی ہے۔

عقل ضدِّ شہو تست اے پہلواں
آنکہ شہوت می تند عقلش مخواں

عقل شہوت کی ضد ہے پس اے پہلوان! اگر تجھ پر شہوت غالب ہے تو تیرے اندر عقل کہاں سے ہو گی؟ غلبۂ شہوت میں جو فعل صادر ہو اس کو عاقلانہ فعل مت کہو۔

حرص و طمع

حرصِ تو چوں آتش ست اندر جہاں
باز کردہ بہر خوردن صد دہاں

تیری حرص مثل آگ کے ہے جہان میں اور سینکڑوں منہ کھولے ہوئے ہے کھانے کے لیے۔

حرص کورت کرد و محرومت کند
دیو ہمچو خویش مرجومت کند

حرص تجھ کو اندھا کر کے محروم کرتی ہے اور ابلیس تجھے حرص میں مبتلا کر کے اپنی طرح مردود کرتا ہے۔

حرص کور و احمق و ناداں کند
مرگ را بر احمقاں آساں کند

حرص اندھا اور احمق و نادان کر دیتی ہے اور احمقوں پر موت کو بھی آسان کر دیتی ہے۔

حرص نابیناست بیند مو بمو
عیبِ خلقاں و بگوید کو بکو

حریص اپنے عیب سے نابینا اور دوسروں کے عیب پر باریک بیں ہوتا ہے اور مخلوق کا عیب گلی در گلی بکتا رہتا ہے۔

عیب خود یکذرہ چشمِ کور او
می نہ بیند گرچہ ہست او عیب جو

حریص اپنا عیب ایک ذرہ بھی نہیں دیکھتا بوجہ حرص سے اندھا ہونے کے اگرچہ دوسروں کی عیب جوئی خوب کرتا ہے۔

بند بگسل باش آزاد اے پسر
چند باشی بندِ سیم و بندِ زر

حرص کی قید کو توڑ دے اور آزاد ہو جا اے لڑکے! کب تک چاندی اور سونے کی قید میں مبتلا رہے گا۔

گر بریزی بحر را در کوزۂ
چند گنجد قسمتِ یک روزۂ

اگر سمندر کو ایک کوزے میں بھرے گا تو ایک ہی دن کا حصہ اس میں آسکے گا۔

کوزۂ چشمِ حریصاں پُر نہ شد

تا صدف قانع نہ شد پُر در نہ شد

حریصوں کی آنکھ کا کوزہ کبھی پر نہیں ہوا اور جب تک صدف ایک قطرے پر قناعت کر کے منہ بند نہیں کرتا اس میں موتی نہیں بنتا۔

صاف خواہی چشم و عقل و سمع را

بر درِ آں تو پر دہائے طمع را

اگر تو نورِ بصارت اور نورِ عقل و سماعت کی صفائی چاہتا ہے تو ان کے اوپر سے حرص و طمع کے پردے پھاڑ دے۔

بد گمانی کردن و حرص آوری

کفر باشد پیشِ خوانِ مہتری

بد گمانی اور حرص نہایت ناپسندیدہ اور حق تعالیٰ کے نزدیک کفرانِ نعمت ہیں۔

پیشِ چشمِ او خیالِ جاہ و زر

ہمچناں باشد کہ مو اندر بصر

حریص کی آنکھوں کے سامنے جاہ اور مال کا خیال اس طرح اس کو قلق اور کرب میں مبتلا رکھتا ہے جس طرح کسی کی آنکھ میں بال کھٹکتا ہو۔

ہر کرا جامہ ز عشقش چاک شد

او ز حرص و عیبِ کلّی پاک شد

جس شخص کا لباس عشقِ حق سے چاک ہو گیا وہ حرص اور جملہ عیوب سے پاک ہو گیا۔

حسد

عقبۂ زیں صعب تر در راہ نیست

اے خنک آنکس حسد ہمراہ نیست

سخت تر مشکل گھاٹی سلوک میں حسد ہے، مبارک ہے وہ شخص جس کے اندر حسد نہیں ہے۔

خانما ہاں از حسد گردد خراب
باز و شاہین از حسد گردد غراب

آتشِ حسد سے گھر کے گھر تباہ ہوگئے اور باز و شاہین جیسے مردانِ طریق کوّا بن گئے یعنی راہِ حق سے ہٹ کر راہِ باطل پر جا گرے۔

یوسفاں از مکرِ اخواں در چہند
کز حسد یوسف بگرگاں می دہند

بہت سے یوسف اپنے بھائیوں کے مکر سے کنویں میں ہیں کیوں کہ حسد ہی سے یوسف علیہ السلام کو کنویں میں ڈال کر بھیڑیوں کے کھالینے کی طرف بہانہ کیا گیا تھا۔

وز حسد گیرد ترا در رہ گلو
وز حسد ابلیس را باشد غلو

حسد ہی کے سبب ابلیس تیری گردن راہِ حق سے ہٹانے کے لیے پکڑتا ہے اور حسد ہی سے ابلیس حد سے متجاوز ہوتا ہے۔

کو ز آدم ننگ دارد از حسد
باسعادت جنگ دارد از حسد

حسد ہی کے سبب ابلیس سیدنا آدم علیہ السلام کی تعظیم سے شرم و عار محسوس کرتا تھا اور حسد ہی کے سبب سعادت سے اسے عداوت ہے۔

آں ابوجہل از محمد ننگ داشت
وز حسد خود را بہ بالا می فراشت

اس ابوجہل نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت سے ننگ و عار محسوس کیا اور خود کو حسد ہی کے سبب بالاتر محسوس کیا۔

بوالحکم نامش بد و بوجہل شد
اے بسا اہل از حسد نا اہل شد

اس کا ابوالحکم نام تھا مگر حسد کے سبب اس کا نام ابوجہل ہوا۔ اے لوگو! بہت سے اہل، حسد کے سبب نااہل قرار دیے گئے۔

ہر کرا باشد مزاج و طبع سست
او نخواہد ہیچ کس را تندرست

جس شخص کا مزاج فاسد اور طبیعت بیمار ہوتی ہے وہ کسی کی تندرستی پسند نہیں کرتا۔ یہاں بیماری سے مراد روحانی بیماری ہے۔

ہر کرا دید او کمال از چپ و راست
از حسد قولنجش آمد درد خواست

حاسد جس کا کمال گرد و پیش سے دیکھتا ہے تو حسد سے اسے دردِ قولنج شروع ہو جاتا ہے۔

ہیں کمالے دست آور تا تو ہم
از کمالے دیگراں نافتی بغم

ہاں اے حاسد! تو بھی کوئی کمال حاصل کر لے تاکہ دوسروں کے کسی کمال سے تو غم میں نہ مبتلا ہو۔

ہاں دہاں ترکِ حسد کن با شہاں
ورنہ ابلیسے شوی اندر جہاں

خبردار! خبردار! حسد کو اللہ والوں سے ترک کرو ورنہ دنیا میں مثلِ ابلیس کے ذلیل اور رحمتِ حق سے دور ہو جاؤ گے۔

از خدا می خواہ دفعِ ایں حسد
تا خدایت وارہاند از حسد

خدا ہی سے اس حسد سے نجات طلب کرتا کہ تجھے حق تعالیٰ شانہٗ اس حسد سے خلاصی عطا فرمائیں۔

پرِّ طاؤست مبیں وپائے بیں
تاکہ سوء العین نکشاید بکیں

اپنے پرِ طاؤسی کو مت دیکھو بلکہ اپنا پیر دیکھ تا کہ آنکھ کی بیماری (عجب و حسد) اللہ والوں سے تیرے دل میں کینہ نہ پیدا کرے یعنی جس طرح بقولِ مشہور طاؤس اپنے پروں کے حسن سے مست و بے خود رہتا ہے اور جب اپنے پیر کی سیاہی دیکھتا ہے تو شرمندہ ہو جاتا ہے۔ اسی طرح تم اپنی صفاتِ حسنہ پر نظر نہ کرو اور ان کو عطائے حق سمجھ کر شکر ادا کرو اور اپنی برائیوں پر نظر ڈال کر اپنی نگاہ میں اپنے کو حقیر اور ذلیل سمجھو اور نگاہِ خلق میں ذلیل ہونے سے پناہ مانگتے رہو کہ پردۂ ستاریت کہیں نحوستِ اعمال سے اٹھ نہ جائے۔

خاک شو مردانِ حق را زیر پا
خاک بر سر کن حسد را ہمچو ما

اللہ والوں کے پیروں کے نیچے خاک بن جاؤ اور اپنے حسد کے سر پر خاک ڈالو ہماری طرح یعنی خود بینی اور خود رائی ترک کرکے کسی کامل کا دامن پکڑلو اور اپنے کو اس رائے پر اس طرح ڈال دو جس طرح مردہ فی ید الغسّال ہوتا ہے (غسال معنیٰ نہلانے والا)

خشم و غصہ

ترکِ خشم و شہوت و حرص آوری
ہست مردی و رگِ پیغمبری

غصہ و شہوت اور حرص کا ترک کرنا مردانِ حق کا شیوہ ہے اور پیغمبرانہ سنت ہے۔

خشم و شہوت مرد را احول کند
ز استقامت روح را مبدل کند

غصہ اور شہوت مرد کو احول (احول وہ بیماری جس میں ایک چیز دو دو کھائی دیتی ہے) کرتا ہے اور روح کو استقامت سے ہٹا دیتا ہے۔

گفت عیسیٰ را یکے ہشیار سر
چیست در ہستی ز جملہ صعب تر

کسی عاقل نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے دریافت کیا کہ زندگی کے لیے سب سے مشکل امر کیا ہے۔

گفتش اے جاں صعبتر خشمِ خدا
کہ ازاں دوزخ ہمی لرزد چو ما

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: اے جان! سب سے مشکل تر خدا کا غصہ ہے کہ اس سے دوزخ بھی ہماری طرح لرزتا ہے۔

گفت زاں خشمِ خدا چہ بود اماں
گفت ترکِ خشمِ خویش اندر زماں

اس عاقل نے کہا کہ خدا کے غصّے سے امان و حفاظت کی کیا تدبیر ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اپنے غصے کو پی جانا اور اس کو مخلوقِ خدا پر نافذ نہ کرنا۔

فائدہ: ترکِ غصہ سے مراد یہاں وہ غصہ ہے جو اپنے نفس اور اپنے حقوق کے لیے ہو لیکن دین کے لیے کسی شیخِ کامل کی صحبت ضروری ہے۔ ورنہ اہلِ علم بھی نفسانی غصّے میں مبتلا ہو سکتے ہیں۔ واضح رہے کہ عمل کے لیے علمِ محض کافی نہیں ہوتا۔ صحبتِ اہل اللہ بھی ضروری ہے۔

ظلم

اے کہ تو از جاہ ظلمے می کنی
از برائے خویش چاہے می کنی

اے مخاطب! تو جاہ اور حکومت کے سبب مخلوقِ خدا پر ظلم کرتا ہے اور اپنے لیے عذاب و رسوائی کا کنواں کھودتا ہے۔

چاہِ مظلم گشت ظلمِ ظالماں
اینچنیں گفتند جملہ عالماں

ظالموں کا ظلم خود ظالم کے لیے تاریک کنواں بن جاتا ہے اسی طرح علمائے دین فرماتے ہیں۔

گر ضعیفے در زمیں خواہد اماں

غلغل افتد در سپاہِ آسماں

اگر کمزور مظلوم ظلم سے تنگ آکر زمین میں امان تلاش کرتا ہے تو آسمان پر ملائک میں غلغلہ مچ جاتا ہے۔غلبۂ ترحم و درد سے۔

گر بنالد آسماں گریاں شود

ور بگرید چرخ یارب خواں شود

اگر مظلوم آہ و نالہ کرتا ہے تو آسمان بھی اس کے ساتھ روتا ہے اور اگر مظلوم روتا ہے تو آسمان بھی اس کی مدد کے لیے حق تعالیٰ سے فریاد کرتا ہے۔

تا دلِ مردِ خدا نامد بدرد

ہیچ قومے را خدا رسوا نہ کرد

جب تک کسی قوم نے کسی اللہ والے کا دل نہیں دکھایا اس وقت تک حق تعالیٰ نے اس قوم کو رسوا نہیں کیا۔

جاہ و منصب و طلبِ شہرت

مال و منصب تا کسے آرد بدست

طالبِ رسوائے خویشِ او شدست

جو شخص مال اور منصب کا حریص اور طالب ہوتا ہے تو وہ دراصل اپنی رسوائی کا طالب ہوتا ہے۔

فائدہ: مگر حق تعالیٰ بدون طلب اگر کسی کو منصبِ ارشاد پر فائز فرماتے ہیں تو خود ہی اس کو اپنی خصوصی حفاظت میں رکھتے ہیں۔

یا کند بخل و عطاہا کم دہد

یا سخا آرد بہ ناموضع نہد

ایسا شخص یا تو بخل کرے گا اور بخشش مخلوق پر نہ کرے گا یا اگر سخاوت کرے گا بھی تو بے موقع اور نااہل پر کرے گا۔

سروری را کم طلب درویش بہہ
بارِ خود بر کس منہ بر خویش نہ

سرداری مت طلب کرو اور فقیرانہ سادھی زندگی اختیار کرو، اپنا بوجھ کسی پر رکھنے کے بجائے اپنے ہی اوپر رکھو یعنی اپنے کاموں کو خادموں سے لینے کے بجائے خود کرنے کی عادت ڈالو۔

اشتہارِ خلق بندِ محکم ست
بندِ ایں از بندِ آہن کے کم ست

مخلوق میں مشہور ہو جانا یہ سخت تر قید ہے اور یہ قید، قیدِ آہنی سے کم نہیں ہے۔

فائدہ: یعنی شہرت کو اپنی طرف سے طلب نہ کرے مگر جب حق تعالیٰ کسی بندے پر اسمِ ظاہر کی تجلّی فرماتے ہیں تو اس کو مشہور کر دیتے ہیں۔ اور اس سے خلق کو استفادہ کرنے کا موقع ملتا ہے۔

میں تو نام ونشاں مٹا بیٹھا
میرا شہرہ اڑادیا کس نے

دانہ باشی مرغگانت بر چنند
غنچہ باشی کودکانت بر کنند

دانے کی طرح زمین پر ظاہر ہو گا تو چڑیاں چگ لیں گی اور اگر کلی کی طرح اپنے کو شاخوں سے ظاہر کرے گا تو لڑکے تجھے تماشا بنائیں گے اور اچک لیں گے۔

او چو بیند خلق را سرمستِ خویش
در تکبر می رود از دستِ خویش

جب ہر طرف سے خلق کو اپنا دیوانہ و مست دیکھتا ہے تو تکبر کے فتنے میں مبتلا ہو کر اپنے ہاتھ سے بھی بے قابو ہو جاتا ہے۔

لطف و سالوسِ جہاں خوش لقمہ ایست

کمترش خورکاں پُر آتش لقمہ ایست

نفس کو دنیا والوں کی تعریف اور خوشامد بہترین لقمہ معلوم ہوتا ہے، ایسے لقمے کو مت کھاؤ کہ یہ لقمہ آگ ہی سے پُر ہے یعنی تکبر میں مبتلا کرکے دوزخ تک لے جاوے گا۔

آدمی فربہ شود از راہِ گوش

جانور فربہ شود از حلق و نوش

انسان (تعریف سن کر) کان کے راستے موٹا ہوتا ہے اور جانور بھوسہ کھلی سے موٹا ہوتا ہے۔

نفس از بس مدحہا فرعون شد

کُنْ ذَلِیْلَ النَّفْسِ هَوْنًا لَا تَسُدْ

نفس زیادہ تعریف سن کر فرعون ہوجاتا ہے اس لیے اپنے کو مٹا کر رہو اور سرداری مت تلاش کرو۔

طلبِ دنیا

انبیارا کارِ عقبیٰ اختیار

جاہلاں را کارِ دنیا اختیار

انبیاء علیہم السلام نے آخرت کا کام اختیار کیا اور دنیا کو آخرت کے تابع رکھا اور جاہلوں نے کارِ دنیا اختیار کیا اور آخرت کو پسِ پشت ڈال دیا۔

گر بہ بینی میلِ خود سوئے سما

پرِّ دولت برکشا ہمچو ہُما

اگر اپنے قلب میں حق تعالیٰ کی طرف رجحان و میلان محسوس کرو تو حق تعالیٰ کے اس جذبِ خفی کا شکر ادا کرو اور اپنے دل کے پروں کو سیر الی اللہ کے لیے کشادہ کرلو مثل ہما کے۔

ہُما کی تشبیہ محض عظمتِ شان کے لیے ہے کہ دنیا میں تمام طائروں میں افضل اور مبارک مشہور ہے اور سالکین کی ارواح بھی سیر الی اللہ کی نسبت سے دیگر ارواح کے مقابلے میں اشرف اور افضل اور مبارک ہوتی ہیں۔

خلق اطفالند جز مستِ خدا
نیست بالغ جز رہیدہ از ہوا

مخلوقِ خدا سب اطفال ہیں سوائے عاشقانِ خدا کے اور کوئی شخص بالغ نہیں بجز ان خاصانِ حق کے جو خواہشاتِ نفسانیہ کو تابعِ شریعتِ الٰہیہ کر چکے ہیں۔

ہر چہ از وے شاد گردی در جہاں
از فراقِ آں بیندیش ایں زماں

آج جو چیزیں تجھے مسرور کر رہی ہیں ان کی جدائی کو اسی وقت سوچنا چاہیے کہ یہ چیزیں ہم سے جدا ہونے والی ہیں۔

كَمَا قَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ: اَحْبِبْ مَنْ شِئْتَ فَاِنَّكَ مُفَارِقُهٗ[56]

اے شخص! جس سے تو چاہے دنیا میں دل لگالے اور محبت کرلے مگر تجھے یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ تو اس سے ایک دن جدا ہوگا یا وہ تجھے ایک دن چھوڑدے گی، باب مفارقت جانبین کی طرف سے جدائی کو ثابت کرتا ہے یعنی یا تو محبّ پہلے مرے گا یا محبوب پہلے مرے گا اور دونوں صورتوں میں جدائی لازم ہے۔ پس نتیجہ یہ نکلا کہ۔ عشق را با حیّ و با قیوم دار ؎

ایں جہاں زنداں و ما زندانیاں
حفرہ کن زندانِ خود را وا رہاں

یہ جہاں قید خانہ ہے اور ہم سب قیدی ہیں، قید خانے سے کوئی راہ پیدا کر اور خلاصی حاصل کر اور راہ سے مراد سیر الی اللہ اور تعلق مع اللہ ہے اور ظاہر ہے کہ ایک قیدی

---

[56] شعب الایمان للبیھقی: ۱۳/۱۲۵-۱۲۶، (۱۰۰۵۸)، مکتبۃ الرشد

دوسرے قیدی کو رہا نہیں کرا سکتا ہے۔ اس لیے ایسے کاملین کی صحبت تلاش کرلو جن کے اجسام تو دنیا کے قید خانے میں ہیں مگر ان کی روحیں عالمِ بالا سے تعلق رکھتی ہیں اور وہ اپنی روحانی طاقت سے دوسری روحوں کو بھی علائقِ دنیا سے چھڑا لیتے ہیں۔

کے دہد زندانیے در اقتناص
مردِ زندانیے دیگر را خلاص

ایک قیدی دوسرے قیدی کو کب رہا کرا سکتا ہے قید خانے سے۔ اقتناص معنٰی شکار کرنا و کسب کرنا (غیاث اللغات)۔

جز مگر نادر یکے فردانیے
تن بزنداں روحِ او کیوانیے

ہاں مگر وہ نادر ہستی جس کا جسم تو دنیا میں ہو لیکن اس کی روح تعلق مع اللہ کے اعلٰی مقام پر فائز ہو وہ دوسرے گرفتارِ دنیا کو دنیا سے آزاد کرا سکتی ہے۔

مرغِ کو اندر قفص زندانی ست
می نجوید رستن از نادانی ست

جو چڑیا قفس میں قید ہو اور خلاصی نہ ڈھونڈے تو یہ اس کی نادانی ہے ؎

بیٹھے گا چین سے اگر کام کے کیا رہیں گے پر
گو نہ نکل سکے مگر پنجرے میں پھڑ پھڑائے جا

زر بہ از جانست پیشِ ابلہاں
زر نثارِ جاں بود پیشِ شہاں

اللہ والوں کی جانوں پر تو دولت خود نثار ہوتی ہے اور اہلِ دنیا اپنی جانوں کو دولت پر قربان کرتے ہیں۔

ترکِ دنیا ہر کہ کرد از زہدِ خویش
بیش آمد پیشِ او دنیا و بیش

جو شخص اللہ کے لیے دنیا کے مقابلے میں آخرت کو ترجیح دیتا ہے اس کے قدموں پر دنیا پہلے سے بھی زیادہ گرتی ہے۔

چیست دنیا از خدا غافل بُدن
نے قماش و نقرہ و فرزند و زن

دنیا کیا ہے؟ خدا سے غفلت کا نام دنیا ہے نہ کہ سونا چاندی اور اولاد بیوی کا نام دنیا ہے یعنی ان تعلقات میں رہتے ہوئے حق تعالیٰ کے تعلق کو اگر غالب رکھے تو یہ دنیا نہیں بلکہ دین ہے۔

آب در کشتی ہلاکِ کشتی ست
آب اندر زیرِ کشتی پشتی ست

مولانا دنیا کے استعمال کا طریقہ بیان فرماتے ہیں کہ جس طرح کشتی کی روانی کے لیے پانی ضروری ہے اسی طرح ہماری حیات کے لیے دنیا ضروری ہے لیکن کشتی کے اندر اگر پانی داخل ہو جاوے تو یہی پانی کشتی کی ہلاکت کا سبب بھی ہو جاتا ہے۔ اسی طرح دنیا اگر آخرت کے مقابلے میں مغلوب رہے اور دل کے باہر رہے تو آخرت کے لیے مُعین ہے لیکن اگر دل میں گھس جاوے اور آخرت پر غالب ہو جاوے تو ہماری ہلاکت کا سبب بن جاتی ہے۔ بس اس کا صحیح استعمال ضروری ہے، جو کچھ مدت کسی صاحبِ ہمت مردِ کامل اللہ والے کی صحبت میں رہ کر ہی حاصل ہو سکتا ہے۔

مال را گر بہرِ دیں باشی حمول
نعم مال صالح گفت آں رسول

مال کو اگر حق تعالیٰ کی مرضیات میں صرف کرنے کے لیے اور ان کی رضا جوئی کے لیے کسب کیا تو ایسے مال کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے **نعم المال** فرمایا ہے۔ یعنی ؎

اگر دارد برائے دوست دارد

دنیا رکھے تو اللہ ہی کی رضا کے لیے رکھے نہ کہ محض اپنے تعیش و تن پروری کے لیے ہو۔

ظہورِ قدرت در معجزات

ایں جہاں محدود آں خود بے حدست
نقش و صورت پیشِ آں معنیٰ سدست

یہ جہاں محدود ہے اور وہ جہاں غیر محدود ہے مگر اس جہاں کے نقش و نگار اس عالم کے آگے دیوار کی طرح حائل ہیں جو اس کی طرف متوجہ نہیں ہونے دیتے۔

صد ہزاراں نیزۂ فرعون را
در شکست آں موسیٰ با یک عصا

وہ وزیر تو کیا چیز تھا فرعون کے لاکھوں نیزے اس ایک لاٹھی والے پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے توڑ ڈالے یعنی اس کی طاقت تباہ کر دی۔

صد ہزاراں طِبِّ جالینوس بود
پیشِ عیسیٰ و دمش افسوس بود

اور جالینوس کی لاکھوں طباعتیں تھیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی پھونک کے آگے ایک کھیل ثابت ہوئیں۔

صد ہزاراں دفترِ اشعار بود
پیشِ حرفِ امیّے اش عار بود

اور عربی شاعری کے لاکھوں دفتر تھے جن پر فخر کیا جاتا تھا۔ مگر اللہ کے ایک اُمّی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے سنائے ہوئے کلام اللہ کے آگے موجبِ عار تھے۔

تعلیمِ فنائیت

با چناں غالب خداوندے کسے
چو نمیرد گر نبا شد او خسے

اگر کوئی شخص کمینہ اور کوتاہ اندیش نہ ہو تو ایسے غالب خداوند کے آگے کیوں نہ اپنے کو فنا سمجھے۔

بس دلے چوں کوہ راانگیخت او
مرغِ زیرک با دو پا آویخت او

اس نے بہتیرے پہاڑ کے سے مضبوط وقوی دلوں کو اکھیڑ دیا ہے چالاک پرندے کو دوپاؤں سے الٹالٹکادیاہے۔

فہم وخاطر تیز کردن نیست راہ
جز شکستہ می نہ گیرد فضل شاہ

فہم و عقل کے گھوڑے دوڑانایاقوتِ استدلال کو ترقی دینا حق تعالیٰ تک پہنچنے کی راہ نہیں، یہاں تو عجز و شکستگی کی ضرورت ہے کہ خدا کا فضل عاجزوں کے سوا کسی کی دستگیری نہیں کرتا۔

ترغیب بسوئے آخرت

گاؤ کہ بود تا تو ریشِ او شوی
خاک کہ بود تا حشیشِ او شوی

بھلا بیل بھی کوئی چیز ہے کہ تو اس کی داڑھی بنے۔ مٹی بھی کچھ حقیقت رکھتی ہے کہ تو اس کی گھاس بنے۔

زر و نقرہ چیست تا مفتوں شوی
چیست صورت تا چنیں مجنوں شوی

سوناچاندی کیامال ہے کہ تو اس کا دلدادہ ہو اور عالمِ صورت یعنی دنیا کی کیا حقیقت ہے کہ تو اس پر اس قدر فریفتہ ہو۔

ایں سرا و باغِ تو زندانِ تست
ملک و مالِ تو بلائے جانِ تست

یہ تیرے محل اور باغ تیرا قید خانہ ہیں، تیرا ملک ومال تیرے لیے بلائے جان ہے۔

روح می پرد سوئے عرشِ بریں
سوئے آب و گل شدی در اسفلیں

تیری روح عرشِ بریں کی طرف پرواز کرنا چاہتی ہے اور تو آب و گل کی طرف یعنی تنزل اور بُعد عن الحق کے گڑھے میں گرا پڑتا ہے۔

اسپِ ہمت سوئے آخر تاختی
آدمِ مسجود را نشناختی

تو نے اپنی ہمت کا گھوڑا چراگاہِ لذات کی طرف دوڑایا اور اپنے باپ آدم علیہ السلام کی منزلت کو نہ پہچانا جن کے آگے فرشتے سربسجود ہو چکے ہیں۔

لغت: آخر مخفف آخور جانوروں کے چرنے کی جگہ۔

آخر آدم زادۂ اے ناخلف
چند پنداری تو پستی را شرف

اے ناخلف! آخر تو حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہے کہاں تک تحصیلِ دنیا کی پستی کو بزرگی سمجھتا رہے گا۔

ذکرِ حق

یادِ او سرمایۂ ایماں بود
ہر گدا از یادِ او سلطاں بود

یادِ حق آمد غذا ایں روح را
مرہم آمد ایں دل مجروح را

نامِ او چو بر زبانم می رود
ہر بنِ مو از عسل جوئے شود

اوپر کے پہلے دو شعر مولانا رومی کے ہیں تیسرا شعر حضرت مفتی الٰہی بخش صاحب

کاندھلوی خاتمِ مثنوی کا ہے۔ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے پیشین گوئی فرمائی تھی کہ میرے بعد ایک نورِ جان پیدا ہوگا جو میری مثنوی کا بقیہ حصہ پورا کرے گا۔ فرماتے ہیں:

ہست باقی شرحِ ایں لیکن دروں
بستہ شد دیگر نمی آید بروں

باقی ایں گفتہ آید در زباں
در دلِ آنکس کہ دارد نورِ جاں

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے ان دونوں اشعار میں حضرت مولانا الٰہی بخش صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق جو پیشین گوئی فرمائی تھی اس کا ظہور پانچ سو برس کے بعد ہوا کیوں کہ مولانا رومی ساتویں صدی کے ہیں اور حضرت مفتی صاحب خاتم مثنوی بارہویں صدی کے ہیں۔

یادِ او سرمایۂ ایماں بود
ہر گدا از یادِ او سلطاں بود

مولانا رومی فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ شانہٗ کی یاد ہی ایمان کا کل سرمایہ ہے یعنی حاصلِ ایمان ہے اور ان کی یاد میں ایسی لذت ہے کہ ہر گدا ان کی یاد کی برکت سے بادشاہ بلکہ رشکِ سلاطین ہو جاتا ہے۔

جو ان کی یاد میں بیٹھے سب سے بے غرض ہو کر
تو اپنا بوریا بھی پھر ہمیں تختِ سلیماں تھا

جس وقت بندہ کسی چٹائی پر اپنے اللہ کا نامِ پاک لیتا ہے تو اس وقت اس کی وہ چٹائی یا بوریا بادشاہوں کے تخت کے لیے قابلِ رشک ہے۔

اگر اک تو نہیں میرا تو کوئی شے نہیں میری
جو تو میرا تو سب میرا فلک میرا زمیں میری

تمنا ہے کہ اب ایسی جگہ کوئی کہیں ہوتی
اکیلے بیٹھے رہتے یاد ان کی دلنشیں ہوتی

بلکہ دنیا کے سلاطین تو افکارِ دنیویہ سے غمگین رہتے ہیں اور غلبۂ فکر سے جب ان کو نیند نہیں آتی تو قصہ گو مقرر کیے جاتے ہیں تاکہ قصے سن کر نیند آجائے۔ اس کے برعکس اللہ والوں کی سلطانیت عجیب اطمینان اور بے فکری کی ہوتی ہے۔

حضرت سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ؎

بسودائے جاناں ز جاں مشتغل
بذکرِ حبیب از جہاں مشتغل

بیادِ حق از خلق بگریختہ
چناں مست ساقی کہ مے ریختہ

اللہ تعالیٰ کے عاشق بندے محبوبِ حقیقی کے عشق میں اپنی جان سے بھی بے پرواہیں اور ذکرِ محبوب کی لذت نے ان کو دنیا کے تمام مشاغل سے مستغنی کر دیا ہے، یادِ حق میں خلق سے کنارہ کش ہیں تاکہ تعلقاتِ غیر ضروریہ سے ذکرِ حق میں خلل واقع نہ ہو اور حق تعالیٰ کی یاد سے ایسے مست اور بے خود ہیں کہ غیرِ حق سے بالکل التفات باقی نہ رہا، اگرچہ وہ مباح الاصل ہی کیوں نہ ہوں یا کسی درجۂ مرجوحہ میں مستحسن ہی کیوں نہ ہوں لیکن ان امور کی طرف ان عاشقین کو بالکل التفات نہیں رہا، کیوں کہ دست بوسی شاہ کے میسر ہوتے ہوئے پابوسی شاہ کی طرف التفات قربِ اعلیٰ سے قربِ ادنیٰ کی طرف نزول کے مترادف ہے۔

یادِ حق آمد غذا ایں روح را
مرہم آمد ایں دل مجروح را

مولانا فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ کی یاد روحِ انسانی کی اصل غذا ہے اور قلبِ مجروح یعنی عشقِ حق سے زخمی دل کے لیے یادِ حق بمنزلۂ مرہم ہے، کیوں کہ عاشق کو اپنے محبوب کے ذکر ہی سے سکون ملتا ہے۔ بات یہ ہے کہ انسان کو حق تعالیٰ نے اپنی ذاتِ پاک کا خلقۃً وفطرۃً عاشق پیدا فرمایا ہے یعنی ہر انسان مرتبۂ فطرۃِ انسانیت میں عاشقِ حق ہے۔ حق تعالیٰ نے اس دعویٰ پر ایک دلیلِ مثبت قرآنِ پاک میں ارشاد فرمائی ہے۔ فرماتے ہیں:

اَلَا بِذِکۡرِ اللّٰہِ تَطۡمَئِنُّ الۡقُلُوۡبُ

اے ہمارے بندو! خوب کان کھول کر سن لو کہ تمہارے سینوں میں جو قلوب رکھے گئے ہیں ان کو سکون اور چین صرف ہماری یاد ہی سے مل سکتا ہے۔ ہم تمہارے اور تمہارے قلوب کے خالق ہیں۔ ہم نے تمہارے سینوں میں ایک ایسا مضغۂ لحمیہ یعنی گوشت کا ٹکڑا رکھ دیا ہے جس کی غذا صرف میری یاد ہے۔ رہی یہ بات کہ پھر اہلِ سلطنت اور اہلِ دولت خدا تعالیٰ کی یاد سے غافل ہونے کے باوجود خوش و خرم کیوں نظر آتے ہیں تو درحقیقت ان کی یہ خوشی ہماری ظاہری آنکھوں سے معلوم ہوتی ہے، ان کے دلوں کو اگر ٹٹولا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ ہرگز مطمئن اور چین سے نہیں ہیں۔ نیز یہ کہ فسق و فجور کی گندگی سے ان کے دل بیمار ہوتے ہیں، قلبِ سلیم کی غذا صرف ذکرِ حق ہے۔ بیمار قلب کا تو احساس بھی غلط ہوتا ہے، اس کی مثال ایسی ہے کہ ہم آپ اگر پائخانہ کا ٹوکرا دیکھ لیں یا سونگھ لیں تو فوراً متلی و قے بلکہ بے ہوشی تک لاحق ہونے کا امکان ہوتا ہے لیکن بھنگی رات دن پائخانہ کے پاس رہتا ہے، اس کے باوجود اس کی بدبو سے اس کے احساس کو کوئی تکلیف نہیں ہوتی۔ پس معلوم ہوا کہ اس بھنگی کا احساسِ سلیم پائخانے کی گندگی سے رفتہ رفتہ زائل ہوگیا۔ اب آپ چاہیں تو تجربے کے طور پر اس امر کو آزمالیں کہ دنیائے مردار کی لذات میں رات دن غرق رہنے والے کسی انسان کو چند دن کے لیے کسی اللہ والے کی صحبت میں رکھیں اور یہ شخص حق تعالیٰ کی یاد میں لگ جائے پس رفتہ رفتہ اس کا وہ سابق فطری اور طبعی مذاق اس کے قلب میں بیدار ہونا شروع ہوجائے گا اور ان شاء اللہ ثم ان شاء اللہ ایک دن ضرور ایسا آئے گا کہ اسی شخص کو اب ذکر چھوڑ کر مشاغلِ دنیوی میں لگنا بہت مشکل اور دوبھر ہوجائے گا، اب اس کے شب و روز غفلت میں نہیں گزر سکتے۔ شب و روز کیا معنیٰ ایک لمحہ اور ایک سانس غفلت میں گزارنا اس کو موت سے بدتر نظر آئے گا۔ ہر وقت ایک کیفیتِ حضوری اس کے قلب کو میسر ہوگی، گویا دل ہر وقت اللہ کو دیکھ رہا ہے، اس کرّوفر قرب کے سامنے بھلا پھر دنیائے فانی کی لذتوں کی طرف اس کا قلب کب رجوع کرسکتا ہے؟ اس وقت اس کو تمام مجموعۂ لذاتِ کائنات مردار نظر آئے گا اور اللہ کی یاد کی برکت سے ایسی سلطنت قلب کو ملے گی کہ اس کے

سامنے سلطنت ہفت اقلیم ہیچ نظر آئے گی۔ یہی وجہ ہے کہ بعض سلاطین کو جب ذکر کا مزہ مل گیا تو آدھی رات کو چپکے سے گُدڑی اوڑھی اور جنگل میں نکل گئے۔

آں دم کہ دل بعشق دہی خوش دمے بود
درکارِ خیر حاجتِ ہیچ استخارہ نیست

چوں کہ زد عشقِ حقیقی بر دلش
سرد شد ملک و عیال و منزلش

نیم شب دلقے بپوشید و برفت
از میانِ مملکت بگریخت تفت

ترجمہ: جب عشقِ حقیقی نے اس بادشاہ کے دل پر اثر کیا تو اس پر ملک اور محلِّ شاہی اور اولاد کا لطف سرد پڑ گیا پس آدھی رات کو اٹھا، گدڑی اوڑھی اور اپنی سلطنت سے باہر نکل گیا اور بزبانِ حال کہا۔

ترے تصور میں جانِ عالم مجھے یہ راحت پہنچ رہی ہے
کہ جیسے مجھ تک نزول کرکے بہارِ جنت پہنچ رہی ہے
(احسنؔ)

نامِ او چو بر زبانم می رود
ہر بنِ مو از عسل جوئے شود

خاتمِ مثنوی مولانا کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب حق تعالیٰ کا نامِ پاک زبان پر جاری ہوتا ہے تو میاں کے نام کی مٹھاس اور شیرینی ایسی محسوس ہوتی ہے گویا میرے جسم کے ہر بال کے سوراخ سے شہد کی نہریں جاری ہوگئیں۔ اس لطف کی وجہ حق تعالیٰ کا وہی احسان و کرم ہے کہ بوقتِ آفرینش ہمارے خمیر میں اپنی محبت و طلب و پیاس کی تخم ریزی فرمادی تھی یعنی ہمارے جسمِ خاکی میں ایک مضغۂ دل رکھ دیا جس کی اصل غذا صرف اپنی یاد مقرر فرمادی ہے۔

نہ کبھی تھے بادہ پرست ہم نہ ہمیں یہ شوقِ شراب ہے

لبِ یار چوسے تھے خواب میں وہی ذوقِ مستیٔ خواب ہے

حتیٰ کہ ذکر کی لذت ذاکر کو راہِ حق میں اپنی جان دینا بھی آسان کر دیتی ہے۔ مولانا فرماتے ہیں:

ھٰکذا مردِ مجاہد ناں دہد

چوں بروزد نورِ طاعت جاں دہد

یعنی بندہ پہلے نان سے پیدا شدہ قوتوں کو اللہ کی نافرمانیوں میں خرچ کرنے کے بجائے اللہ کی اطاعت و فرماں برداری کے راستے میں خرچ کرنے کی مشقت کرتا ہے، نان سے پیدا شدہ قوتیں جب اس نے اللہ کے راستے میں دیں تو گویا اس نے روٹی ہی اللہ کے راستے میں دے دی۔ اس مسلسل مجاہدے سے انوارِ ذکر و طاعت میں اضافہ ہوتا رہتا ہے حتیٰ کہ یہ انوار جب اس پر پورا اثر کر دیتے ہیں تو غلبۂ محبت میں مردِ مجاہد اپنی جان بھی اللہ کے راستے میں قربان کر دیتا ہے۔

ان تین اشعارِ مثنوی کو احقر کی اردو مثنوی میں ملاحظہ فرمائیے۔

یادِ حق سرمایۂ ایمان ہے

یادِ حق سے ہر گدا سلطان ہے

یادِ حق ہی ہے غذا اس روح کی

اور مرہم ہے دلِ مجروح کی

ہے زباں پر ان کا نامِ ذو الجلال

شہد کی نہریں ہیں میرے بال بال

پروازِ روحِ عارف مع اتصالِ جسدِ خاکی بسوئے محبوبِ حقیقی

جاں مجرد گشتہ از غوغائے تن

می پرد با پرِّ دل بے پائے تن

ایک زمانہ مجاہدہ و صحبتِ پیرِ کامل کے بعد عارف کی روح اس جسدِ خاکی کے ہنگاموں (خواہشاتِ نفسانیہ) سے آزاد ہوکر حق تعالیٰ کی طرف اڑتی رہتی ہے یعنی حضورِ تام واستحضارِ تام کے فیوض وانوار میں عارف کی روح دل کے پیر سے (نہ کہ جسم کے پیر سے) مسافتِ سیر الی الحق سے مسافتِ سیر فی الحق قطع کرتی ہے۔ پس ہر لحظہ روحِ عارف کو صفاتِ الٰہیہ کی تفصیلی سیر عطائے حق سے نصیب ہوتی ہے۔

کما قال حضرت رومی رحمۃ اللہ علیہ فی مقامٍ آخر ؎

سیر زاہد ہر مہے یک روزہ راہ
سیر عارف ہر دمے تا تختِ شاہ

زاہد ایک ماہ میں ایک دن کی مسافت طے کرتا ہے اور روحِ عارف باللہ ہر سانس میں باعتبارِ سیر باپرِ دل بے پائے تن تختِ محبوبِ حقیقی تک اڑتی رہتی ہے۔ (من فیوضِ مرشدی)

مردِ خفتہ روحِ او چوں آفتاب
در فلک تاباں و در تن جامہ خواب

انسان سویا رہتا ہے اور اس کی روح مثلِ آفتاب کے فلک پر تاباں رہتی ہے۔ چناں چہ بحالتِ خواب یہ مسیرۃِ روحِ عارف اگر مشرف بالولایت ہے تو القاء والہام ورویائے صالحہ سے فائز ہوجاتی ہے اور جسم کے اندر یہی روح باعتبارِ تصرف فی الجسد کے جامۂ خواب میں ہوتی ہے یعنی خفتہ انسان بظاہر بالکل بے حس وحرکت ہوتا ہے۔

اتصالے بے تکیف بے قیاس
ہست رب الناس را با جانِ ناس

ارواحِ انسانیہ کا حق تعالیٰ سے اتصال بے تکیف اور بے قیاس ہے یعنی اس اتصال کا عقولِ انسانی ادراک نہیں کرسکتی ہیں۔ کیوں کہ مخلوق کی صفاتِ محدودہ کے لیے خالق کی صفاتِ غیر محدودہ کا احاطہ محال ہے۔

ظلِّ او اندر زمیں چوں کوہِ قاف
روحِ او سیمرغ بس عالی طواف

عارف کا جسم زمین پر مثل کوہِ قاف کے ہے یعنی باعتبار اپنے حسنِ اخلاق صبر و حلم و کرم کے استقامت کا پہاڑ ہے اور اس کی روح مرتبۂ حضور مع الحق میں مثل سیمرغ کے عالی طواف ہے (من فیوضِ مرشدی رحمۃ اللہ علیہ)

ان اشعار کی مثنوی اردو ؎

جاں مجرد ہو کے از غوغائے تن
پرِّ دل سے اڑتی ہے بے پائے تن

روحِ مردِ خفتہ مثلِ آفتاب
ہے فلک پر ضو فگن در تن بخواب

روحِ انسانی کو رب الناس سے
بے تکیّف قرب ہے ہر سانس سے

جسمِ عارف ہے زمیں پر کوہِ قاف
جان اس کی عرش پر عالی طواف

اصلاحِ علمائے بے عمل

صد ہزاراں فضل دارد از علوم
جانِ خود را می نداند ایں ظلوم

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ علمائے ظاہر سینکڑوں اور ہزاروں علوم وفنون اپنے سینوں میں رکھتے ہیں لیکن ان علوم کی اصلی روح یعنی تعلق مع اللہ اور محبتِ الٰہیہ اپنی جانوں میں حاصل کرنے کا یہ ظالم اہتمام نہیں کرتے۔

جانِ جملہ علمہا ایں است و ایں
کہ بدانی من کئیم در یومِ دیں

یاد رکھو کہ تمام علوم کی روح صرف یہ ہے کہ تم یہ جان لو کہ کل قیامت کے دن ہم کس بھاؤ میں خریدے جائیں گے یعنی اگر اخلاص قلب میں نہ ہوا اور مخلوق میں ہاتھ پیر اس وقت چومے جارہے ہیں تو قیامت کے دن یہ مقبولیت بین الخلق سود مند نہ ہوگی۔

علم نبود الّا علمِ عاشقی
مابقی تلبیسِ ابلیسِ شقی

علمِ حقیقی صرف اللہ سے قوی رابطہ قائم کرنا ہے اور اگر یہ دولت حاصل نہ ہوئی تو پھر یہ علم ابلیسِ لعین کا دھوکا و فریب ہے یعنی جس طرح ابلیس باوجود علمِ تمام علوم شریعتِ امتِ موجودہ و امم سابقہ کے مردود ہے اسی طرح وہ علومِ محضہ جو مقرون بالعمل نہ ہوں اور تعلق مع اللہ ان سے حاصل نہ ہو تو ان پر ناز و پندار و قناعت سخت دھوکا ہے۔ علمِ مقبول کی لازمی صفت خشیتِ الٰہیہ ہے:

كَمَا قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا[۵۷]

اور خشیت مستلزم ہے عمل کو۔ پس بدونِ خشیت کے علوم پر مطمئن رہنا سخت نادانی ہے۔

خم کہ از دریا درو رہے شود
پیشِ او جیحو نہا زانو زند

جس طرح کسی مٹکے کو اگر سمندر سے تعلق عطا ہو جائے تو اس مٹکے کے سامنے بڑے بڑے دریائے جیحون زانوئے ادب طے کرتے ہیں اسی طرح جب ان علومِ ظاہرہ کے ساتھ اے علماء! تم حق تعالیٰ سے قوی رابطہ قائم کر لوگے تو تمہارے ان علوم میں بھی چار چاند لگ جائیں گے یعنی عجیب عجیب علوم و مَعارفِ افاضۂ غیبیہ سے اپنے اندر پے درپے محسوس کروگے اور بڑے بڑے علمائے ظاہر تمہارے سامنے زانوئے ادب طے کریں گے کیوں کہ تعلق من البحر کے فیض سے یہ مٹکا خشک نہ ہوگا اور دریائے جیحون خشک ہوسکتے ہیں۔ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ بانیٔ دیوبند فرمایا کرتے تھے کہ

---

[۵۷] فاطر:۲۸

بعض اوقات ایک سوال کے جواب کے وقت اتنے عنوانات ودلائل القاء ہوتے ہیں کہ میں حیران ہوجاتاہوں کہ کس دلیل کو پہلے بیان کروں اور کس کو بعد میں۔

قال را بگذار مردِ حال شو

پیشِ مردِ کاملے پامال شو

مگر اس مٹکے کو تعلق من البحر کس طرح حاصل ہوگا؟ حق تعالیٰ سے رابطۂ قویہ اور محبتِ مطلوبہ حاصل ہونے کا صرف یہ طریقہ ہے کہ اپنے قیل و قال کو کچھ دن کے لیے ترک کرکے کسی اہلِ دل عالم باعمل کی خدمت وصحبت میں رہ پڑو، تب صحیح طور پر صراطِ مستقیم پر عمل نصیب ہوگا۔ صراطِ مستقیم مبدل منہ ہے جس کابدل صراطِ منعم علیہم ہے اور منعم علیہم نبیین، صدیقین اور شہداء وصالحین ہیں:

''وَكُلٌّ هٰذَا مَنْصُوْصٌ فِي الْقُرْاٰنِ''

اور مقصود کلام میں بدل ہوتا ہے۔

پس معلوم ہوا کہ کسی منعم علیہ بندے کی صحبت اختیار کرنے سے دین کی صحیح روح، اخلاص واحسان کی نعمت کاعطاہونا عادۃ الٰہیہ ہے اور شاذونادراس عادت کاتخلّف کالمعدوم ہے (مثل حضرت خضر علیہ السلام) عام قانون کی پابندی ماموربہ اور مطلوب ہے۔

مردِ کامل سے مراد متبعِ سنت ہے جو کسی بزرگ کاصحبت یافتہ اور اجازت یافتہ بھی ہو، مردِ کامل کے سامنے پامال ہونے کامفہوم یہ ہے کہ اپنی رائے و تجویز کو فنا کرکے اس کی رائے اور تجویز پر چند دن مجاہدہ کرکے عمل کیا جائے۔ تب یہ قال اس منعم علیہ مردِ کامل کی صحبت سے حال بن جاوے گا۔ خلاصہ یہ کہ صاحبِ قال اگر صاحبِ حال بننا چاہے تو کسی اہلِ دل کی صحبت اختیار کرے۔ مردِ کامل میں کمال کلّی مشکک ہے ورنہ کمال بالمعنی الحقیقی صرف سرورِ عالم محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مخصوص ہے لیکن مجازاً اولیاء اللہ کے لیے بھی بوجہ کمال اتباعِ سنتِ نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم بمقابلہ عامۃ الناس مستعمل ہوتا ہے۔ (من فیوضِ مرشدی رحمۃ اللہ علیہ)

ولنعم ما قال مولانا محمد احمد صاحب (پرتاب گڑھی)

نہ جانے کیا سے کیا ہو جائے میں کچھ کہہ نہیں سکتا
جو دستارِ فضیلت گم ہو دستارِ محبت میں

ان اشعار کی مثنوی اردو

گرچہ سیکھے سینکڑوں علم و ہنر
جان سے اپنی مگر ہے بے خبر
جانِ جملہ علم و فن یہ جان لو
کل قیامت میں نہ تم رنجان ہو
علم ہے دراصل علمِ عشقِ حق
یہ نہ ہو تو ہے وہ قفلِ راہِ حق
وصل ہو دریا سے مٹکے کا اگر
سامنے جیحون کا جھک جائے سر
چھوڑ کر کے سب تو اپنا قیل و قال
جا تو رہتا ہو جہاں مردِ کمال

کسی کافر کو بھی بہ نگاہِ حقارت مت دیکھو کیوں کہ اپنے خاتمے کی حالت کا تم کو علم نہیں

ہیچ کافر را بخواری منگرید
کہ مسلماں بودنش باشد امید

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کسی کافر کو کبھی حقارت کی نظر سے مت دیکھو کیوں کہ اس کے مسلمان ہو کر مرنے کا احتمال ہوتا ہے۔

اللہ اکبر! جب کافر کو حقیر سمجھنے سے منع کیا گیا ہے تو گنہ گار مسلمانوں کو حقیر سمجھنا کس درجہ بُرا ہو گا۔ البتہ کفار کے کفر سے اور فاسقوں کی نافرمانیوں سے بغض ہونا مطلوب ہے بلکہ ایمان کی نشانی ہے۔قال اللہ تعالیٰ:

وَ کَرَّهَ اِلَیْكُمُ الْكُفْرَ وَ الْفُسُوْقَ وَ الْعِصْیَانَ [۵۸]

اور کفر و فسوق وعصیان سے تم کو نفرت دے دی پس ان افعال سے نفرت کا مطلوب ہونا منصوص ہوا۔

چہ خبرداری ز ختمِ عمرِ او
تا بگردانی ازو یکبارہ رو

کیا تو اس کافر کے خاتمہ بالکفر کی خبر رکھتا ہے کہ تجھے اس سے نفرت و حقارت جائز ہو جائے۔چوں کہ اصل اعتبار خاتمہ کا ہے اس لیے کسی مؤمن کو موجودہ حال پر ناز وپندار درست نہیں کیوں کہ مرنے سے پہلے احتمال اس امر کا بھی ہے کہ کسی نافرمانی کی نحوست سے یہ ایمان مبدل بہ کفر ہو جائے اور خاتمہ بالکفر کا احتمال ہوتے ہوئے نہ تو اپنے ایمان پر ناز درست ہے اور نہ کسی کافر کو حقیر سمجھنا درست ہے۔ حضرت شیخ عبد القادر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ؎

ایماں چو سلامت بلبِ گور بریم
اَحْسَنْتُ بریں چستی و چالاکئ ما

ترجمہ:جب ہم ایمان کو سلامتی سے قبر کے اندر لے جائیں اس وقت بے شک ہم اپنی چستی و چالاکی یعنی اعمالِ حسنہ واحوالِ محمودہ کی تعریف کریں گے۔ مرنے سے پہلے تو خطرہ لگا ہوا ہے کہ خاتمہ نہ جانے کس حال پر ہو گا۔

پس اللہ والے مرنے سے پہلے کفار سے تو باعتبارِ انجام ومآل کے اور فساق مؤمنین سے باعتبارِ حال کے اپنے کو حقیر وذلیل وکمتر جانتے ہیں بلکہ جانوروں سے بھی

۵۸؎ الحجرٰت:۷

خود کو بدتر سمجھتے ہیں کیوں کہ جانوروں کے لیے قیامت کے دن جہنم کی سزا موعود نہیں ہے اور خاتمہ خراب ہونے پر (العیاذ باللہ) یہ کتے اور سور بھی جہنمی سے اچھے ہوں گے۔

ولنعم ما قال سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ ؎

ازیں بر ملائک شرف داشتند
کہ خود را بہ از سگ نہ پنداشتند

حضرت سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اہل اللہ فرشتوں سے اسی سبب سے سبقت لے جاتے ہیں کہ اپنے کو کتے سے بھی بہتر نہیں سمجھتے۔

البتہ خاتمہ حسن ہو جانے کے بعد ہمارا فرطِ مسرت سے اچھلنا کودنا حق بجانب ہی نہیں بلکہ حق تشکّرِ نعمت بھی ہوگا۔ پس اہل اللہ کفر و فسق سے نفرت و بغض رکھنے کو اور کفار وفساق کو حقیر نہ سمجھنے کو اس طور پر یعنی مطابقِ تقریرِ مذکور جمع کرتے ہیں۔ یہ خوش فہمی اللہ والوں ہی کی شان ہے ؎

ہر ہوسناکے نداند جام و سنداں باختن

اب ان اشعار کو اردو مثنوی میں ملاحظہ فرمایئے ؎

تم کسی کافر کو مت جانو حقیر
رحمتِ حق کیا عجب ہو دستگیر

خاتمہ ہونے سے پہلے ہے امید
گبرِ صد سالہ ہوئیں با یزیدؒ

(من فیوضِ مرشدی رحمۃ اللہ علیہ)

مزید تحقیق از حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ متعلق تحقیر واہانتِ کفّار وفساق

یہاں مراد تحقیر سے وہ اہانت نہیں جو کافر کے لیے مامور بہ اور شعبہ ہے،

بغض فی اللہ کا جس کا منشأ حق تعالیٰ کی محبت ہے بلکہ مراد اس سے وہ تحقیر ہے جس کا منشأ اپنے ایمان پر عجب اور کبرِ نفس ہے۔

کیفیتِ تاثیرِ صحبتِ شیخ

سالہا باید کہ تا از آفتاب
لعل یابد رنگِ رخشانی و تاب

حق تعالیٰ شانہٗ آفتاب کی شعاعوں کو جن محدود ذراتِ جبل پر لعل سازی کا امر تفویض فرماتے ہیں تو یہ کام علی الفور نہیں ہوتا بلکہ کئی سال تک یہ سلسلۂ فیضان شعاعِ آفتاب کا قائم رکھا جاتا ہے یہاں تک کہ وہ بے قیمت پتھر لعل بن کر درخشاں ہو جاتا ہے۔ اسی طرح طالب اور سالک کو اپنے شیخ کے فیضان میں تعجیل مناسب نہیں کہ یہ عجلت اولاً مایوسی پھر حرمان کا سبب بن جاتی ہے اور بتدریج تربیت پختگی اور استقامت اور رسوخ پیدا کرتی ہے جو اس راہ میں مقصود ہے۔ پس طالب کا قلب جو قبلِ تربیت مثل بے قیمت پتھر ہے اور شیخ کا قلب جو انوارِ نسبت سے منور ہو کر مثل آفتاب بلکہ قابلِ رشک صد آفتاب ہے طویل مدت تک فیضانِ صحبت سے ایک دن طالب کا دل بھی نسبت مع اللہ کے رسوخ اور استحکام کی نعمت سے مشرف ہو کر رشکِ صد لعل و گہر ہو جاتا ہے۔ دیر ہونے سے گھبرانا نہ چاہیے اور دوسرے پیر بھائیوں کی جلد کامیابی پر مایوس نہ ہونا چاہیے کہ ہر شخص کی صلاحیت جداگانہ ہے۔ خشک لکڑی جلد اور گیلی لکڑی دیر سے جلتی ہے۔ ہمارا کام صرف طلب میں مجاہدہ اور سعی کرنا ہے اور یہی طلب مقصود ہے جو ایک نہ ایک دن ضرور وصول سے ہمکنار ہو جاتی ہے۔ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

وَالَّذِیۡنَ جَاہَدُوۡا فِیۡنَا لَنَہۡدِیَنَّہُمۡ سُبُلَنَا[۵۹]

جو لوگ ہماری راہ میں مصائب اور محنتیں برداشت کرتے ہیں ہم ان کے لیے اپنے ملنے کا ایک راستہ نہیں بلکہ بہت سے راستے کھول دیتے ہیں۔ یہ ترجمہ بزبانِ عشق

۵۹؎ العنکبوت:۶۹

کیا گیا ہے۔ ہدایت کا مفہوم اراءۃ الطریق اور ایصال الی المطلوب دونوں پر مشتمل ہے۔

در تضادِّ تازگیٔ ایمان اور تازگیٔ نفس

تاہویٰ تازہ ست ایماں تازہ نیست
کیں ہویٰ جز قفلِ آں دروازہ نیست

جب تک نفس کے رذائل تم پر غالب ہیں تو سمجھ لو کہ تمھارے ایمان میں اس وقت تازگی نہیں آسکتی ہے کیوں کہ نفس کی خواہشات اللہ تعالیٰ کے دروازۂ قرب پر مثلِ قفل کے ہیں۔

نفسِ تو تا مست در نقل و نبیذ
داں کہ روحت خوشۂ غیبی ندید

دنیا کے شراب و کباب اور لذاتِ فانیہ پر فریفتگی دلیل ہے اس بات کی کہ تمہاری روح بہارِ عالمِ غیب یعنی لذاتِ قربِ حق سے ناآشنا ہے۔

در تضادِ قربِ حق و حُبِّ دنیا

گر بہ بینی کرّوفرِّ قرب را
جیفہ بینی بعد ازیں ایں شرب را

اگر تم اپنے قلب میں حق تعالیٰ شانہٗ کے قرب کی تجلیاتِ قرب کا مشاہدہ کرلو تو مجموعۂ لذاتِ کائنات تمہاری نظر میں جیفہ یعنی مردار معلوم ہو۔

گر بہ بینی یک نفس حسن ودود
اندر آتش افگنی جانِ ودود

اگر ایک لمحے کو بھی تم اپنے باطن میں حق تعالیٰ شانہٗ کی تجلیاتِ قرب کا مشاہدہ کرلو تو تم اپنی جانِ محبوب کو خوشی خوشی نذرِ آتشِ محبتِ حق کردوگے یعنی حق تعالیٰ شانہٗ کی رضا کے لیے ہر مجاہدہ اور محنت کو برداشت کرنے کے لیے تیار ہوجاؤگے اور حق تعالیٰ شانہٗ کی راہ میں اگر جان بھی فدا کرنی پڑے تو بے دریغ جان دے کر بزبانِ حال یہ کہوگے ؎

جان دی دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

در بیانِ نارِ شہوت

نارِ بیرونی بآبے بفسرد
نارِ شہوت تا بدوزخ می برد

دنیا کی آگ کو پانی سے بجھایا جاسکتا ہے لیکن شہوت اور خواہش کی آگ کو پانی سے سکون نہیں ملتا، یہ آگ تو دوزخ تک لے جاتی ہے۔

نارِ شہوت می نیارامد بآب
زانکہ دارد طبعِ دوزخ در عذاب

شہوت کی آگ کو پانی سے آرام کیوں نہیں ملتا؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ شہوت کے اندر دوزخ کا مزاج ہے یعنی دوزخ کے عذاب کا سبب چوں کہ یہی شہوت پرستی ہے تو اس کے اندر خاصیت بھی دوزخ کے آلام و تکالیف کی پیدا ہوگئی۔ سبب اور مسبب، علت اور معلول لازم اور ملزوم میں مناسبت کا ہونا ظاہر ہے۔

ایک شخص باغ کی طرف جارہا ہے، ہر قدم پر اس کو باغ کی ٹھنڈک اور اس کا لطف مست کیے دیتا ہے اور بقدرِ قرب اس لطف میں ترقی ہوتی رہتی ہے چوں کہ اس کا ہر قدم سبب ہے باغ میں پہنچنے کا اس لیے باغ کے انعام کا عکس اور پُر توفیضان اس کو ہر قدم میں محسوس ہورہا ہے، اسی طرح اگر کوئی شخص کسی ایسی منزل کی طرف جارہا ہے جہاں آگ لگی ہوئی ہے تو ہر قدم پر اس کو آگ اور دھویں کی تکلیف میں اضافہ محسوس ہوتا رہے گا۔ پس ہر گناہ دوزخ کی طرف اور ہر نیکی جنت کی طرف بمنزلۂ قدم ہے۔

در بیانِ علاجِ نارِ شہوت

چہ کشد ایں نار را نورِ خدا
نورِ ابرہیم را ساز اوستا

نارِ شہوت کی تشبیہ نارِ دوزخ سے دینے کے بعد اس کے بجھانے کا علاج یہ بیان فرمایا کہ دوزخ کی آگ کو جس چیز سے سکون ہو گا اسی سے نارِ شہوت کو بھی سکون مل سکتا ہے جیسا کہ دونوں کا رابطہ اور علاقہ اوپر مذکور ہو چکا۔ حدیث شریف میں وارد ہے کہ دوزخ میں جب تمام اہلِ دوزخ بھر دیے جائیں گے تب بھی دوزخ کا پیٹ نہ بھرے گا اور هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ کہتی رہے گی یعنی "کیا اور کچھ بھی ہے" کا نعرہ لگاتی رہے گی، یہی حال ہمارے شہوات کا ہے کہ جتنا ہی گناہ کرتے جاؤ گے اتنا ہی گناہ کی خواہش بڑھتی جائے گی اگرچہ شیطان کان میں یہی کہتا رہتا ہے کہ بس ایک مرتبہ یہ گناہ اور کر لو تو دل بھر جاوے گا۔ پھر کبھی مت کرنا لیکن اس فریب اور دھوکے میں آنا سخت حماقت ہے، ہر گناہ سبب مزید گناہوں کا ہو جاتا ہے، تو دوزخ کے نعرۂ هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ کا علاج حق تعالیٰ کی طرف سے یہ کیا جاوے گا کہ حق تعالیٰ شانہٗ دوزخ پر اپنا قدم مبارک رکھ دیں گے جس کی حقیقت کا پتا عالمِ آخرت ہی میں چلے گا کہ اس قدم کا کیا مفہوم ہے پس دوزخ کا پیٹ بھر جاوے گا اور هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ کا نعرہ قَطْ قَطْ یعنی بس بس سے تبدیل ہو جاوے گا۔ حضرت جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ نے یہی علاج نفس کی خواہشات کے دوزخ کے لیے تجویز فرمایا ہے کہ اس آگ کو بھی تعلق مع اللہ کا نور ہی بجھا سکتا ہے۔ نفس کا پیٹ بھرنے کا علاج کثرتِ گناہ ہرگز نہیں ورنہ ہر گناہ کے بعد هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ کہے گا۔ پس علاجِ واحد صرف یہی ہے کہ کسی صاحبِ نسبت بزرگ سے تعلق پیدا کیا جاوے اور اس کی صحبت کے انوار دل میں حاصل کیے جائیں۔ وہی بتائے گا کہ دل میں نور کس طرح آتا ہے۔ اللہ کا نور اس قدر قوی ہوتا ہے کہ دوزخ کو بھی ٹھنڈک سے تبدیل کر دے یہی وجہ ہے کہ جب اہلِ ایمان دوزخ پر بذریعۂ پُلِ صراط عبور کریں گے تو دوزخ سے آواز آئے گی:

جُزْ يَا مُؤْمِنُ فَاِنَّ نُوْرَكَ تُطْفِىءُ نَارِىْ[۲۰]

اے مؤمن! جلد گزر جا تیرا نور میری آگ کو بجھائے دیتا ہے۔ اسی نورِ الٰہی کا اعجاز تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جب نمرود ملعون نے آگ میں ڈالا تو وہ آگ گلزار بن گئی۔

---

[۲۰] المعجم الکبیر للطبرانی: ۲۲/۲۵۸-۲۵۹، (۶۶۸)، مکتبۃ ابن تیمیۃ، القاھرۃ (ذکرہ بلفظ: جُزْ يَا مُؤْمِنُ فَقَدْ اَطْفَأَ نُوْرُكَ لَهَبِىْ)

دشمنِ راہِ خدا را خوار دار

دزد را منبر منہ بر دار دار

نفس جب دشمنِ راہِ خدا ہے تو دشمن کو ذلیل وخوار رکھنا چاہیے۔ اس کا کہنا مان کر اس کو خوش کرنا اور طاقت ور کرنا نادانی ہے۔ کہیں چور کو بھی منبرِ عزت پر بٹھاتے ہیں، اس کی جگہ تو دار ہے۔ اسی مضمون کو ایک بزرگ حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

بھروسہ کچھ نہیں اس نفسِ امّارہ کا اے زاہد

فرشتہ بھی یہ ہو جائے تو اس سے بدگماں رہنا

نفس کا اژدہا دلا دیکھ ابھی مرا نہیں

غافل ادھر ہوا نہیں اس نے اُدھر ڈسا نہیں

دربیانِ حصولِ رزق

اے دویدہ سوئے دکاں از پگاہ

ہیں بہ مسجد رو بجو رزق از الٰہ

اے وہ شخص جو علی الصباح دوکان کھولنے کے لیے دوڑتا ہے! تجھ کو چاہیے کہ پہلے مسجد جا کر رزّاقِ حقیقی سے روزی طلب کر، رزق کی پریشانی دور کرنے کے لیے صرف دروازۂ اسباب کو نہ کھٹکھٹا بلکہ اسباب و تدابیر کے خالق سے رابطہ قائم کر تاکہ وہ مسبّبِ حقیقی اس سبب کو مفید نتیجہ سے ہم آغوش کردے۔ فی نفسہٖ اسباب و تدابیر حکمِ الٰہی کے خلاف تجھ کو کچھ مفید نہ ہوں گے۔ جس طرح ایک دیوار نے کھونٹے سے کہا کہ تو میرا جگر کیوں پھاڑے دیتا ہے مجھے اذیت نہ دے۔ کھونٹے نے جواب دیا کہ مجھ سے کیا فریاد کرتی ہے؟ اس سے فریاد کر جو مجھے ٹھونک رہا ہے، اگر وہ ٹھوکنا بند کردے تو میں تیرے لیے کچھ بھی باعثِ اَلَم نہیں کہ مجبور بدست ٹھونکنے والے کے ہوں۔ اسی مضمون کو کسی عربی شاعر نے اس شعر میں بیان کیا ہے ؎

قَالَ الْجِدَارُ لِلْوَتَدِ لِمَ تَشُقُّنِیْ

قَالَ الْوَتَدُ اُنْظُرْ اِلٰی مَنْ یَّدُقُّنِیْ

آنکہ او از آسماں باراں دہد
ہم تواند کو ز رحمت ناں دہد

جو ذاتِ پاک کہ آسمان سے بارش برساتی ہے وہ قادر ہے کہ اپنی رحمت سے تجھے روٹی بھی عطا فرمادے۔

رزق ازوے جو مجو از زید و بکر
مستی ازوے جو مجو از بنگ و خمر

رزق کو رزّاقِ حقیقی سے طلب کرو، محض زید و بکر پر نظر کو محصور و محدود مت رکھو یعنی رزق کے دروازوں سے جو ذات روزی دینے والی ہے اس سے رابطہ قائم کرو اور استغفار کرکے اس کو راضی کرو کہ یہ کمی کسی گناہ کے سبب نہ ہو اور کیفیاتِ مستی کو حق تعالیٰ سے طلب کرو کہ ان ہی کی عطافرمودہ کیفیات دائمی و سرمدی اور باعثِ فلاح ہو سکتی ہیں، بھنگ اور شراب کا نشہ تو عارضی، باعثِ دردسری و رسوائی دوجہاں ہے۔ برعکس حق تعالیٰ شانہٗ کی محبت کا لطف اور اس کا نشہ حضرت عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ کی غزلیات میں ملاحظہ فرمائیے۔ فرماتے ہیں ؎

ازیں مے جرعۂ پاکاں چشیدند
جنیدؒ و شبلیؒ و عطار شد مست

محبتِ الٰہیہ کی مے (شرابِ معرفت) پاک بندے پیتے ہیں چناں چہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ اور بابا فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ وامثالہم اسی مئے معرفت سے مست ہوئے تھے۔

نہ تنہا اندریں مے خانہ مستم
ازیں مے ہمچو من بسیار شد مست

میں تنہا مے خانۂ محبت و معرفتِ الٰہیہ کا مست نہیں ہوں بلکہ مثل میرے اور بے شمار بندگانِ خدا اس نعمتِ رشکِ ہفتِ اقلیم سے باریاب ہوئے۔

عظمتِ شانِ عشقِ حقیقی وکیفیاتِ احوالِ باطنی

بر کفِ من نہ شرابِ آتشیں

بعد ازیں کر و فرِ مستانہ بیں

اے اللہ !میرے ہاتھ پر شرابِ آتشیں (شرابِ محبت ومعرفت) رکھ دیجیے یعنی اپنی محبت کاایک ذرّہ درد ہماری جان میں ڈال دیجیے پھر ہماری مستی ودیوانگی کاتماشا آپ دیکھیں۔

تو نیز بر سرِبام آکہ خوش تماشائے ست

بادہ در جوشش گدائے جوشِ ما ست

چرخ در گردش اسیر ہوشِ ما ست

شرابِ دنیا کی فانی مستی وبے خودی عارفینِ حق کی دائمی جوش ومستی کے سامنے مثل گداومحتاج ہے۔ چناں چہ جس وقت روئے زمین پر اللہ اللہ کرنے والے نہ رہیں گے تو قیامت آجاوے گی، اس وقت اہلِ دنیالذاتِ دنیاسے محروم ہو جاویں گے۔پس کافروں کاتمام تر عارضی عیش حتّٰی کہ ایک ٹکڑا روٹی اور ایک گھونٹ پانی کاملنا بھی تقریرِ مذکور کی بناء پر اللہ والوں ہی کے وجود اور ان ہی کے دم پر موقوف ہے اور آسمان اپنی گردش کے وسیع دائرے کے باوجود ہمارے ہوش کا قیدی ہے اور قیدی قید خانہ سے چھوٹا ہوتا ہے پس مؤمن کی روحانی وسعت کے سامنے ہفت آسمان بھی کمتر اور بے قدر ہے۔ حضرت خواجہ مجذوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

عجب کیا گر مجھے عالم بایں وسعت بھی زنداں تھا

میں وحشی بھی تو وہ ہوں لامکاں جس کا بیاباں تھا

حدیثِ قدسی میں ہے کہ میں نہیں سمایا آسمانوں میں اور زمینوں میں لیکن مؤمن کے دل میں مثلِ مہمان کے جلوہ گر ہوجاتا ہوں۔

در دلِ مؤمن بگنجیدم چو ضیف

امانتِ الٰہیہ کو آسمانوں اور زمینوں نے اٹھانے سے بوجہ ضعفِ تحمل ڈر کر انکار کردیا:

وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ اورانسان نے اس کو اٹھالیا، پس عارفین کی روحوں میں قربِ حق و رابطۂ خاص مع الحق کے فیضان سے جو وسعت پیدا ہوتی ہے اس کے سامنے تمام وسعتِ کائنات بے قدر ہو جاتی ہے۔

در فراخِ عرصۂ آں پاک جاں
تنگ آید عرصۂ ہفت آسماں
چو سلطانِ عزت علم بر کشد
جہاں سر بجیبِ عدم در کشد

جب مہر نمایاں ہوا سب چھپ گئے تارے
وہ ہم کو بھری بزم میں تنہا نظر آیا

وہ سلطانِ حقیقی جس دل میں اپنی محبت و معرفت کا جھنڈا نصب فرما دیتے ہیں اس کی شان وشوکت کے سامنے تمام کائنات جیبِ عدم میں اپنا سر ڈال دیتی ہے، اسی حال کو وحدت الوجود سے تعبیر کیا جاتا ہے یعنی حق تعالیٰ کی جلالت و عظمت کا اس قدر قوی استحضار ومشاہدہ کہ تمام ماسویٰ سے نظر اٹھ جاوے اور دل بمصداق اس شعر کے ہو جاوے۔

دل مرا ہو جائے اک میدانِ ہُوْ
تو ہی تو ہو تو ہی تو ہو تو ہی تو

ماہمہ فانی و باقی نیستم
پس چرا پیشت بہستی ایستم

جب ہم سب فانی ہیں اور ہمارے وجود کو بقا و دوام نہیں تو اے اللہ! آپ کے سامنے اپنے فانی وجود کو ہم کس طرح وجود کا مصداق سمجھیں۔

رہتے ہیں ہم جہاں میں یوں جیسے یہاں کوئی نہیں

اسی حال کا نام غلبۂ توحید اور وحدۃ الوجود ہے۔ جہلا صوفیا نے اس مسئلے کو خواہ مخواہ ایک معمّہ اور عجوبہ بنا رکھا تھا مگر حضرت حکیم الامت مجدد الملت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

کے فیوض وبرکات سے یہ تمام عجوبے اور معمّے جو مجالسِ صوفیائے غیر محققین میں دقائق واسرار ورموزِ صدریہ سے تعبیر کیے جاتے تھے وہ سب شریعت اور وحی کے غلام بن کر امت کے سامنے درخشاں ہوگئے۔

نعرۂ مستانہ خوش می آیدم
تا ابد جاناں چنیں می بایدم

اے اللہ! آپ کی محبت ومعرفت کے سرمدی اور دائمی کیف وبے خودی سے سرشار ہو کر نعرۂ مستانہ لگانے کے لیے میری جانِ مضطر ہر وقت مشتاق رہنا چاہتی ہے اور قیامت تک اے محبوبِ حقیقی! میری جان اسی نعمتِ دیوانگی رشکِ نعمتِ دوجہاں سے مشرف رہنا چاہتی ہے۔

دربیانِ راہِ مخفی درمیانِ قلوب برائے حصولِ فیضان

کہ ز دل تا دل یقیں روزن بود
نے جدا و دور چوں دو تن بود

ایک دل سے دوسرے دل تک بالیقین مخفی راہ ہے اگرچہ جسم دونوں کے الگ الگ اور ایک دوسرے سے دور نظر آتے ہیں۔

متصل نبود سفالِ دو چراغ
نورِ شاں ممزوج باشد در مساغ

مضمونِ بالا کو اس تمثیلی دلیل سے بخوبی واضح کیا جاسکتا ہے کہ دو چراغوں کے اجسام (دیے) علیحدہ علیحدہ ہوتے ہیں لیکن فضا میں دونوں کی روشنی مخلوط یعنی ملی جلی ہوتی ہے اور کوئی ایسی حدِّ فاصل نہیں ہوتی کہ امتیاز دونوں کی روشنی میں ظاہر کرے۔

شیخِ نورانی ز رہ آگہ کند
نور را با لفظہا ہمرہ کند

شیخ صاحبِ نورِ باطن طالبین کو راہِ حق بھی دکھاتا ہے اور علمِ ہدایت کے ساتھ ساتھ اپنے

نورِ باطن کو بھی اپنے الفاظ کے ہمراہ طالبین کے قلوب میں داخل کر دیتا ہے۔ یہی وہ تاثیرِ صحبت ہے جس کو کیمیا کہا جاتا ہے۔ اور **لَا یَشْقٰی جَلِیْسُھُمْ**[۱] کے پیغام کا مفہوم بھی واضح ہو گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اولیاء اللہ ایسے رفقاء وجلساء ہیں جن کے پاس بیٹھنے والا شقی نہیں رہتا یعنی ان کے انوارِ صدق ویقین سے شقاوت مبدّل بسعادت ہو جاتی ہے۔

گر تو سنگِ خارہ و مرمر بوی
گر بصاحبدل رسی گوہر شوی

پس اگر تمہارا دل گناہوں کی نحوست اور ظلمت سے بالکل تباہ ہو کر مثلِ پتھر کے قبولِ ہدایت کی صلاحیت سے محروم ہو چکا تب بھی تم مایوس نہ ہو، تم کسی صاحبِ دل خدارسیدہ کی صحبت میں چند دن رہ پڑو پھر دیکھو گے کہ وہی دل جو پتھر کی طرح بے قدر اور سخت قاسی وغافل تھا اب حق تعالیٰ کی محبت ومعرفت وتعلّقِ خاص سے مشرف ہو کر آبدار بیش بہا موتی بن گیا۔

مہرِ پاکاں درمیانِ جاں نشاں
دل مدہ الّا بمہرِ دل خوشاں

جب اللہ والوں کی صحبت میں ایسی تاثیر موجود ہے تو پھر ہمیں ان پاک بندوں کی محبت کو کہاں رکھنا چاہیے؟ کیا زبان پر؟ نہیں آگے بڑھو! دماغ میں؟ نہیں اور آگے بڑھو! جان میں؟ ہاں جان میں! مگر جان کی سطحِ ظاہر پر نہیں، وسطِ جان میں ان کی محبت کو پیوست کر لو۔

مہرِ پاکاں درمیانِ جاں نشاں

کا یہ مفہوم ہے۔ اس کے بعد دوسرے مصرعے میں فرماتے ہیں ؎

دل مدہ الّا بمہرِ دل خوشاں

دل کسی کو مت دینا مگر ان ہی پاک بندوں کو کہ جن کے دل حق تعالیٰ کی محبت اور تعلّقِ خاص کے انوار سے اچھے ہو گئے ہیں۔ یہ بڑے ہی باوفا دوست ہیں، ان کی رفاقت کی

---

[۱] صحیح البخاری: ۲/۹۴۸ (۶۴۴۳)، باب فضل ذکر اللہ تعالیٰ، المکتبۃ المظھریۃ

تحسین پر قرآنِ پاک کی شہادت ہے۔ میاں فرما رہے ہیں: وَ حَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا[۶۲] ارے! یہ انبیاء صدیقین، شہدا اور صالحین نہایت اچھے رفیق ہیں۔ یہ ایسے رفیق ہیں کہ ان کی رفاقت فی الدنیا رفاقت فی الآخرۃ سے تبدیل ہو جاتی ہے یعنی جو دنیا میں ان کو اپنا رفیق بنالے گا اس کو جنت میں بھی ان ہی کا ساتھ نصیب ہو گا۔ حدیث شریف میں ہے کہ ایک صحابی نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ تو جنت کے اعلیٰ مقام پر ہوں گے اور ہمارے اعمال ہم کو اس مقام پر لے جانے کے قابل نہیں اور آپ سے دوری کا عذاب عشّاق کے لیے عذابِ دوزخ سے کم نہیں تو ہماری جنت تو آپ کے بغیر جنت نہ ہو گی۔

ارشاد فرمایا کہ گھبراؤ نہیں اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ[۶۳] ہر شخص اسی کے ساتھ رہے گا جس سے اس کو محبت ہے۔

دربیانِ حکمتِ شقِّ جبلِ طور از تجلّیٔ ربّانی بزبانِ عشقِ رومی رحمۃ اللہ علیہ

بر برونِ کُہ چو زد نورِ صمد
پارہ شد تا در درونش ہم زند

طور پہاڑ کی سطحِ ظاہر پر جب حق تعالیٰ شانہٗ نے تجلّی فرمائی تو پارہ پارہ ہو گیا تاکہ نورِ محبوبِ حقیقی سطحِ ظاہری سے نزول کر کے اس کے باطن میں داخل ہو جائے اور ہر ذرۂ طور کو شرفِ تجلی حاصل ہو جائے۔

آجا مری آنکھوں میں سما جا مرے دل میں

گرسنہ چوں بر کفش زد قرصِ ناں
وا شگافد از ہوس چشم و دہاں

اس کی مثال یوں سمجھنا چاہیے کہ کئی روز کے فاقہ زدہ بھوکے انسان کے ہاتھ پر اچانک روٹی رکھ دی جاوے تو غلبۂ حرص و شدتِ بھوک سے وہ اپنی آنکھیں اور منہ بھی

---

[۶۲] النساء: ۶۹

[۶۳] جامع الترمذی: ۲/۶۴، باب المرء مع من احب، ایچ ایم سعید

پھیلا دیتا ہے۔ پس طور بھی میاں کی تجلّی کا مشتاق تھا، موقع کو غنیمت سمجھ کر پارہ پارہ ہو گیا کہ تجلّی قلبِ طور تک داخل ہو جاوے۔

صد ہزاراں پارہ گشتن ارزدیں

از میانِ چرخ برخیز اے زمیں

اس محبوبِ حقیقی کے لیے لاکھوں ٹکڑے ہو جانا بھی اولیٰ ہے۔ پس اے زمین! تو آسمان کو تاریک مت کر۔ درمیان سے اٹھ جا۔ اہلِ ہیئت کی تحقیق پر مولانا نے یہ مثال بیان فرمائی:

نُوْرُ الْقَمَرِ مُسْتَفَادٌ مِّنْ نُّوْرِ الشَّمْسِ

یعنی چاند کی روشنی ذاتی نہیں بلکہ آفتاب کی روشنی سے چاند روشن ہوتا ہے۔ اور زمین آفتاب اور چاند کے درمیان جس قدر حائل ہوتی جاتی ہے، چاند کا اس قدر ٹکڑا بے نور اور سیاہ ہو جاتا ہے یہاں تک کہ جب زمین کی حیلولت بالکل آفتاب اور چاند کے محاذات میں ہو جاتی ہے تو چاند بالکل بے نور ہو جاتا ہے۔ اس مثال سے مراد مولانا کی یہ ہے کہ اے لوگو! تمہارا نفس مثل زمین کے تمہارے قلب اور آفتابِ حق کے درمیان حائل ہے اس وجہ سے تمہارا دل تاریک ہے، جس قدر تم اپنے نفس کو مٹاتے چلے جاؤ گے دل منور بنورِ آفتابِ حقیقی یعنی نورِ باری تعالیٰ شانہٗ سے منور ہوتا چلا جاوے گا۔

جو حضرات منتہی صاحبِ ارشاد ہیں ان کے اندر بھی نفس کا جتنا حصہ باقی رہ گیا اور اس کے افناء میں انھوں نے مجاہدۂ عبور دریائے خون سے تسامح اور تغافل اختیار کیا اور شیخِ کامل کے قدموں سے اپنے نفس کو پامال نہ کرایا ان کے صاحبِ ارشاد و تلقین ہونے کے باوجود ان کے علوم و مَعارف اور ارشادات اس قدر خاک آلود ہوں گے جس قدر ان کا نفس زندہ ہے، برعکس جس نے مجاہدۂ تامہ سے نفس کو بالکلیہ فنا کر دیا اس کے دل کا چاند عدمِ حیلولۃِ زمینِ نفس سے پورے دائرے کے ساتھ روشن ہو کر بدرِ کامل ہو جاتا ہے اور ایسے شخص کا ایک جملہ بھی دس گھنٹے کے وعظ سے زیادہ اثر رکھتا ہے اور اس کے ارشادات ظلماتِ نفس سے صاف محض نور ہی نور ہو کر طالبین کے دلوں اور ان کی جانوں میں عرفان و یقین کی وہ کیفیتِ راسخہ اتنی قلیل مدت میں پیدا کر دیتے ہیں کہ دوسروں

کے پاس مدۃ العمر بھی وہ دولت نصیب نہیں ہوتی ہے پس یوں سمجھ لینا چاہیے کہ ایسا شخص صدیق ہوتا ہے۔ اس کے قلب کا پورا دائرہ فنائے نفس کے سبب نورِ یقین، نورِ صدق واخلاص سے منوّر ہو جاتا ہے، اس قدر تفصیل کے بعد اب الفاظ سے اس نعمت کو نہیں بیان کیا جاسکتا۔ حق تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں اپنی رحمت کے ساتھ مخصوص فرمالیتے ہیں۔

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنَا مِنْھُمْ اٰمِیْن

در بیانِ احوالِ قیامت وشہادتِ اعضا بر جرائم

روزِ محشر ہر نہاں پیدا شود
ہم ز خود ہر مجرمے رسوا شود

قیامت کے دن ہر مخفی عمل ظاہر ہو جاوے گا اور ہر مجرم خود اپنے اعضاء کی گواہی سے رسوا ہو جاوے گا۔ حق تعالیٰ شانہٗ ارشاد فرماتے ہیں:

اَلْیَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰۤی اَفْوَاھِھِمْ وَتُکَلِّمُنَاۤ اَیْدِیْھِمْ وَتَشْھَدُ اَرْجُلُھُمْ[۶۴]

قیامت کے روز زبانوں پر مہرِ سکوت ثبت کر دی جائے گی اور ان کے ہاتھ پاؤں ہم سے بولنے لگیں گے اور اپنے اعمال بیان کریں گے۔

دست و پا بدہد گواہی در بیاں
بر فسادِ خود بہ پیشِ مستعاں

ہاتھ اور پاؤں بولنے لگیں گے اور اپنے اعمالِ مجرمانہ حق تعالیٰ کے روبرو پیش کریں گے۔

دست گوید من چنیں دزدیدہ ام
لب بگوید من چنیں بوسیدہ ام

ہاتھ کہے گا: میں نے اس طرح چوری کی ہے۔ لب کہیں گے: ہم نے اس طرح نامحرموں کا بوسہ لیا ہے۔

---

[۶۴] یٰسٓ: ۶۵

چشم گوید کردہ ام غمزہ حرام
گوش گوید چیدہ ام سوءَالکلام

آنکھ کہے گی: میں نے حرام اشارہ بازی کی ہے، کان کہے گا: میں نے برے برے گانے اور بری باتیں سنی ہیں۔

پا بگوید من شدستم تامنی
فرج گوید من بکردستم زنا

پاؤں کہے گا کہ میں گناہ کے مواقع تک چل کر گیا اور شرم گاہ کہے گی کہ میں نے زنا کیا ہے۔

عالَم اول برائے امتحاں
عالَم ثانی جزائے ایں و آں

یہ عالمِ دنیا امتحان کے لیے ہے دوسرا عالمِ آخرت جزا و سزا کے لیے ہے۔

در بیانِ مذمتِ حُبِّ شہرت و نام و نمود

خویش را رنجور ساز و زار زار
تا ترا بیروں کنند از اشتہار

اپنے کو شکستہ اور اس طرح بے سر و ساماں رکھو کہ مخلوق تم کو معمولی سمجھ کر نظر انداز کردے اور شہرت سے باہر نکال دے۔

اشتہارِ خلق بندِ محکم است
قید ایں از بندِ آہن کے کم است

مخلوق میں مشہور ہو جانا اللہ کے راستے میں بہت ہی مضبوط زنجیر ہے اور یہ زنجیر لوہے کی زنجیر سے کم نہیں ہے، خلوۃ کا محبوب ہونا اور شہرت سے متوحش رہنا عینِ مذاقِ نبوت ہے اور عینِ مقامِ تبتل ہے۔ البتہ من جانب اللہ بدون طلب شہرت مضر نہیں۔

ہم نے اپنے کو گم کیا تھا آہ
میرا شہرہ اڑادیا کس نے

آہ را جز آسماں ہمدم نبود
راز را غیرِ خدا محرم نبود

عاشق کو تنہائی ایسی درکار اور مطلوب ہے کہ اس کی آہ کا بجز آسمان کے کوئی اور سننے والا نہ ہو اور اس کے رازِ محبت کا بجز محبوبِ حقیقی تعالیٰ شانہٗ دوسرا محرم نہ ہو۔

مشورہ با گروہِ صالحاں

مشورہ کن با گروہِ صالحاں
بر پیمبر امر ہم شوریٰ بداں

صالحین سے مشورہ کرتے رہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی مشورہ کرنے کا حکم نازل فرمایا گیا: شَاوِرۡھُمۡ فِی الۡاَمۡرِ [۶۵]

ایں خردہا چو مصابیحِ انورست
بست مصباح از یکے روشن تراست

یہ عقلیں مثلِ چراغ کے روشنی رکھتی ہیں اور ظاہر ہے کہ ایک چراغ کی روشنی سے بیس چراغوں کی اجتماعی روشنی زیادہ اور قوی النور ہوگی۔ یہی صورت تازگئ ایمان کی ہے کہ جب کوئی مؤمن ضعیف الایمان دوسرے مؤمن قوی الایمان و صاحبِ یقینِ کامل کی صحبت میں بیٹھتا ہے تو قوی ایمان کی روشنی سے ضعیف ایمان کی روشنی بھی قوی تر ہو جاتی ہے۔ ایک صحابی رضی اللہ عنہ ایک صحابی رضی اللہ عنہ کے مہمان ہوئے جب وہ عبادتِ نافلہ کے لیے اٹھنے لگے تو میزبان صحابی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اِجۡلِسۡ بِنَا نُؤۡمِنۡ سَاعَۃً [۶۶]

---

۶۵ اٰل عمرٰن:۱۵۹

۶۶ صحیح البخاری:۱/۶-۷،(کتاب الایمان باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم: بنی الاسلام علی خمس)،المکتبۃ المظھریۃ

میرے پاس بیٹھو ہم کچھ دیر تم سے ایمان تازہ کریں گے۔

بہر ایں کرد ست منع آں باشکوہ
از ترہُّب وز شدن خلوت بکوہ

اسی سبب سے اس باشکوہ ذاتِ گرامی محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے رہبانیت کو اور خلق سے دور بھاگ کر پہاڑ اور جنگل میں خلوت نشین ہو جانے کو ممنوع فرمادیا۔ کیوں کہ صالحین کا گروہ وہاں کہاں ملے گا اور اس وجہ سے ہمیشہ ضعیف النور رہے گا بلکہ اندیشہ ہے کہ یہ ٹمٹماتا ہوا چراغ بھی گل ہو جاوے۔

راہِ سنت با جماعت خوش بود
اسپ با اسپاں یقیں خوشتر رود

اور اسی سبب سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری سنت کا راستہ جماعت کے ساتھ اچھا طے ہوتا ہے۔ جس طرح ایک گھوڑا تنہا سفر کرنے سے زیادہ چند گھوڑوں کے ساتھ عمدہ اور زیادہ خوش رفتاری سے سفر طے کرتا ہے بالخصوص جب کسی نئے گھوڑے کی چال (رفتار) درست کرتے ہیں تو پرانے گھوڑوں کے ہمراہ اس کو چلاتے ہیں، اس طرح سے وہ نو آموز گھوڑا دوسرے گھوڑوں کی آواز (ٹاپ) سن کر خود بخود بآسانی اپنے قدموں کو اسی انداز پر خوش رفتاری کا خوگر کرلیتا ہے اور تنہا گھوڑے کو اس کے بدون یہی مشق اور تمرین ہزاروں چابکوں کی ضرب سے بھی حاصل کرنا مشکل اور عادۃً محال ہوتی ہے۔ بالکل اسی طرح جو شخص اللہ کے راستے کو تنہا قطع کرنا چاہتا ہے عمر تمام ہو جاتی ہے اور منزل سے محروم رہتا ہے اور صالحین کی صحبت میں نہایت آسانی سے اور پُر لطف طور پر یہ راستہ طے ہو جاتا ہے اوراس طریق کی کامیابی پر قرآن واحادیث کے شواہد ہیں اور اولیائے امت سے اس طریق پر کامیابی کا حصول تواتر سے ثابت ہے: ”فَمَنْ شَآءَ فَلْیُجَرِّبْ“

تا نہ گردد فوتِ ایں نوعِ التقا
کاں نظر بخت است و اکسیرِ بقا

اور رہبانیت و مطلق خلوت نشینی بکوہ وبیابان کو ممنوع فرمانے کا مقصد بھی یہی ہے کہ یہ صالحین کی صحبت سے محرومی کا باعث ہوتی اور نظرِ مقبولانِ الٰہی سے جو تاثیر اور تبدیلِ احوال میں کیمیا ہے ایسی خلوت محروم کردیتی ہے۔

غیرتِ حق پردہ انگیختہ
سفلی و علوی بہم آمیختہ

غیرتِ حق نے امتحان کے لیے پردہ ڈال دیا ہے اور نیکوں اور بدوں کو دنیا میں مخلوط رکھا ہے یعنی دونوں گروہ اسی زمین پر ملے جلے زندگی بسر کرتے ہیں، صرف اہلِ بصیرت مقبولانِ الٰہی کو پہچانتے ہیں۔

قدر مجذوب کی خاصانِ خدا سے پوچھو
شہرۂ عام تو اک قسم کی رسوائی ہے

دربیانِ تواضعِ بے محل و تکبرِ بے محل

اے تواضع بردہ پیشِ ابلہاں
اے تکبر کردہ تو پیشِ شہاں

اے شخص کہ تو تواضع کرتا ہے دنیاداروں کے ساتھ تاکہ ان کو خوش کرکے حقیر دنیا (جاہ یامال) حاصل کرے اور تکبر کرتا ہے ایسے مقبولانِ الٰہی سے جو بظاہر خستہ و شکستہ حال اور بباطن رشکِ سلاطین ہیں!

سیر چشماں را گدا پنداشتن
وز حسد شاں خفیہ دشمن داشتن

یہ مقبولانِ الٰہی جن کے قلوب تمام دنیاومافیہا کی حرص و طمع سے آزاد ہوچکے ہیں ان سیر چشموں کی ظاہری حالتِ فقر و مسکنت کو دیکھ کر تو ان کو گداگر اور بھک منگا سمجھتا ہے اور ان کے ساتھ حسد کے سبب دل میں ان سے دشمنی رکھتا ہے جیسا کہ بعض اہلِ ظاہر علم کے باوجود مقبول بندوں کی مقبولیت پر حسد کرتے ہیں۔

گر گدایاں طامع اند و زشت خو
در شکم خواراں تو صاحبدل بجو

اگرچہ گدایاں یعنی فقراء کی اکثریت لالچی اور بدخو ہے لیکن ان ہی شکم خواروں میں اہلِ دل بھی تلاش کرنے سے مل جاتے ہیں یعنی اہلِ دل اور صاحبِ کمال بندے بھی ان ہی فقیروں کے بھیس میں اپنے کو مٹائے ہوئے چھپے ہوئے ہیں، اگر تم گداگروں کی طمع اورزشت خوئی کے سبب ہی سے متوحش اور متنفر ہو جاؤ گے تو اہلِ کمال اور اہلِ دل سے بھی محروم ہو جاؤ گے۔

در تگِ دریا گہر با سنگہاست
فخرہا اندر میانِ ننگہاست

کیا تم دیکھتے نہیں کہ دریا کی گہرائی میں موتی دوسرے پتھروں کے ساتھ مخلوط ہوتا ہے پس اگر تم سب ہی پتھروں اور کنکریوں کو نظرانداز کردو گے تو موتی سے بھی محروم ہو جاؤ گے۔ سمجھ لو کہ ان ہی بے نام ونشان اور بے خستہ حالوں میں بہت سے اہلِ فخر وصاحبِ کمال بھی موجود ہیں۔

ہاں و ہاں ایں دلق پوشانِ من اند
صد ہزار اندر ہزاراں یک تن اند

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ حکایۃً عن الحق بیان فرماتے ہیں کہ اے لوگو! خبردار! خبردار! یہ گدڑی پوش بندے ہمارے خاص بندے ہیں اور ہمارے تعلّقِ خاص کی برکت واعزاز سے ان کی تنہا شخصیت ایک لاکھ انسانوں کے برابر ہے۔

دربیانِ استقامت وسعیِ مسلسل واحترازازمایوسی

گفت پیغمبر کہ چوں کوبی درے
عاقبت بینی ازاں درہم سرے

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر تم مسلسل کسی دروازے کو کھٹکھٹاتے

رہو گے تو ایک دن ضرور ایسا آئے گا کہ تم اس دروازے سے کوئی سر دیکھو گے۔

گر نشینی بر سرِ کوئے کسے
عاقبت بینی تو ہم روئے کسے

اگر تم کسی گلی کے سرے پر جم کر بیٹھ رہو گے تو اس گلی سے ضرور ایک دن تم کو کوئی چہرہ نظر آوے گا۔

نوٹ: دونوں اشعار کا حاصل یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی راہ میں مسلسل سعی کرتے رہو، ایک نہ ایک دن ضرور آغوشِ رحمت تمہارے لیے اپنا دامن وا کرے گی اور تم پر نظرِ عنایتِ خاص ضرور ڈالی جائے گی۔ مجاہدہ شرط ہے۔

ور بعقل ادراکِ ایں ممکن بُدے
قہرِ نفس از بہرِ چہ واجب شدے
(رومیؒ)

اگر اس قربِ خاص کا درجۂ تحقیق میں ادراک صرف عقل سے ممکن ہوتا تو نفس پر مجاہدہ کیوں فرض ہوتا۔

تشنگاں گر آب جویند از جہاں
آب ہم جوید بہ عالم تشنگاں

پیاسے اگر جہان سے پانی ڈھونڈتے ہیں تو پانی بھی اپنے پیاسوں کو تلاش کرتا ہے۔

مری طلب بھی کسی کے کرم کا صدقہ ہے
قدم یہ اٹھتے نہیں ہیں اٹھائے جاتے ہیں
(جگرؔ)

نہ میں دیوانہ ہوں اصغر نہ مجھ کو ذوقِ عریانی
کوئی کھینچے لیے جاتا ہے خود جیب و گریباں کو
(اصغرؔ)

گرز چاہے می کنی ہر روز خاک
عاقبت اندر رسی در آبِ پاک

اگر تم کسی کنویں سے مسلسل مٹی نکالتے رہوگے تو ایک نہ ایک دن ضرور تم کو آبِ صاف کا وصال نصیب ہو جائے گا اور قبل وصول آثارِ وصول شروع ہو جائیں گے۔ جن سے تم کو ہمت و حوصلہ افزائی اور ترقی فی المجاہدہ کی توفیق ہو گی اور ناامیدی سے حفاظت رہے گی۔ چناں چہ کنواں کھودنے والا جب مٹی میں نمی اور تری کا مشاہدہ کرتا ہے تو خوش ہو جاتا ہے کہ بس اب پانی قریب ہے۔ پھر پانی اور مٹی مخلوط یعنی کیچڑ جب نکالتا ہے تو سمجھتا ہے کہ بس اب پانی بہت ہی قریب ہے اور تھوڑی سی محنت کے بعد صاف پانی کا سرچشمہ پالیتا ہے، یہی حال سالک کا ہے، سلوک میں اولاً بالکل خشک اور بے کیف ذکر اور مجاہدہ شروع کرتا ہے، کچھ دن کے بعد اس کے ذکر میں حق تعالیٰ کی محبت کی نمی اور تری نمایاں ہونے لگتی ہے اور اس کی یہ لذت اور درد کی مٹھاس اس کی ہمت و حوصلہ افزائی کرتی ہے۔ ایک مدت کے بعد کیچڑ کا درجہ آجاتا ہے، اب نمی سے ترقی ہوئی یعنی ذکر میں اللہ کی محبت کی حلاوت اور زیادہ ہو جاتی ہے لیکن انوارِ ذکر روح میں ابھی خالص نہیں ہوتے بلکہ ظلماتِ معاصی سے مخلوط ہوتے ہیں۔ اس حالت میں وہ اپنے نفس کی کھدائی اور تیز کر دیتا ہے یعنی مجاہدہ تیز کر دیتا ہے اور تقویٰ کامل کا اہتمام کرتا ہے تاکہ اس آبِ غیر صاف سے (قربِ ناقص سے) مٹی (ظلمات، معاصی) بالکلیہ الگ ہو جائے اور آبِ صاف (قربِ خاص) نصیب ہو جائے اور سالک سمجھ جاتا ہے کہ اب پانی کی منزل قریب تر ہے پھر کچھ مدت مجاہدات و معمولات، ذکر پر استقامت کی برکت سے یہ کیچڑ جس میں کہ پانی مغلوب اور مٹی غالب تھی ختم ہو جاتی ہے اور اب پانی غالب اور مٹی مغلوب ہو جاتی ہے جس کو گدلا پانی کہتے ہیں یعنی روح میں اب انوارِ ذکر غالب اور ظلماتِ معاصی مغلوب ہو جاتے ہیں۔ پھر کچھ دن کی محنت و مجاہدے کے بعد یہ خاک آلود پانی بھی ختم ہو جاتا ہے اور سالک آبِ صاف سے (وصولِ تام اور قربِ خاص سے) مشرف ہو جاتا ہے۔ اس کیفیت کو بس اتنا ہی سمجھ لینا چاہیے کہ جب پانی اور مٹی مخلوط تھا

اس وقت حالت سالک کی یہ تھی کہ مست ہو رہا تھا۔

جُرعہ خاک آلود چوں مجنوں کند
صاف گر باشد ندانم چوں کند

(رومیؒ)

خاک آمیز جُرعہ جب مجنون کر دیتا ہے تو اگر صاف ہو گا تو نہ جانے کیا کچھ کیف پیدا کرے گا اَللّٰھُمَّ اٰتِنَا نَصِیْبًا مِّنْہُ-اٰمین یہ صاف جرعہ متقین کاملین اور صدیقین کا حصہ ہے۔ ورنہ معاصی ہمارے جُرعۂ نور کو خاک آلود اور ظلمات آلود کر دیتے ہیں اور صاف جرعہ یعنی قربِ خاص نصیب ہونے پر علومِ خاصہ اور وارداتِ غیبیہ سے قلب مشرف ہوتا ہے اور کدوراتِ نفسانیہ سے اس کے انوارِ علوم صاف ہوتے ہیں۔

بال و پر ماکند عشقِ اوست
موکشانش می کشد تا کوئے دوست

حق تعالیٰ کے راستے میں ہمارے بال و پر خود حق تعالیٰ شانہٗ کی طرف سے جذب ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے اَللّٰہُ یَجْتَبِیْٓ اِلَیْہِ مَنْ یَّشَآءُ[٦٧] حق تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں اپنی طرف کھینچ لیتے ہیں۔ دوسری جگہ ارشاد فرمایا یُحِبُّھُمْ وَیُحِبُّوْنَہٗٓ[٦٨] اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اوّلاً ہم محبت کرتے ہیں پھر ہماری محبت کا عکس تمھاری جانوں کو ہماری یاد کے لیے مضطر کرتا ہے اور تم اپنے دل میں ہماری یاد کا تقاضا محسوس کرتے ہو اور ہماری تلاش میں بے چین رہتے ہو۔ پس حق تعالیٰ کا یہ اجتذاب (کششِ غیبی) ہم کو موکشاں ان کے دربارِ خاص تک لے جاتا ہے۔

اس کی نگاہِ مہر خود مجھ کو اڑا کے لے چلی
شبنمِ خستہ حال کو حاجتِ بال و پر نہیں

(اصغرؔ)

٦٧؎ الشوریٰ:١٣
٦٨؎ المآئدۃ:٥٤

ترے کرم کی نظر کے صدقے تری نظر کے کرم کے صدقے
انوکھے ساغر ہیں جن سے مجھ کو مئے محبت پہنچ رہی ہے

محبت دونوں عالم میں یہی جا کر پکار آئی
جسے خود یار نے چاہا اسی کو یادِ یار آئی
(بابا نجم احسنؒ)

گر تو طالب نیستی تو ہم بیا
تا طلب یابی ازیں یارِ وفا

اگر تم طالب نہیں ہو یعنی اپنے دل میں حق تعالیٰ شانہٗ کی طلب محسوس نہیں کرتے تو تم کو بھی مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ تم کو بھی کسی اللہ والے کی صحبت میں جانا چاہیے تاکہ اس یارِ باوفا سے تمھیں حق تعالیٰ کی طلب و پیاس عطا ہو۔

احتراز از ترکِ عمل بسببِ کوتاہئ عمل

دوست دارد دوست ایں آشفتگی
کوششِ بے ہودہ بہ از خفتگی

بعض طالبین ذکر میں ناغہ یا وسوسوں سے تنگ آکر تمام معمولات چھوڑ بیٹھتے ہیں اس خیال سے کہ جب حضورِ قلب سے ذکر نہ ہوا یا ناغہ ہوتا رہتا ہے تو پھر اس ذکر سے کیا فائدہ ہوگا یا دل کو اطمینان نہیں، فلاں کام کی فکر ہے اس فکر سے نجات حاصل کر کے پھر ذکر شروع کروں گا۔ یہ شیطان کا دھوکا ہے، اسی دھوکے کا یہ علاج ہے۔ فرماتے ہیں: حق تعالیٰ شانہٗ اپنے بندوں کی آشفتہ حالی و درماندگی اور عاجزی کو محبوب رکھتے ہیں لہٰذا اپنے اعمال کی کوتاہیوں اور ناغوں سے یا عدمِ حضورِ قلب اور کثرتِ وساوس سے تنگ آکر اعمال کو ترک نہ کرو، یہ بے ہودہ اور نکمی کوشش بھی بالکل سو رہنے سے بہتر ہے۔

اندریں رہ می تراش و می خراش
تا دمے آخر دمے فارغ مباش

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی راہ میں مسلسل کوشش کرتے رہو، اپنی آخری سانس تک اپنے کو فارغ نہ سمجھو:

وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَأْتِيَكَ الْيَقِيْنُ[۶۹]

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ ناغہ کے معمولات کی پابندی یہ بھی ایک قسم ہے استقامت کی، ناامید نہ ہونا چاہیے کام میں بہر حال لگے رہنا چاہیے اور ارشاد فرمایا کہ اطمینان کا انتظار مت کرو جس حالت میں ہو ذکر شروع کر دو، اطمینان خود موقوف ہے ذکر پر، ذکرِ کامل پر اطمینانِ کامل اور ذکرِ ناقص پر اطمینانِ ناقص کا ثمرہ مرتب ہوتا ہے۔

نہ چت کر سکے نفس کے پہلواں کو
تو یوں ہاتھ پاؤں بھی ڈھیلے نہ ڈالے
ارے اس سے کشتی تو ہے عمر بھر کی
کبھی وہ دبا لے کبھی تو دبا لے
بیٹھے گا چین سے اگر کام کے کیا رہیں گے پر
گو نہ نکل سکے مگر پنجرے میں پھڑ پھڑائے جا
کھولیں وہ یا نہ کھولیں در اس پہ ہو کیوں تیری نظر
تو تو بس اپنا کام کر یعنی صدا لگائے جا

کوتاہئ عمل کے سبب دل میں جو ندامت پیدا ہوتی ہے حق تعالیٰ اس ندامت اور شکستگی کو زیادہ پسند کرتے ہیں بجائے اس کے کہ اعمال کی کثرت ہو اور عجب و پندار و تکبر میں مبتلا ہو ان کی راہ میں آہ وزاری اور ندامت و عاجزی ہی کام آتی ہے۔

فہم خاطر تیز کردن نیست راہ
جز شکستہ می نہ گیرد فضلِ شاہ

۶۹؎ الحجر: ۹۹

حق تعالیٰ کی راہ میں فہم تیز کرنا کچھ کام نہیں آتا۔ شکستگی اور احساسِ ندامت ہی کی اس بارگاہ میں قدر و منزلت ہے پس فضلِ شاہِ حقیقی اپنے درماندوں اور عاجزوں کی دستگیری فرماتا ہے۔

گریہ وزاری قوی سرمایہ است
رحمتِ کلّی قوی تر دایہ است

ان کی راہ میں اپنی کوتاہیوں پر گریہ وزاری قوی سرمایہ ہے اور حق تعالیٰ کی رحمت ایسے بندوں کے لیے جو اپنے کو ہیچ اور کمتر اور ذلیل سمجھتے ہیں قوی تر محافظ اور مربّی ہے ؎

شبِ فرقت کی تاریکی کو ہم یوں دور کرتے ہیں
کہ اپنی آہ سے روشن چراغِ طور کرتے ہیں

در بیانِ اہتمامِ اصلاحِ باطن واجتناب از صورت پرستی کہ ایں صور اشیاء در راہِ حق حجاب ہستند

زیں قدح ہائے صُور کم باش مست
تانہ گردی بت تراش وبت پرست

ان صورتوں کے پیالوں سے مست مت ہونا تاکہ تم بت تراش اور بت پرست نہ شمار ہو ؎

حسنِ ظاہر پر اگر تو جائے گا
یہ منقش سانپ ہے ڈس جائے گا

(مجذوب رحمۃ اللہ علیہ)

زیں قدحہائے صور بگزر مایست
بادہ در جام ست ولے از جام نیست

ان صورتوں کے پیالوں سے آگے گزر جاؤ اوران کو نظر انداز کردو، ان پر نظر کو ٹھہرانا دنیا اور دین کو تباہ کرنا ہے۔ ان پیالوں میں جو حسن جھلک رہا ہے وہ کہیں اور سے آرہا ہے، آگے بڑھو۔ حضرت مجذوب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

ارے یہ کیا ظلم کر رہا ہے کہ مرنے والوں پہ مر رہا ہے
جو دم حسینوں کا بھر رہا ہے بلند ذوقِ نظر نہیں ہے

(مجذوب رحمۃ اللہ علیہ)

خانۂ پُر نقش تصویر و خیال
ایں صورہا پردہ برگنجِ وصال

اگر ان ہی صورتوں کے تصورات اور خیالات تمہارے دل میں بھرے رہے تو محبوبِ حقیقی کی تجلیاتِ ابدی سے محروم ہو جاؤ گے کیوں کہ یہ سب حجابات ہیں خزانۂ وصال پر جس طرح چاند کا عکس پانی پر دیکھنے والا عاشقِ عکس ہونے کے سبب اصل چاند سے محروم اور ہر قدم عکس کی جستجو میں اصل سے دوری کا باعث ہوگا اسی طرح عاشقِ مجاز محروم رہتا ہے عشقِ حقیقی سے اگرچہ بعض جہلائے صوفیا عشقِ مجازی کو عشقِ حقیقی کے حصول کا واسطہ سمجھ کر ضَلُّوْا فَاَضَلُّوْا کے مصداق ہیں، عشقِ مجازی دراصل عشق نہیں فسق ہے۔

ایں نہ عشق است آں کہ در مردم بود
ایں فساد از خوردنِ گندم بود

یہ عشق نہیں ہے جس کو فاسقین عشق کہتے ہیں، یہ صرف روٹی کا فساد ہے، اگر چند دن کھانے کو نہ ملے تو تمام عشق ناک کے راستے نکل جاوے۔ جیسا کہ دمشق میں عشق بہت پھیل رہا تھا اسی زمانے میں قحط پڑا، جب چند دن کھانے کو نہ ملا تو عاشقوں نے عشق سے توبہ کرلی۔

چناں قحط سالی شد اندر دمشق
کہ یاراں فراموش کردند عشق

(سعدی رحمۃ اللہ علیہ)

عشقِ مجازی کا فسق ہونا قرآنِ پاک سے منصوص ہے اَفَمَنْ زُیِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ فَرَاٰهُ حَسَنًا[یٰ] تفصیل کے لیے تمییز العشق من الفسق مستقل رسالہ حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا مطالعہ کیا جاوے۔

یٰ فاطر:۸

قصر چیزے نیست ویراں کن بدن
گنج درویرانی است اے میرِ من

خزانہ ہمیشہ ویرانی میں دفن کیا جاتا ہے پس محل کوئی چیز نہیں۔ جسم کو اور اس کی طاقتوں کو تقویٰ کے حمام میں ویران کردو، پھر دل کی خواہشات کا محل ویران کرنے کے بعد تعلق مع اللہ کا خزانہ اسی ویرانے میں مشاہدہ کرلوگے، پہلے دل کی خواہشات کا خون کرنا ہوگا، ہر گناہ خواہ کتنا ہی لذیذ معلوم ہو چھوڑنا پڑے گا۔

بہت گو ولولے دل کے ہمیں مجبور کرتے ہیں
تری خاطر گلے کا گھونٹنا منظور کرتے ہیں

مثلاً کوئی اجنبیہ یا لڑکا سامنے ہے، دل چاہتا ہے کہ ایک نظر اس کو دیکھ لوں، اسی وقت اللہ کا عاشق آسمان کی طرف دیکھتا ہے کہ دل تو یہ چاہتا ہے مگر ہمارا مالک و خالق اور مولیٰ اوپر سے دیکھ رہا ہے۔ ان کو ناراض کرکے ہم کب چین سے رہ سکتے ہیں، بس اپنی آنکھیں نیچی کرکے آگے گزر جاتا ہے، اس وقت دل کا خون ہوتا ہے مگر اسی وقت جو قربِ خاص عطا ہوتا ہے وہ ہزاروں ذکر و نوافل سے بھی عطا نہیں ہوتا کیوں کہ ذکر میں تو لطف آتا ہے اور یہاں دل کی خواہش تباہ ہوتی ہے۔

میکدہ میں نہ خانقاہ میں ہے
جو تجلّی دلِ تباہ میں ہے

خواہشاتِ نفسانیہ سے گھبرانا نہ چاہیے، ان ہی کا خون کرکے سالک خونہائے قربِ خاص کا مستحق ہوتا ہے۔

ما بہا و خونبہا را یافتم
جانبِ جاں باختن بشتافتم

ہم اپنے خوں کا خوں بہا یعنی مجاہدات کا ثمرہ تعلق مع اللہ کا انعام پاچکے ہیں اس لیے ہم خوشی خوشی جان دینے کے لیے جلدی کررہے ہیں۔

راہِ لذت از دروں داں نز بروں
ابلہی داں جستنِ قصرِ حصول

لذت کا راستہ اندر سے ہے باہر سے نہیں ہے۔ محل و قلعے کی جستجو بے کار ہے۔ بڑے بڑے محل والوں کو خودکشی پر آمادہ پایا گیا کیوں کہ جب دل میں کوئی خیال غم موجود ہوتا ہے تو بنگلے اور کار اور شراب و کباب سب تلخ معلوم ہوتے ہیں۔

دل گلستاں تھا تو ہر شے سے ٹپکتی تھی بہار
دل بیاباں ہو گیا عالم بیاباں ہو گیا

از بروں چو گورِ کافر پُر حلل
واندروں قہرِ خدائے عز و جل

کافر کی قبر پر بینڈ باجے بجائے جاتے ہیں اور پھولوں کی بارش کی جاتی ہے لیکن اندر خدا کا قہر ہوتا رہتا ہے پس صرف ظاہر کا آرام مت دیکھو، دل کا اطمینان جو صرف حق تعالیٰ کے فرماں برداروں کو نصیب ہوتا ہے وہ حاصل کرنا چاہیے۔

شاہِ جاں مر جسم را ویراں کند
بعد ویرانش آباداں کند

جس طرح کسی مکان میں دفینہ ہو اور صاحبِ مکان مفلس ہو اور اس کو کوئی صادق القول مشورہ دے کہ اس مکان کو تم ویران کردو تو نیچے تمہارے دادا کا دفن کردہ خزانہ مل جاوے گا۔ پھر اس سے تمہارا افلاس بھی دور ہو جاوے گا اور اس سے بہتر مکان بن جاوے گا اسی طرح اس جسم اور اس کی خواہشات کو حق تعالیٰ شانہٗ اولاً مجاہدات سے ویران کرتے ہیں اور اس کے بعد اپنے تعلقِ خاص کے خزانے سے ایسی حیات عطا فرماتے ہیں کہ دنیا ہی میں جنت کا لطف و چین معلوم ہونے لگتا ہے۔

ترے تصور میں جانِ عالم مجھے وہ راحت پہنچ رہی ہے
کہ جیسے مجھ تک نزول کرکے بہارِ جنت پہنچ رہی ہے

(احسنؔ)

قاطع الاسباب لشکرہائے مرگ
ہمچو دے آید بقطعِ شاخ و برگ

رحمت کے اسباب ووسائل کو ختم کرنے والی فوج یعنی موت مع اپنے لشکر کے مثلِ خزاں کے تم کو بے روح کردے گی اور حیاتِ عارضی کی بہار چندروزہ پر دائمی زندگی یعنی آخرت کا عیش تباہ کرنے والا اس وقت خزاں رسیدہ چمن ہوگا۔ (دے بمعنیٰ خزاں)

آں زماں یک چاہ شورے اندروں
بہ ز صد جیحونِ شیریں از بروں

اس وقت جب کہ قلعے کے اندر کوئی چشمہ نہ ہو اور اہلِ قلعہ صرف بیرونی نہروں سے پانی حاصل کرتے ہوں اور اچانک دشمن کی فوج باہر سے نہروں کو بند کردے تو اہلِ قلعہ کی زندگی کے لیے اسی قلعے کے اندر ایک کھاری چشمہ بھی باہر کے سینکڑوں دریائے جیحون سے بہتر ہوگا، اسی طرح زندگی میں حواسِ خمسہ کے ذریعے انسان عیش حاصل کررہا ہے اور موت آنکھ، کان، ناک، زبان اور جلد (باصرہ، سامعہ، شامّہ، ذائقہ، لامسہ) کے ذریعے باطن میں درآمد ہونے والی لذتوں کے راستوں کو کاٹ دیتی ہے اور یہ حواس دنیا کی لذتوں کو محسوس کرنے سے عاجز اور معطل ہوجاتے ہیں۔

قضا کے سامنے بے کار ہوتے ہیں حواس اکبرؔ
کھلی ہوتی ہیں گو آنکھیں مگر بینا نہیں ہوتیں

(اکبرؔ)

اب مردے کی زبان شامی کباب کے لطف سے معطل ہے، اس کی آنکھیں بیوی بچوں کو دیکھنے سے عاجز ہیں، کان ریڈیو کے نغمات نہیں سن سکتے۔ زبان بے زبان ہورہی ہے، کیا بے کسی کا عالم ہے، اس وقت اگر روح میں تعلق مع اللہ کا کوئی کھاری چشمہ بھی ہوتا یعنی ناقص طاعات کا ضعیف نور بھی ہوتا تو یہ لذاتِ فانیہ کے ان سینکڑوں دریائے شیریں سے جو بذریعۂ حواسِ خمسہ اندر داخل ہورہے تھے بہتر ہوتا اور اس بے کسی کے وقت روح کو اس سے انس و سکون حاصل ہوتا۔ حق تعالیٰ اپنی رحمت سے سب

مسلمانوں کو چند روزہ بہار زندگی کے دھوکے سے محفوظ فرماویں اور آخرت کی باقی و دائمی و غیر فانی نعمتوں کے لیے اعمالِ صالحہ کی توفیق عطا فرمادیں۔ آمین۔

زلفِ جعد و مشکبار و عقل بر
آخرِ اودمِ زشتِ پیرِ خر

وہ حسین جس کی زلف آج گھونگھر والی، مشکبار اور عقل کو اڑانے والی ہے چند ہی دن بعد بڑھاپا اسی زلف کو بوڑھے گدھے کی دُم بنادیتا ہے اور بالکل بے قدر ہو جاتی ہے۔

کودکے از حسن شد مولائے خلق
بعد پیری شد خرف رسوائے خلق

وہ حسین بچہ جس کو اہلِ ہوس اپنا سردار اور مولیٰ بنائے ہوئے ہیں اور اس کی خوشامدیں اور تعریفیں اور خاطر و تواضع کر رہے ہیں، بوڑھا ہونے کے بعد کھوسٹ بندر کی طرح رسوائے زمانہ ہو جاتا ہے۔

چوں بہ بدنامی بر آید ریشِ او
دیو را ننگ آید از تفتیشِ او

اور جب اسی بدنامی کی حالت میں اس حسین لڑکے کی داڑھی نکل آتی ہے تو اب شیطان بھی اس کی خیریت معلوم کرنے سے شرماتا ہے۔

گیا حسنِ خوبانِ دل خواہ کا
ہمیشہ رہے نام اللہ کا

چوں رود نور و شود پیدا دخاں
بفسرد عشقِ مجازی آں زماں

جب حسن کا اس کے چہرے سے نکھار جاتا رہتا ہے تو عشقِ مجازی ٹھنڈا پڑ جاتا ہے۔

زیں سبب ہنگامہا شد کل ہدر
باشد ایں ہنگامہ ہر دم گرم تر

اسی سبب سے عشقِ مجازی کے تمام ہنگامے جلد ہی خاموش ہو جاتے ہیں اور عشقِ حقیقی کا ہنگامہ ہمیشہ گرم تر اور ترقی پذیر رہتا ہے اور جو لذت روح کو عطا ہوتی ہے وہ صدہا حیات قربان کر دینے پر بھی ارزاں ہے۔

چشمِ غرہ شد بخضرائے دمن
عقل گوید بر محکِّ ماش زن

گاؤں میں اہلِ دیہات جانوروں کا پائخانہ ایک جگہ جمع کر دیتے ہیں، ہوائیں اس پر خاک کی تہہ جما دیتی ہیں، بارش اس پر نہایت عمدہ سبزہ اُگا دیتی ہے، نیچے گوبر جس نے نہیں دیکھا اس کی آنکھ اس سبزے پر فریفتہ ہو جاتی ہے، عقل کہتی ہے کہ تہہ سبزہ کیا چیز ہے اس کی تحقیق کرو، دنیا مردار ہے، اوپر سے مزین اور حسین ہے، اللہ و رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دنیا کی بے ثباتی اور فنائیت سے آگاہ فرماتے ہیں۔ کفار پھر بھی اسی پر عاشق ہیں اور موت کے وقت محروم کفِ افسوس ملتے ہوئے، اس رنگین دنیا کو چھوڑ کر چلے جاتے ہیں۔

رنگ رلیوں پہ زمانہ کی نہ جانا اے دل
یہ خزاں ہے جو باندازِ بہار آئی ہے

جو چمن میں گزرے تو اے صبا تو یہ کہنا بلبلِ زار سے
کہ خزاں کے دن بھی ہیں سامنے نہ لگانا دل کو بہار سے

زاں لقب شد خاک را دارا لغرور
کو کشد پا را سپس یوم العبور

اسی سبب سے دنیائے فانی کا لقب دھوکے کا گھر (دارالغرور) رکھا ہے اور یہ لقب رکھنے والا وہ ہے جس نے دنیا کو پیدا کیا ہے پس خالق سے بڑھ کر اپنی مخلوق کی حقیقت کون جان سکتا ہے، دنیا دھوکے کا گھر اس وجہ سے ہے کہ جب انسان کا سفر دوسرے عالم کو شروع ہوتا ہے یعنی موت آتی ہے تو مرنے والے کا مکان، تجارت، دوست، احباب،

اولاد، بیوی، ماں باپ سب ساتھ چھوڑ دیتے ہیں اور زندگی میں دنیا ہر وقت وفاداری کا دم بھرتی ہے، حق تعالیٰ اپنی رحمت سے دنیا کی محبت سے محفوظ فرمادیں۔ آمین۔

عشق بامردہ نہ باشد پائیدار
عشق رابا حی و با قیوم دار

مرنے والے سے محبت پائیدار نہیں ہوتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

اَحۡبِبۡ مَنۡ شِئۡتَ فَاِنَّكَ مُفَارِقُهٗ[۱]

تم جس سے چاہو محبت کرو لیکن یاد رکھو کہ تم اس سے جدا ہونے والے ہو یا تم پہلے مروگے یا تمہارا محبوب پہلے مرے گا۔ جدائی ہر حال میں لابُدی ہے۔ جب یہ حقیقت ہے تو محبت ایسی زندہ اور ہمیشہ رہنے والی ذات سے کرو جو خود بھی زندہ ہے اور تمام موجودات کو سنبھالنے والی ہے۔

ضروری نبودن احوالِ بزرگاں از نقلِ اقوالِ بزرگاں کہ الفاظ بر زبانہا و معانی در دلہا بودند

لحنِ مرغاں را اگر واقف شوی
بر ضمیرِ مرغ کے عارف شوی

اگر تم نے مرغ کی آواز کی مشق کرلی اور مرغ کی طرح بولنے لگے مگر اس سے یہ کہاں لازم آیا کہ تم مرغ کے ضمیر سے بھی واقف ہوگئے کہ وہ کیا کہہ رہاہے۔

گر بیاموزی صفیرِ بلبلے
تو چہ دانی کو چہ گوید با گلے

اسی طرح اگر تم نے بلبل کی آواز اور سیٹی کی نقل مشق کرلی لیکن تم کو یہ خبر کیسے ممکن ہے کہ وہ پھول سے کیا راز کہہ رہاہے۔ پس جو لوگ اہل اللہ کے ملفوظات اور علوم کو نقل

---

[۱] شعب الایمان للبیہقی: ۱۳/۱۲۵-۱۲۶،(۱۰۰۵۸)،مکتبۃ الرشد

کر کے اپنی مجالس گرم کرتے ہیں اور سامعین کے دلوں کو مسخر کرنا چاہتے ہیں اور خود کسی اللہ والے کی صحبت میں ایک عمر رہ کر سلوک طے نہیں کیا۔ ان کو کیا خبر کہ اللہ والوں کے باطن میں کیا ہوتا ہے۔ صرف نقلِ الفاظ سے ان کے ضمیر اور قلبی احوال و مقامات کی خبر کیسے ممکن ہے؟ یہ خود دھوکے میں ہیں اور دوسروں کو دھوکے میں ڈالے ہوئے ہیں۔

حرفِ درویشاں بدزدد مرد دوں
تا از و بر خلقہا آرد فسوں

کمینہ اور ذلیل لوگ بھی درویشوں کے ملفوظات رٹ لیتے ہیں تاکہ خلائق کو ان چرائے ہوئے حروف سے اپنا گرویدہ بنالیں۔

قلبِ غافل قندیل نیست بولِ قارورہ ہست

آں زجاجے کو ندارد نورِ جاں
بولِ قارورہ ست قندیلش مخواں

جس انسان نے اپنی اصلاح کسی اللہ والے سے کرا کے دل میں نورِ حق نہ حاصل کیا وہ دلِ خدانا آشنا خالی از نورِ حق قارورہ کی شیشی ہے، قندیل کہلانے کا مستحق نہیں۔

دانشِ نورست درجانِ رجال
نے ز دفتر نے ز راہِ قیل و قال

اللہ والوں کی جان اللہ تعالیٰ کے تعلقِ خاص کی برکت سے نورانی فہم و عقل سے مشرف ہوتی ہے اور یہ نورِ فہم مطالعۂ کتب اور بحث و مباحثہ (قیل و قال) سے نصیب نہیں ہوتا ہے۔

باچناں رحمت کہ دارد شاہ ہش
بے ضرورت از چہ گوید نفس کش

اگر نورِ مذکور محض مطالعۂ کتب سے حاصل ہو جاتا تو وہ شاہ جان اور سلطان العقول باوجود اس قدر رحمتِ واسعہ کے نفس کشی یعنی مجاہدے کا حکم کیوں فرماتے۔

حاصل یہ کہ قلب میں نورِ حق عطا ہونے کے لیے مجاہدہ شرط ہے جس کی تدبیر کسی اللہ والے سے معلوم کرنی چاہیے۔

در تعلیمِ ادب واحتراز از سوئے ادبی

بے ادب را اندریں رہ بار نیست
جائے او بر دار شد در دار نیست

بے ادب انسان کے لیے اس راہ میں کوئی حصہ نہیں، اس کی جگہ دار پر ہے، دار میں نہیں، یعنی وہ درباری بنائے جانے کے قابل نہیں۔

از خدا جوئیم توفیقِ ادب
بے ادب محروم ماند از فضلِ رب

حق تعالیٰ سے ہم توفیقِ ادب طلب کرتے ہیں کیوں کہ بے ادب فضلِ رب سے محروم رہتا ہے۔

ہر کہ گستاخی کند اندر طریق
باشد اندر وادئ حیرت غریق

اللہ تعالیٰ کے راستے میں جو گستاخی کرتا ہے (یہ گستاخی ہر نافرمانی سے ہوتی ہے خواہ حقوق اللہ میں ہو یا حقوق العباد میں ہو۔ مثلاً: شیخ، استاد، ماں باپ کے ساتھ بے ادبی کرنا) تو ایسا شخص تمام عمر وادئ حیرت میں غرق ہوتا ہے اور محروم رہتا ہے۔

ہرچہ آید بر تو از ظلماتِ غم
آں ز بے باکی و گستاخی است ہم

جو کچھ تمہارے اوپر رنج و غم کی اندھیریاں آتی ہیں سب کا سبب تمہاری گستاخیاں اور بے باکیاں ہیں یعنی گناہوں پر دلیر اور جری ہونا ہے۔

غم چو بینی زود استغفار کن
غم بامرِ خالق آمد کار کن

پس جب دل میں غم محسوس کرو فوراً استغفار میں مشغول ہو جاؤ کیوں کہ غم حکمِ خالق سے آتا ہے لہٰذا خالق ہی کو راضی کرنے میں مشغول ہو جاؤ فَفِرُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ[۲] اللہ ہی کی طرف بھاگو۔

اے پناہِ ما حریمِ کوئے تو
من بامّیدے رمیدم سوئے تو

اے ہماری پناہ گاہ! ہم ہر طرف سے مایوس ہو کر آپ ہی کے پاس امید لے کر حاضر ہوئے ہیں۔

بر در آمد بندۂ بگریختہ
آبروئے خود ز عصیاں ریختہ

ترجمہ: آپ کے دروازے پر بھاگا ہوا بندہ اپنی آبرو کو گناہوں سے رسوا و ذلیل کر کے پھر حاضر ہوا ہے کہ ۔

جز تو پناہ دگر نیست است

کہ آپ کے علاوہ کوئی اور دوسری پناہ گاہ نہیں۔

بلائیں تیر اور فلک کماں ہے چلانے والا شہِ شہاں ہے
اسی کے زیرِ قدم اماں ہے بس اور کوئی مفر نہیں ہے

(مجذوبؒ)

۲؎ الذّٰریٰت:۵۰

مرگِ اختیاری

در شرح

مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا[۳]

باد تندست و چراغے ابترے
زو بگیرانم چراغِ دیگرے

اس زندگی کا چراغ ضعیف و کمزور ہے اور اس کو بجھانے والی ہوا نہایت تیز چل رہی ہے یعنی موت کی آندھی سے ہر وقت چراغِ زیست خطرے میں ہے پس اس چراغ سے ایک دوسرا پائیدار چراغ روشن کروں گا۔ جس کو موت کی آندھی بھی نہ بجھا سکے گی اور وہ چراغ اعمالِ صالحہ کے نور سے روح میں روشن ہوتا ہے اور موت کے بعد بھی اس منور روح کا نور صحیح و سلامت رہتا ہے۔

رنگِ تقویٰ رنگِ طاعت رنگِ دیں
تا ابد باقی بود بر عابدیں
(رومیؒ)

تقویٰ اور عبادت اور دین کا رنگ قیامت تک یعنی ہمیشہ عابدین کی روحوں پر قائم رہتا ہے۔ اس کو موت بھی فنا نہیں کر سکتی برعکس جسم کے خد و خال اور رنگ روپ موت کے بعد باقی نہیں رہتے لیکن روح کا چراغ اسی زندگی کی جدوجہد اور اعمالِ صالحہ کی محنت سے روشن ہوتا ہے۔ پس چراغِ زندگی کو غنیمت سمجھیے اور گل ہونے سے پہلے روح کے اندر اعمال کے ذریعے اس کی لو سے دوسرا ابدی چراغ روشن کر لیجیے۔

ہمچو عارف کز تنِ ناقص چراغ
شمعِ دل افروخت از بہرِ فراغ

---

[۳] کشف الخفاء ومزیل الالباس:۳۴۶/۲،(۲۶۶۹)، مکتبة العلم الحدیث

جیسا کہ عارفین اپنی جانوں پر مجاہدات کا غم جھیل کر جسم کے فانی چراغ کے گل ہونے سے پہلے ہی دل کا چراغ دائمی و غیر فانی روشن کرلیتے ہیں یعنی دل میں کثرتِ ذکر اللہ، صحبتِ اہل اللہ، فکر فی خلق اللہ سے حق تعالیٰ کی محبت کا چراغ روشن کرلیتے ہیں۔

ہرگز نمیرد آں کہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما

جو دل حق تعالیٰ کی محبت سے زندہ ہوجاتا ہے وہ کبھی نہیں مرتا یعنی اس شمعِ محبت کا دوام تاریخِ عالم پر ثبت ہوجاتا ہے۔

اگر گیتی سراسر باد گیرد
چراغِ مقبلاں ہرگز نمیرد

اگر پوری دنیا تیز آندھی سے بھر جائے پھر بھی مقبولانِ الٰہی کا چراغ گل نہیں ہوسکتا۔

تاکہ روزے ایں بمیرد ناگہاں
پیشِ چشمِ خود نہد او شمعِ جاں

عارفین اپنی زندگی کے چراغ سے بذریعۂ اعمالِ صالحہ دل میں دوسرا چراغ کیوں روشن کرتے ہیں؟ تاکہ قضائے الٰہی سے اگر اچانک یہ چراغ گل ہوجاوے یعنی موت آجائے توروح کے اندر تعلق مع اللہ کا چراغ اپنی آنکھوں کے سامنے رکھ لیں کیوں کہ فنا جسم کو فناروح لازم نہیں اور اس وقت یہ دائمی و غیر فانی چراغ ہی روح کے لیے باعثِ سکون ومسرت ہوتا ہے۔

بہر ایں گفت آں رسولِ خوش پیام
رمزِ موتوا قبل موتٍ اے کرام

اسی سبب سے رسولِ خوش پیام صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مرنے سے پہلے مرجاؤ یعنی جس طرح مردہ دنیا سے بے تعلق ہوتا ہے، اسی طرح تم زندگی ہی میں اپنی جان کو تمام ماسوا اللہ سے بے تعلّق رکھو یعنی دل بیار دست بکار۔ ہر وقت دل کا حق تعالیٰ کے ساتھ مشغول ہونا اور دنیا کے کام کرتے رہنا یہ کس طرح ممکن ہے؟ حضرت تھانوی

رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو ایک مثال سے بیان فرمایا ہے کہ بعض عورتیں گاؤں میں ایک گھڑے پر ایک گھڑا پانی سے بھرا ہوا سر پر رکھ کر باتیں کرتی ہوئی چلتی ہیں اور بغل میں بھی ایک گھڑا ہوتا ہے۔ اس وقت ان کے دل کو سر کے گھڑوں سے ہر وقت رابطہ قائم رہتا ہے، اگر ذرا بھی دل کا تعلق غفلت زدہ ہو جاوے تو فوراً سر کے گھڑے زمین پر آرہیں۔ اسی طرح کثرتِ ذکر اللہ اور صحبتِ اہل اللہ کی برکت سے جب دل کا رابطہ حق تعالیٰ کے ساتھ قائم ہو جاتا ہے تو ہاتھ پاؤں دنیا کے کام کرتے رہتے ہیں لیکن دل اللہ کے ساتھ مشغول رہتا ہے۔

اے بسا نفسِ شہیدِ معتمد
مردہ در دنیا چوں زندہ می رود

اے لوگو! بہت سے اہل اللہ یقین کے ایسے اعلیٰ مقام پر فائز ہیں کہ وہ کمالِ تبتل یعنی انقطاعِ تام عن علائق الدنیا کے سبب دنیا میں گویا مردہ ہو چکے ہیں اگرچہ مثل زندوں کے وہ بھی تمہارے اندر چلتے پھرتے ہیں۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر تم دنیا میں کسی مردے کو چلتا پھرتا دیکھنا چاہتے ہو تو میرے صدیقِ اکبر (رضی اللہ عنہ) کو دیکھ لو۔

حضرت شیخ مولانا شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوری قدس سرہ العزیز کا ایک عریضہ جو حضرت تھانوی کی خدمت میں ارسال ہوا تھا اور جس کو حضرتِ اقدس نے حاضرینِ مجلس کو پڑھ کر سنایا اس کا مضمون یہ تھا: ”میں اگرچہ دنیا کی زمین پر چلتا پھرتا ہوں لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میں آخرت کی زمین پر چلتا پھرتا ہوں“۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ الحمدللہ! ہمارے احباب میں بھی صدیقین موجود ہیں۔

آب در کشتی ہلاکِ کشتی است
آب اندر زیرِ کشتی پشتی است

اسلام نے جس طرح رہبانیت اور مطلقاً ترکِ دنیا کو ممنوع قرار دیا اسی طرح دل میں دنیا

کو داخل کرنے سے بھی منع فرمایا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دنیا کی محبت تمام برائیوں کی جڑ ہے، اس شعر میں ایک مثال سے اس مضمون کو بیان فرمایا ہے کہ کشتی کے لیے پانی بہت ضروری ہے بدون اس کے اس کی روانی ناممکن ہے لیکن اگر یہی پانی اس کے اندر داخل ہو جاوے تو کشتی کی ہلاکت کا سبب بھی ہے۔ اسی طرح دنیا کو سمجھ لو کہ اس کے اندر رہنا انسانی زندگی کے لیے ضروری ہے لیکن شرط یہ ہے کہ دنیا کا پانی دل کی کشتی کے نیچے رہے یعنی اس کا تعلق مغلوب اور خداوند تعالیٰ کا تعلق غالب رہے اور اگر دنیا دل میں داخل ہو گئی تو پھر دل کی ہلاکت کا سبب بن جائے گی۔ خدا سے غفلت ہی موت ہے اسی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو قبلِ اسلام قرآن میں مردہ فرمایا گیا یعنی جہالت اور ضلالت کی موت سے مردہ تھے پھر ایمانی حیات سے مشرف ہو کر حقیقی زندگی سے باریاب ہوئے اور حق تعالیٰ شانہٗ نے ان کی ایمانی زندگی کو زندگی سے تعبیر فرمایا۔

دربیانِ فراخئ دل و در مذمت نئی روشنی کہ ظاہرش روشن و باطنش سیاہ بُوَد

ایں جہاں خم است و دل چو جوئے آب
ایں جہاں حجرہ است و دل شہر عجاب

یہ دنیا باوجود اتنی وسعت کے قلبِ عارف کی وسعت کے سامنے محض ایک خم ہے، خم یعنی مٹکا محض تمثیلِ تحقیری ہے یعنی حقارت بیان کرنے کے لیے استعمال فرمایا اور دل کی کائنات ایک نہر ہے یہاں بھی یہ تمثیلِ تعظیمی ہے یعنی دل کا جہان عظیم المرتبت اور عظیم الشان ہے جس کے سامنے یہ جہان بے قدر اور بہت ہی حقیر ہے۔

آں یکے در کنجِ مسجد مست و شاد
واں یکے در باغِ ترش و نامراد

یہی وجہ ہے کہ جن کے قلوب معرفتِ حق سے عظیم المرتبت ہوگئے وہ ظاہری اسبابِ عیش کے بغیر بھی اپنے باطن میں ایسا سکون وچین محسوس کرتے ہیں جو بادشاہوں نے خواب میں بھی نہیں دیکھا۔ چناں چہ مسجد کے گوشے میں وہ بوریا اور چٹائی پر مست ہیں۔

خدا کی یاد میں بیٹھے جو سب سے بے غرض ہوکر
تو اپنا بوریا بھی پھر ہمیں تختِ سلیماں تھا

اور دنیاداروں کے دلوں پر غموم وافکار کی اتنی لاتیں پڑتی رہتی ہیں کہ وہ ظاہری عیش وآرام کے باغ میں بھی ترش رو، بدحواس اور نامراد نظر آتے ہیں۔

تن سپید و دل سیاہستش بگیر
در عوض در تن سیاہ و دل منیر

دنیاداروں کے دل سیاہ ہیں اگرچہ جسم کی کھال سفید و چمک دار ہو یا لباسِ فاخرانہ سے چمک دار معلوم ہوتے ہوں۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنے یہودی غلام کو دے کر اس کے عوض میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو خریدا اور یہ فرمایا کہ اس یہودی کو جس کی کھال سفید اور دل کالا ہے لے لو اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو جس کی کھال کالی ہے اور دل کلمۂ توحید سے روشن ہے مجھے دے دو۔

یہی حال آج کل نئی روشنی کا ہے کہ ظاہر میں روشنی اور اندر اندھیرا ہوتا ہے۔

حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے خوب فرمایا ہے۔

ترا اے نئی روشنی منہ ہو کالا
دلوں میں اندھیرا ہے باہر اجالا

تسخیرِ مہر و ماہ مبارک تجھے مگر
دل میں اگر نہیں تو کہیں روشنی نہیں

دل گلستاں تھا تو ہر شے سے ٹپکتی تھی بہار
دل بیاباں ہوگیا عالم بیاباں ہوگیا

پس بصورت آدمی فرعِ جہاں
در صفت اصلِ جہاں ایں را بداں

بظاہر تو عارف باللہ کائنات کا ایک ادنیٰ جز معلوم ہوتا ہے مگر اس کے باطن میں تعلق مع اللہ کے فیض سے ایسی وسعت ہے کہ تمام کائنات اس کے سامنے فرع ہے اور اس کی ذاتِ گرامی بمنزلۂ اصل ہے۔

ظاہرش را پشّہ آرد بہ چرخ
باطنش باشد محیطِ ہفت چرخ

اس عارف باللہ کا ظاہر تو اس قدر کمزور ہے کہ ایک مچھر بھی اس کو پریشان کرسکتا ہے اور اس کو چرخ دے سکتا ہے۔ یعنی بشریت حوادث سے متأثر ہو سکتی ہے لیکن اس کا باطن اس قدر عظیم المرتبت ہے کہ ہفت آسمان کو گھیرے ہوئے ہے۔ جس کو میاں اپنا تعلقِ خاص عطا فرمادیتے ہیں وہی ان نعمتوں کا ذوقاً اور وجداناً ادراک کرتا ہے۔ اہلِ ظاہر تو ان باتوں کو افسانہ سمجھیں گے۔

چوندیدند حقیقت رہِ افسانہ زدند

دربیان بے ثباتیٔ کائنات

کون میگوئید بیا من خوش پیم
واں فسادش گفت رو من لاشیئم

دنیا کے اندر دو حالتیں ہر وقت ہوتی رہتی ہیں کہیں: بنتا ہے کہیں بگڑتا ہے۔ کہیں شادی کہیں غمی، کہیں ولادت، کہیں موت۔ ہر وقت تعمیر و تخریب کے مناظر سامنے ہیں۔ بس ہر چیز کا شباب اور اس کی زیبایش اپنی طرف دعوت دیتی ہے، یہی اس کا کون یعنی وجودِ تعمیری ہے اور ہر چیز کا بڑھاپا اور اس کی انحطاطی حالت کہتی ہے کہ جاؤ اپنا کام کرو، وقت ضایع نہ کرو۔ میں بالکل ناقابلِ توجہ بے قدر ہوں، یہی اس کا فساد ہے۔

اے زخوبیٔ بہاراں لب گزاں
بنگر آں سردی و زردیٔ خزاں

اے وہ شخص جو خوبیٔ بہار کو دیکھ کر فرطِ لذت سے ہونٹ کاٹتا ہے! تو دھوکا نہ کھا بلکہ سردی کے زمانے اور موسمِ خزاں کی زردی بھی پیشِ نظر رکھ اور سمجھ کہ یہ حالت ہمیشہ نہ رہے گی محض چندروزہ بہارِ حسن سے دل مت لگا۔

روز دیدی طلعتِ خورشیدِ خوب
مرگِ او را یاد کن وقتِ غروب

اے وہ شخص کہ آفتاب کی خوش نمائی اور اس کی آب و تاب سے تو اس پر فریفتہ ہے ذرا اس کی حالتِ غروب کے وقت بھی دیکھ کہ اس کا زوال کیسا ہوتا ہے۔

بدر را دیدی بریں خوش چار طاق
حسرتش را ہم بہ بیں اندر محاق

اے شخص! تو آسمان پر چودھویں رات کے چاند پر فریفتہ مت ہو کہ عن قریب اس کے زوال کا منظر بھی سامنے ہوگا کہ چاند اپنے نور سے محروم ہوگا اور حسرت کرے گا۔

گر تنِ سیمیں بتاں کردت شکار
بعد پیری بیں تنِ چوں پنبہ زار

پس اگر تم کو ان سیم تن بتوں کے تنِ سیمیں نے پھانس لیا ہے تو تم کو اس کی آخری حالت پر غور کرنا چاہیے کہ حسن بالکل ناپائیدار ہے اور بڑھاپے میں یہ منظر حسن روئی کا کھیت معلوم ہوگا۔

اے بدیدہ لوتہائے چرب خیز
فضلۂ آں را بہ بیں در آب ریز

جو شخص عمدہ غذاؤں پر فریفتہ ہے اس سے کہہ دو کہ اے وہ شخص جو مرغن غذاؤں کو مطمعِ نظر بنائے ہوئے ہے! تو ذرا اٹھ اور پاخانہ جا کر ذرا ان کا فضلہ دیکھ اور اس پاخانے

سے کہہ کہ وہ تیرا حسن اور تیری خوبی اور فریبِ حسن اور مرغوبی جو پہلے تھی اب کہاں ہے۔

نرگسِ چشمِ خماری ہمچو جاں
آخرا عمش بیں و آب از وے چکاں

اے شخص! جو آنکھیں تجھے آج بہت تشبیلی مشابہ نرگس معلوم ہو رہی ہیں اور جان کی طرح محبوب ہیں ایک دن تو دیکھ لے گا کہ یہ چندھی ہوگئی ہیں اور ان سے کیچڑ اور پانی بودار جاری ہے۔

حیدرے کاندر صفِ شیراں رود
آخر او مغلوب موشے می شود

وہ بہادر جو شیروں کی صف میں گھس جاتے تھے آج ضعف سے ان کی کمزوری کا یہ حال ہے کہ ان کو کمزور بھی دبا لیتے ہیں۔

دربیانِ ظہورِ انوارِ نسبت از چشم و وجہِ عارف

گفت سیماہم وجوہِ کردگار
کہ بود غمازِ باراں سبزہ زار

حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اصحابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہروں سے ان کی طاعاتِ مخفیہ کے انوار نمایاں ہیں یعنی تہجد کے نوافل سے ان کے دلوں کے انوار دلوں میں بھر کر چھلک جاتے ہیں اور ان کے چہروں پر آجاتے ہیں، ہر سبزہ زار بارش پر غمازی کرتا ہے۔

تازگئ ہر گلستانِ جمیل
ہست بر بارانِ پنہانی دلیل

جس طرح سے کہ بارش رات میں ہونے کی وجہ سے کسی کو خبر نہ ہو لیکن جب سو کر اٹھے گا تو باغ کی تازگی اور شادابی سے سمجھ لے گا کہ رات بارش ہوئی ہے، پس صاحبِ نسبت

کے چہرے سے اور اس کے کلام سے پتا چل جاتا ہے کہ اس کے قلب کو حق تعالیٰ کے ساتھ نسبت و معیتِ خاصہ حاصل ہے اور علوم اور واردات کی بارش ہوئی ہے۔

بوئے مے را گر کسے مکنوں کند
چشمِ مستِ خویشتن راچوں کند

اگر کوئی بادہ نوش اپنی بادہ نوشی کو چھپانے کی کوشش بھی کرے لیکن اپنی مست آنکھوں کو کہاں چھپائے گا۔ اسی طرح اللہ والے اپنے کو کتنا مخفی کریں لیکن اہلِ نظر ان کی نظر کو دیکھ کر بھانپ لیتے ہیں کہ یہ شخص عاشقِ حق ہے کیوں کہ قلبی کیفیات کا عکس آنکھوں پر پڑتا ہے۔

ہر کہ باشد قوتِ او نورِ جلال
چوں نزاید از لبش سحر حلال

جس شخص کی غذا انوارِ الٰہیہ ہیں یعنی جس کی روح نورِ عبادت سے غذا حاصل کر رہی ہے تو اس کے لبوں سے سحر حلال (کلامِ موثر) کیوں کر نہ پیدا ہو گا یعنی صاحبِ نسبت کا کلام بھی غمازی کرتا ہے کہ یہ شخص خدا رسیدہ ہے۔

خو نداریم اے جمالِ مہتری
کہ لبِ ماخشک و تو تنہا خوری

اے صاحبِ جمالِ باطنی میرے شیخ! ہم اس امر کے عادی نہیں ہیں کہ آپ اکیلے اکیلے جام پر جامِ محبت و معرفتِ حق سے تنہا نوش فرماتے رہیں اور ہمارے لب خشک بالکل محروم رہیں۔

جرعۂ بر ریز بر ما زیں سبو
شمۂ از گلستاں با ما بگو

اپنے سبو سے ایک جرعہ ہمارے اوپر بھی ڈال دیجیے اور گلستانِ قرب سے کچھ تھوڑا سا راز ہمارے کان میں بھی کہہ دیجیے۔

ترغیبِ توبہ

مرکب توبہ عجائب مرکب ست
بر فلک تا زد بیک لحظہ ز پست

توبہ کی سواری عجیب سواری ہے کہ گناہ گار فاسق یا کافر کو جو خدا سے کس قدر دور ہوتا ہے اچانک فرش سے عرش تک پہنچادیتی ہے یعنی ابھی تو مردودِ بارگاہ تھا اور توبہ کرتے ہی مقبولِ بارگاہ ہوگیا۔

ہیچ قلب پیش او مردود نیست
زانکہ قصدش از خریدن سود نیست

کوئی قلب اللہ کے یہاں توبہ کے بعد مردود نہیں رہتا کیوں کہ ہم لوگ تو عیب دار غلام اس لیے نہیں خریدتے کہ ہمارے اغراض میں غلام کے عیوب حائل ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں سے کوئی غرض نہیں پس میاں کی خریداری بے غرض ہونے کے سبب ہر شخص کی پناہ گاہ ہے۔

مشتری خواہی کہ از وے زر بری
بہ ز حق کے باشد اے دل مشتری

اے شخص! تو خریدار ڈھونڈتا ہے کہ اس سے دولت حاصل کرلے پس اللہ سے بڑھ کر کون اچھا خریدار ہوگا کہ جو ہمارے دل کو خرید کر خود اپنے کو عطا فرمادیتے ہیں اور جب وہ ہمارے ہیں تو پھر سارا جہاں ہمارا ہے۔

اگر اک تو نہیں میرا تو کوئی شے نہیں میری
جو تو میرا تو سب میرا فلک میرا زمیں میری

در مذمتِ جرأتِ ارتکابِ معصیت بر توکلِ توبہ

ہیں بہ پشتِ آں مکن جرم و گناہ
کہ کنم توبہ در آیم در پناہ

شیطان کہتا ہے کہ یہ گناہ کرلو پھر توبہ کرلینا اور معاف کرالینا تو اس کے دھوکے میں مت آنا اور خبر دار! توبہ کے بھروسے پر گناہ کی ہمت مت کرنا بلکہ معاصی اور اس کے اسباب کے متعلق حق تعالیٰ سے پناہ طلب کرتے رہو۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی دعا ہم کو تعلیم فرمائی ہے: اَللّٰھُمَّ بَاعِدْ بَیْنِیْ وَبَیْنَ خَطَایَایَ کَمَا بَاعَدْتَّ بَیْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ [۱] حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ سے یوں عرض کرتے کہ اے اللہ! میرے اور میرے گناہوں کے مابین ایسی دوری فرمادیجیے جیسا کہ آپ نے مشرق اور مغرب میں دوری رکھی ہے یعنی جس طرح شرق اور غرب کا ملنا ناممکن ہے اسی طرح معاصی اور ان کے اسباب کو ہم سے اس قدر دور فرمادیجیے کہ ان کا ارتکاب نہ ہوسکے اور معصیت کی حقیقت محبوبِ حقیقی کو ناراض کرنا ہے پھر عاشقِ حقیقی نافرمانی کے تصور سے بھی کیوں نہ لرزاں اور ترساں رہے۔

ہم نے فانیؔ ڈوبتے دیکھی ہے نبضِ کائنات
جب مزاجِ یار کچھ برہم نظر آیا مجھے
(فانی)

پس جب معاصی ناراضگیٔ خداوندی کے اسباب ہیں تو ان پر دلیری اور جرأت کرنا دراصل حق تعالیٰ کے غضب اور ناراضگی سے بے فکر ہونا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کی حفاظت فرمائیں۔ آمین۔

زانکہ استغفار ہم در دست نیست
ذوقِ توبہ نقلِ ہر سرمست نیست

توبہ کے سہارے پر گناہ کرنا اس وجہ سے بھی نادانی ہے کہ توبہ کی توفیق تمہارے ہاتھ میں نہیں ہے محض فضلِ الٰہی پر موقوف ہے۔ بعض وقت آدمی توبہ کرنا چاہتا ہے مگر توفیق نہیں ہوتی۔

---

[۱] صحیح البخاری: ۱۰۳/۱ (۷۴۹) باب ما یقرأ بعد التکبیر، المکتبۃ المظہریۃ

عبرت ناک چشم دید واقعہ

ایک شخص گناہوں پر بہت دلیر تھا پھر بیمار ہوا، دس دن مرنے سے پہلے وہ سب باتیں کرلیتا تھا لیکن جب میرے ایک دوست نے اس سے توبہ کرنے کو کہا تو اس نے کہا سب حروف اور الفاظ نکلتے ہیں مگر یہ لفظ (توبہ) نہیں نکلتا اور اسی حالت میں مر گیا۔ کیا دنیائے سائنس اس امر پر کچھ ریسرچ کرسکتی ہے کہ تمام حروف ایک انسان سے ادا ہوں اور توبہ کا لفظ اس کی زبان سے باوجود ارادہ اور فکر اور کوشش کے نہ ادا ہو۔ آخر ان چار حروف (ت و ب ہ) پر کس نے پہرہ بٹھادیا۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ہر مسلمان کو اس بلا سے محفوظ فرماویں۔ آمین۔

اندریں امت نہ بُد مسخِ بدن
لیک مسخِ دل بودا ے بو الفطن

گناہ کی سزا سے پچھلی امتوں میں لوگ بندر، سور کتے ہوجاتے تھے اس امت سے مسخِ بدن کا عذاب رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے میں معاف کردیا گیا ہے مگر مسخِ باطن کا عذاب جاری ہے یعنی اس امت میں گناہ کرتے کرتے دل مسخ ہوجاتا ہے پھر حق اور باطل کی تمیز نہیں رہتی۔ اللہ تعالیٰ محفوظ فرمادیں۔ آمین۔

خلاصہ یہ ہے کہ اگر گناہوں کی عادت ہے اور چھوڑنے کی ہمت نہ ہورہی ہو تو یہ بار بار ٹوٹ رہی ہو تو فوراً کسی دل کے معالج کو یعنی اللہ والے کو اپنا حال کہہ سناؤ۔ اس کی تدبیر پر عمل کرنے سے ان شاء اللہ تعالیٰ چند دن میں گناہوں کی عادت چھوٹ جاوے گی۔

دربیانِ سببِ تاخیرِ قبولیتِ دعائے مؤمن

اے بسا مخلص کہ نالد در دعا
دودِ اخلاصش برآید تا سما

اے لوگو! بہت سے مخلص دعا میں نالہ کرتے ہیں اور ان کے اخلاص کا دھواں جو آہ و نالہ سے نکلتا ہے آسمان تک پہنچتا ہے۔

تا رود بالائے ایں سقفِ بریں
بوئے مجمرا ز انینُ المذنبین

یہاں تک کہ اس سقفِ عالی کے اوپر انگیٹھی کی خوشبو نالۂ گناہ گاراں سے جاتی ہے ان کے سینے کو انگیٹھی سے تشبیہ دی کیوں کہ نالہ وگریہ سے گرمی پیدا ہوتی ہے۔

بندۂ مومن تضرع می کند
او نمی داند بجز تو مستند

ملائکہ حق تعالیٰ کی جناب میں عرض کرتے ہیں کہ اے اللہ! بندۂ مؤمن تضرع کر رہا ہے اور آپ کے سوا کسی کو تکیہ گاہ نہیں سمجھتا۔

تو عطا بیگانگاں را می دہی
از تو دارد آرزو ہر مشتہی

آپ بیگانوں کو عطا فرماتے ہیں یعنی کفار کو بھی عطا دیتے ہیں، آپ سے ہر خواہشمند آرزو رکھتا ہے اور باوجود اس کے اس کی عرض قبول فرمانے میں اس قدر دیر و توقف ہوا۔

حق بفرماید نہ از خواریٔ اوست
عین تاخیرِ عطا یاری اوست

حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ تاخیرِ اجابت اس کی بے قدری کے سبب نہیں ہے بلکہ میری یہ تاخیرِ عطا عین اس کی امداد اور عطا ہے۔

نالۂ مؤمن ہمیداریم دوست
گو تضرع کن کہ ایں اعزازِ اوست

ہم مؤمن کے نالے کو دوست رکھتے ہیں، مؤمن سے کہہ دو کہ تضرع کرتا رہے، ہماری طرف سے دیر کرنے میں اس کا اعزاز ہے، بے قدری نہیں۔

حاجت آوردش ز غفلت سوئے من
آں کشیدش موکشاں در کوئے من

یہی حاجت اس کو غفلت سے میری طرف لائی ہے، اسی حاجت نے اس کو موکشاں میرے کوچے میں پہنچایا ہے۔

گر بر آرم حاجتش اووا رود
ہمدراں بازیچہ مستغرق شود

پس اگر میں اس کی حاجت پوری کردوں تو وہ میرے کوچے سے پھر غفلت کی طرف واپس چلا جاوے گا۔ یعنی اسی بازیچۂ غفلت میں مستغرق ہو جاوے گا۔

گرچہ می نالد بجاں یا مستجار
دل شکستہ سینہ خستہ سوگوار

اگرچہ یہ سوجان سے نالہ کررہا ہے کہ اے مستجار! اور اس کا دل شکستہ اور سینہ خستہ و سوگوار ہے اور اس نالہ کا مقتضیٰ یہ تھا کہ اس کی حاجت جلد پوری کردی جاتی لیکن توقف اس لیے ہے کہ۔

خوش ہمی آید مرا آوازِ او
واں خدایا گفتن و آں رازِ او

مجھ کو اس کی آواز بھلی معلوم ہوتی ہے اور اس کا اے اللہ، اے اللہ کہنا اور اس کا راز یعنی اس کی مناجات مجھے اچھی معلوم ہوتی ہے۔

طوطیاں و بلبلاں را از پسند
از خوش آوازی قفص در میکشند

طوطیوں اور بلبلوں کو پسندیدگی کی وجہ سے خوش آوازی کے سبب قفس کے اندر بند کردیتے ہیں۔

زاغ را و چغد را اندر قفص
کے کنند ایں خود نیامد در قصص

اور زاغ اور چغد (کوّا اور الّو) کو قفس کے اندر کب کرتے ہیں، یہ بات کبھی قصے میں سننے میں نہیں آئی۔

ایں جہاں زندانِ مؤمن زیں بود
کافراں را جنتِ حانے شود

یہ دنیا مؤمن کے لیے قید خانہ اسی لیے ہے کہ اس کی حاجات یہاں کم پوری ہوتی ہیں جس سے وہ تنگ ہونے لگتا ہے اور اصلی سبب نہیں جانتا، جس طرح طوطی اور بلبل کے لیے قفس تجویز کیا جاتا ہے اور وہ تنگ ہوتی ہے اور کافروں کے لیے جنتِ عاجلہ اسی لیے ہے کہ ان کی اکثر حاجات ان کی مرضی کے مطابق پوری کر دی جاتی ہیں۔

بے مرادی مومناں از نیک و بد
تو یقیں میداں کہ بہرِایں بُوَد

غرض مؤمنوں کی بے مرادی خواہ وہ مؤمن نیک ہو یا بد ہو تو یقین کر کہ اسی لیے ہوتی ہے جو اوپر مذکور ہوئی۔

فائدہ: تاخیرِ اجابت کی علت یا حکمت کا اسی میں انحصار مقصود نہیں بلکہ من جملہ دیگر اسباب کے ایک یہ بھی ہے چوں کہ یہ مشہور نہ تھی اس لیے اس پر تنبیہ مناسب معلوم ہوئی اس کے علاوہ اور توجیہات بھی ہیں مثلاً یہ کہ مؤمن کو جو نعمتیں جنت میں ملیں گی دنیا کی تمام نعمتیں اس کے مقابلے میں ہیچ ہیں اس وجہ سے یہ قید خانہ ہے اور کافر کو جو سزا تجویز ہے دوزخ میں، اس لحاظ سے دنیا کی مصیبت بھی کافر کے لیے جنت ہے اور مثلاً یہ کہ مؤمن کا دنیا میں مثل قید خانہ کے جی نہیں لگتا اور کافر کا دنیا میں خوب جی لگتا ہے۔ حضرتِ اقدس حکیم الامت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ یہ اخیر والی توجیہ میرے دل کو زیادہ لگتی ہے۔

در بیانِ علاجِ جمودِ فکر از کثرتِ ذکر

ایں قدر گفتیم باقی فکر کن
فکر گر جامد بود رو ذکر کن

زیادہ تقریر اصلاحِ باطن کے لیے مفید نہیں۔ تھوڑی بات بھی اگر فکر کے ساتھ سنی جاوے تو کافی ہے لیکن اگر فکر بالکل جامد اور بے حس ہوگئی ہو تو کسی اللہ والے کے مشورے سے ذکر شروع کردو کیوں کہ فکر میں بلادت وغباوت وجمادت وبرودت غفلت سے پیدا ہوتی ہے اور ذکر ضدِّ غفلت ہے۔

ذکر آرد فکر را در اہتزاز
ذکر را خورشید ایں افسردہ ساز

ذکر گو تا فکرِ تو بالا کند
ذکر گفتن فکر را والا کند

ذکر کی گرمی تمہارے فکرِ جامد کو حرکت میں لاوے گی پس فکرِ افسردہ کا علاج یہی ہے کہ ذکر کے آفتاب سے اس کو گرمی پہنچائی جاوے، اہتزاز کے معنیٰ حرکت میں آنا ہے۔

فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَیْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَاَنْۢبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍۭ بَهِیْجٍ [۷۵]

(ترجمہ حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ پھر جب ہم اس پر پانی برساتے ہیں تو وہ ابھرتی ہے اور پھولتی ہے اور ہر قسم کی خوش نما نباتات اگاتی ہے۔

یہ خاصیتِ مذکورہ دنیا کی زمین کے بارے میں ارشاد ہے اسی طرح ایک مقام پر ارشاد فرمایا: فَسُقْنٰهُ اِلٰى بَلَدٍ مَّیِّتٍ [۷۶] یعنی بارش کے بدون زمین کو مردہ فرمایا۔ اسی طرح دل کی زمین کا حال ہے کہ بدون ایمان مردہ ہے: اَوَ مَنْ كَانَ مَیْتًا فَاَحْیَیْنٰهُ [۷۷] حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے بارے میں ارشاد ہے کہ کیا وہ شخص جو مردہ تھا پس ہم نے حیات بخشی ان کو ایمان کی نعمت سے۔

۷۵؎ الحج:۵
۷۶؎ فاطر:۹
۷۷؎ الانعام:۱۲۲

دل کی زمین اللہ سے غفلت کے سبب مردہ ہوتی ہے چناں چہ ایک حدیث میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَثَلُ الَّذِیْ یَذْکُرُ رَبَّہٗ وَالَّذِیْ لَا یَذْکُرُ مَثَلُ الْحَیِّ وَالْمَیِّتِ[۸]

ترجمہ مثال اس شخص کی جو اپنے رب کو یاد کرتا ہے اور اس شخص کی جو یاد نہیں کرتا مثل زندہ اور مردہ کے ہے۔

اس شعر مذکور میں مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ نے یہی مضمون ارشاد فرمایا ہے کہ اگر غفلت سے تمہارا دل مردہ ہوچکا ہے اور فکر معطل اور جامد ہوچکی ہے جس کے سبب تمہیں زندگی کا مقصد صرف کھانا اور ہگنا معلوم ہورہا ہے اور انجام و عواقب کا مثل جانوروں کے کچھ خیال بھی نہیں گزرتا تو تم ذکر شروع کردو۔ ذکر کی برکت سے دل کی زمین ابھرے گی اور پھولے گی اور اعمالِ صالحہ اور افکارِ جلیلہ حمیدہ اُگائے گی۔

الحمدللہ تعالیٰ کہ بزرگوں کی غلامی کی برکت وفیض سے اس شعر کی شرح آیت: اِھْتَزَّتْ وَرَبَتْ الخ سے بہت ہی عمدہ ہوگئی جو اہلِ ذوق کے لیے قابلِ وجد ہے

تَقَبَّلَ اللّٰہُ مِنَّا وَشَکَرَ اللّٰہُ شُکْرًا حَسَنًا بِفَضْلِہٖ وَمَنِّہٖ۔ اٰمین

اللہ اللہ ہست نامِ پاکِ دوست
اسمِ اعظم از برائے قربِ اوست

اللہ اللہ چوں کہ نامِ پاکِ دوست ہے یعنی اسمِ ذاتِ محبوبِ حقیقی ہے پس یہ ذکر اسمِ اعظم ہے۔

دربیانِ فنائیت وبے ثباتیٔ کائنات

ہندی و قپچاقی و رومی و حبش
جملہ یکرنگ اندر گورِ خوش

۸؎ مشکوٰۃ المصابیح: ۱۹۶، باب ذکر اللہ عزوجل، ایچ ایم سعید

ہندی اور قپچاقی جو ترکوں کی ایک قوم ہے اور رومی اور حبشی ان سب کے اجسام کے رنگ مختلف ہوتے ہیں لیکن مرنے کے بعد قبروں میں سب کا رنگ خاکی ہو جاتا ہے یعنی سب مٹی ہو جاتے ہیں۔

کہ زخاکِ بخیہ بر گل می زنند
جملہ راہم بازِ خاکے می کنند

حق تعالیٰ شانہٗ مٹی سے مٹی پر بخیہ کرتے ہیں یعنی ان صورتوں کی ابتدا تا انتہا ہر جز مٹی ہی ہے۔ جس کا پتا اس وقت چلتا ہے جب مِنۡهَا خَلَقۡنٰكُمۡ کے بعد وَفِيۡهَا نُعِيۡدُكُمۡ[۹] کا وقت آجاتا ہے۔ اور یہ اجزا مثل آنکھ، کان، ناک جو الگ الگ ناموں سے ممتاز ہوتے ہیں قبروں میں پھر خاک ہو جاتے ہیں اور امتیازی علامت بالکلیہ فنا ہو جاتی ہے۔

ایں کباب و ایں شراب و ایں شکر
خاکِ رنگین است و نقشیں اے پسر

یہ کباب، یہ شراب، یہ شکر جن کا ذائقہ اور رنگ الگ الگ معلوم ہوتا ہے لیکن در حقیقت یہ سب خاک ہے البتہ خاک کو مختلف رنگ دے دیے گئے ہیں۔

خاک را رنگ و فن و شنگے دہد
طفل خویاں رابداں جنگے دہد

خاک کو اس طرح خوش قامتی اور نقش و نگار عطا فرماتے ہیں کہ اطفال خصلت انسان ان کے لیے باہمدیگر جنگ کرتے ہیں۔ حالاں کہ در حقیقت یہ صورتیں پھر خاک ہو جائیں گی۔

رنگِ تقویٰ رنگِ طاعت رنگِ دیں
تا ابد باقی بود بر عابدیں

صرف تقویٰ اور طاعت اور دین کا رنگ باقی رہتا ہے کیوں کہ اس کا رنگ اگرچہ اعضائے

۹؎ طٰہٰ:۵۵

خاکی ہی کے اعمال و مجاہدات سے پیدا ہوتا ہے مگر وہ روح پر اثر انداز ہوتا ہے اور روح غیر فانی ہے۔ پس وہ روح جو اللہ کی محبت و خشیت و یاد سے رنگین ہوگئی تو قیامت تک خوش رنگ اور خوش عیش اور خوش مزہ ہوگی اور تلخیٔ فنا سے اس کا حلق کبھی تلخ نہ ہوگا۔

از خمیرے اشتر و شیرے پزند
کودکاں از حرصِ او کف میزنند

ماں بچوں کے لیے آٹے سے اونٹ اور شیر بنا کر پکا دیتی ہے اور بچے ان صورتوں پر حرص کے سبب ہاتھ ملتے ہیں اور ماں سے ان کے لیے روتے ہیں اور اس کے سامنے روٹی کی طرف دیکھنا بھی پسند نہیں کرتے۔

شیر و اشتراں شود اندر دہاں
در نگیرد ایں سخن با کودکاں

ان کو یہ خبر نہیں کہ یہ آٹے کا اونٹ اور شیر منہ میں جا کر روٹی ہی ہو جاوے گا، پس روٹی اور شیر اور اونٹ میں فرق کرنا محض عارضی صورت کے سبب نادانی ہے لیکن یہ باتیں بچوں کے فہم میں داخل نہیں ہوتی ہیں۔

خلق اطفالند جز مستِ خدا
نیست بالغ جز رہیدہ از ہوا

تمام مخلوق اطفال ہیں بجز مستانِ خدا کے، درحقیقت بالغ وہی ہے جو خواہشاتِ نفسانیہ سے رہائی اور خلاصی پا گیا۔ پس دنیا کا عاشق اور نفس کا غلام اگرچہ ستر سال کا بوڑھا بھی ہو لیکن وہ طفل نابالغ ہے۔ صورت پرستی سے جب تک نجات نہ مل جاوے اور نگاہ حقیقت وانجام بیں جب تک نہ ہو جاوے اس وقت تک انسان حقیقی بالغ نہیں ہوتا اور یہ صفتِ بلوغ جو مذکور ہوئی صرف ان ہی انسانوں میں مشاہد اور موجود ہو سکتی ہے جنھوں نے اپنے نفس کا تزکیہ کسی اللہ والے کی صحبت میں رہ کر کرایا اور مجاہدات کی تکلیف اٹھائی۔ چند دن مشقت تو ضرور اٹھانی پڑتی ہے مگر پھر راحت بھی ایسی عطا ہوتی ہے جو سلاطین کو خواب میں بھی نظر نہیں آسکتی۔

پہنچنے میں گو ہو گی بے حد مشقت
تو راحت بھی کیا انتہائی نہ ہو گی؟

تتمۂ مضمونِ مذکور

گر ز صورت بگزری اے دوستاں
گلستاں ست گلستاں ست گلستاں

اے دوستو! اگر صورت پرستی کی بیماری سے تمہاری روح نجات پا جاوے تو پھر حق تعالیٰ کے قرب کا باغ ہی باغ ہر طرف نظر آئے گا۔

عارفاں زانند ہر دم آمنوں
کہ گزر کردند از دریائے خوں

عارفین کو ایک زمانہ مجاہدہ تو سخت کرنا پڑتا ہے اور اپنی ان تمام خواہشاتِ نفسانیہ کا گلا گھونٹنا پڑتا ہے جو نافرمانی اور ناراضگیٔ حق میں مبتلا کر دیتی ہے لیکن ان ہی خواہشات کو خون کرنے سے حق تعالیٰ ملتے ہیں، یہی دریائے خون ہے جو درمیان میں حائل ہے، عارفین چوں کہ اس دریائے خون سے عبور کر جاتے ہیں اس وجہ سے ہر دم ان کی روح کو پیغامِ امن و سکون عطا ہوتا رہتا ہے۔

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را
ہر زماں از غیب جانِ دیگر ست

یہی وہ لوگ ہیں جو "لَاتَخَافُوْا ہست نزلِ خائفاں" کے مستحق ہوتے ہیں۔ یہ اللہ سے خائف ہوئے اور اللہ نے اپنے ڈر کے انعام میں سب سے بے ڈر اور بے خوف فرما دیا۔

در بیانِ جوش کردنِ رحمتِ حق از نالۂ گناہ گاراں

چوں بر آرند از پشیمانی حنین
عرش لرزد از انین المذنبین

آنچناں لرزد کہ مادر بر ولد
دستِ شاں گیرد ببالا می کشد

پس یہ لوگ جب ندامت وتوبہ کے سبب آوازِ نالہ نکالتے ہیں تو عرش کانپنے لگتا ہے گناہ گاروں کی آوازِ گریہ سے اور ایسے کانپتا ہے جیسے ماں اپنے بچے پر کانپ اُٹھتی ہے جب وہ روتا ہے پس عرش اس وقت اس کا ہاتھ پکڑ تا ہے اور اوپر کھینچ لیتا ہے جیسے ماں بچے کو گود میں لے لیتی ہے۔

بیانِ حصولِ لذتِ قربِ خاص

در باطن بحالتِ ابتلائے مصائبِ مقبولین در ظاہر

لیک یوسف راجخود مشغول کرد
تا نیاید در دلش زاں حبس درد

آنچنانش انس و مستی داد حق
کہ نہ زنداں یادش آمد نے غسق

حضرت سیدنا یوسف علیہ السلام جب قضائے الٰہی سے قید خانے میں ڈال دیے گئے تو آپ کے محبوب و مقبول ہونے کے سبب حق تعالیٰ شانہٗ نے آپ کو تجلیاتِ خاصہ میں مستغرق فرمالیا تاکہ ان کے دل میں اس حبس سے کلفت نہ پیدا ہو یعنی ان کو حق تعالیٰ نے اپنی ذاتِ پاک کے ساتھ ایسا انس اور سکر عطا فرمادیا کہ نہ تو ان کو زنداں کا خیال آیا نہ قید خانے کی تاریکی کا خیال آیا۔

خوشا حوادثِ پیہم خوشا یہ اشکِ رواں
جو غم کے ساتھ ہو تم بھی تو غم کا کیا غم ہے
(اصغرؔ)

در بیانِ ضرورتِ فیضانِ روحِ کاملین بہر خروج از چاہِ دنیا

کے دہد زندانیے در اقتناص
مردِ زندانیٔ دیگر را خلاص

جس شخص کی روح خود تعلقاتِ دنیا میں گرفتار ہے وہ دوسرے زندانی (گرفتار) کو کب رہائی دے سکتا ہے یہ ایک مقدمہ ہوا جو ظاہر ہے۔

اہلِ دنیا جملگاں زندانی اند
انتظارِ مرگِ دارِ فانی اند

دوسرا مقدمہ یہ ہے کہ اہلِ دنیا سب کے سب زندانی (قیدی) ہیں یعنی قیدیوں کی طرح عاجز و مغلوب ہیں کیوں کہ محبانِ دنیا اپنی خواہشاتِ نفس کے غلام ہوتے ہیں پس اس معنٰی کے اعتبار سے ہر گرفتارِ شہوت قیدی ہے اور جس طرح زندانی رہائی کا منتظر رہتا ہے اسی طرح اہلِ دنیا اضطرارًا کشاں کشاں اس دارِ فانی سے خلاصی پانے کا یعنی موت کا انتظار کررہے ہیں۔

جز مگر نادر یکے فردانیے
تن بزنداں جانِ او کیوانیے

اہلِ دنیا تو خواہشاتِ نفسانیہ سے موت ہی کے وقت رہائی پاتے ہیں اور اہل اللہ مجاہدہ کرکے زندگی ہی میں نفس کے تقاضوں کی غلامی سے آزاد ہوجاتے ہیں اور ان کا جسم تو دنیا میں چلتا پھرتا ہے لیکن روح تعلق مع اللہ سے مشرف ہوکر چرخِ پر تاباں رہتی ہے یعنی اجسام کے بقا کی تدابیر کے باوجود ان کی ارواح مقامِ قربِ اعلیٰ سے ہر وقت مشرف رہتی ہیں پس ان اہل اللہ سے اہلِ دنیا اپنی آزادی کی امداد حاصل کرسکتے ہیں چناں چہ تجربہ اور تواتر سے یہ مسلّمہ اہلِ دنیا پر بھی واضح ہوچکا ہے کہ جو لوگ کسی اللہ والے کی صحبت میں رہ کر ایک مدت مجاہدہ اور معمولاتِ تجویز کردہ پر پابندی کا اہتمام کرلیتے ہیں تو وہ بھی ان کے فیضِ صحبت سے غلامیٔ نفس سے اور چاہِ دنیا سے آزاد ہوجاتے ہیں اور امر

دین میں یہ استعانت اہلِ حق سے محمود ہے کہ استعانت بالحق اور للحق ہی ہے۔ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

مَنۡ یُّطِعِ الرَّسُوۡلَ فَقَدۡ اَطَاعَ اللّٰہَ[۸۰]

وَقَالَ تَعَالٰی: فَسۡـَٔلُوۡۤا اَہۡلَ الذِّکۡرِ اِنۡ کُنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ[۸۱]

وَقَالَ تَعَالٰی: وَاتَّبِعۡ سَبِیۡلَ مَنۡ اَنَابَ اِلَیَّ[۸۲]

در بیانِ تصرفاتِ الٰہیہ

بر بصارت و بصیرتِ عباد

قبض و بسطِ چشم و دل از ذو الجلال

دمبدم چوں می کند سحرِ حلال

چوں کہ اسمائے الٰہیہ میں قابض اور باسط بھی ہیں اس لیے کچھ ان کے آثار بیان کیے گئے کیوں کہ ان کی تجلی بھی انسان پر ہوتی ہے۔ قبض و بسط، بصر و بصیرت کا جو حق تعالیٰ کی طرف سے ہوتا رہتا ہے وہ تجلی ہے، قابض اور باسط کی دم بہ دم کس طرح سے سحر حلال (یعنی تصرفِ صواب لاقترانہٖ بالحکمۃ) کرتا ہے۔

گہ چو کابوسے نماید ماہ را

گہ نماید روضہ قعرِ چاہ را

یعنی کبھی وہ چاند کو کابوس کی طرح دکھاتا ہے اور کبھی چاہ کو باغ کے مشابہ دکھاتا ہے۔ کابوس دماغ کی ایک بیماری ہے جس میں سوتے ہوئے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کسی نے آکر دبالیا اور آواز تک نہیں نکلتی، مراد اس سے موجبِ انقباض و تنگی ہے، خلاصہ یہ کہ کبھی ماہ کہ موجبِ انبساط ہے بشکل موجبِ انقباض معلوم ہوتا ہے اور یہ تجلی ہے قابض کی اور

۸۰؎ النساء: ۸۰

۸۱؎ النحل: ۴۳

۸۲؎ لقمٰن: ۱۵

کبھی چاہ کہ موجبِ انقباض ہے موجبِ انبساط معلوم ہوتا ہے اس کو عجیب اور قوی ہونے کے سبب سحرِ حلال کہا گیا اور حلال اس لیے کہا گیا کہ حق تعالیٰ کا ہر تصرف خیر ہے گو کسی خاص ضرر کے اعتبار سے اس کے حق میں خلافِ خیر ہو اور مصداق اس موجبِ انبساط و موجبِ انقباض کا حق و باطل ہے۔

انتباہ: مولانا کا مقصود یہ ہے کہ قابض کی تجلی سے کبھی ایسے اسباب جمع ہو جاتے ہیں کہ حق بصورتِ باطل نظر آنے لگتا ہے اور اس سے منقبض اور معرض ہو جاتا ہے اور باسط کی تجلی سے کبھی ایسے اسباب جمع ہو جاتے ہیں کہ باطل بصورتِ حق نظر آنے لگتا ہے پس حق و باطل کی تمیز میں کوشش کا جو اختیار دیا گیا ہے اس میں اہتمام کرانا مقصود ہے کہ کہیں غفلت اور قلتِ فکر سے غلطی میں واقع نہ ہو جاؤ، حق تعالیٰ نے اس تمیز کے اسباب اختیار میں دے دیے ہیں۔

زیں سبب در خواست از حق مصطفی
زشت را ہم زشت و حق را حق نما

اسی سبب سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی کہ اے اللہ! آپ زشت کو زشت اور حق کو حق دکھایئے۔ اشارہ دعا اَللّٰھُمَّ اَرِنَا الْاَشْیَآءَ کَمَا ھِیَ[۸۳] کی طرف ہے جس کے الفاظ حدیث میں میری نظر سے نہیں گزرے لیکن مضمون اس کا بہت سی حدیثوں میں مذکور ہے۔

تا بآخر چوں بگر دانی ورق
از پشیمانی نیفتم در قلق

آنکہ سازد در دلت حیلہ وقیاس
آتشے داند زدن اندر پلاس

۴) یہ دعا اس لیے کرتا ہوں کہ انجام کار جب آپ حیات کا ورق الٹیں یعنی حیات مبدل

۸۳؎ مرقاۃ المفاتیح: ۱۰، ۱۰۹ (۵۴۷۱)، کتاب الفتن، باب العلامات بین یدی الساعۃ و ذکرالدجال، دارالکتب العلمیۃ، بیروت

بہ وفات ہو جو وقت ہے انکشافِ حقائق کا اس وقت مجھ کو شرمندگی نہ اٹھانی پڑے اس لیے مجھ کو اپنی حفاظتِ خاصہ میں رکھیے تاکہ حالتِ شہوت اور حالتِ غضب میں میری عقل مغلوب نہ ہو اور حقیقت کے خلاف یعنی حق کو باطل اور باطل کو حق نہ دیکھوں:

اَللّٰھُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَّارْزُقْنَا اتِّبَاعَهٗ وَاَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا وَّارْزُقْنَا اجْتِنَابَهٗ[۸۴]

اے اللہ! حق کو ہم کو حق دکھا اور اس کی اتباع نصیب فرما اور باطل کو ہم کو باطل دکھا اور اس سے اجتناب نصیب فرما۔

دوسری دعا ہے: اَللّٰھُمَّ وَاقِيَةً كَوَاقِيَةِ الْوَلِيْدِ[۸۵] اے اللہ! ہماری ایسی حفاظت فرما جس طرح دودھ پیتے بچے کی حفاظت ماں کرتی ہے کہ بچہ اپنی نادانی سے اگر اپنے کو نقصان پہنچانے کے اسباب بھی اختیار کرنا چاہتا ہے تو ماں بچے کا ہاتھ پکڑ لیتی ہے اور اسبابِ ضرر کو اس سے دور پھینک دیتی ہے۔ یہ دعا بہت عجیب و غریب ہے اور حرزِ جاں بنانے کے قابل ہے، ہر فرض نماز کے بعد کم از کم تین بار اس کو پڑھ لیا جاوے مگر خشوعِ قلب سے پڑھا جائے تو ان شاء اللہ تعالیٰ! دامنِ رحمتِ حق میں پناہ گزیں ہو جائے گا اور دین و دنیا کے ہر نقصان سے حفاظت کے لیے یہ دعا پڑھنی چاہیے۔

حکمتِ ایمان بالغیب

تا نگردد رازہائے غیب فاش
تا نگردد منہدم نظمِ معاش

تا ندرد پردۂ غفلت تمام
تا نماند دیگِ حکمت نیم خام

۸۴ تفسیر ابن کثیر: ۲/۲۸۱، البقرة (۲۱۳)، مؤسسة قرطبة

۸۵ مجمعُ الزوائد: ۱۰/۲۹۰-۲۹۱ (۱۷۴۱۹) باب الادعية المأثورة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، دار الفكر / مسند ابی یعلیٰ: ۹/۳۹۶ (۵۵۲۷)

یومنوں بالغیب می باید مرا
تا بہ بستم روزنِ فانی سرا

چوں کہ ظہور و مشاہدۂ اسرار سے غفلت کا بالکلیہ ارتفاع ہو جاتا اور امورِ معاش کا مبنیٰ من وجہٍ غفلت پر ہے جیسا کہ دوسرے مقام پر مولانا نے فرمایا کہ ؎

استن ایں عالم اے جاں غفلت است

پس بالکل مشاہدۂ امورِ غیب سے انتظامِ معاش مختل ہو جاتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو کچھ میں نے مشاہدات علمِ یقین حاصل کیے ہیں امورِ غیب کے متعلق (یعنی دوزخ کا دردناک عذاب وغیرہ) اگر تم کو بھی اتنا ہی علمِ یقین حاصل ہو جاوے تو تم لوگ ہنستے کم اور روتے زیادہ اور سینہ کوٹتے ہوئے پہاڑوں کی طرف نکل جاتے۔

پس بعض بے عقل انسان یہ تمنا کرتے ہیں کہ اگر ہم پر عالمِ غیب ظاہر کر دیا جائے تو ہم لوگ دوزخ دیکھنے کے بعد پھر گناہ پر کیوں جری ہوتے اس سوال اور اس تمنا کا خلافِ عقل ہونا ظاہر ہے۔

عالمِ غیب کو آنکھوں سے دیکھنے کی تمنا کرنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی طالبعلم کہے کہ امتحان کا پرچہ ہم کو بتا دیا جاوے۔ حالاں کہ دنیا کے تمام عقلاء کا اس پر اتفاق ہے کہ پرچہ آؤٹ نہ ہونا چاہیے ورنہ پھر امتحان، امتحان نہ رہے گا اور اہل اور نااہل محنتی اور غافل کا فرق ظاہر نہ ہو گا۔ نیز محنت کرنے والوں پر ظلم ہو گا کہ بے محنت طالب علم بھی اس کے برابر ہو جاوے گا اور پاس ہو کر ہمسری کا دعویٰ کرے گا اور اس عالم کا عالمِ امتحان ہونا قرآن سے منصوص ہے۔ چناں چہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

اِنَّا جَعَلۡنَا مَا عَلَی الۡاَرۡضِ زِیۡنَۃً لَّهَا لِنَبۡلُوَهُمۡ اَیُّهُمۡ اَحۡسَنُ عَمَلًا
وَ اِنَّا لَجٰعِلُوۡنَ مَا عَلَیۡهَا صَعِیۡدًا جُرُزًا [۸۶]

۸۶؎ الکھف:۷،۸

ہم نے کائنات کو رنگین اور مزین بنایا ہے اس لیے ہم ان لوگوں کی آزمائش کریں (کہ کون اس نقش و نگار فانی پر فریفتہ ہو کر ہم کو بھول جاتا ہے اور کون اس کی فنائیت پر نظر رکھ کر ہم کو یاد رکھتا ہے اور اچھے عمل کرتا ہے) اور ہم ایک دن زمین کو چٹیل میدان کردیں گے۔ یعنی یہ سب کارخانے اور دنیا کے ہنگامے فنا ہو جائیں گے۔ تو ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دریافت کیا: یارسول اللہ! ہم لوگوں میں کون اَحۡسَنُ عَمَلًا ہے یعنی اعمال کے اعتبار سے احسن ہے؟ ارشاد فرمایا کہ:

اَحۡسَنُكُمۡ عَقۡلًا وَاَوۡرَعُكُمۡ عَنۡ مَّحَارِمِ اللهِ اَسۡرَعُكُمۡ فِيۡ طَاعَتِهٖ سُبۡحَانَهٗ[۸۷]

جس کی سمجھ اچھی ہو اور اچھی سمجھ کی علامت یہ ہوگی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں سے بہت بچنے والا ہوگا اور اللہ کی فرمانبرداری میں بہت آگے بڑھنے والا ہوگا۔

شعرِ اوّل کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر عالمِ غیب کو دنیا ہی میں دیکھ لو تو اس قدر خوف طاری ہوگا کہ عقل و حواس کھو بیٹھو گے اور بیوی بچوں کے حقوق اور معاش کے انتظامات سب درہم برہم ہو جاویں گے۔ اہل اللہ پر بعض اسرارِ غیب منکشف ہو گئے اس وقت ان کی زبان پر مہرِ سکوت لگادی جاتی ہے۔ اسی طرف مولانا نے ایک مقام پر اشارہ کیا ہے ؎

فاش اگر گویم جہاں برہم زنم

پس دنیا میں اللہ تعالیٰ کا خوف صرف اس قدر مطلوب ہے جو حق تعالیٰ کی نافرمانیوں سے روک دے۔:

اَللّٰهُمَّ اقۡسِمۡ لَنَا مِنۡ خَشۡيَتِكَ مَا تَحُوۡلُ بِهٖ بَيۡنَنَا وَبَيۡنَ مَعَاصِيۡكَ[۸۸]

حضور صلی اللہ علیہ وسلم عرض کرتے ہیں کہ اے اللہ! ہم کو اپنی خشیت اور خوف کی اتنی مقدار عطا فرمادیجیے جو ہمارے اور آپ کی نافرمانیوں کے درمیان روک بن جاوے۔

۸۷؎ روح المعانی: ۱۲/۱۱، هود(۷)، دار إحياء التراث، بيروت

۸۸؎ جامع الترمذی: ۲/۱۸۸، باب من ابواب الدعوات، ایچ ایم سعید

اس سے زیادہ مطلوب ہی نہیں بلکہ مضر ہے پس عالمِ غیب کو عالمِ مشاہدہ بنانے کی تمنا دنیا میں کرنا انتظامِ عالم کو درہم برہم کرنے کی تمنا کرنا ہے اور قیامت تک اس عالم کو امتحان کے لیے حق تعالیٰ کو باقی رکھنا ہے۔

پس اگر پردۂ غفلت بالکل چاک کردیا جاتا اور حجاباتِ افلاک مرفوع ہوجاتے تو بقائے عالم کی حکمتِ مذکورہ فوت ہوجاتی اور دیگ حکمت خام رہ جاتی۔

اسی وجہ سے حق تعالیٰ شانہٗ نے بندوں سے ایمان بالغیب کا مطالبہ فرمایا اور کائنات میں نہ اپنے کو دکھانے کا اور نہ عالمِ غیب کے مشاہدے کا کوئی روزن (دریچہ۔ کھڑکی) رکھا۔ حضرت شیخ قدس سرہ العزیز رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ دنیا میں آنکھیں بنائی جارہی ہیں اعمالِ صالحہ اور تقویٰ سے۔ قیامت کے دن کھول دی جائیں گی اور وہاں دیدار سے مشرف ہوں گی۔

خلاصۂ کلام

دنیا میں ایمان بالغیب سے مقصد اجرِ مجاہدہ لاہل الایمان اور استدراج لاہل الطغیان ہے جن کا حاصل اخیر میں ظہور اسمائے الٰہیہ ہے اور پوری حکمت کا علم صرف حق تعالیٰ ہی کو ہے۔

چند نظائرِ استدلالی بر ایمان بالغیب

گر تو او رامی نہ بینی در نظر
فہم کن اما باظہارِ اثر

اگر تم حق تعالیٰ کو اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھتے ہو تو حق تعالیٰ کی مصنوعات اور ان کی نشانیوں کو دیکھ کر وجودِ باری تعالیٰ پر استدلال کرسکتے ہو۔ پس حق تعالیٰ شانہٗ نے ایمان والوں کی شان میں ارشاد فرمایا وَ یَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ[۵۹] آسمانوں اور زمین میں تفکر اور غور کیا کرتے ہیں۔

۵۹؎ اٰل عمرٰن:۱۹۱

خاک را بینی بہ بالا اے علیل

بادرانے جزبہ تعریف و دلیل

خاک اوپر اڑتی دیکھ کر تم ہوا کو بدون دیکھے تسلیم کرلیتے ہو اور عقل سے فورًا یہ سمجھ جاتے ہو کہ خاک اوپر اڑ نہیں سکتی بدون ہوا کے۔

تیر پیدا بیں و ناپیدا کماں

جانہاپیدا و پنہاں جانِ جاں

اسی طرح اڑتا ہوا تیر دیکھ کر کمان کے وجود کو بدون دیکھے تسلیم کرلیتے ہو یعنی عقل بتادیتی ہے کہ تیر بدون کمان کے خود نہیں اڑسکتا ہے، جسم کی حرکت سے جان کا وجود تو ظاہر ہے مگر جان کے اندر جانِ جاں پنہاں ہے اس پر بھی یقین کرو۔

بوئے گل دیدی کہ آنجا گل نبود

جوشِ مُل دیدی کہ آنجامل نبود

کیا تم نے بوئے گل محسوس کی جہاں گل ہی نہ ہو اور جوشِ شراب دیکھا جہاں شراب نہ ہو۔

پس یقیں در عقلِ ہر دانندہ ست

ایں کہ باجنبیدہ جنبانندہ ہست

پس یقینًا ہر جاننے والا یہ جانتا ہے کہ ہر حرکت کرنے والی چیز کا کوئی محرک ہے۔

تن بجاں جنبد نمی بینی تو جاں

لیک از جنبیدنِ تن جاں بداں

جسم جان کی وجہ سے حرکت کرتا ہے مگر تم جان کو دیکھتے نہیں ہو لیکن جسم کو حرکت کرتے دیکھ کر جان کو بدون دیکھے تسلیم کرلیتے ہو۔

خود نباشد آفتابے را دلیل

جز کہ نورِ آفتابِ مستطیل

آفتاب آمد دلیلِ آفتاب
گر دلیلت باید از وے رو متاب

بدون دیکھے صدہا نظائر اور مثالیں دنیا میں موجود ہیں اور ان کو بدون دیکھے تم علامات سے تسلیم کر لیتے ہو مثلاً چہرے کے تبسم سے دل کی خوشی کا اور چہرے کی زردی اور آنکھوں کی اشکباری سے غم کا وجود تسلیم کر لیا جاتا ہے حالاں کہ آج تک خوشی اور غم کو کوئی دیکھ نہ سکا کہ یہ ہوتے کیسے ہیں۔ اسی طرح رحمت اور غصہ دل میں ہوتا ہے کسی نے آج تک ان کو نہ دیکھا مگر آثار و علامات سے ان پر سب یقین رکھتے ہیں پس اسی طرح حق تعالیٰ کے وجود پر خود تمہارا جسم اور کائنات کا ہر ذرّہ آسمان و زمین، شمس و قمر، انقلاباتِ موسم، دریا و پہاڑ، مشرقی، غربی، شمالی و جنوبی ہوائیں۔ بادلوں کا لاکھوں ٹن وزن پانی کا لے کر ہواؤں کے کندھوں پر اڑنا اور ان کی بارش میں مخلوق کا بے بس ہونا۔ چاہنے کی جگہ پر نہ ہونا اور نہ چاہنے کی جگہ پر طوفان اور سیلاب آجانا یہ سب نشانیاں حق تعالیٰ کے وجود پر اس طرح سے روشن ہیں جس طرح آفتاب کے وجود پر اس کی روشنی دلیل ہے، اگر آفتاب کے لیے کوئی دلیل طلب کرتا ہے تو اس کی تمازت و تیز شعاعوں سے آنکھوں کو کیوں پھیرتا ہے۔

غذائے روح

خوئے معدہ زیں کہہ و جو باز کن
خوردنِ ریحان و گل آغاز کن

چند دن معدے کی عادت کو گھاس اور جو سے باز رکھو یعنی لذیذ غذاؤں کا اہتمام ترک کر کے ریحان و گل (ذکرِ حق) واطاعت کی غذا کا آغاز کردو۔

معدہ را خو کن بداں ریحان و گل
تا بیابی حکمت و قوتِ رسل

معدے کو ریحان و گل (ذکرِ حق و اطاعت) کی غذاؤں کا عادی بناؤ تا کہ انبیا علیہم السلام کی طرح تمہارے باطن پر علوم و مَعارفِ کا فیضان ہو۔

ہر کہ باشد قوت او نورِ جلال
چوں نزاید از لبش سحر حلال

جس شخص کی غذا انوارِ ذکرِ الٰہی ہوں تو اس کے لبوں سے کیوں نہ سحرِ حلال یعنی کلامِ مؤثر پیدا ہو گا۔

در مذمتِ تعلق بالمجاز وپناہ گرفتن ازو

با حضورِ آفتابِ خوش مساغ
راہ نمائی جستن از شمع و چراغ

بے گماں ترکِ ادب باشد ز ما
کفرِ نعمت باشد و فعلِ ہوا

آفتابِ خوش رفتار کے نور سے اعراض کرنا اور اس کی موجودگی میں شمع و چراغ سے راہ نمائی ڈھونڈنا بلاشبہ ہماری طرف سے ترکِ ادب ہے اور نعمتِ نورِ آفتاب کی ناشکری ہے اور ایسا کرنا محض ایک نفسانی فعل ہو گا۔

آفتابا با تو چو قبلہ و امیم
شب پرستی و خفاشی می کنیم

سوئے خود کن ایں خفاشاں را مطار
زیں خفاشی شاں بخر اے مستجار

اے آفتابِ حقیقی! آپ جیسے قبلہ و امام کے ہوتے ہوئے ہم شب پرستی و خفاشی کر رہے ہیں یعنی چمگادڑوں کی ظلمت پسندی میں مبتلا ہیں، آپ اپنے فضل و کرم سے ان خفاش طبع انسانوں کی پرواز کو اپنی طرف کر لیجیے اور ان کو ظلمت سے نکال کر نور میں داخل فرما دیجیے۔

اعجازِ آفتابِ کرم و ظہورِ رحمتِ واسعہ

کیمیا داری کہ تبدیلش کنی
گرچہ جوئے خوں بود نیلش کنی

اے اللہ! آپ کی رحمت میں عجیب کیمیاوی اثر ہے کہ جس پر آپ اپنی رحمت سے توجہ فرمادیتے ہیں تو آپ کی نگاہِ کرم اس کے دریائے خون یعنی اس کے تمام اخلاقِ رذیلہ کو یک لحظہ اخلاقِ حمیدہ سے تبدیل کردیتی ہے۔

لطفِ عامِ تو نمی جوید سند
آفتابت بر حدثہا می زند

اے اللہ! آپ کا لطفِ عام قابلیت نہیں ڈھونڈتا ہے بلکہ مخلوق کی ہر قابلیت محض آپ کی عطا ہے، آپ کی رحمتِ عامہ کی شان تو یہ ہے کہ آپ کا آفتابِ کرم ظاہری اور باطنی دونوں نجاستوں کو اپنی شعاعِ فیض سے محروم نہیں کرتا، چناں چہ شعاعِ آفتاب ہی سے زمین پر پڑی ہوئی جانوروں کی نجاستیں کچھ خشک ہوکر تنور میں روشن ہوجاتی ہیں اور کچھ زمین میں بوجہِ حرارت جذب ہوکر سبزۂ خوشنما کی صورت میں رونما ہوتی ہیں۔ اسی طرح قلوب کی باطنی نجاستوں (کفر و شرک و عصیان) پر بھی آپ کے آفتابِ کرم کی شعاعیں جب اپنا فیضان ڈالتی ہیں تو ان سب کو ایمان و تقویٰ کے نور سے تبدیل کردیتی ہیں ؎

جوش میں جو آئے دریا رحم کا
گبرِ صد سالہ ہو فخرِ اولیا

علاجِ عجب و خود بینی

مَآ اَصَابَكَ مِنۡ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ؞

جملہ صفاتِ انسانی مستعار از فضلِ ربّانی ہستند۔

؞ النسآء:۷۹

گرچہ آہن سرخ شد او سرخ نیست
پر توِ عاریتِ آتش ز نیست

اگر لوہا آگ کی صحبت میں سرخ ہو جائے تو اس کو چاہیے کہ اس سرخی کو اپنی ذاتی سرخی سمجھ کر ناز نہ کرے بلکہ اس سرخی کو فیضانِ آتش سمجھ کر اس کو محض عطا و مستعار سمجھے اور ڈرتا رہے کہ اس فیضانِ حرارت نے اگر میری خود بینی اور عجب کے سبب بوجہ غیرت توجہ مجھ سے ہٹالی تو پھر میں اسی طرح کالا بدرنگ لوہا ہو جاؤں گا اور میری یہ سرخی ہرگز باقی نہ رہ سکے گی۔

گر شود پر نور روزن یا سرا
تو مداں روشن مگر خورشید را

اگر کوئی دریچہ یعنی کھڑکی یا گھر شعاعِ آفتاب سے روشن ہو تو اس روزن اور گھر کو اس روشنی کو ذاتی سمجھ کر تکبر اور ناز نہ کرنا چاہیے بلکہ صرف عطائے آفتاب کا ممنون رہنا چاہیے اور آفتاب کے سامنے سراپا نیاز بن جانا چاہیے اور یوں سمجھنا چاہیے کہ ہم روشن نہیں بلکہ یہ آفتاب ہی کے انوار ہیں۔ پس روشن آفتاب کو سمجھو نہ کہ دریچہ اور گھر کو۔ حق تعالیٰ اسی کو فرماتے ہیں کہ جو کچھ تم کو بھلائی اور اچھائی پہنچے وہ سب محض عطائے خداوندی ہے۔

فائدہ: طالب جو کچھ اپنے شیخ کی صحبت سے فیضانِ قرب اور اخلاقِ عالیہ اور علوم و مَعارف اور لذۃِ ذکر و طاعات اور جملہ تجلیاتِ اسماء کا ظہور اپنی روح میں محسوس کرے تو اس کو اپنا ذاتی کمال نہ سمجھے بلکہ یوں سمجھے کہ شیخ کا قلب جو مثل آفتابِ منور بنورِ حق ہے وہ امرِ حق سے میرے قلب کو انوارِ قربِ خاص سے لعل بنا رہا ہے پس اس سرخیٔ مستعار پر ہمیشہ شیخ کا ممنون اور متواضع اور سراپا نیاز بن کر رہے، کبھی اپنی ذاتی سرخی سمجھ کر ناز اور خود بینی میں مبتلا نہ ہو ورنہ غیرتِ حق سے قلبِ شیخ کا فیضان بند ہو جاوے گا اور تم پھر وہی خس و خاشاک اور سیاہ لوہے کی طرح دو کوڑی کے ہو جاؤ گے۔ حق تعالیٰ ہم سب کو عجب و کبر و پندار اور ناز و خود بینی سے محفوظ فرماویں۔ آمین۔

دربیانِ حدیثِ زُرْ غِبًّا تَزْدَدْ حُبًّا

گرچہ در خشکی ہزاراں رنگہاست
ماہیاں را با یبوست جنگہاست

دائم اندر آب کارِ ماہی ست
مار را با او کجا ہمراہی ست

اگر مچھلیوں کے کان میں کوئی کہے کہ خشکی میں چلو تم کو خشکی میں دلکش نقش و نگار اور مختلف رنگ و بہار کا لطف ملے گا تو مچھلیاں جواب دیں گی کہ اگر خشکی میں ہزاروں رنگ اور بہاریں ہوں لیکن ہمارے لیے خشکی کا ہر پیغامِ عیش پیغامِ موت کے مترادف ہے۔ ہمیں تو پانی ہی کے اندر ہر قسم کا عیش محسوس ہوتا ہے، تمام کائنات کی نعمتیں ہم کو پانی ہی میں نظر آتی ہیں۔ پانی ہی ہماری خوابگاہ ہے، پانی ہی ہمارا کسب و معاش گاہ ہے، پانی ہی میں ہماری زندگی کی تمام ضروریات کا حل موجود ہے۔ برعکس خشکی تمام نعمتوں اور بہاروں کے باوجود ہماری ہلاکت ہے۔

یہی حال اللہ والوں کی روحوں کا ہے کہ ان کو حق تعالیٰ شانہٗ کے ساتھ ایسا انس ہوتا ہے کہ ان کو میاں ہی کی یاد میں تمام کائنات کی لذتیں محسوس ہوتی ہیں ؎

بسودائے جاناں زجاں مشتغل
بذکرِ حبیب از جہاں مشتغل

محبوبِ حقیقی کی محبت میں اپنی جان سے بھی بے پروا رہتے ہیں کیوں کہ جب جان کی جان سے رابطہ ہو تو پھر یہ جان بھی بمنزلہ جسم کے بے قدر ہو جاتی ہے ؎

متاعِ جانِ جاناں جان دینے پر بھی سستی ہے

اور میاں ہی کی یاد میں ایسے دیوانے ہو رہے ہیں کہ تمام جہاں سے بے پروا ہو رہے ہیں ؎

خلقے پسِ دیوانہ و دیوانہ بکارے

ہمیشہ پانی ہی میں رہنا یہ مچھلیوں ہی کا کام ہے لیکن کبھی کبھی سانپ بھی پانی میں داخل

ہو کر مچھلی پن ظاہر کرتا ہے تاکہ خلق اس کو بھی مچھلی سمجھ کر اس کا احترام کرے مگر چوں کہ سانپ کی روح کو پانی سے انس حاصل نہیں اس لیے تھوڑی دیر میں پانی سے وحشت اور اس کا دُم دبا کر خشکی میں بھاگنا اس کو رسوا کر دیتا ہے پس سانپ کب مچھلی کی ہمراہی اور ہمسری کا دعویٰ کر کے نباہ کر سکتا ہے۔

فائدہ: سچے اہل اللہ کے بھیس ولباس میں کبھی کبھی ٹھگ اور ڈاکو بھی لوگوں کے دین پر ڈاکہ ڈالنے کے لیے اور اپنے پیٹ کا کاروبار چمکانے کے لیے خانقاہ بنا کر درویشی اور فقیری کا لبادہ اوڑھ کر تصوف کی چند اصطلاحات سن سنا کر یا کتابوں سے رٹ کر دھوکا دہی شروع کر دیتے ہیں مگر چوں کہ ان کی روح کو حق تعالیٰ کے ساتھ انس نصیب نہیں جو بڑے مجاہدات اور پیرِ کامل کے فیضانِ صحبت سے میسر ہوتا ہے اس لیے یہ مخلوق سے نظر بچا کر تسبیح طاق پر رکھ کر رات بھر خراٹے مارتے ہیں۔ ان کا دل دوامِ ذکر اور استقامت کو کب گوارا کر سکتا ہے پس یہ اپنے رذائل اور توحش عن الذکر سے رسوا ہو جاتے ہیں۔ جب دل نورِ تقویٰ سے خالی ہوتا ہے تو اعضا کے افعال سے اس کی تہی قلبی اہلِ نظر بھانپ لیتے ہیں۔

نیست زُرْغِبًّا وظیفہ عاشقاں
سخت مستسقی ست جانِ صادقاں

حدیث شریف میں وارد ہے کہ **زُرْغِبًّا تَزْدَدْ حُبًّا** ناغہ دے کر ملاقات کرنا محبت کو زیادہ کرتا ہے۔ مگر یہ حکم عام مخصوص منہ البعض ہے، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں **کُنْتُ اَلْزَمُ لِصُحْبَتِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ**[19] میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبتِ مبارکہ میں ہر وقت حاضر رہتا تھا جس طرح کوئی شے کسی شے سے چپکا دی جاوے۔ حاصل یہ کہ یہ حکم ناغہ دے کر ملاقات کا عام طبائع کے لیے ہے عشاق اس سے مستثنیٰ ہیں کیوں کہ عاشقینِ صادقین کی جانیں سخت مستسقی ہوتی ہیں، آپِ

---

[19] صحیح البخاری: ۱/۲۷۴، (۲۰۴۳)، کتاب البیوع، باب ما جاء فی قول اللہ تبارک وتعالیٰ فاذا قضیت الصلوٰۃ فانتشروا فی الارض وابتغوا من فضل اللہ الخ، المکتبۃ المظہریۃ

وصال کے لیے استسقا ایک بیماری ہے جس میں پانی پیتے پیتے پیٹ تن کر آدمی مر جاتا ہے لیکن پیاس نہیں بجھتی۔

پنج وقت آمد نماز رہنموں
عاشقاں را ھم صلوٰۃً دائموں

یہی سبب ہے کہ عوام کے لیے پنجگانہ نمازوں کا ادا کرنا بھی دشوار ہوتا ہے اور عاشقین ہر وقت نماز ہی میں رہنا چاہتے ہیں۔ جب دیکھو ہاتھ باندھے اپنے مولیٰ کے سامنے کھڑے ہیں اور ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک نماز ہی میں ہے۔ یعنی اولیائے امت کو مشکوٰۃِ نبوت سے قرۃ عینی فی الصلٰوۃ کا انعام عطا ہوتا ہے۔

نیست زُرۡ غِبًّا وظیفہ ماہیاں
زانکہ بے دریا ندارند انسِ جاں

اس شعر میں مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک تمثیلی دلیل بیان فرما کر اپنے دعویٰ کو واضح فرمادیا ہے کہ کیا تم مچھلیوں سے یہ کہہ سکتے ہو کہ پانی سے ملاقات ناغہ دے کر کیا کرو۔ کیوں کہ مچھلیاں بدون دریا کے اپنی جانوں میں چین و سکون اور انس نہیں پاسکتی ہیں۔

دربیانِ دیوانگی

ہرچہ غیر شورش و دیوانگی ست
دررہِ او دوری و بیگانگی ست

جو مشاغل کہ ذکرِ محبوبِ حقیقی سے تعلق بلاواسطہ یا بواسطہ نہیں رکھتے وہ ان کی راہ میں حجابات اور باعثِ فراق و بُعد ہیں ذکر بلاواسطہ کی مثال جیسے ذکر اللہ، تلاوت، نماز وغیرہ اور بواسطہ کی مثال جیسے کسی لاوارث مریض کی تیمارداری اور خدمت یا کسبِ معاش اور حقوقِ واجبہ میں بہ نیتِ رضائے مولیٰ مصروف ہونا اور قلب کو اس وقت بھی حق تعالیٰ

کے ساتھ مشغول رکھنا۔ ورنہ کافر بھی کسبِ معاش اور انسانی حقوقِ واجبہ کی تکمیل کرتا ہے مگر رضائے الٰہی کی نیت نہ ہونے اور محض انسانی تقاضوں سے کام کرنے کا انجام بطلانِ عمل اور فقدانِ اجر منصوص ہے اور رضائے الٰہی کی نیت کا اعتبار تصدیق و اتباعِ رسالت کے ساتھ مشروط ہے ورنہ بعض کفار بھی رضائے خداوندی کی نیت سے بعض کام کرتے ہیں۔

غیر آں زنجیرِ زلفِ دلبرم
گر دو صد زنجیر آری بردرم

محبوبِ حقیقی کی اطاعت و یاد اور ان کی محبت کی زنجیر کے علاوہ اگر دنیا کے علائق کی دو سو زنجیریں بھی اے دنیا والو! تم میرے پاؤں میں ڈالو گے تو میں سب کو توڑ دوں گا۔

بارِ دیگر آمدم دیوانہ وار
رو روا ے جاں زود زنجیرے بیار

زیں خرد جاہل ہمی باید شدن
دست در دیوانگی باید زدن

اے میری جان! میں نے نفس کی غلامی کا طوق گلے سے اُتار کر پھینکا ہے اور غفلت و نفس پرستی سے توبہ کرلی ہے اور حق تعالیٰ کی عنایت سے میری مردہ زندگی پھر دیوانہ وار محبوبِ حقیقی کے لیے بے چین ہو گئی ہے۔ اے میری جان! جا، جا اور جلد حق تعالیٰ کی محبت کی زنجیر کسی کامل سے لا اور مجھے اس سے باندھ کر مولیٰ کا سچا تابعدار غلام بنادے کہ پھر اگر اس در سے بھاگنا چاہوں تب بھی نہ بھاگ سکوں۔

میں ہوں اور حشر تک اس در کی جبیں سائی ہے
سرِ زاہد نہیں یہ سر سرِ سودائی ہے

دل پھر طوافِ کوئے ملامت کو جائے ہے
پندار کا صنم کدہ ویراں کیے ہوئے

دل چاہتا ہے در پہ ان ہی کے پڑے رہیں
سرِ زیرِ بارِ منتِ درباں کیے ہوئے

مارا جو ایک ہاتھ گریباں نہیں رہا
کھینچی جو ایک آہ تو زنداں نہیں رہا

جو عقل کہ محبوبِ حقیقی کی راہ میں حجاب ہو یعنی ہر وقت کھانے اور ہگنے موتنے میں مشغول رکھے اور اسی کو زندگی کا حاصل بتا کر بہائم کے مشابہ بنادے وہ عقل اسی قابل ہے کہ اس کے سر پر خاک ڈال دی جائے۔

ساقیا برخیز در دہ جام را
خاک بر سر کن غمِ ایام را

اے مرشدِ کامل! اٹھیے اور ایک جامِ محبت پلا دیجیے اور زمانے کے افکار و حوادث پر خاک ڈال دیجیے۔

سینکڑوں غم ہیں زمانہ ساز کو
اک ترا غم ہے ترے ناساز کو

(اختر)

اہلِ دنیا بنگلوں اور کاروں اور شراب و کباب کے باوجود ہر وقت اپنی چاند پر افکار کی لاتیں کھاتے رہتے ہیں اور بالآخر عاجز اور تنگ آکر نشہ اور مشروبات سے اس درد کو غلط کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مگر جب نشہ اترتا ہے تو درد میں دگنا اضافہ محسوس ہوتا ہے کیوں کہ علاج غلط تھا، درد کا علاج احساسِ درد کو مفلوج اور سُن کرنا نہیں ہے بلکہ درد کے سبب کا ازالہ ہے، انجام کار مصائب سے اور افکار کی لاتیں کھاتے کھاتے ایک دن دم توڑ دیتے ہیں۔ یا خودکشی کرکے حرام موت مر جاتے ہیں اور دنیا بھی عجیب ہے کہ اگر یہ دنیادار ایڑی چوٹی کا زور لگا کر خون پسینہ گرا کے ایک دو افکار سے نجات بھی حاصل کر لیتے ہیں لیکن بحرِ فکر کی تہہ سے یہ بیچارے سطحِ راحت و سکون پر سر نکالنے بھی نہیں پاتے کہ

دو صد نئے افکار ان کی چاند پر ایسی لات مارتے ہیں کہ پھر تہ نشین ہو جاتے ہیں۔ الغرض تمام عمر یہ دنیا، دنیا داروں کو دریائے فکر کی گہرائی سے نکلنے نہیں دیتی یہاں تک کہ موت سے ہمکنار کر دیتی ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ایک مفکّرِ اعظم صاحب نے سوال کیا کہ اگر آپ میرے ایک سوال کا جواب دے دیں تو میں آپ کی نبوت کو تسلیم کرلوں، فرمایا: کہو۔

اس نے کہا کہ اگر کسی کمان سے مسلسل تیروں کی بارش ہو رہی ہو تو اس سے بچنے کی تدبیر کیا ہے؟

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے اس کے جواب کا انتظار فرمایا۔ وحی الٰہی سے جواب عطا ہوا کہ اس سے کہہ دیجیے کہ تیر چلانے والے کے پاس بھاگ کر کھڑا ہو جاوے۔ آہ یہی راز ہے ارشادِ باری تعالیٰ فَفِرُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ[۹۲] کا۔ اے لوگو! بھاگو اللہ کی طرف۔ اسی مضمون کو حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوبؒ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے شعر میں خوب ادا کیا ہے؎

بلائیں تیر اور فلک کماں ہے چلانے والا شہ شہاں ہے
اسی کے زیرِ قدم اماں ہے بس اور کوئی مفر نہیں ہے

پس عاقل وہ ہے جو حق تعالیٰ کی رضاجوئی میں جیتا ہے اور اسی میں مرتا ہے اور بے وقوف وہ ہے جو خود سراپا محتاج و محکوم غلام ہونے کے باوجود اپنے بااختیار مولیٰ کو ناراض کیے ہو۔ اسی لیے یہ ناکارہ عرض کرتا ہے کہ حمقائے زمانہ کون ہیں؟ فسقائے زمانہ اور عقلائے زمانہ کون ہیں؟ اتقیائے زمانہ۔ ہمیشہ بھلی راہ پر اہلِ عقل چلتے ہیں اور نادان بری راہ پر۔

حضرت عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ اسی لیے فرماتے ہیں کہ ایسی عقل جو خدا شناس نہ ہو اور فکرِ معاد سے غافل مثلِ بہائم ہر وقت فکرِ معاش میں مصروف ہو ایسی عقل سے تو جاہل ہی رہنا بہتر ہے اور وہ دیوانگی بہت کام کی ہے جو اغیار سے بیگانہ اور محبوب کا

---

۹۲ الذّٰریٰت:۵۰

دیوانہ بنادے۔ وہ عقل جو محبتِ کاملہ سے محروم ہو وہ عقل ناقص ہے۔ خود عقل کا کمال موقوف ہے تکمیلِ محبت پر۔

یا تو خرد کو ہوش کو مست و بیخودی سکھا
یا نہ کسی کو ساتھ لے اس کے حریمِ ناز میں

نگاہِ عشق تو بے پردہ دیکھتی ہے اسے
خرد کے سامنے اب تک حجابِ عالم ہے

جمال اس کا چھپائے گی کیا بہارِ چمن
گلوں سے چھپ نہ سکی جس کی بوئے پیراہن

دنیائے چمن کی رنگینیاں اور بہاریں صرف کفار کو باعثِ حرمان و حجاب ہو گئیں ورنہ اولیاء اللہ کی روحیں حق تعالیٰ کی خوشبو کو ہر وقت نشر کر رہی ہیں، ذرا ان کے پاس جا کر تو دیکھو۔

بنگر ایشاں را کہ مجنوں گشتہ اند
ہمچو پروانہ بوصلش کشتہ اند

ذرا اولیاء اللہ کی مجالس میں بیٹھ کر تو مشاہدہ کرو کہ کیسے اپنے مولیٰ حقیقی کی یاد میں مجنون ہو رہے ہیں اور کمالِ قرب سے ان کی روحیں مثل پروانوں کے سوختہ ہوئی جاتی ہیں۔ گلوں سے مراد ارواحِ اولیائے عاشقین ہیں۔ ان کے اقوال سے، اخلاق سے، اعمال سے ان کی ہر سانس سے اور ہر بنِ مو سے اللہ کی خوشبو نشر ہو رہی ہے۔ چناں چہ مشاہدات سے یہ امر تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ بڑے بڑے سلاطین جب کسی اہلِ دل کی صحبت سے عشقِ حقیقی کی لذت اور اس کی خوشبو پا گئے تو پوری کائنات کا جمال ان کی نگاہوں میں ہیچ ہو گیا۔

دنیا خواہ کتنی ہی دلکش بہارِ جمال رکھتی ہے مگر انبیا علیہم السلام اور اولیا کی ارواح سے جب میاں کی خوشبو نشر ہوتی ہے تو اس کی شرح و تفہیم کے لیے الفاظ و لغت اور تمام زبانیں حیران و ششدر ہو جاتی ہیں۔

بوئے آں دلبر چو پراں می شود
ایں زبانہا جملہ حیراں می شود

اس محبوبِ حقیقی کی خوشبو جب پراں ہوتی ہے تو تمام زبانیں محوِ حیرت ہو جاتی ہیں۔

گرچہ تفسیرِ زباں روشنگر ست
لیک عشقِ بے زباں روشن ترست
عقل در شرحش چو خر در گل بخفت
شرحِ عشق و عاشقی ہم عشق گفت

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تفسیر زبان کی اگرچہ روشن گر ہے لیکن عشق جب شرح کرتا ہے تو وہ بے زبان کے اس سے روشن تر شرح کرتا ہے۔ مثلاً کوئی عاشق مہجور بحضور محبوب غمِ فراق کی شرح زبان سے کہہ رہا ہو اور کوئی عاشق زبان سے کچھ نہ کہے بس آنسو بہانے لگے اور ایک آہ کھینچ لے، محبوب دریافت کرتا ہے کہ کچھ زبان سے کہو مگر وہ مسلسل اشک ہائے خون گرائے جاتا ہے تو اس عاشق کا یہ طرزِ بیان کہ لب خموش زبان ساکت مگر اس کی اشکباری اور آہِ سرد محبوب کے دل کو ہلا کر رکھ دے گی۔ یہی حال اولیاء اللہ کا ہوتا ہے کہ بعض وقت وہ جب حضورِ باری تعالیٰ میں ہاتھ اٹھاتے ہیں تو زبان سے کچھ نہیں نکلتا۔ بس آنسو جاری ہو جاتے ہیں اور آہ نکل جاتی ہے زبان تو ساکت ہے مگر یہ آہ عرشِ الٰہی کو ہلا رہی ہے۔

عرش لرزد از انین المذنبیں

جس طرح ماں بچے کے رونے سے کانپنے لگتی ہے غلبۂ رحمت و محبت سے نالۂ گناہ گاراں سے عرش کانپنے لگتا ہے کمالِ رحمت سے۔

۲) عقل شرحِ محبت کرتے کرتے عاجز ہو کر مثل گدھے کے کیچڑ میں سو گئی اور عشق نے شرحِ عشق کو کمال تک پہنچا دیا، بعض وقت اہل اللہ روتے روتے تھک جاتے ہیں، آنسو خشک ہو جاتے ہیں مگر ان کو سیری نہیں ہوتی اور ان کے قلب کی طغیانی بزبانِ حال یہ تمنا کرتی ہے۔

اے دریغا اشکِ من دریا بُدے
تا نثارِ دلبرِ زیبا شدے

کاش کہ میرے آنسو دریا ہو جاتے اور محبوبِ حقیقی پر قربان ہو جاتے۔

محبت میں ایک ایسا وقت بھی دل پر گزرتا ہے
کہ آنسو خشک ہو جاتے ہیں طغیانی نہیں جاتی

ہر کجا بینی تو خوں برخا کہا
پس یقیں میداں کہ آں از چشمِ ما

حضرت عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جہاں بھی روئے زمین پر خون کے قطرات ٹپکے ہوئے دیکھو یقین کرلو کہ وہ ہماری ہی آنکھوں سے گرے ہیں۔

عاشقم من برفنِ دیوانگی
سیرم از فرہنگ و از فرزانگی

مولانا فرماتے ہیں کہ میں دیوانگی کے فن پر عاشق ہوں کیوں کہ یہی وہ فن ہے جو محبوبِ حقیقی تک جلد پہنچا دیتا ہے۔ میں عقل کی باتوں سے بہت سیر ہو چکا ہوں۔ کچھ کام نِری عقل سے بنتا نہیں ہے۔ جیسے وہ ریل کہ اس کے انجن میں بھاپ نہ ہو، بس اپنی جگہ پر کھڑی منزل سے محروم پڑی ہے۔ عشق و محبت دل کے انجن میں برق رفتاری پیدا کرتے ہیں۔ ایمان کا راستہ بھی شدتِ محبت کو چاہتا ہے:

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ[۹۳]

جو لوگ ایمان لائے یعنی مؤمنین کاملین اللہ تعالیٰ کی محبت میں بڑے ہی سرگرم ہیں حتّٰی کہ جان دینا، جان لینا سب آسان ہو گیا۔

آزمودم عقلِ دور اندیش را
بعد ازیں دیوانہ سازم خویش را

۹۳؎ البقرۃ: ۱۶۵

میں نے عقلِ دور اندیش کو ایک عمر آزمایا مگر راستہ محبوبِ حقیقی کا طے نہ ہو سکا اس لیے ہار کر اپنے کو دیوانہ بنالیا اور اب سارے حجابات ختم ہو گئے ؎

نگاہِ عشق تو بے پردہ دیکھتی ہے اسے
خرد کے سامنے اب تک حجابِ عالم ہے

یہاں تو ایک پیغامِ جنوں پہنچا ہے مستوں کو
ان ہی سے پوچھیے دنیا کو جو دنیا سمجھتے ہیں

یہی محبت کی دولت حاصل کرنے کے لیے حضرت مولانا قاسم صاحب بانیٔ دیوبند رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا رشید احمد صاحب محدث گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا حکیم الامّت اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو باوجود علومِ درسیہ کے سمندر ہونے کے حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت میں جانا پڑا اور خود حضرت جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کو غلامِ شمس تبریزی بننا پڑا ؎

مولوی ہر گز نشد مولائے روم
تا غلامِ شمس تبریزی نشد

بعض اہلِ علم نے ان علمائے کاملین سے سوال کیا کہ آپ حضرات حضرت حاجی صاحب کے پاس کیوں گئے جب کہ آپ کا ہر فرد خود بحر العلوم ہے۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ ہم لوگوں نے مدارس میں دین کی مٹھائیوں کی صرف فہرست پڑھی تھی اور حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس کھانے گئے تھے۔ صرف علومِ ظاہرہ کو کافی سمجھنا ایسا ہی ہے جیسے کہ فہرست میں مٹھائیوں کی اقسام پڑھ لی جاویں، انجام کار یہ ہوتا ہے کہ خود بھی بے کیف اور دوسروں کو بھی بے کیف رکھتے ہیں۔ ان سے کیا دین چمکے گا۔ ارے! کچھ دن کسی اللہ والے کی جوتیاں سیدھی کر لو۔ پھر دیکھو کہ ان علوم میں کیسی روح پیدا ہو جاتی ہے جو تمہیں بھی زندہ کر دے گی اور بہت سے مردہ قلوب تمہاری صحبت سے حقیقی حیات سے مشرف ہوں گے۔

قال را بگذار مردِ حال شو
پیشِ مردِ کاملے پامال شو

چند دن احساسِ علم اور پندارِ علم کو فنا کردو اور بالکل خالی الذہن ہو کر کسی مردِ کامل کے سامنے اپنے کو فنا کردو پھر صاحبِ حال بن جاؤ گے۔ ابھی تو ایمان تقلیدی ہے پھر ایمانِ تحقیقی نصیب ہوگا۔ یہ عالم برائے قیل و قال نہیں ہے، برائے وجد و حال ہے۔ چند دن تجربہ ہی کے لیے کسی اللہ والے کے پاس رہ لو۔ پھر خود ہی دل بزبانِ حال کہے گا ؎

چسکا لگا ہے جام[۹۴] کا شغل ہے صبح و شام کا
اب میں تمہارے کام کا ہمنفسو رہا نہیں

اختلافِ غذاء

آدمی را شیر از سینہ رسد
شیرِ خر از نیمِ زیرینہ رسد

آدمی کو دودھ سینہ میں سے پہنچتا ہے اور گدھے کو نیچے کے آدھے جسم میں سے پہنچتا ہے۔

معدۂ خر کہ کشد در اجتذاب
معدۂ آدم جذوبِ گندم آب

گدھے کا معدہ جذب میں گھاس کو کھینچتا ہے اور آدمی کا معدہ گیہوں اور پانی کا جذب کرنے والا ہے۔

آں یکے چوں نیست با اخیار یار
لاجرم شد پہلوئے فجارِ جار

جو شخص نیک بندوں کی صحبت اختیار نہیں کرتا تو وہ انجام کار بروں کی صحبت اختیار کرلیتا ہے۔

---

[۹۴] جامِ معرفت و محبتِ الٰہیہ

در تحقیق کہ انسان اعمال میں مجبور نہیں

جبر بودے کے پشیمانی بُدے
ظلم بودے کے نگہبانی بُدے

جبر ہوتا تو پشیمانی کب ہوتی اور ظلم ہوتا تو نگہبانی کب ہوتی۔ مطلب یہ ہے کہ جبر ہوتا اور کچھ اختیار بندے کا اپنے اعمال میں نہ ہوتا تو پھر مافات پر پریشانی کیوں ہوتی ہے کہ افسوس! یہ کیوں کیا، انسان سمجھتا کہ میں تو مجبور تھا میں کیا کروں جو ایسا ہوگیا۔ پس اس پشیمانی ہونے ہی سے معلوم ہوا کہ بندہ اعمال میں مجبور نہیں بلکہ مختار ہے۔ اسی طرح اگر ظلم ہوتا تو اللہ تعالیٰ نگہبانی کیوں فرماتے کہ کہیں فرشتے حفاظت کے لیے مقرر فرماتے ہیں اور کہیں اعضا نگہبانی کے لیے دیے جاتے ہیں۔

حقیقتِ نفس

نفسہا را لائق است ایں انجمن
مردہ را در خور بُوَد گور و کفن

نفوس کے لیے یہی انجمن یعنی دنیا لائق ہے کہ گور و کفن مردے ہی کے مناسب ہے، زندہ کو کوئی گور و کفن نہیں دیتا۔ اسی طرح یہ دنیا بھی نفس ہی کے مناسب ہے۔ روح کا یہ مسکن نہیں ہے۔

نفس اگرچہ زیرک است و خورد داں
قبلہ اش دنیا است اورا مردہ داں

یعنی نفس اگرچہ باریک باتوں کو جاننے والا اور ہوشیار ہے لیکن اس کا قبلہ چوں کہ دنیا ہی ہے۔ اس لیے وہ بمنزلہ مردہ ہی کے ہے۔ اس کی زیرکی اور ہوشیاری کو زندگی نہ کہیں گے کیوں کہ اس کو حیاتِ اصلی حاصل نہیں ہے۔ پس نفس بمنزلہ مردہ ہی ہے۔ آگے بعض نفوس کو مستثنیٰ فرماتے ہیں۔

آب وحیِ حق بدیں مردہ رسید
شد ز خاکِ مردہٗ زندہ پدید

وحیِ حق کا پانی جو اس مردے کو پہنچا تو خاکِ مردہ سے زندہ ظاہر ہو گیا مطلب یہ کہ اگر اس نفس کو وحیِ حق کا پانی مل گیا تو وہ بھی زندہ ہو گیا اور اتباع وحیِ الٰہی کی برکت سے اس کو حیاتِ ابدی حاصل ہو گئی۔

فنائیتِ دنیا

لَا تَشْكِيْكَ فِي الْمَاهِيَاتِ

جادوئیہا را ہمہ یک لقمہ کرد
یک جہاں پُر شب بداں را صبح خورد

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا نے فرعون کے تمام جادوؤں کو ایک لقمہ کرلیا اور ایک جہانِ پُر شب کو صبح کھا گئی۔ مطلب یہ کہ چوں کہ دنیا اپنی چمک دمک سے مثل ساحرانِ فرعون کی جادوگری اور نظر بندی کے تم کو دھوکا اور فریب دے کر آخرت سے غافل کرنا چاہتی ہے تو دیکھو تم فریفتہ مت ہونا اور دھوکے میں مت آنا۔ ورنہ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی اژدہا بن کر سب کو ہضم کر گئی تھی اسی طرح موت ان سب رونقوں کو فنا کر دے گی اور پھر ایسی مثال ہو جاوے گی جیسے رات کے بعد صبح آوے تو رات کا کہیں نام و نشان نہیں رہتا۔ ایک دم غائب ہو جاتی ہے۔ اسی طرح موت سے یہ سب چیزیں فنا ہو جاتی ہیں۔

در اثر افزوں شد و در ذات نے
ذات را افزونی و آفات نے

یعنی اثر میں زیادتی ہوئی ذات میں نہیں، مطلب یہ کہ نورِ صبح نے جو ظلمتِ شب کو کھالیا یا عصائے موسوی نے جو سانپوں کو کھالیا اس سے ان چیزوں میں کوئی زیادتی نہیں ہوئی۔

اس لیے کہ منطق کا مسئلہ ہے کہ: لَاتَشْکِیْکَ فِی الْمَاهِیَاتِ تو ذات میں زیادتی کمی نہیں ہوتی، بلکہ زیادتی و کمی صفات میں ہوتی ہے۔ ذات من حیث الذات میں کوئی کمی یا زیادتی نہیں ہوتی یہ تو کل ذوات کے لیے تھا کہ کسی میں کمی و زیادتی نہیں ہوتی، آگے خاص ذات حق کی نسبت فرماتے ہیں۔

حق ز ایجادِ جہاں افزوں نشد
انچہ اول آں نبود اکنوں نشد
لیک افزوں شد اثر ز یجادِ خلق
در میانِ ایں دو افزوں نیست فرق
ہست افزونی اثر اظہارِ او
تا پدید آید صفات و کارِ او

حق تعالیٰ نے تمام عالم کو پیدا کیا اس سے ذاتِ حق میں نعوذ باللہ! کوئی زیادتی نہیں ہوئی اور کوئی بات اس ایجادِ خلق سے ایسی پیدا نہیں ہوئی جو پہلے نہ تھی بلکہ اَلْاٰنَ کَمَا کَانَ ہاں ایجادِ خلق سے اثر ظاہر ہوا یعنی صفاتِ حق کا ظہور ہو گیا اور ظہورِ اثر و صفات میں اور زیادتی فی الذات میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ پس ایجادِ خلق سے مقصود کُنْتُ کَنْزًا مَّخْفِیًّا فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ[۹۵] تاکہ عالم کو دیکھ کر وجودِ صانع پر استدلال کریں اور پھر معرفت حاصل ہو۔

بِحَمْدِ اللّٰہِ تَعَالٰی وَعَوْنِہٖ

حصۂ دوم تمام ہوا

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ[۹۶]

(کمترینِ خلائق) محمد اختر عفا اللہ عنہ ۴۔جی، ۱۲/ ناظم آباد۔ کراچی

---

۹۵ کشف الخفاء ومزیل الالباس: ۲/۱۵۵، (۲۰۱۶) مکتبۃ العلم الحدیث
۹۶ البقرۃ: ۱۲۷

حصّۂ سوم

مناجاتِ مثنوی

آہِ بے نوا.....(نظم)

عارف باللہ حضرتِ اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب دامت برکاتہم

عالمِ ہجر کو مرے تونے وصال کر دیا
یعنی ہماری آہ کو واقفِ حال کر دیا

اپنا جہاں دکھا کے یوں محوِ جمال کر دیا
میری نظر میں یہ جہاں خواب وخیال کر دیا

میرے قویٰ تو اس قدر ہوتے ابھی نہ مضمحل
اے دلِ مبتلائے غم تونے نڈھال کر دیا

میرا پیام کہہ دیا جاکے مکاں سے لامکاں
اے مری آہِ بے نوا تونے کمال کر دیا

ذوقِ طلب بھی مختلف دہر میں دیکھتا رہا
اخترِ بے قرار نے تیرا سوال کر دیا

مناجاتِ مثنوی رومی رحمۃ اللہ علیہ

مع ترجمہ

منزلِ اول روزِ شنبہ (سنیچر)

اے کمینہ بخششت ملکِ جہاں
من چہ گویم چوں تو می دانی نہاں

اے اللہ! یہ تمام کائنات آپ کی ادنیٰ بخشش ہے، میں کیا کہوں جب کہ آپ ہر پوشیدہ اور مخفی سے بھی باخبر ہیں۔

حالِ ما و ایں خلائق سربسر
پیشِ لطفِ عامِ تو باشد ھدر

ہمارا اور تمام خلائق کا حال کُل کا کُل آپ کے لطفِ عام کے سامنے کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔

اے ہمیشہ حاجتِ ما را پناہ
بارِ دیگر ما غلط کردیم راہ

اے اللہ! آپ ہی ہماری حاجتوں کے لیے ہمیشہ پناہ گاہ ہیں اور ہم نے دوسری بار سیدھا راستہ غلط کر دیا۔

صد ہزاراں دام و دانہ ست اے خدا
ما چو مرغانِ حریصِ بے نوا

گناہوں کے سو ہزار جال اور دانے ہیں اے خدا! اور ہم مثل لالچی مُفلس پرندوں کے ہیں۔

دم بدم پا بستۂ دام نوایم
ہر یکے گر باز و سیمرغ شویم

ہمہ وقت ہمارے پاؤں گناہوں کے جالوں میں پھنسے ہوئے ہیں اگرچہ ہم میں سے ہر ایک باز اور سیمرغ ہی کیوں نہ ہو۔

می رہانی ہر دمے مارا و باز
سوئے دامے می رویم اے بے نیاز

آپ تو ہم کو ہر وقت گناہوں سے چھڑاتے رہتے ہیں اور ہم پھر ان ہی جالوں کی طرف جاتے ہیں اے بے نیاز۔

ما دریں انبارِ گندم می کنیم
گندم جمع آمدہ گم می کنیم

ہم اس جہان میں نیکیوں کا گندم جمع کرتے ہیں اور جمع شدہ کو پھر گم کر دیتے ہیں۔

می نیندیشیم ما جمع و حوش
کیں خلل در گندم ست از مکرِ موش

ہم نہیں سوچتے ہیں کہ یہ نقصان گندم کے ذخیرے کا چوہے کے مکر سے ہے۔

موش تا انبارِ ماحفرہ زدہ ست
وز فنش انبارِ ماخالی شدہ ست

نفس کے چوہے نے جب سے ہماری نیکیوں کے ذخیرے میں سوراخ کرلیا ہے تو اس کے اس فن سے ہمارا ذخیرہ خالی ہو گیا ہے۔

اول اے جاں دفعِ شرّ موش کن
بعد ازیں انبارِ گندم کوش کن

اے میری جان! پہلے چوہے کی شرارت اور چوری کو دفع کر پھر گندم کا ذخیرہ کرنے کی سعی اور محنت کر۔

چوں عنایاتت شود با ما مقیم
کے بُوَد بیم ازاں دزدِ لئیم

اے اللہ! اگر آپ کی عنایات ہمارے اوپر قائم رہیں تو اس کمینہ چور سے (یعنی نفسِ امارہ سے) ہم کو کب خوف ہو سکتا ہے۔

گر ہزاراں دام باشد بر قدم
چوں تو با مائی نباشد ہیچ غم

اگر ہزاروں جال ہمارے قدموں کے سامنے ہوں لیکن اے اللہ! اگر آپ کا کرم ہمارے ساتھ ہو تو پھر ہم کو کچھ غم نہیں یعنی نفس و شیطان کی تمام شرارتوں سے ہمارا دین آپ کی اعانت ہی سے محفوظ رہ سکتا ہے۔

یا کریم العفوستار العیوب
انتقام از ما مکش اندر ذنوب

اے کریم العفو اور عیوب کے چھپانے والے! ہمارے گناہوں کو عفو فرما دیجیے اور ہم سے انتقام نہ لیجیے۔

گر سگی کردیم اے شیر آفریں
شیر را مگمار بر ما زیں کمیں

اے ہمارے رب! اگرچہ ہم نے کتاپن کیا ہے اعمال میں مگر اے شیر پیدا کرنے والے! اپنے کسی عذاب کو ہم پر مسلّط نہ فرما جو مثلِ شیر کے ہم کو ہلاک کر دے۔

آبِ خوش را صورتِ آتش مدہ
اندر آتش صورتِ آبی منہ

آبِ خوش (حسنات) کو صورتِ آتش (غیر حسنات) نہ دکھایئے اور آگ کے اندر پانی کی صورت نہ رکھیے، یعنی ہم کو برائیاں ہماری شامتِ اعمال سے جاذبِ نظر نہ معلوم ہوں۔

از شرابِ قہر چوں مستی دہی
نیستہارا صورتِ ہستی دہی

اے رب! اپنی شرابِ قہر کی مستی آپ جسے دیتے ہیں یعنی جس کی شامتِ عمل سے آپ

اس پر قہر نازل فرماتے ہیں تو اس کو دنیائے فانی بہت ہی حسین اور پائیدار نظر آتی ہے۔

قطرۂ علم است اندر جانِ من
وا رہانش از ہویٰ و از خاکِ تن

میری جان میں علم کا جو قطرہ آپ نے بخشا ہے اس کو ہمارے رذائل اور خبائثِ اعمال کے ظلمات سے پاک فرما دیجیے تاکہ اس کا نورِ صافی ہم کو مفید ہو سکے۔

گر تو خواہی آتش آبِ خوش شود
ور نخواہی آب ہم آتش شود

اگر آپ چاہیں تو آگ ٹھنڈا پانی ہو جاوے اور اگر نہ چاہیں تو پانی بھی آپ کے حکم سے آگ ہو جاوے۔

کوہ و دریا جملہ در فرمانِ تست
آب و آتش اے خداوند آنِ تست

پہاڑ و دریا اے خدا! سب تیرے زیرِ فرمان ہیں اور پانی و آگ سب آپ کی شانوں کا ظہور ہیں۔

در عدم کے بود ما را خود طلب
بے سبب کردی عطاہائے عجب

حالتِ عدم میں ہمارے پاس زبانِ طلب نہ تھی مگر بدون طلب آپ نے عجیب عطائیں ہم پر مبذول فرمائیں۔

جان و ناں دادی و عمرِ جاوداں
سائرِ نعمت کہ ناید در بیاں

آپ نے جان اور روٹی اور عمرِ جاوداں بخشی اور تمام نعمتیں کہ جو ہم بیان نہیں کر سکتے۔

اے خدا اے فضلِ تو حاجت روا
با تو یادِ ہیچ کس نہ بُوَد روا

اے خدا! آپ ہی کا فضل حاجت روائی کرسکتا ہے، آپ کی یاد کے ساتھ کسی کی یاد روا نہیں یعنی حاجت روائی صرف آپ کے لیے خاص ہے۔

منزلِ دوم یک شنبہ (اتوار)

اے خدائے با عطا و با وفا
رحم کن بر عمرِ رفتہ بر جفا

اے خدا صاحبِ عطا اور باوفا! گناہوں میں گزری ہوئی عمر پر رحم فرما دیجیے۔

دادۂ عمرے کہ ہر روزے ازاں
کس نداند قیمتِ آں در جہاں

آپ نے ایسی زندگی بخشی ہے کہ جس کے ہر روز کی قیمت جہان میں کوئی نہیں جانتا۔

اے محبِ عفو از ما عفو کن
اے طبیبِ رنجِ ناصورِ کہن

اے عفو کو محبوب رکھنے والے رب! ہماری خطاؤں کو معاف فرما دیجیے اور اے طبیب پرانے ناصور کے رنج کے! ہمارے تمام رذائل وامراضِ باطنیہ کو شفا دے دیجیے۔

اے خدا بنما تو جاں را آں مقام
کاندرو بے حرف می روید کلام

اے خدا! میری جام کو وہ مقام دکھا دیجیے جہاں کہ بے حروف کے کلام پیدا ہوتے ہیں یعنی عالمِ غیب کی وہ تجلیاتِ خاصہ جو آپ اپنے مقربین عباد کو دکھاتے ہیں ہمیں بھی اپنی رحمت سے دکھا دیجیے۔

پردۂ اے ستار از ما وا مگیر
باش اندر امتحاں ما را مجیر

اے گناہوں کے چھپانے والے اللہ! اپنی ستاریت کا پردہ ہم سے بسبب ہماری شامتِ

عمل کے نہ ہٹائیے اور موقعِ امتحان و آزمایش میں ہماری حفاظت فرمائیے۔

یَا غَیَاثَ الْمُسْتَغِیْثِیْنَ اھْدِنَا
لَا افْتِخَارَ بِالْعُلُوْمِ وَ الْغِنَا

اے فریاد خواہوں کی فریاد سننے والے! ہم کو صراطِ مستقیم کی ہدایت فرمادیجیے کچھ بھی لائقِ فخر نہیں ہیں ہمارے علوم اور غناء۔

لَاتُزِغْ قَلْبًا ھَدَیْتَ بِالْکَرَمِ
وَاصْرِفِ السُّوْٓءَ الَّذِیْ خُطَّ الْقَلَمَ

جس قلب کو آپ نے اپنے کرم سے اپنا راستہ دکھادیا ہے پھر گناہوں کے سبب سزا اور پاداش میں اس قلب کو گمراہی اور کج روی اور انحرافِ حق کے عذاب میں مبتلا نہ فرمائیے۔

بگذراں از جان ماسوء القضا
وا مبر مار از اخوان الصفا

اے اللہ! وہ فیصلے جو ہماری جان کے لیے مضر ہیں ان کو تبدیل فرمادیجیے کہ آپ کا فیصلہ آپ کا محکوم ہی تو ہے، آپ پر حاکم تو نہیں پس محکوم سوئے قضا کو حسنِ قضا سے مبدل فرمانا آپ کے لیے کچھ دشوار نہیں۔

بر کریماں کارہا دشوار نیست

اور ہم کو اپنے صالحین عباد سے خارج نہ فرمائیے کہ:

وَامْتَازُوا الْیَوْمَ اَیُّھَا الْمُجْرِمُوْنَ[۹۷]

کا خطاب سننا پڑے۔

اَلْعَیَاذُ بِاللّٰہِ بِرَحْمَتِہٖ وَبِنَبِیِّ الرَّحْمَۃِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

میدانِ محشر میں خطابِ مذکور سے مجرمین کو صالحین سے الگ صف بنانی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ

۹۷؎ یٰسٓ:۵۹

ہم سب کو محفوظ فرماویں۔ آمین۔

تلخ تر از فرقتِ تو ہیچ نیست
بے پناہت غیر پیچا پیچ نیست

اے اللہ! آپ کی جدائی سے تلخ تر کائنات میں کوئی چیز نہیں اور آپ کی پناہ و حفاظت کے بغیر ہر طرف خطرہ در خطرہ ہے۔

رختِ ما ہم رختِ ما را راہزن
جسمِ ما مر جانِ ما را جامہ کن

ہمارے سامان (مکسوباتِ سیئہ) ہمارے سامان (مکسوباتِ حسنہ) کے لیے راہزن یعنی تباہ کن ہورہے ہیں اور ہمارے اعضا (جوارح) کے برے اعمال ہماری روح کے جامہ کو (تجلیات و انوار اعمالِ حسنہ کو) اتارنے والے ہیں: صَرَّحَ بِهِ الْعَارِفُ الرُّوْمِيُّ فِيْ مَقَامٍ اٰخَرَ بِهٰذَا الشِّعْرِ ؎

جامہ پوشاں را نظر بر گاذر است
روحِ عریاں را تجلی زیور است

عاشقینِ لباس اور تن پروراں دھوبی پر نظر رکھتے ہیں یعنی ان کو صرف جسم کے عمدہ لباس کی فکر ہے اور روحِ عریاں کے لیے تجلیاتِ الٰہیہ زیور ہیں یعنی اللہ والے اپنی روح کو تجلیاتِ قربِ حق کے زیور اور لباس سے آراستہ کرنے والے ہیں۔

دستِ ما چو پائے ما را می خورد
بے امانِ تو کسے جاں کے برد

ہمارا ہاتھ جب ہمارے پیر کو کھانے کے لیے تہیہ کیے ہوئے ہے تو آپ کے تحفظ و امان کے بغیر اپنی جان کو کون منزلِ آخرت تک محفوظ لے جاسکتا ہے یعنی ہمارے ہاتھوں کے برے کرتوت اور برے اعمال ہی ہمیں تباہ کرنے والے ہیں تو بدون نصرتِ الٰہی تحفظ کا امکان ہی نہیں۔

ور تو ماہ و مہر را گوئی خفا
ور تو قدِ سرو را گوئی دوتا

ور تو چرخ و عرش را گوئی حقیر
ور تو کان و بحر را گوئی فقیر

آں بہ نسبت با کمالِ تو رواست
ملک و اقبال و غناہا مر ترا است

اگر آپ چاند اور سورج کی روشنی کو حقارت سے طعنۂ خفا دیں اور اگر آپ قدِ سرو کو (کہ حسن پرست اپنے معشوقوں کے قد کو اس سے تشبیہ دیتے ہیں) عیب دار اور منحنی قرار دیں اور اگر آپ آسمان اور عرش جیسی عظیم مخلوق کو حقیر قرار دیں اور اگر آپ کان اور سمندر کو فقیر فرمادیں تو یہ سب کچھ آپ کے کمال کے پیشِ نظر آپ کو زیبا ہے کہ ملک و سلطنت اور اقبال مندی و غنا آپ ہی کے لیے خاص ہے۔

تو عصاکش ہر کرا کہ زندگی ست
بے عصا و بے عصاکش کور چیست

اے اللہ! اہلِ بصیرت حضرات جو ایمانی حیاتِ سے حیاتِ حقیقی پاچکے ہیں آپ تو ان کے لیے بھی ہر وقت ہدایت کے راستے کھولتے رہتے ہیں اور ان کو بھی ان کے نفس کے حوالے نہیں فرماتے اور اسی احتیاج کے پیشِ نظر وہ:

یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ اَسْتَغِیْثُ اَصْلِحْ لِیْ شَاْنِیْ كُلَّهٗ وَلَا تَكِلْنِیْ اِلٰی نَفْسِیْ طَرْفَةَ عَیْنٍ[98]

کی فریاد آپ سے کرتے رہتے ہیں۔ ترجمہ: اے زندہ حقیقی اور اے سنبھالنے والے اللہ! آپ ہی کی رحمت سے فریاد کرتا ہوں کہ مجھے میرے نفس کے سپرد ایک لمحے کو بھی نہ

۹۸ کنزالعمال: ۱۳۹/۲، (۳۴۹۸) الباب الثامن: الدعاء، الفصل الخامس: الأدعية المؤقتة، الفرع الثالث: أدعية الصباح والمساء، مؤسسة الرسالة

فرمائیے اور میری ہر حالت کی اصلاح فرماتے رہیے۔

پس جب اہلِ بصیرت اور اہلِ صلاح و تقویٰ بھی آپ کی عصا کشی یعنی راہ بری و ہدایت کے ہمہ وقت محتاج ہیں تو جو بے عصا ہیں اور بے عصا کش ہیں یعنی خود بھی راہ سے بے خبر ہیں اور راہ بر سے بھی محروم ہیں ایسے اندھوں کی کیا حقیقت ہے کہ آپ کی ہدایت کے وہ محتاج نہ ہوں۔

غیرِ تو ہر چہ خوش است و ناخوش ست
آدمی سوزست و عینِ آتش ست

اے اللہ! آپ کے سوا جو چیزیں بھی ہیں خواہ ہمارے ذوق میں وہ اچھی ہوں یا بری، وہ سب آدمی سوز ہیں یعنی انسانیت کے محور سے ہٹانے والی ہیں اور عینِ آتش ہیں، تباہ کاری ہیں۔ کیوں کہ ہماری جانوں کے اور تمام کائنات کے مرکز تو آپ ہی ہیں پس آپ کو چھوڑ کر اور غیر کے ہو کر ہم نہ چین و سکون سے جی سکتے ہیں اور نہ مر ہی کے چین پا سکتے ہیں۔

اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ مر جائیں گے
مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے

كُلُّ شَيْءٍ مَّا خَلَا اللّٰهَ بَاطِلٌ
اِنَّ فَضْلَ اللّٰهِ غَيْمٌ هَاطِلٌ

ہر شے جو حق تعالیٰ شانہٗ کے ماسوا ہے یعنی نہ مقصودِ حق ہے اور نہ ذریعۂ مقصودِ حق ہے پس وہ باطل ہے اور اللہ تعالیٰ کا فضل موسلا دھار برسنے والا ابر ہے۔

اے خدائے پاک بے انباز و یار
دستگیر و جرمِ ما را در گزار

اے خدا! تو پاک اور لَا شَرِيْكَ لَكَ ہے، ہماری مدد فرما اور ہمارے جرم کو معاف فرما۔

گر خطا گفتیم اصلاحش تو کن
مصلحی تو اے تو سلطانِ سخن

اگر ہم سے دعا مانگنے کے آداب و عنوان میں کوتاہیاں ہوگئی ہیں تو آپ تو سلطانِ سخن ہیں، اپنی رحمت سے اصلاح فرما دیجیے۔

کیمیا داری کہ تبدیلش کنی
گرچہ جوئے خوں بود نیلش کنی

اے اللہ! آپ کی رحمت عجیب کیمیا رکھتی ہے کہ اگرچہ ہمارے برے اخلاق و اعمال نہایت ہی خراب ہوں اور مصداق دریائے خون ہوں لیکن آپ کا کرم ہمارے سیئات اور رذائل کو حسنات اور فضائل سے تبدیل کر سکتا ہے۔

تو مگو ما را بداں شہ بار نیست
بر کریماں کارہا دشوار نیست

اے مخاطب! تو یہ مت کہہ کہ ہم جیسے نالائقوں کی گزر اس کی بارگاہِ پاک میں کہاں ممکن ہے کیوں کہ یہ قیاس تو اہلِ دنیا پر کرتا ہے کہ متعدد بار ان کے ساتھ اگر تعلقات بے کیف اور بے لطف ہو جاویں تو وہ گھبرا کر اپنے کرم سے دستبردار اور اپنے خطاکاروں سے ایسا بے زار نہیں ہوتا کہ مایوس کر دے بلکہ مایوسی کو کفر قرار دیتا ہے اور بابِ رحمت ہمہ وقت تائبین کے لیے کھولے ہوئے ہیں۔ اور اعلان فرما رہے ہیں کہ اے مجرمین اور گناہ گاروں کی جماعت! اگر سو بار بھی توبہ توڑ چکے ہو تو بھی ہمارے دروازے پر آجاؤ ہماری بارگاہ ناامیدی کی بارگاہ نہیں۔

ایں درگہہ ما درگہہ نومیدی نیست
صد بار اگر توبہ شکستی باز آ

حدیث شریف میں وارد ہے کہ اے لوگو! تم سب بہت خطاکار ہو مگر بہترین خطاکار وہ ہیں جو بہت توبہ کرنے والے ہیں۔

منزلِ سوم روزِ دوشنبہ.....(پیر)

یارب ایں بخشش نہ حدِ کارِ ماست
لطفِ تو لطفِ خفی را خود سزا است

اے رب! یہ عنایات ہمارے اعمال کے نتائج نہیں ہیں، آپ کے ان الطافِ ظاہرہ کے لیے علت صرف آپ کے الطافِ خفیہ ہیں کیوں کہ ہماری حسنات بھی بوجہ عدم ادائیگیٔ حقوقِ عظمتِ الٰہیہ قابلِ مؤاخذہ ہیں۔ اسی لیے عارفین اپنی نیکیوں کے بعد بھی استغفار کرتے ہیں کہ اے اللہ! ہم سے حق ادا نہ ہوا ہماری کوتاہیوں کو معاف فرما۔

دستگیر از دستِ ما ما را بخر

پردہ را بردار پردہ ما مدر

اے رب! ہماری مدد فرمائیے اور ہم کو ہمارے نفس سے خرید لیجیے یعنی نفس ظالم کے حوالے نہ فرمائیے۔ پردۂ ستاریت کو اپنی رحمت سے ہمارے معائب پر قائم رکھیے اور بسبب ہماری شامتِ اعمال کے اس کو نہ پھاڑیے۔

باز خر ما را ازیں نفسِ پلید

کاردش تا استخوان ما رسید

اس نفسِ پلید سے پھر ہم کو خرید لیجیے کہ اس کی چھری ہماری ہڈیوں تک پہنچ چکی ہے۔ یعنی نفس کی بری خواہشوں نے ہمارے دین کو تباہ کر رکھا ہے۔

از چو ما بے چارگاں ایں بندِ سخت

کہ کشاید جز تو اے سلطانِ بخت

ہم جیسے عاجزوں سے نفس کے اس سخت قید و بند کو جو آپ کی راہ میں حائل ہے کون کھول سکتا ہے۔ اے سلطانِ بخت!

ایں چنیں قفل گراں رااے ودود

کہ تواند جز کہ فضلِ تو کشود

اس طرح کا مضبوط قفل جو نفس نے آپ کی راہ میں لگا رکھا ہے اس کو کون کھول سکتا ہے، اے ودود بجز آپ کے فضل کے۔

ما ز خود سوئے تو گردانیم سر

چوں توئی از ما بما نزدیک تر

ہم اپنی طاقت و ارادہ کے ضعف و عجز کے مشاہدے کے بعد آپ ہی کی طرف مدد کے لیے رجوع کرتے ہیں اور ایسا کیوں نہ کریں جب کہ آپ ہماری جان سے بھی زیادہ ہم سے قریب تر ہیں اور عقلی و طبعی قاعدے سے اپنے قریب تر ہی سے انسان کا استمداد و فریاد کرنا مشاہدے میں بھی ہے۔

ایں دعا ہم بخشش و تعلیمِ تست
ورنہ در گلخن گلستاں از چہ رست

یہ دعا بھی آپ ہی کی بخشش اور تعلیم کا ثمرہ ہے ورنہ گلخن یعنی نفس کے آتشکدۂ خواہشات میں گلستان کہاں سے نظر آتا۔

عہدِ ما بشکست صد بار و ہزار
عہدِ تو چوں کوہ ثابت بر قرار

اے اللہ! ہمارے عہد سینکڑوں اور ہزار بار ٹوٹ چکے۔ (مراد عہد سے عہدِ توبہ ہے یا عہد اہتمامِ اعمال و دوامِ ذکر و نحو ذالک) اور آپ کے عہد اور وعدے مثل پہاڑ کے ثابت و برقرار ہیں یہاں مشبہ (عہدِ الٰہی) کی شان سے مشبہ بہ (پہاڑ) کوئی نسبت نہیں رکھتا لیکن یہ مثال محض تفہیم کے لیے مولانا نے استعمال کی ہے کہ دنیا میں پہاڑ کا اپنی جگہ سے نہ ٹلنا عام طور سے ضرب المثل ہے۔

عہدِ ما کاہ و بہر بادے زبوں
عہدِ تو کوہ و ز صد کہہ ہم فزوں

ہمارا عہد ایک تنکا اور ہوا سے بھی کمزور اور بودہ ہے اور اے اللہ! آپ کا عہد پہاڑ اور سینکڑوں پہاڑوں سے بھی زیادہ مضبوط ہے۔

خویش را دیدیم و رسوائی خویش
امتحانِ ما مکن اے شاہ بیش

اے اللہ! ہم نے اپنی رسوائیاں اور ذلتیں بارہا دیکھ لیں عہد شکنی اور توبہ شکنی سے اپنی مغلوبیت اور نفس کی غالبیت سے اپنی ذلت کا مشاہدہ کر لیا، اے شاہِ حقیقی! اب مزید ہمارا

امتحان نہ کیجیے یعنی ہمارے نفس کے حوالے ہم کو نہ کیجیے۔

تا فضیحتہائے دیگر را نہاں

کردہ باشی اے کریمِ مستعاں

یہاں تک کہ ہماری دوسری پوشیدہ رسوائیوں کو جو مستقبل میں ظاہر ہونے والی ہیں اور ابھی مخفی اور مستور ہیں ان کو اے مستعان و کریم! اپنے کرم سے ظاہر نہ ہونے دیجیے اور اسی طرح پردۂ ستاریت میں چھپائے رکھیے۔

بے حدی تو در جلال و در کمال

در کژی ما بے حدیم و در ضلال

آپ جلالتِ شان اور کمال میں غیر متناہی شان رکھتے ہیں اور ہم گمراہی اور کجی (ٹیڑھے پن) میں انتہا کو پہنچے ہوئے ہیں، دوسرے مصرعے میں بندوں کی بے حدی ولامتناہی سے مراد مبالغہ فی الرذائل ہے۔

بے حدی خویش بگمار اے کریم

بر کژی بے حد مشتے لئیم

اے کریم! اپنی غیر متناہی صفاتِ کرم و اصلاح کو ہم بالشتیے کمینوں کی کجی اور گمراہی پر مسلّط اور مقرر فرمادیجیے۔

ہیں کہ از تقطیعِ ما یک تار ماند

مصر بودیم و یکے دیوار ماند

اے خدا! فریاد کہ نفس و شیطان نے ہمارے دین کے ٹکڑے ٹکڑے اس طرح کردیے کہ صرف ایک تار باقی رہ گیا اور دین میں ہم مثل شہر کے تھے یعنی اجزائے دین کے اعتبار سے طویل و عریض تھے مگر اب منہدم ہوتے ہوتے صرف ایک دیوار رہ گئے۔

البقیہ البقیہ اے خدیو

تا نگردد شادِ کلّی جانِ دیو

اے خدا! بچا لیجیے، بچا لیجیے جو کچھ ہمارا دین باقی رہ گیا ہے، ایسا نہ ہو کہ ہماری پوری تباہی و انہدام سے شیطان کی جان پوری طرح مسرور و شاد ہو جاوے۔

ایں دعا گر خشم افزاید ترا
تو دعا تعلیم فرما مہترا

اے اللہ! اگر یہ دعا اپنے عنوان و مضمون کے اعتبار سے آپ کے غصّے کو بڑھانے والی ہے بوجہ ہمارے نقصان فہم اور نقص ادائے عرض و معروض کے تو اے محبوبِ حقیقی! آپ ہم کو اپنی مرضی کے مطابق دعا کی تعلیم فرمائیے۔

اٰتِنَا فِیْ دَارِ دُنْیَانَا حَسَنْ
اٰتِنَا فِیْ دَارِ عُقْبَانَا حَسَنْ

اے اللہ! دیجیے ہم کو بھلائیاں دنیا کی زندگی میں بھی اور دیجیے ہم کو بھلائیاں آخرت کی زندگی میں بھی۔

راہ را بر ما چو بستاں کن لطیف
مقصدِ ما باش ہم تو اے شریف

اے صاحبِ لطف و کرم! اپنے راستے کو ہم پر مثل باغ کے پُر لطف بنادے اور اے شریف! اس جہاں میں تو ہی ہمارا مقصدِ اعظم بن جا۔

تا چہ دارد ایں حسود اندر کدو
اے خدا فریادِ ما زایں عدو

یہ شیطان حاسد ہم سے کس قدر کینہ اور حسد رکھتا ہے۔ اے خدا! فریاد ہے ہماری اس دشمن سے۔

ایں حدیثش ہمچو دود است اے الٰہ
رحم کن ورنہ گلیم شد سیاہ

اے اللہ! شیطان کی گمراہ کن ترغیبات الی المعاصی مثلِ دھواں کے ہیں، رحم فرمائیے

ورنہ ہمارے دین کی کملی سیاہ ہو جائے گی۔

من بحجت بر نیایم با بلیس
کوست فتنہ بر شریف و بر خسیس

میں دلائل سے غالب نہیں ہو پاتا ہوں ابلیس پر کہ وہ فتنہ ہے ہر شریف اور ہر کمینہ کے لیے۔

یَا غِیَاثِیْ عِنْدَ کُلِّ کُرْبَۃٍ
یَا مَعَاذِیْ عِنْدَ کُلِّ شَھْوَۃٍ

اے فریادرس بندوں کی ہر تکلیف کے وقت اور اے پناہ گاہ بندوں کی ہر شہوۃِ نفس کے وقت!

یَا مُجِیْبِیْ عِنْدَ کُلِّ دَعْوَۃٍ
یَا مَلَاذِیْ عِنْدَ کُلِّ مِحْنَۃٍ

اے قبول کرنے والے ہماری ہر پکار اور فریاد کو اور اے پناہ دینے والے ہماری ہر مصیبت اور محنت کے وقت!

ایں دعا بشنو ز بندہ کاے خدا
ثروتے بے رنج روزی کن مرا

اے خدا! بندہ سے یہ دعا قبول فرما یعنی بے رنج ہم کو فراخ دستی او خوشحالی عطا فرما۔

کاہلم چوں آفریدی اے ملی
روزیم دہ ہم زراہِ کاہلی

جب آپ نے ہم کو کمزور (کاہل) پیدا کیا ہے اے غنی! تو ہم کو روزی بھی آسان راہ سے عطا فرما دیجیے۔

کاہلم من سایہ خسپم در وجود
خفتم اندر سایۂ احساں وجود

میں کاہل و کمزور ہوں حق تعالیٰ کے سایۂ احسان و کرم میں بے فکر پڑا سوتا ہوں۔

کاہلان وسایہ خسپاں را مگر
روزے بنہادۂ نوعے دگر

مگر اے اللہ! آپ نے اپنے کاہلوں اور اپنے سایۂ کرم میں سونے والوں کے لیے خزانۂ غیب سے روزی مقرر کی ہوئی ہے۔

ہر کرا پا ہست جوید روزیئے
ہر کراپا نیست کن دلسوزیئے

جس شخص کے پاؤں ہیں وہ روزی تلاش کرنے کے لیے چلے پھرے اور محنت کرے اور جو بے دست وپا ہے وہ اپنی آہ وفریاد میں دل سوزی کرے۔

ہے عصائے آہ مجھ بے دست وپا کے واسطے

رزق را میراں بسوئے ایں حزیں
ابر را باراں بسوئے ہر زمیں

رزق کو اے اللہ! اس غمگین کی طرف بھیج دیجیے اور بادلوں کو ہر زمین کی طرف ہانک دیجیے۔

چوں زمیں را پا نباشد جودِ تو
ابررا راند بسوئے او دو تو

جب زمین کے پاؤں نہیں ہیں تو آپ کا جود وکرم بادلوں ہی کو زمین کے پاس بھیجتا ہے۔

طفل را چوں پا نباشد مادرش
آید و ریزد وظیفہ برسرش

جب شیر خوار بچہ اپنے پاؤں سے چلنے کے قابل نہیں ہوتا تو اس کی ماں اس کے پاس آتی ہے اور اس کی خوراک کا وظیفہ اس کے پاس آکر پہنچاتی ہے۔

روزئ خواہم بناگہ بے تعب
کہ ندارم من ز کوشش جز طلب

اے اللہ! ہم آپ سے بے مشقت، بے انتظار روزی مانگتے ہیں کیوں کہ ہم بے دست وپا

ہیں، صرف دعا و طلب میں دلسوزی کرنا آپ کے کرم سے سیکھ گئے ہیں، محنت مشقت کے قابل نہیں ہیں۔

انتباہِ ضروری

اشعارِ بالا میں جس کاہلی کا ذکر مولانا نے فرمایا ہے اس سے یہ دھوکا نہ ہونا چاہیے کہ مولانا نے اپاہج بن جانے اور دنیا سے ناکارہ ہوجانے کی تعلیم دی ہے۔ مولانا کی مراد اس کاہلی سے تفویض و توکّل اور اپنے ارادوں کو مرضیاتِ الٰہیہ میں فنا کردینا ہے جس کی ظاہری صورت عوام کے نزدیک کاہلی سمجھی جاتی ہے۔ حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے کلیدِ مثنوی میں اس مقام کی جو وضاحت فرمائی ہے اس کو احقر نے معرفتِ الٰہیہ میں بھی نقل کردیا ہے اور یہاں بھی مختصراً نقل کرتا ہوں تاکہ اہلِ نفس غلط فائدہ اس کاہلی کے لفظ سے نہ اٹھائیں۔

کاہلیٔ اہلِ دنیا اور کاہلیٔ اہلِ آخرت کا فرق

حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اہلِ دنیا کی کاہلی، نفس کی شرارت اور آرام طلبی کے سبب ہوتی ہے اور عارفین کی کاہلی اسبابِ دنیویہ میں انہماک نہ ہونے سے ہوتی ہے جس کا سبب نفس کی راحت پسندی نہیں بلکہ غلبۂ تفویض وتوکل و فنائے ارادہ ہوتا ہے۔

کاہلی را کردہ اند ایشاں سند
کارِ ایشاں را چو یزداں می کند

انھوں نے تفویض و توکل کو اپنا تکیہ گاہ اس وجہ سے بنالیا ہے کہ ان کا کام حق تعالیٰ کردیتے ہیں۔

کارِ یزداں را نمی بینند عام
می نیاسانید از کد صبح وشام

چوں کہ عوام اس حقیقت سے یعنی مسبّبِ حقیقی کے تصرفات سے بے خبر ہیں۔ اس لیے اسبابِ دنیویہ کے اختیار کی محنت اور مشقت سے صبح و شام آسودہ نہیں ہوتے۔

خرّم آنکہ عجز و حیرت قوتِ اوست
در دو عالم خفتہ اندر ظلِّ دوست

مبارک ہے وہ شخص جس کی غذا عجز محمود اور حیرتِ محمودہ ہے یعنی جس کی تدابیر اور اسباب کے تخلف فی الآثار سے مسبّبِ حقیقی کی معرفت نصیب ہوگئی، تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ جب اسباب اور تدابیر کو کبھی کامیاب اور کبھی ناکام دیکھا تو تفکر سے سمجھ گئے کہ یہ ناکامی دلیل ہے کہ یہ اسباب اثر اور کامیابی میں بالذات مؤثر نہیں بلکہ محتاج ہیں مؤثرِ حقیقی اور مسبّبِ حقیقی اللہ تعالیٰ شانہٗ کے۔ جب چاہتے ہیں اثر پیدا کر دیتے ہیں جب چاہتے ہیں بے اثر کر دیتے ہیں۔

کارِ دنیا را ز کل کاہل تر اند
کارِ عقبیٰ را زمہ گو می برند

اہلِ دنیا کی مذموم کاہلی اور اہلِ آخرت کی محمود کاہلی کا فرق ایک اور مولانا بیان فرماتے ہیں کہ اہلِ آخرت دنیا کے کاموں میں تو کاہل نظر آتے ہیں مگر آخرت کے کاموں میں چاند سے بھی سبقت لے جاتے ہیں۔ یعنی ان کے عالی حوصلے عزائم کی جو طاقت اتباع احکامِ خداوندی اور اجتنابِ معاصی میں مشاہد ہوتی ہے اہلِ دنیا اس کے تصور سے بھی محوِ حیرت ہیں، در حقیقت اعمال کا تعلق یقین پر ہوتا ہے، اہلِ دنیا کو دنیا پر یقین ہے اس لیے اس یقین کی سرگرمی ان کو سرگرم اعمالِ دنیا رکھتی ہے اور اہلِ آخرت کو آخرت پر یقین ہے اس لیے ان کی سرگرمی اعمالِ آخرت میں نظر آتی ہے پھر یہ دونوں سرگرمیاں موت کے وقت فیصلہ کن مرحلے میں داخل ہو جاتی ہیں اور دونوں فریق اپنی کامیابی اور ناکامی کا انجام سامنے دیکھ لیتے ہیں۔

منزلِ چہارم روزِ سہ شنبہ.........(منگل)

از ہمہ نومید گشتیم اے خدا
اول و آخر توئی و منتہا

اے خدا! ہم تمام ماسوا ناامید ہوگئے۔ اول اور آخر اور منتہا تو ہی ہے۔

کردگارا منگر اندر فعلِ ما
دستِ ما گیر اے شہ ہر دو سرا

اے رب! ہمارے اعمال میں نگاہ نہ کیجیے، اے دونوں جہاں کے سلطان! ہمارا ہاتھ پکڑ لیجیے یعنی ہماری مدد کیجیے۔

خوش سلامت ما بساحل باز بر
اے رسیدہ دستِ تو در بحر و بر

اے وہ ذاتِ پاک کہ آپ کا دستِ قدرت سمندر کی گہرائی اور خشکی میں ہر جگہ پہنچا ہوا ہے! پس ہماری کشتی جس تباہی میں بھی جہاں مبتلا ہو آپ سلامتی سے اسے پھر ساحل تک پہنچا دیجیے۔

اے بدادہ رائگاں صد چشم و گوش
بے ز رشوت بخش کردہ عقل و ہوش

اے کریم! آپ نے سینکڑوں آنکھیں اور کان مفت بدون معاوضہ عطا فرمائے ہیں اور عقل و ہوش ہم کو محض اپنے فضل سے عطا فرما دیا ہے۔

پیش ز استحقاق بخشیدہ عطا
دیدہ از ما جملہ کفران و خطا

آپ نے تمام انعامات اپنے بندوں کو بدون استحقاق عطا فرما رکھے ہیں۔
باوجود یہ کہ آپ کو ان کے تمام کفران اور نافرمانیوں کا علم تھا۔

حرمتِ آں کہ دعا آموختی
درچنیں ظلمت چراغ افروختی

صدقہ آپ کے اس کرم کا کہ آپ نے دعا کی تعلیم دی ہم کو اور ایسی تاریکی کے اندر ایمانی چراغ روشن فرمایا۔

دستگیر و راہ نما توفیق دہ
جرم بخش و عفو کن بکشا گرہ

اے رب! ہماری مدد کیجیے اور صحیح راستہ دکھادیجیے اور توفیق اعمالِ صالحہ عطا فرمائیے۔

اے خدا ایں بندہ را رسوا مکن
گر بدم من سِرِّ من پیدا مکن

اے خدا! اس بندے کو رسوانہ کیجیے اگرچہ میں برا ہوں لیکن میرے پوشیدہ عیوب کو اپنی مخلوق پر ظاہر نہ کیجیے۔

نوٹ: یہ واقعہ مشہور ہے کہ ایک مرتبہ بعد نمازِ عشاء سجدے کی حالت میں حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ اس شعر کو پڑھتے رہے اور روتے رہے یہاں تک کہ صبح کی اذان ہوگئی۔

اے خدائے رازدانِ خوش سخن
عیبِ کارِ بد ز ما پنہاں مکن

اے خدائے خوش سخن! تو ہی ہمارا رازداں ہے۔ ہمارے برے کاموں کے عیوب کو ہم سے پوشیدہ نہ فرما۔

دستِ من ایں جا رسید ایں جا بشست
دستم اندر شستنِ جان ست سست

ہمارا ہاتھ برے کاموں میں ملوث ہوکر نجس ہوگیا، آپ آبِ رحمت و عفو سے اس کو پاک وطاہر کردیجیے کیوں کہ میرا ہاتھ اپنی تطہیر و تزکیہ کے باب میں بہت ہی کاہل ہے۔

اے ز توکس گشتۂ جان ناکساں

دستِ فضل تست در جانہا رساں

اے اللہ! آپ کے فضل و کرم سے ناکارہ اور نالائق صالح اور لائق بن گئے، آپ کے فضل کا ہاتھ ہماری جانوں کے اندر دسترس اور پوری قدرت رکھتا ہے۔

از حدث شستم خدایا پوست را

از حوادث تو بشوایں دوست را

اے اللہ! میں نے آپ ہی کی توفیق سے ظاہری نجاستوں سے اپنے پوست یعنی ظاہر کو پاک کرلیا، اب یہ آپ کا کام ہے کہ اپنے فضل و کرم سے میرے باطن کو بھی آپ پاک فرمادیں۔

جز تو پیشِ کہ بر آرد بندہ دست

ہم دعا و ہم اجابت از تو است

اے اللہ! آپ کے سوا بندہ کہاں ہاتھ پھیلائے، یہ توفیقِ دعا اور اس کی قبولیت سب آپ ہی کی طرف سے ہے۔

ہم زاول تو دہی میل دعا

تو دہی آخر دعاہا را جزا

ابتداءً آپ ہی کی توفیق میلانِ دعا قلب میں پیدا کرتی ہے اور آخر میں اس دعا کو شرفِ قبولیت بھی آپ ہی کی رحمت عطا کرتی ہے۔

گوشِ ماگیر و در آں مجلس کشاں

کز رحیقت می کشند ایں سرخوشاں

اے اللہ! ہمارا کان پکڑ کر اپنے دربارِ قرب میں ہم کو کھینچ لیجیے کیوں کہ آپ کے یہ مقبول بندے بڑے ہی خوش نصیب ہیں جو آپ کی شرابِ محبت سے سرشار و مست ہو رہے ہیں۔

چو بما بوئے رسانیدی ازیں

سر مبند آں مشک را اے ربِّ دیں

اے اللہ! جب آپ نے اپنی رحمت سے ہماری جانوں کو اپنی خاص محبت کی کچھ خوشبو سونگھادی ہے تو ہمارے گناہوں کے سبب اے اللہ! اے ربِّ دیں! اس مشک کو سربند نہ فرمایئے۔ یعنی اپنے قرب کی خوشبو سے محروم نہ فرمایئے۔

از تو نوشند از ذکورو از اناث

بیدریغے در عطایا مستغاث

اے مستغاث (فریادرس)! آپ کے لطف و کرم کے صدقے کتنے مرد اور کتنی عورتیں بے دریغ آپ کی شرابِ محبت نوش کررہے ہیں۔

اے دعا ناکردہ از تو مستجاب

دادہ دل راہر دمے صد فتحِ باب

اے اللہ! بہت سی نہ کی ہوئیں دعائیں بھی آپ کے کرم سے مقبول ہورہی ہیں۔ یعنی آپ کی رحمت بدون مانگے بھی ہماری بہت سی حاجتیں پوری کرتی رہتی ہے اور سینکڑوں دروازۂ غیب سے قلب کو ہر وقت انعاماتِ قرب عطا فرمارہے ہیں۔

اے قدیمے رازدانِ ذوالمنن

در رہِ تو عاجزیم و ممتحن

اے اللہ! آپ بندوں کے رازداں ہیں اور احسان کرنے والے ہیں، آپ کے راستے میں ہم عاجز اور مبتلائے امتحان ہیں۔

اے مبدل کردہ خاکے را بزر

خاکِ دیگر را نمودہ بو البشر

اے اللہ! آپ نے زمین کے ایک جز کو اپنی قدرۃِ خلاّقیت کے فیضان سے سونا بنادیا اور دوسری خاک کو ابوالبشر یعنی بابا آدم علیہ السلام بنادیا۔

کارِتو تبدیلِ اعیان و عطا

کارِما سہوست ونسیان وخطا

اے اللہ! آپ کا کام اعیان کا تبدیل کرنا اور عطا ہے یعنی اشیا کی ایک حقیقت کو تبدیل کر کے اسے دوسری اعلیٰ حقیقت عطا فرما دینا آپ کا ادنیٰ کرشمہ ہے۔ جیسا کہ اوپر شعر میں مذکور ہوا اور ہمارا کام سہو اور نسیان اور خطا ہے۔

سہو و نسیان را مبدل کن بہ علم
من ہمہ جہلم مرا دہ صبر و حلم

اے اللہ! ہمارے سہو و نسیان کو علم سے تبدیل فرما اور ہم سراپا جہل ہیں، ہم کو صبر و حلم عطا فرما۔ صبر و حلم کو جہل کے مقابلے میں طلب کیا ہے اس میں کیا مناسبت ہے؟ کیوں کہ جہل کے مقابلے میں علم استعمال ہوتا ہے۔ جواب یہ ہے کہ صبر و حلم کا استعمال یہاں بطورِ دلالتِ التزامی ہے یعنی علمِ حقیقی کے لیے خشیتِ الٰہیہ لازم ہے اور خشیت کے لیے صبر و حلم لازم ہے۔ پس لازم، لازم بول کر اس کا ملزوم علمِ حقیقی مراد لیا ہے۔

اے کہ خاکِ شورہ را تو نان کنی
وے کہ نانِ مردہ را تو جاں کنی

اے اللہ! آپ خاک شورہ کو اپنی قدرت سے روٹی بنا دیتے ہیں یعنی ایک دانۂ گندم زمین کے نیچے سے نکلتا ہے اور پھر زمین کے اجزا مستحیل ہو ہو کر اس دانے کو سو دانے بنا دیتے ہیں اور پھر یہی اجزائے زمین جو گندم کے سو دانے بن گئے کھیتوں سے ہمارے گھروں میں آکر روٹی بنتے ہیں اسی طرف یہاں سے اشارہ کیا گیا کہ آپ کی قدرت زمین کو روٹی بنا دیتی ہے اور مردہ روٹی کو پھر جاندار کر دیتی ہے۔ یعنی جب اس روٹی کو ماں باپ کھاتے ہیں تو جسم میں اسی سے خون بنتا ہے اور پھر خون سے منی بنتی ہے پھر اسی منی سے انسان کو پیدا فرماتے ہیں پس یہ ثابت ہوا کہ روٹی جو مردہ تھی ماں باپ کے پیٹ میں لیکن چند تبدیلیاں اور استحالات کے بعد یہی روٹی منی ہو کر زندہ انسان بن جاتی ہے۔ عجیب قدرت ہے:

فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحۡسَنُ الۡخٰلِقِيۡنَ [99]

---

[99] المؤمنون: ۱۴

شکر از نے میوہ از چوب آوری
از منی مردہ بت خوب آوری

اے اللہ! آپ گنّے سے جو بظاہر ایک لکڑی کی لاٹھی معلوم ہوتی ہے شکر پیدا کرتے ہیں اور درختوں کی شاخوں کی لکڑیوں سے میوے پیدا فرماتے ہیں اور منی جو مردہ اور بے جان ہوتی ہے اس سے خوبصورت احسنِ تقویم میں انسان پیدا فرماتے ہیں۔ یہ سب عجائبِ قدرۃِ الٰہیہ سے ہیں عقل والوں کے لیے۔

گل ز گل صفوت ز دل پیدا کنی
پیہہ را بخشی ضیاء و روشنی

اے اللہ! پھول کو مٹی سے اور نور و صفائی باطن کو قلب سے پیدا فرماتے ہیں جب کہ مٹی میں خوشبو نہیں اور پھول میں خوشبو ہے اور دل کو چیر کر دیکھو تو اندھیرا اور اس کے اندر نورِ ایمانی پیدا فرماتے ہیں اور گوشت کی چربی کو روشنی عطا فرماتے ہیں۔ آنکھوں کو چیر کر شگاف دے کر تو روشنی کا پتا نہیں مگر اسی گوشت پوست اور شحم کو نور و بینائی کا خزانہ عطا فرما رکھا ہے۔

در سوا و چشم چندیں روشنی
می کنی جزوِ زمین را آسمان
میفزائی در زمیں از اختراں

اے اللہ! آپ زمین کے جزء کو آسمان بناتے ہیں (بعد الاستحالات المختلفہ) اسی طرح ستاروں کے بعض اجزا کو زمین کا جز بنا دیتے ہیں:

كَمَا هُوَ الْمُشَاهَدَةُ

اے دہندہ قوۃ و تمکیں ثبات
خلق را زیں بے ثباتی دہ نجات

اے اللہ! اے مخلوق کو طاقت اور تمکین اور ثبات قدمی عطا فرمانے والے! اپنی رحمت سے خلق کو بے ثباتی سے نجات عطا فرما دیجیے۔

اندراں کاریکہ ثابت بودنی ست

قائمی دہ نفس را کہ منثنی است

اے اللہ! جس کام میں کہ ثبات قدمی مطلوب ہے اپنی رحمت سے اس میں استقامت عطا فرمایئے کہ ہمارا نفس استقامت سے محروم ہے۔

و ز حسودے باز ماں خر اے کریم

تا نباشیم از حسد دیو رجیم

اے کریم! اس حاسد ابلیس سے ہم کو پھر خرید لیجیے تاکہ اس کے حسد کے سبب ہم بھی اسی کی طرح مردود نہ ہو جاویں۔

منزلِ پنجم روزِ چہار شنبہ (بدھ)

گویم اے رب بارہا برگشتہ ام

توبہ ہا و عذر را بشکستہ ام

اے رب! ہم آپ کے راستے سے بارہا منحرف اور روگرداں ہوئے ہیں اور ہم نے متعدد بار توبہ اور عذر کو توڑا ہے۔

کردہ ام آنہا کہ از من می سزد

تاچنیں سیلِ سیاہی در رسد

میں جس لائق تھا اسی طرح مجھ سے اعمال صادر ہوئے یہاں تک کہ برے اعمال کی ظلمت و تاریکی کا سیلاب آپہنچا۔

در جگر افتادہ ہستم صد شرر

در مناجاتم ببیں خونِ جگر

اے رب! ہمارے جگر میں سینکڑوں غم کے شعلے آتشِ ندامت و پشیمانی سے بھڑک رہے ہیں اس کا اثر یہ ہے کہ آپ ہماری مناجات اور توبہ کے اندر ہمارے جگر کا خون بھی دیکھ لیجیے۔

ایں چنیں اندوہ کافر را مباد
دامنِ رحمت گرفتم داد داد

ایسا غم تو کافروں کو بھی نہ ہو، آپ کی رحمت کے دامن کو ہم نے پکڑ لیا اے ہمارے رب! ہم پر رحم فرمادیجیے۔

کاشکے مادر نزادے مر مرا
یا مرا شیرے نخوردے در چرا

اے کاش! مجھے میری ماں نے جنا ہی نہ ہوتا یا مجھے چراگاہ میں کوئی شیر ہی کھاجاتا کہ یہ دن نہ دیکھنے پڑتے۔ یعنی اپنی بداعمالیوں کے یہ صدمے نہ اٹھانے پڑتے۔

اے خدا آں کن کہ از تو می سزد
کہ زہر سوراخ مارم می گزد

اے ہمارے رب! آپ ہمارے ساتھ وہ معاملہ فرمادیجیے جو آپ کے کرم کے لائق ہے کیوں کہ مجھے تو بسبب میری شامتِ عمل کے میرے نفس کا سانپ ہر سوراخ سے مجھے ڈس رہا ہے، مراد یہ ہے کہ گناہوں کی غذا دے کر نفس کو قوت پہنچادینے کے سبب جسم کے ہر بن مو کے سوراخوں سے اس مارِ نفس کے برے تقاضے اب مجھے تنگ کر رہے ہیں۔

جانِ سنگیں دارم و دل آہنیں
ورنہ خوں گشتے دریں درد و چنیں

جان سخت رکھتا ہوں اور دل بھی لوہے کی طرح سخت ہے ورنہ ایسے شدید غم سے تو دل پگھل کر خون ہو جاتا۔

وقت تنگ آمد مرا و یک نفس
بادشاہی کن مرا فریاد رس

وقت تنگ ہے اور ایک سانس باقی ہے اس کظم (شدید گھٹن) سے اے مرے فریاد رس! مجھ پر بادشاہی (مراحمِ خسروانہ) کیجیے۔ یعنی عدل و انصاف سے تو میں مستحقِ سزا ہوں مگر

فضلِ سلطانی سے میرا کام بن سکتا ہے۔ چنانچہ دنیا میں بھی جب ملزم آخری عدالت (سپریم کورٹ) سے بھی بری نہیں ہوتا اور پھانسی کا حکم ہوجاتا ہے تو ملزم قانون سے مایوس ہوکر سلطانِ وقت سے رحم کی درخواست کرتا ہے اور اخباروں کی سرخیوں میں یہ عبارت سب کو نظر آتی ہے کہ ملزم نے عدلیہ سے مایوس ہوکر صدرِ مملکت سے رحم کی اپیل کردی۔ چوں کہ دنیا آخرت کا نمونہ ہے، جیسا کہ حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے حق سبحانہٗ تعالیٰ سے بادشاہی کن کے سوال سے رحمِ سلطانی (مراحمِ خسروانہ) کی بھیک مانگی ہے۔ اور جب دنیا کے سلاطین مجرمین کو معاف کرنے کے لیے اپنا سلطانی حق عدلیہ سے بالاتر ہوکر محفوظ رکھتے ہیں تو وہ:

اَکۡرَمُ الۡمُکۡرِمِیۡنَ اَرۡحَمُ الرَّاحِمِیۡنَ اَحۡکَمُ الۡحَاکِمِیۡنَ
سُلۡطَانُ السَّلَاطِیۡن

بدرجۂ اولیٰ اس رحمِ سلطانی کا اپنے مجرمین اور گناہ گار بندوں کی رہائی اور معافی کے لیے اپنا حق محفوظ رکھنے کا اہل ہے:

سُبۡحَانَ اللهِ وَ تَعَالَى اللهُ عُلُوًّا كَبِيۡرًا

اس ناکارہ عبد اختر (رحمہ اللہ تعالیٰ) کو بھی اسی سلطانی رحم کا سہارا ہے کہ ہمارے اعمال ہماری مغفرت کے قابل نہیں۔ اے اللہ! آپ اس عبد کو اپنے مراحمِ خسروانہ سے میدانِ محشر میں رہا اور معاف فرمائیو۔ آمین۔

یَا رَبَّ الۡعَالَمِیۡنَ بِحَقِّ نَبِیِّكَ نَبِیِّ الرَّحۡمَةِ صَلَّی اللهُ عَلَیۡهِ وَسَلَّمَ

یہ خاص شرح وہ شرح ہے کہ حق تعالیٰ نے اس عبدِ اختر (رحمہ اللہ تعالیٰ) کو اس کے لیے مخصوص فرمایا: ذٰلِكَ مِمَّا خَصَّنِیَ اللهُ تَعَالٰی بِفَضۡلِهٖ وَ رَحۡمَتِهٖ۔

توبہ ام بپذیر ایں بارِ دگر
تا بہ بندم بہرِ توبہ صد کمر

اے اللہ! میری توبہ کو اس دوسری مرتبہ پھر قبول فرمالیجیے تاکہ میں اس دفعہ توبۂ صادقہ اور اس پر استقامت کے لیے سو کمر باندھ لوں یعنی بہت ہی مضبوط ارادہ وعہد کرلوں۔

تو بہاری ما چو باغ سبز خوش
او نہاں و آشکارا بخشش

اے اللہ! آپ مثل بہار کے ہیں اور ہم مثل سبز و شاداب باغ کے ہیں یعنی بہار تو پوشیدہ نظر سے او جھل ہے اور اس کے اثرات و عطا باغ پر بصورتِ شادابی ظاہر ہیں۔ اسی طرح آپ مخفی ہیں نظر سے لیکن آپ کے الطاف و عطاو بخششیں ہمارے اوپر ہر وقت ظاہر ہیں اور مبصر و محسوس ہیں یعنی دیکھی اور محسوس کی جارہی ہیں۔

تو چو جانی ما مثال دست و پا
قبض و بسطِ دست از جان شد روا

اے اللہ! آپ مثل ہماری جان کے ہیں اور ہم مثل ہاتھ پاؤں کے ہیں یعنی جس طرح ہاتھ پاؤں نظر آتے ہیں اور جس روح کی بدولت یہ ہاتھ پاؤں زندہ اور متحرک ہیں وہ آنکھوں سے نہاں ہے۔ اسی طرح اے اللہ! آپ آنکھوں سے پوشیدہ ہیں مگر آپ ہی کی بدولت ہماری زندگی ہے، جسم زندہ ہے جان سے اور جان زندہ ہے آپ سے پس آپ اے اللہ! ہماری جان کی جان ہیں اور پاک ہے آپ کی شان ہمارے اوہام اور تمام تمثیلات سے۔

خاک بر فرقِ من و تمثیلِ من
اے بروں از وہم و قال و قیلِ من

خاک پڑے ہمارے سر پر اور ہماری تمثیل پر۔ آپ پاک ہیں ہمارے وہم سے اور قیل و قال سے۔

تو چو عقلی ما مثالِ ایں زباں
ایں زباں از عقل می یا بد بیاں

اے اللہ! آپ مثلِ عقل کے مخفی ہیں اور ہم مثلِ زبان کے ظاہر ہیں لیکن زبان میں قوتِ بیان عقل ہی کی بدولت ہے اسی وجہ سے پاگل دیوانہ بیانِ صحیح پر قادر نہیں، خلاصہ یہ کہ ہر ظاہر کے وجود و آثار میں ایک باطن محرک و مؤثر موجود ہے اسی طرح کائنات

وموجودات کے ظاہری وجود میں اور ان کے حرکات وآثار میں آپ ہی اصل مؤثر ہیں۔

تو مثالِ شادی و ماخندہ ایم
کہ نتیجہ شادی و فرخندہ ایم

اے اللہ! جس طرح خوشی ہمارے دل میں مخفی ہوتی ہے اور خندیدگی (ہنسی) ہمارے لبوں پر نمایاں ہوتی ہے اسی طرح آپ کی مثال ہے کہ آپ مخفی ہیں مگر اصل مؤثر آپ ہی ہیں ہمارے ظواہر میں۔

راہ دہ آلودگاں را العجل
در فراتِ عفو و عینِ مغتسل

اے اللہ! اپنی رحمت سے ہم گناہ گاروں کو جو معاصی میں آلودہ ہیں اپنے دریائے عفو اور عینِ مغتسل کی راہ دکھادیجیے۔ عین مغتسل وہ چشمہ ہے جس کو حق تعالیٰ نے حضرت سیدنا ایوب علیہ السلام کی بیماری کی صحت کے لیے پیدا فرمایا تھا۔

قرآن شریف میں اس کا ذکر ہے۔

تا کہ غسل آرندزاں جرمِ دراز
در صفِ پاکاں روند اندر نماز

تا کہ آپ کے گناہ گار بندے اپنے سابقہ جرائم سے پاک وصاف ہوں اور آپ کے پاک بندوں کے ساتھ صف میں شریکِ نماز ہوں یعنی جس طرح حضرت ایوب علیہ السلام کو اس چشمے میں غسل سے جسمانی صحت حاصل ہوئی تھی اسی طرح ہمارے باطن کے غسل کا سامان فرمادیجیے اور وہ سامان اب توفیقِ گریہ و آہ وزاری ہے۔

الغیاث اے تو غیاث المستغیث
زیں دوشاخہ اختیاراتِ خبیث

فریاد کرتا ہوں کہ اے رب! آپ فریاد خواہوں کی فریاد سننے والے ہیں، آپ ہم کو ہمارے نفس کے اختیارات کے سپرد نہ فرمایئے۔ اختیاراتِ خبیث میں لفظ خبیث نفس

کی صفت ہے جو مرادف ہے نفسِ امارہ کے اس جگہ اور نفس قرینۂ مقام سے محذوف منوی ہے۔

من کہ باشم چرخ با صد کاروبار
زیں کمیں فریاد کرد از اختیار

اور میں کون ہوں یعنی میری کیا حقیقت ہے اس امتحانِ اختیار سے تو آسمان اس قدر شان وشوکت اور عظمت الخلقت ہونے کے باوجود فریاد کرچکا ہے۔

اشارہ ہے حق تعالیٰ کے اس حکمِ پاک کی طرف جب آسمان و زمین کو بارِ شریعت دینے کا اعلان فرمایا گیا تو زمین و آسمان نے اس بار کے اٹھانے سے پناہ مانگی اور یہ پناہ طلب کرنا بوجہ خوفِ عدمِ تحمل اور اقرارِ عجز و ضعف کے تھا لیکن حضرت انسان نے اس بار کو اٹھالیا اور یہ بار کا اٹھانا بوجہ اس فطرتِ انسانیت کے تھا جس میں عشق کا مادہ پنہاں تھا۔ حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے خوب فرمایا ؎

کہیں کون و مکاں میں جو نہ رکھی جاسکی اے دل
غضب دیکھا وہ چنگاری مری مٹی میں شامل کی

جذب یکراہہ صراطِ مستقیم
بہ ز دوراہہ تردد اے کریم

اے ہمارے رب! ہم کو ہمارے نفس کے حوالہ نہ فرمائیے کہ وہ اپنی فطرۃ امارہ بالسوء کے سبب اختیار خیر و شر میں شر کی طرف جلد مائل ہوجاتا ہے اور ہم ضعیف ہیں ہمت اور ارادے کے اعتبار سے مغلوب ہوجاتے ہیں پس آپ صراطِ مستقیم کی طرف اگر جذب فرمالیں تو اے کریم! میرے لیے اختیار بین الامرین کے تردد اور غم اور اس ذلت اور رسوائی سے جو مغلوبیت کے نتیجہ میں پیش آتی ہے بہتر ہو۔

زیں دو رہ گرچہ ہمہ مقصد توئی
لیک خود جاں کندن آمد ایں دوئی

اے ہمارے رب! اگرچہ خیر و شر دونوں راستوں کے اختیار کا مقصد آپ ہی ہیں یعنی بندوں سے مجاہدات کا تحقق اسی اختیار پر موقوف ہے مجبورِ محض ہوتے تو مجاہدہ کیسے ہوتا اور انعاماتِ رضا و قرب کا مدار یہی اعمالِ اختیاریہ اور ان کے اہتمام کے مجاہدات ہیں۔ لیکن اے رب! اس مجاہدۂ شاقہ سے ہماری جان سخت فتنہ میں مبتلا ہے۔ آپ اپنی طرف سے جذب کی اعانت شاملِ حال فرمادیں کہ راہ آسان ہوجاوے ؎

زیں دو رہ گرچہ بجز تو عزم نیست
لیک ہرگز رزم ہمچوں بزم نیست

خیر و شر کے اعمالِ اختیاریہ کے مجاہدات سے اگرچہ آپ ہی مقصود ہیں لیکن رزم (جنگ) کی مشقت مثل بزمِ محبوب کے کہاں ہے۔ (رزم سے مراد نفس کے ساتھ جنگ کرنا ہے) مراد یہ ہے کہ وہ سخت مجاہدات جو نفس کو ابتدائے سلوک میں پیش آتے ہیں اے اللہ! اس مقامِ تلوین سے جلد اپنی طرف سے جذب فرماکر مقامِ تمکین و استقامت عطا فرمایئے تاکہ آپ کے قربِ دوام سے سرورِ دوام حاصل ہو۔

زیں تردد عاقبت ما خیر باد
اے خدا مر جانِ ما راکن تو شاد

اے اللہ! ابتدائی مجاہدۂ شاقہ کے دن کا انجام بہتر کردیجیے اور معاصی کے سخت تقاضوں کے غم اور تردد سے نجات دے کر ہماری جان کو مسرور کردیجیے یعنی ہم کو ہمارے نفس کے بُرے تقاضوں پر غالب فرمادیجیے۔

اے کریم ذو الجلال مہرباں
دائم المعروف وارائے جہاں

اے کریم جلالتِ شان والے! آپ بڑے مہربان ہیں اور ہمیشہ ہمارے ساتھ بھلائی کرنے والے اور سارے جہان کی نگہبانی کرنے والے ہیں۔

یا کریم العفو حیّ لم یزل
یا کثیر الخیر شاہِ بے بدل

اے کریم عفو کرنے میں! اور اے ہمیشہ زندہ رہنے والے! اور اے بہت بھلائی کرنے والے! اور اے بے مثل سلطان!

اوّلم ایں جزر و مد از تو رسید
ورنہ ساکن بود ایں بحر اے مجید

اے رب! ہمارے قلب کے سمندر میں خواہشات کا مد و جزر (جوار بھاٹا) آپ ہی کی طرف سے امتحان کے لیے ہوتا ہے ورنہ جب ہم صرف خاک تھے تو یہ سمندرِ خواہشات کا بھی ساکن تھا۔ اشارہ ہے اس آیت کی طرف:

فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَ تَقْوٰىهَا [۱۰۰]

نفس کے اندر شر و خیر دونوں تقاضے اور مادے حق تعالیٰ نے رکھ دیے اور فجور (مادۂ شر) کو مقدم فرما کر یہ بتادیا کہ حمامِ تقویٰ کے حصول کا یہی مادۂ فجور ہی ایندھن ہے کیوں کہ اگر برے تقاضے ہی نہ ہوتے تو کیسے پتا چلتا کہ یہ شخص متقی ہے۔ تقویٰ کی تعریف یہی ہے کہ جب برا تقاضا دل میں پیدا ہو تو اس کے مقتضا پر خدا کے خوف سے عمل نہ کرے، اب اگر تقاضے ہی نہ ہوتے تو مجاہدہ کس بات میں ہوتا اور کس پرچے میں امتحان ہوتا۔ پس مختلف معاصی کے مختلف تقاضے آخرت کے امتحانات کے مختلف پرچے ہیں اور دنیا امتحان گاہ ہے۔

ابتلایم می کنی آہ الغیاث
اے ذکور از ابتلایت چوں اناث

اے رب! کیا آپ میرا امتحان کریں گے آہ فریاد ہے کہ ہم اس قابل نہیں اے اللہ! آپ کے امتحان سے بڑے بڑے مدعیانِ ہمت جو ذکور یعنی مردِ طریق اپنے کو سمجھتے تھے مثل مؤنث ثابت ہوئے یعنی آپ کے امتحان سے ان کے عزائم و کوہِ ہمت ریزہ ریزہ ہوگئے۔

تا بکے ایں ابتلا یارب مکن
مذہبے ام بخش و دہ مذہب مکن

---

[۱۰۰] الشمس: ۸

کب تک یہ ابتلا رہے گا، اب مزید امتحان نہ لیجیے، ایک صراطِ مستقیم پر ڈال دیجیے، دس مذہب اختیار کرنے سے بچا لیجیے۔ یعنی تلوین کے مقام سے نکال کر تمکین اور استقامت کا مقام عطا فرما دیجیے۔

منزلِ ششم بروزِ جمعرات

چوں کہ در خلاّقیم تنہا توئی
کارِ رزّاقیم ہم کن مستوی

اے رب! چوں کہ آپ ہی ہمارے تنہا خالق ہیں پس ہماری روزی کا انتظام بھی آپ ہی تنہا درست فرما دیجیے۔

بے ز جہدے آفریدی مر مرا
بے فنِ من روزیم دہ زیں سرا

اے اللہ! بدون ہماری کوشش کے آپ نے ہم کو محض اپنے لطف و کرم سے پیدا کیا ہے پس روزی بھی بغیر ہنر ہی کے ہم کو دنیا میں عطا فرما دیجیے۔

پنج گوہر دادیم در درجِ سر
پنج حس دیگرے ہم مستتر

اے اللہ! آپ نے ہمارے دماغ میں یہ پانچ قوتیں رکھ دی ہیں۔

۱) باصرہ: دیکھنے والی (۲) سامعہ: سننے والی

۳) لامسہ: چھونے والی (۴) شامہ: سونگھنے والی (۵) ذائقہ: چکھنے والی

جن کو قویٰ مدرکہ ظاہرہ اور حواسِ خمسہ ظاہرہ بھی کہتے ہیں، اسی طرح حافظہ، واہمہ، خیال، حسِّ مشترک، متصرفہ۔

ان قوتوں کو حواسِ خمسہ باطنہ اور قویٰ مدرکہ باطنہ بھی کہتے ہیں۔ ان کو مصرعۂ ثانی میں حسِّ مستتر سے تعبیر کیا گیا ہے۔

لَا یُعَدُّ ایں داد لَا یُحصیٰ ز تو
من کلیلم از بیانش شرم رو

اے اللہ! آپ کی یہ عطائیں والطاف ہمارے احاطہ اور شمار میں بھی نہیں آسکتے ہیں، میں آپ کے ان بے شمار احسانات کے بیان سے گونگا اور شرم رو ہوں۔

ہم طلب از تست ہم آں نیکوئی
ما کئیم اول توئی آخر توئی

ہماری یہ طلب بھی آپ ہی کی طرف سے ہے اور یہ بھلائیاں بھی آپ ہی کی توفیق سے ہیں، ہماری کیا حقیقت ہے ابتدا اور انتہا سب آپ ہی ہیں۔

کردگارا توبہ کردم زیں شتاب
چوں تو در بستی تو کن ہم فتح باب

اے اللہ! توبہ کی میں نے اس سے جلد۔ جب آپ ہی نے دروازہ بند کیا ہے تو آپ ہی اپنی رحمت سے کھول دیجیے۔

درعدم ما را چہ استحقاق بود
تا چنیں عقلے و جانے رونمود

جب ہم معدوم تھے تو ہم نے کیا ایسا عمل کیا تھا جس سے ہمارا کوئی استحقاق ثابت ہو تا یعنی بدون استحقاق آپ کی محض رحمت نے عقل و جان کی نعمت عطا کی۔

اے بکردہ یار ہر اغیار را
اے بدادہ خلعتِ گل خار را

اے اللہ! آپ کے کرم نے اغیار (کفار) کو دولتِ ایمان دے کر یار بنالیا گویا کہ خار (کانٹا) کو آپ نے خلعتِ گل عطا فرمادی۔

ایں دعا تو امر کردی ز ابتدا
ورنہ خاکی را چہ زہرہ ایں ندا

آپ نے ہم کو دعا کی اجازت ہی نہیں بلکہ حکم دیا ہے کہ ہم آپ سے مانگیں، اگر آپ کا حکم نہ ہوتا تو ہماری کیا مجال تھی کہ ہم آپ کے سامنے لب کھول سکتے۔

چوں دعا ما امر کردی اے عجاب
ایں دعائے خویش را کن مستجاب

جب آپ ہی نے ہم کو دعا کا حکم فرمایا ہے اے بے نظیر! تو اپنے اس مامور دعا کو آپ ہی قبول فرمائیے۔ یعنی بوجہ آپ کے حکم دینے کے یہ دعا آپ کی مطلوب ہے پس اپنی مطلوب کو رد نہ فرمائیے اور قبول فرمائیے۔

ز آب دیدہ بندۂ بے دید را
سبزۂ بخش و نباتے زیں چرا

میرے آنسوؤں سے اس کورِ باطن کو بینائی کا نور اور قلب کی سیرابی عطا فرمائیے۔

ور نماند آب آبم دہ ز عین
ہمچو عینین نبی ہطالتین

اور اگر آنسو ہمارے خشک ہیں تو آپ ہم کو رونے کے لیے آنسو عطا فرمائیے جس طرح سے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے موسلا دھار رونے والی آنکھیں مانگی ہیں۔

وہ دعا یہ ہے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ عَیْنَیْنِ ھَطَّالَتَیْنِ تَسْقِیَانِ الْقَلْبَ بِذُرُوْفِ الدَّمْعِ قَبْلَ اَنْ تَکُوْنَ الدُّمُوْعُ دَمًا وَّ الْاَضْرَاسُ جَمْرًا[۱۰۱]

اللہ والی آنکھوں کی پہلی صفت

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام عرض کرتے ہیں کہ اے اللہ! ہم آپ سے ایسی آنکھیں مانگتے ہیں جو **ھطّالۃ** ہوں۔ **ھاطلۃ** کے معنٰی موسلا دھار برسنے والی۔ **غَیْمٌ ھَاطِلٌ**

---

[۱۰۱] الجامع الصغیر: ۱/۹۵ (۱۵۳۰) دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ذکرہ بلفظ بذروف الدموع، وفی روایۃ بذروف الدمع/ کنز العمّال: ۲/۱۸۴، باب جوامع الدعاء، مؤسسۃ الرسالۃ

لغت جو هَطْلٌ میں موجود ہے یعنی موسلا دھار بارش جیسے گریہ پر قناعت نہیں فرمائی بلکہ اسی مصدر سے مبالغہ کا وزن استعمال فرمایا یعنی هَطَّالَة فرمایا فعّال مذکر کے لیے اور فعّالہ مؤنث کے لیے مبالغہ کا وزن ہے اور عینین عربی میں مؤنث ہونے کے سبب ان کی صفت کے لیے مؤنث کا وزن یعنی هطّالة استعمال فرمایا۔ اب ترجمہ یہ ہوگا اے اللہ! ایسی آنکھیں عطا فرمائیے جو موسلا دھار برسنے والے ابر سے بھی زیادہ رونے والی ہوں، اسی مفہوم کے پیشِ نظر غالباً مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے دوسری جگہ یہ دعا مانگی ہے:

اے دریغا اشکِ من دریا بُدے
تا نثارِ دلبرِ زیبا شدے

اے کاش! میرے آنسو دریا ہوجاتے (دریا فارسی زبان میں سمندر کو بھی کہتے ہیں) تاکہ اس محبوبِ حقیقی پر ان آنسوؤں کو قربان کرتا۔

جونپور کے مشاعرے میں ایک مصرعہ اس طرح دیا گیا تھا ؎

کوئی نہیں جو یار کی لادے خبر مجھے

ایک لڑکے نے ایسی گرہ لگائی کہ اس کو نظر لگ گئی اور تین دن میں اس کا انتقال ہوگیا وہ مصرعہ یہ ہے ؎

کوئی نہیں جو یار کی لا دے خبر مجھے
اے سیلِ اشک تو ہی بہا دے ادھر مجھے

اللہ والی آنکھوں کی دوسری صفت

هَطَّالَتَيْنِ، عَيْنَيْنِ کی صفتِ اولیٰ ہے اس کے بعد نبی علیہ السلام نے دوسری صفت بھی مانگی:

تَسْقِيَانِ الْقَلْبَ بِذُرُوْفِ الدَّمْعِ

وہ آنکھیں ایسی موسلا دھار رونے والی ہوں جو قلب کو اپنے آنسوؤں سے سیراب کردیں۔ اس قید سے معلوم ہوا کہ ہر رونے والی آنکھیں دل کو سیراب نہیں کرتی ہیں پس جو آنسو اللہ کے خوف سے یا اللہ کی محبت سے گرتے ہیں وہی دل کو سیراب کرتے

ہیں۔ ولنعم ما قال الشاعر۔

سَهَرُ الْعُيُوْنِ لِغَيْرِ وَجْهِكَ ضَآئِعٌ
وَ بُكَاءُ هُنَّ بِغَيْرِ فَقْدِكَ بَاطِلٌ

اے اللہ! آنکھوں کی وہ بیداری جو آپ کے دیدار کے علاوہ ہو یا آپ کے لیے نہ ہو وہ بیداری ضایع اور بے کار ہے اور آنکھوں کا وہ رونا جو آپ کی جدائی کے غم سے نہ ہو باطل ہے۔

تو معلوم ہوا کہ:

تَسْقِيَانِ الْقَلْبَ بِذُرُوْفِ الدَّمْعِ

عَيْنَيْنِ کے لیے صفتِ ثانیہ ہے یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اخلاص کے آنسو طلب فرمائے کہ وہی دل کو بھی سیراب کرتے ہیں۔

اللہ والی آنکھوں کی تیسری صفت

مانگنے کے لیے نبی علیہ السلام عرض کرتے ہیں:

قَبْلَ اَنْ تَكُوْنَ الدُّمُوْعُ دَمًا وَّ الْاَضْرَاسُ جَمْرًا

اے اللہ! یہ رونے کی توفیق اسی حیاتِ دنیا میں عطا فرمائیے قبل اس کے کہ یہ آنسو خون ہوں اور داڑھیں انگارے ہو جاویں۔ یعنی دوزخ میں تو دوزخی بھی روئے گا لیکن اس کے آنسو خون کے ہوں گے اور اس کی داڑھیں انگارے ہوں گے، تو یہ آنسو کس کام کے یہ تو سزا والے آنسو ہیں، رحمت کے آنسو تو یہ ہیں جو دنیا میں اللہ کے لیے نکلیں۔

قَبْلَ اَنْ تَكُوْنَ الدُّمُوْعُ دَمًا الخ

یہ ظرف ہے اور ہر ظرف مظروف کے لیے بمنزلۂ قید ہوتا ہے اور قید بمنزلۂ صفت ہوتی ہے پس یہ نحوی صفت تو نہیں لیکن معنوی صفت ہے۔ یہ تمام اوپر کی شرح حق سبحانہٗ تعالیٰ نے احقر کو اپنی رحمت سے عطا فرمائی ہے۔

فَذٰلِكَ مِمَّا خَصَّنِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى بِلُطْفِهٖ

منگر اندر زشتی و مکرِ دھیم
کہ ز پر زہری چو مارِ کوہیم

اے اللہ! آپ ہماری برائیوں اور رذائلِ باطنیہ پر نظر نہ فرمایئے کہ ہم مثل پہاڑی سانپ کے نہایت ہی خطرناک زہر سے بھرے ہوئے ہیں یعنی نہایت برے برے گناہوں کے شدید تقاضے ہمارے اندر موجود ہیں۔

اے کہ من زشت و خصالم نیز زشت
چوں شوم گل چوں مرا او خار کشت

اے وہ ذاتِ پاک جس نے ہمارے اندر نفسِ امارہ رکھا ہے جو مثلِ خار ہے! پس میں گل کیسے ہو سکتا ہوں میں تو اپنی ذات ہی سے برا ہوں اور میرے خصائل بھی بہت برے ہیں۔

نوبہارا حسنِ گل دہ خار را
زینتِ طاؤس دہ ایں مار را

ہاں آپ کی قدرت بہت بڑی ہے، آپ اپنے فضل سے میری خاریت کو خلعتِ گل اور میری ماریت کو طاؤس کی زینت دیجیے۔ یعنی ہمارے اخلاقِ رذیلہ کو اخلاقِ حمیدہ سے تبدیل فرما دیجیے۔

در کمالِ زشتیم من منتہٰی
لطفِ تو در فضل در فن منتہٰی

اے اللہ! ہم تو برائیوں میں کمال کی انتہا کو پہنچے ہوئے ہیں اور آپ لطف و کرم کے فن میں غیر متناہی کمال رکھتے ہیں۔

حاجتِ ایں منتہی زاں منتہٰی
تو بر آرا اے غیرت سرو سہی

اس منتہی فی الرذائل کی اصلاح آپ اپنے غیر متناہی لطف و کرم سے فرما دیجیے اے غیرتِ سرو سہی!

نوٹ: حق تعالیٰ شانہٗ کی صفت کے لیے منتہی کا لفظ محض مشاکلۂ لفظی کے طور پر استعمال کیا گیاہے مگر مراد مبالغہ فی الکمال ہے جس کی تعبیرِ حقیقی غیر متناہی کمالات سے صحیح ہے۔

دستگیرم در چنیں بیچارگی
شاد گردانم دریں غم خوارگی

اے اللہ! ایسی سخت بیچارگی میں میری دستگیری فرمایئے اور اپنی غم خوارگی سے مجھے شاد و مسرور کر دیجیے۔

از خیال و وہم و ظن بازش رہاں
از چہ و جورِ رسن بازش رہاں

اے اللہ! خیال اور وہم و گمانِ فاسد سے پھر اس بندے کو رہا کیجیے اور چاہِ ظلمت و نفس کے ظلم سے پھر اس کو رہائی عطا فرمایئے۔

تاز دلداریٔ خوبِ تو دلے
پر بر آرد بر مروز آب و گلے

تاکہ آپ کی حسین دلداری (دلجوئی) سے ایک دل نفس کے زشت تقاضوں اور غیر اللہ کے علاقوں سے نکلنے کے لیے پر باہر نکالے۔ یعنی آپ ہمارے قلب کو اپنی طرف جذب فرمالیں تاکہ ہم تعلقات آب و گل (ماسوی اللہ) سے بآسانی نکل کر آپ کے قرب کی لذتِ غیر فانی سے مشرف ہوں، اسی جذب کی طرف ایک بزرگ شاعر نے خوب اشارہ فرمایا ہے ؎

نہ میں دیوانہ ہوں اصغرؔ نہ مجھ کو ذوقِ عریانی
کوئی کھینچے لیے جاتا ہے خود جیب و گریباں کو

زاں مثالِ برگ دے پژمردہ ام
کز بہشتِ وصل گندم خوردہ ام

نوٹ: یہاں بہشتِ وصل سے مراد سرورِ طاعت ہے اور گندم خوردن سے مراد ارتکابِ خطا ہے۔

ترجمہ: میں زمانۂ خزاں کے پتے کی طرح نڈھال اور افسردہ ہوں کیوں کہ میری روح آپ کی بہارِ قرب سے مشرف ہوتے ہوئے بھی اور آپ کی عظمتِ سلطانی کا مشاہدہ کرتے ہوئے بھی کوتاہیوں اور ارتکاب واشتغالِ خطایا میں مبتلا ہوگئی بوجہ نادانی کے۔

گر خفاشے رفت در کور و کبود

بازِ سلطان دیدہ را بارے چہ بود

اگر چمگادڑ خوئے ظلمت پسندی سے تاریکی اور گندگی میں چلی گئی تو کیا تعجب ہے لیکن تعجب ہے اس بازِ شاہی پر جو سلطان کا مقرب ہے اور سلطان کے دیدار سے مشرف ہے۔

چوں بدیدم لطف و اکرامِ ترا

واں سلام و سلمِ پیغامِ ترا

لیکن میری خطاؤں کے باوجود جب میں نے آپ کے لطف و اکرام اور سلام و صلح و پیغام کو دیکھا تو میری مایوسی کی آغوش میں امیدوں کے بہت سے آفتاب طلوع ہوگئے اور آپ سے عبدیت کا رابطہ استوار کرنے کی ہمت اور حوصلہ عطا ہوگیا۔

یہاں صلح سے مراد حق تعالیٰ کی طرف سے وعدۂ قبولِ توبہ کا اعلان ہے اور پیغام سے مراد دعوت الی دار السلام ہے۔

من سپندِ چشمِ بد کردم پدید

در سپندم نیز چشمِ بد رسید

میں نے شیطان کی پُر فریب اور دھوکا دہی والی نظر کے ضرر کو دور کرنے کے لیے سپند جلایا، یہ ایک محاورہ ہے کہ نظرِ بد کے علاج کے لیے اسپند جلایا کرتے تھے، مراد یہ ہے کہ اغواو تلبیس سے بچنے کی تدابیر اختیار کیں لیکن اس نے میری تدبیر میں نظرِ بد لگادی یعنی بعد اہتمامِ تدبیر بھی اس کے پنجے میں گرفتار ہوں۔

دافعِ ہر چشمِ بد از پیش و پس

چشمہائے پُر خمارِ تست و بس

اے اللہ! آگے اور پیچھے جس طرف سے بھی ابلیس کی نظرِ بد ہم کو دھوکا دے اصل علاج اس کا آپ کی حفاظت ہے، آپ کی پُر خمار آنکھیں ہیں۔ مراد پُر خمار آنکھوں سے حق تعالیٰ کی عنایتِ محبوبانہ ہے۔

چشمِ بد را چشمِ نیکویت شہا
مات و مستاصل کند نعم الدواء

ابلیس کی نظرِ بد کو دفع کرنے کے لیے اے اللہ! آپ ہی کی نظرِ عنایت بہترین دوا ہے جو جڑ سے اس کو اکھاڑ دیتی ہے یعنی مؤثرِ حقیقی آپ ہی کی نگاہِ عنایت ہے لیکن مامور بہ ہونے کے سبب تدابیر اختیار کرنا اور شیخ سے مشورے کا سلسلہ رکھنا بھی ضروری ہے اور اکثر اسی پر وہ علتِ حقیقی بھی متوجہ ہو جاتی ہے۔

بل ز چشت کیمیاہا می رسد
چشمِ بد را چشمِ نیکو می کند

آگے اس خاصیتِ مذکورہ میں ترقی کرتے ہیں یعنی آپ کی نظرِ عنایت دافع تو کیوں نہ ہوتی بلکہ دافع سے بڑھ کر ہے، وہ یہ کہ آپ کی نگاہ سے کیمیائیں پہنچتی ہیں یعنی وہ چشمِ بد کو چشمِ خوب کر دیتی ہے، یہ تفسیر ہے کیمیا کی جس کی خاصیت تبدیلِ خواص ہے۔ مراد اس سے یہ ہے کہ حق تعالیٰ اپنے خاص بندوں کی نظر و توجہ میں وہ خاصیت رکھ دیتے ہیں کہ جس طالب پر وہ نظرِ عنایت رکھتے ہیں اس پر چشمِ ابلیسی اثر نہیں کرتی بلکہ وہ ہر طرح محفوظ رہتا ہے۔

فائدہ: ان اشعار میں اس بات کی تعلیم ہے کہ تدبیر اور دعا کے ساتھ صحبتِ مقبولین کا بھی اہتمام رکھے کہ ان کی طرف رجوع کرنا عینِ رجوع الی الحق ہے۔ کیوں کہ وہ ہادی الی الحق ہیں۔

چشمِ شہ بر چشمِ باز دل ز دست
چشمِ بازش سخت باہمت شدست

چشمِ شاہی نے بازِ قلب کی چشم پر اثر کیا اس شاہ کے باز کی چشم نہایت باہمت ہو گئی۔

تا زبس ہمت کہ یابید از نظر
می نگیرد بازِشہ جز شیر نر

یہاں تک کہ غایتِ ہمت کے سبب جو کہ اس نے نظر سے پائی ہے بازِ شاہی بجز شیر نر کے کسی کو نہیں پکڑتا۔

ختم ہوئی یہ چھٹی منزل بحمد اللہ تعالیٰ وعونہٖ قبل طلوعِ صبح صادق یعنی نصف شب کے وقت یہ کام ہوا، اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے قبول فرمائیں۔ آمین۔ اور خلائق کے لیے خوب نافع فرماویں۔ آمین۔

منزلِ ہفتم بروزِ جمعہ

شد صفیرِ بازِ جاں در مرجِ دیں
نعرہ ہائے لَآ اُحِبُّ الْآفِلِیْن

ترجمہ: بازِ شاہی یعنی جانبازِ الٰہی کی آواز دین کی چراگاہ میں لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ [۱۰۲] کے نعرے ہیں۔

لَآ اُحِبُّ الْآفِلِیْنَ: میں فنا ہونے والوں سے محبت نہیں کرتا۔

بازِ دل را کز پئے تو می پرید
از عطائے بیحدت چشمے رسید

ترجمہ: بازِ قلب جو کہ آپ کے لیے اڑ رہا تھا۔ (یعنی رضائے الٰہی کے لیے مجاہدہ کر رہا تھا) آپ کی عطائے غیر محدود سے اس کو ایک بینا آنکھ وصول ہوئی یعنی مجاہدات اور التزامِ ذکر و فکر اور صحبتِ شیخ کے اہتمام سے اس کی جان نورِ بصیرت سے مشرف ہوگئی۔

یافت بینی بوئے و گوش از تو سماع
ہر حسے را قسمتے آمد مشاع

---

[۱۰۲] الانعام: ۷۶

یہاں تک کہ عارف کی ناک کو قوتِ شامہ اور کان کو قوتِ سامعہ آپ کی طرف سے عطا ہو جاتی ہے اور ہر حس کا حصہ الگ ہے۔

مراد یہ ہے کہ اہل اللہ کو ذکر و تقویٰ کے اہتمام سے ایک خاص نورِ بصیرت عطا ہوتا ہے جس سے وہ مبصراتِ حقیقت کو دیکھتے ہیں اور اسی طرح ان کو خاص قوتِ سامعہ عطا ہوتی ہے جس سے وہ مسموعاتِ حقیقت کو سنتے ہیں۔

مولانا کی مراد یہاں اس حدیث شریف سے ہے جس میں کُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِیْ یَسْمَعُ بِهٖ وَبَصَرَهُ الَّذِیْ یَبْصُرُبِهٖ[۱۰۳] ارشاد ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ اہل اللہ مُبْصِرٌ لِلْحَقِّ وَ بِالْحَقِّ اور سَامِعٌ لِلْحَقِّ وَ بِالْحَقِّ ہو جاتے ہیں جس کو اصطلاحِ صوفیا میں فانی فی الحق اور باقی بالحق کہا جاتا ہے۔

ہر حسے را چوں دہی رہ سوئے غیب
نبود آں حس را فتور و مرگ و شیب

جس کو بھی آپ غیب کی طرف راہ دیتے ہیں تو اس حس کو ضعف موت اور بڑھاپے کا نہیں ہوتا۔

حواسِّ خمسہ ظاہرہ ہوں یا حواسِّ خمسہ باطنہ ہوں جس کو بھی حق تعالیٰ شانہٗ غیب کی طرف راہ دکھادیتے ہیں تو اس کا عالمِ حقائق سے تعلق ہو جاتا ہے اس کو ضعف موت اور بڑھاپے کا لاحق نہیں ہوتا بوجہ اس کے کہ وہ باقی بقائے حق ہو جاتا ہے اور گو نفسِ بقا میں محرومین بھی شریک ہیں یعنی اہلِ جہنم بھی دوزخ میں باقی رہیں گے مگر یہ بقا موت سے بھی بدتر ہے:

كَمَا قَالَ اللهُ تَعَالٰى: لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَ لَا يَحْيٰى[۱۰۴]

نہ جہنم میں مریں گے نہ زندہ رہیں گے، موت وحیات کی کشمکش میں مبتلا ہوں گے۔

وَقَالَ تَعَالٰى: وَيَأْتِيْهِ الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّمَا هُوَ بِمَيِّتٍ[۱۰۵]

---

[۱۰۳] صحیح البخاری: ۲/۹۶۲-۹۶۳، (۶۵۴۱)، کتاب الرقاق، باب التواضع، المکتبۃ المظھریۃ

[۱۰۴] طٰہٰ: ۷۴

[۱۰۵] ابراھیم: ۱۷

اور ان کو ہر طرف سے موت آتی نظر آوے گی بوجہ شدتِ الم لیکن وہ مرنے والے نہ ہوں گے۔

اور عارف واصل باللہ کے چوں کہ سب افعال طبعاً مرضیٔ حق ہو جاتے ہیں اور یہی معنیٰ ہیں بقاء بالحق کے اس کے لیے وہ بقاء جو حیوٰۃِ طیبہ کے ساتھ ہو معتدبہ قرار دی گئی۔

مالک الملکی بجس چیزے دہی
تا کہ بر حسہا کند آں حس شہی

: آپ مالک الملک ہیں کسی حس کو ایسی چیز دے دیتے ہیں جس سے وہ اور حسوں پر بادشاہی کرتی ہے۔

: یعنی اہتمامِ تقویٰ، التزامِ ذکر و فکر اور صحبتِ شیخ کی برکت سے آپ کا کرم اہل اللہ کے ادراکات اور حواس کو عامۃ الناس کے ادراکات اور حواس سے نورانی اور قوی تر کر دیتا ہے اور وہ آپ کے نور سے دیکھتے ہیں، آپ کے نور سے سنتے ہیں اور آپ کے نور سے ان کے سارے اعضا اور بال بال اور رگوں کا خون تک سر تا پا منور ہو جاتا ہے جس سے وہ طالبین کے لیے مقتدا اور راہ بر ہو جاتے ہیں اور ان کے حس دوسرے انسانوں کے حسوں پر بادشاہی کرتے ہیں۔

رَبِّ اَتْمِمْ نُوْرَنَا بِالسَّاھِرَۃْ
وَاَنْجِنَا مِنْ مُّفْضِحَاتِ الْقَاھِرَۃْ

اے ہمارے رب! ہمارے نور کو روزِ محشر میں تام فرما دیجیے اور ہم کو رسوا کنندہ قہروں سے نجات دیجیے۔

یارِ شب را روزِ مہجوری مدہ
جانِ قربت دیدہ را دوری مدہ

: رفیقِ شب کو جدائی کا دن نہ دیجیے اور اس روح کو جو آپ کے قرب کا کرّوفر دیکھ چکی ہے دوری کا الم نہ دیجیے۔

تشریح: رفیقِ شب سے مراد وہ رفاقت ہے جو اہل اللہ کو نصفِ شب کے بعد نمازِ تہجد اور مناجات و گریہ وزاری میں عطا ہوتی ہے، جدائی کے دن سے جو پناہ طلب کی ہے اس سے مراد دن کے اعمال کی حفاظت ہے یعنی دن میں ہم سے ایسے اعمال صادر نہ ہوں جو آپ سے بُعد اور دوری کا سبب بن جاویں۔

بُعدِ تو مرگیست با درد و نکال
خاصہ بعدے کاں بُود بعد الوصال

ترجمہ: آپ کا بُعد ایک موت ہے جو دردِ عقوبت کے ساتھ مقرون ہے خاص کر وہ بُعد جو بعد وصال کے ہو۔

تشریح: اے اللہ! آپ کی دوری تو خود موت ہے یعنی زندگی آپ کے تعلق سے زندگی کا صحیح مصداق بنتی ہے:

كَمَا قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ[١٠٦]

یہ آیت حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی شان میں نازل ہوئی ہے جس وقت کہ آپ ایمان سے مشرف نہ ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ کیا وہ شخص جو مردہ تھا پس ہم نے زندہ کردیا ایمانی حیات سے چوں کہ کفر میں بُعد اور دوری کی کامل خاصیت ہوتی ہے اس لیے اس دوری کو موت قرار دیا۔ پس معلوم ہوا کہ اللہ سے دوری خود ایک موت ہے لیکن یہ اس وقت ہے جب کہ قربِ الٰہی نہ دیکھا ہو اور اگر قرب کا کرّوفر دیکھ لیا تو نور کے بعد ظلمت کا ادراک نہایت قوی ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ جو لوگ اہل اللہ سے تعلق رکھتے ہیں اور ذکر کا اہتمام رکھتے ہیں ان سے اگر خطا کا ارتکاب ہوجاتا ہے تو انھیں معصیت کی ظلمت کا احساس بہت قوی ہوتا ہے برعکس غافلانِ آخرت کے کہ ظلمت پر ظلمت کا طریان غیر محسوس اور غیر شعوری ہوجاتا ہے۔ اسی کو مولانا فرماتے ہیں: وصال کے بعد کا فراق زیادہ مولم اور باعثِ صدمہ ہوتا ہے۔ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الْحَوْرِ بَعْدَ الْكَوْرِ۔

---

[١٠٦] الانعام: ۱۲۲

آنکہ دیدستت مکن نادیدہ اش
آب زن بر سبزۂ بالیدہ اش

جس نے آپ کو دیکھ لیا اس کو نادیکھا ہوا نہ کیجیے، اس کے سبزۂ بالیدہ پر پانی چھڑک دیجیے۔

یعنی آپ نے جس کو اپنی رضا کے اعمال سے نوازا ہے پھر اس کو اپنی ناراضگی کے اعمال میں مبتلا نہ ہونے دیجیے کہ شامتِ عمل سے یہ مشرف بالقرب معذّب بالبُعد ہو جاوے اور اس کے اعمال صالحہ اور معرفت میں ترقی عطا فرماتے رہیے۔ پانی چھڑکنا کنایہ ہے توفیقِ گریہ سے کہ قلبِ مؤمن اسی سے سیراب اور شاداب ہوتا ہے باعتبارِ قرب و معرفت اور تعلق مع اللہ کے اور یہ سیر ابی بالدموع منصوص فی الحدیث ہے کما مرّ۔

من نکردم لا ابالی در روش
تو مکن ہم لا ابالی در خلش

میں نے سلوک میں بے پروائی نہیں کی ہے تو آپ بھی بے پروائی نہ کیجیے عقوبت میں۔

میں نے سلوک میں اگرچہ مجاہدے کا حق نہ ادا کیا لیکن فکر اور طلب آپ کی تھی اور ہے اور آپ سے ہمیشہ توفیق اعمالِ صالحہ اور معاصی سے پناہ مانگنے کا سلسلہ قائم رکھا پس آپ بھی اپنے کرم کو ہم سے مستغنی نہ کیجیے وَّاسۡتَغۡنَی اللّٰہُ[٢٧] کی آیت کی طرف اشارہ ہے۔

ہیں مراں از روئے خود او را بعید
آنکہ او یکبار روئے تو بدید

ہاں ایسے شخص کو اپنے قرب سے نہ نکالیے جس نے ایک بار آپ کا رخ دیکھ لیا۔

تشریح: مراد یہ ہے کہ جو آپ کا بندہ صرف آپ کے کرم و توفیق سے اختیار اعمالِ صالحہ اور مجاہدات سے مقرب اور پیارا ہو چکا اس کو پھر اس کے نفس کے حوالے نہ فرمائیے کہ کسی معصیت میں مبتلا ہو کر مردود اور بدبخت ہو جاوے۔

---

[٢٧] التغابن: ٦

دید روئے جز تو شد غل گلو

کُلُّ شَیۡءٍ مَاسِوَی اللهِ بَاطِلٌ

آپ کے علاوہ کسی چیز کی طرف رخ کرنا گردن میں مصیبت کا طوق ڈالنا ہے کیوں کہ آپ کے سوا ہر شے فانی اور لاشے ہے۔

یعنی آپ سے تعلق کا ثمرہ اطمینانِ قلب اور سکونِ روح ہے یہ تو غیر فانی ہے کہ آپ کی ذاتِ پاک باقی ہے اور آپ کے سوا کسی سے دل لگانا اور سکون حاصل کرنا چوں کہ محلِ فنا سے دل لگانا ہے پس وہ باعثِ تشویش ہوگا کیوں کہ سکون بالفانی بھی فانی ہوتا ہے۔

نوٹ: ماسویٰ سے مراد وہ ماسویٰ ہے جو بالکل ہی غیر اللہ ہے اور ذریعۂ مقصودِ حق بننے کی صلاحیت بھی نہ رکھتا ہو ورنہ جو چیزیں مقصودِ حقیقی کا ذریعہ اور وسیلہ بن سکتی ہیں ان سے تعلق اللہ ہی کا تعلق ہے اور ان کی طرف استفادہ کے لیے متوجہ ہونا استفادہ باللہ ہی ہے اسی طرح اہل وعیال کے حقوق، پڑوسی کے حقوق حتیٰ کہ جانوروں کے حقوق سب اسی ذریعۂ مقصود میں داخل ہیں کیوں کہ ان کو رضائے الٰہی میں دخل ہے۔ خلاصہ یہ کہ میاں کی رضا اور ناراضگی کے جملہ مواقع اور متعلقات اور ان میں حدودِ الٰہیہ کا تحفظ اور نگہداشت سب عینِ دین ہے۔ البتہ یہ تعلقات مغلوب اور ضمنی ہوں اور اللہ تعالیٰ کا تعلق غالب اور اصل ہو۔

باطلند و می نمایندم رشد

زانکہ باطل باطلاں را می کشد

یہ جو آپ کے غیر ہیں مجھے غلط بینی نگاہ سے جذب و کشش میں صواب اور اپنے معلوم ہوتے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ باطل، باطل کو کھینچتا ہے یعنی ہمارے اندر نفس امارہ بالسوء ہے اور اس میں مادۂ فجور موجود ہے جو مواقع اور اسبابِ فجور سے حرکت میں آجاتا ہے جیسا کہ میلانِ معصیت اجنبیہ یا امرد کے قرب سے زیادہ ہوجاتا ہے بہ نسبت اس کے کہ ان سے دوری اختیار کی جاوے۔

زیں کششہا اے خدائے رازداں
تو بجذبِ لطفِ خودماں دہ اماں

ان جذبات سے اے خدائے رازداں! آپ اپنے جذبِ لطف کے طفیل امان دیجیے۔

جن گناہوں کی طرف ہمیں قوی میلان محسوس ہوتا ہے آپ ان سے حفاظت کے لیے ہمیں اپنی طرف کھینچ لیجیے کہ آپ کی وہ صفت:

اَللّٰہُ یَجۡتَبِیۡۤ اِلَیۡہِ مَنۡ یَّشَآءُ[١٠٨]

ہماری اس حاجت روائی کے لیے کافی ہے، آپ جس کو اپنی طرف کھینچیں گے اس کو کون اپنی طرف کھینچ سکتا ہے، آپ کے دست و بازو کے مقابلے کا کس کو یارا ہے نہ ابلیس کو نہ معاشرے کو اور نہ سارے جہان کو۔

غالبی بر جاذباں اے مشتری
شاید ار درماندگاں را واخری

آپ سب جاذبوں پر غالب ہیں اے خریدار ایمان والوں کے! ممکن ہے اگر آپ درماندوں کو خرید لیں۔

اشارہ اس آیت کی طرف ہے: اِنَّ اللّٰہَ اشۡتَرٰی مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اَنۡفُسَہُمۡ وَ اَمۡوَالَہُمۡ بِاَنَّ لَہُمُ الۡجَنَّۃَ[١٠٩] اے مشتری میں اشارہ ہے کہ حق تعالیٰ بھی جاذب ہوتے ہیں کیوں کہ اشتریٰ کے لوازم میں جلب المشتری المبیع ہے۔

مراد یہ ہے کہ اے اللہ! آپ تمام کھینچنے والوں سے قوی اور غالب ہیں پس ہم کو گناہوں میں مبتلا کرنے کے لیے جو تقاضے اور جو اسباب مثلاً حسنِ مجازی وغیر ذٰلک اپنی طرف کھینچ رہے ہیں تو آپ اگر اپنے کرم سے ہم کو اپنی طرف جذب فرمائیں گے تو چوں کہ آپ غالب ہیں سب پر اس لیے ہم یقیناً آپ ہی کے ہو جاویں گے اور غیروں کا جذب بے اثر ہو جاوے گا۔

---

[١٠٨] الشوریٰ:١٣

[١٠٩] التوبۃ:١١١

نہیں ہوں کسی کا تو کیوں ہوں کسی کا

ان ہی کا ان ہی کا ہوا جا رہا ہوں

ایک اشکال اور اس کا جواب

ایک اشکال یہ ہے کہ تجاذب کے لیے ہم جنس ہونا شرط ہے بقاعدۂ مشہورہ۔

کند ہم جنس باہم جنس پرواز

کبوتر با کبوتر باز با باز

تو حق تعالیٰ تو ہمارے ہم جنس نہیں ہیں، وہ پاک ہیں اور ہم ناپاک، وہ باقی ہیں اور ہم فانی۔ تو جواب یہ ہے کہ جذب کے لیے ہم جنس ہونا جو مشروط ہے وہ جذبِ طبعی کے لیے ہے لیکن جذبِ عقلی اور جذبِ ارادی کے لیے ہم جنس ہونا شرط نہیں۔ جس طرح انسان اپنے جانور کو چرواہی کے وقت دوسروں کے کھیتوں سے اپنی طرف کھینچتا ہے کہ خیانت نہ ہو جاوے پس یہ جذب عقلی اور ارادی ہے نہ کہ طبعی کیوں کہ انسان اور جانور کے طبائع ہم جنس نہیں ہیں البتہ اس مثال میں انسان کبھی اپنے جذب میں ناکام ہو سکتا ہے۔ مثلاً جانور مضبوط ہو جیسا کہ قربانی کے جانور بعض وقت ہاتھ کی گرفت سے نکل جاتے ہیں اگرچہ گرفت کتنی مضبوط ہی رکھی جاتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ کا جذب کبھی ناکام نہیں ہو سکتا کیوں کہ ان کی گرفت اور قوتِ جذب غالب ہے اور ہماری قوتِ گریز مغلوب ہے اگرچہ نفس و شیطان اور اسبابِ معاصی اور تمام اہلِ زمانہ اپنی اجتماعی قوت سے اس نفس امارہ بالسوء کی اعانت بھی کریں تب بھی وہ ذاتِ پاک ہمارے جذب پر غالب ہی ہو گی۔

اس وقت تقریباً رات کے ۴؍ بج رہے ہیں قبولیت کی گھڑی ہے۔ دعا کرتا ہوں کہ اے اللہ! اختر راقم الحروف کو اور اس شرح مثنوی شریف کے پڑھنے والوں کو اپنی طرف کھینچ لے اور اس طرح سے اپنا بنا لے کہ ہمیشہ تیرے ہی رہیں، آمین ثم آمین۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّآ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ

مناجاتِ خاتم مثنوی

اے خدا سازندۂ عرش بریں
شام رادادی توزلفِ عنبریں

اے خدا! اے عرشِ بلند کے خالق! آپ نے شام کو زلفِ عنبریں عطا فرمائی رات کی تاریکی میں عاشقانِ الٰہی کو لذتِ عبادات میں ترقی عطا ہوتی ہے اس لیے خوشبوئے قربِ محبوب کی رعایت سے زلفِ عنبریں سے تشبیہ دی۔

روزہا با شمعِ کافور اے کریم
کردۂ روشن تر از عقلِ سلیم

اے کریم! آپ نے دن کو شمعِ روشن یعنی آفتاب سے ایسا منور کر دیا جس کی روشنی عقلِ سلیم سے بھی زائد ہے کیوں کہ عقلِ سلیم تو استدلال ودلائل سے حقیقتِ اشیاء کا ادراک کرتی ہے اور آپ کے روشن کیے ہوئے دن میں ہر شے بداہۃً نظر آجاتی ہے۔

خوں بنافِ نافہ مشکے می کنی
سنبل و ریحاں چرد پشکے کنی

آپ کی قدرت خون کو ہرن کی ناف میں کستوری (مشکِ خالص) بنادیتی ہے اور ہرن سنبل وریحان چرتا ہے جو خوشبودار نباتات ہیں مگر اس سے مینگنی بنتی ہے۔

قادرا قدرت تو داری بر کمال
اَنْتَ رَبِّیْ اَنْتَ حَسْبِیْ ذُوالْجَلَالِ

اے قادرِ مطلق! تو قدرتِ کاملہ رکھتا ہے، تو ہی ہمارا رب ہے اور تو ہی ہمارے لیے کافی ہے اے ذوالجلال۔

اے خدا قربانِ احسانت شوم
کانِ احسانی بقربانت روم

اے خدا! میں آپ کے احسان پر اور آپ کے احسان کے خزانوں پر قربان ہو جاؤں۔

معدنی احسانی و ابرِ کرم
فیضِ تو چوں ابرِ ریزاں بر سرم

آپ کے احسان کے خزانے اور آپ کی بخشش وعطا کے بادل ہمارے سر پر مثل ابرِباراں کے بارش کر رہے ہیں۔

ازعدم دادی بہستی ارتقا
زاں سپس ایمان و نورِ اهتدا

آپ نے عدم سے وجود بخشا تاکہ ہم اس زندگی سے اعمالِ صالحہ کے خزانے جمع کر کے عبدیت کے ارتقائی منازل طے کرلیں یعنی آپ کی رضا کا تاج ہماری عبدیت کے سر پر حاصل ہو اور اس مقصد کے لیے آپ نے زندگی عطا فرمانے کے بعد ایمان اور نورِ ہدایت بھی بخشا۔

اے خدا احسانِ تو اندر شمار
می نتانم با زبانِ صد ہزار

اے خدا! آپ کے احسانات کو ہم ایک لاکھ زبانوں سے بھی شمار نہیں کرسکتے۔

من بخواب و پاسبانِ من توئی
من چو طفل و حرزِ جانِ من توئی

میں سوتا ہوں تو آپ ہی میری حفاظت کرتے ہیں اور میں مثلِ بچہ کے ہوں اور آپ ہی میری جان کی حفاظت کے ضامن ہیں۔

من بعصیاں صرفِ وقتِ خود کنم
بینی و از حلم می پوشی برم

میں اپنے اوقات کو گناہوں میں صرف کر رہا ہوں اور آپ کا حلم و کرم دیدہ دانستہ پردہ پوشی کر رہا ہے۔

روزیت را خوردہ عصیاں می کنم
نعمت از تو من بغیرے می تنم

آپ کی روزی کھا کر میں آپ ہی کی نافرمانی کر رہا ہوں اور نعمت تو آپ کی طرف سے عطا ہوتی ہے اور میں غیروں کی طرف متوجہ اور ملتفت ہوں۔

تنیدن۔ توجہ والتفات کے معنیٰ میں بھی مستعمل ہے۔ (غیاث)

جملہ می بینی نہ گیری انتقام
از درِ حلم و کرم آئی مدام

ہماری سب کوتاہیاں آپ دیکھتے ہیں مگر آپ انتقام نہیں لیتے اور ہمیشہ حلم و کرم کا معاملہ اپنے بندوں سے فرمارہے ہیں۔

بر دلِ من سی صد و شصت از نظر
می کنی ہر روز اے رب البشر

ہمارے دل پر تین سو ساٹھ نظر آپ ہر روز اے انسانوں کے رب! کر رہے ہیں۔

لیک من غافل ز لطفِ بیکراں
چشم دارم ہر زماں با ایں و آں

لیکن میں آپ کے لطفِ بے انتہا سے غافل ہوں اور ہر وقت آپ کے علاوہ دوسروں پر امید کی نظر ڈالتا ہوں۔

دوست را بر من نظر شد دوختہ
حیفِ من با دیگراں دل توختہ

دوست کی مجھ پر خاص نظرِ عنایت ہے افسوس کہ میں دوسروں سے دل کو باندھے ہوئے ہوں۔

من گنہ آرم توستاری کنی
جرم من آرم تو معذاری کنی

میں گناہ کرتا ہوں اور آپ ستاری فرماتے ہیں، میں جرم کرتا ہوں اور آپ ہم کو معاف فرمادیتے ہیں۔

جرمہا بینی و خشمے ناوری

اے بقربانت چہ نیکو داوری

میرے جرائم آپ دیکھتے ہیں اور مجھ پر غضب نازل نہیں فرماتے، میں آپ کے ایسے عجیب اخلاق واحسان پر قربان ہوں۔

در مصائب در حوادثہائے زار

چوں کہ بر من تنگ شد از درد کار

جب مصائب اور آفات میں ابتلاسے میں سخت تنگی میں پڑا۔

یار و خویشانم مرا بگذاردند

زار در دستِ غمم بسپاردند

یار اوراپنوں نے مجھے چھوڑدیااور مجھ کو غم کے ہاتھوں حیران وپریشان سرگرداں سپرد کردیا۔

جز تو کے دیگر دراں سختی رسد

در متاعبہا تو گشتستی مدد

اس وقت سوائے آپ کے دوسرے کب اس سختی میں ہماری مدد کو پہنچے، سختیوں میں آپ ہی نے ہماری مدد کی۔

در رسیدی زود بگرفتی مرا

وا خریدی از ہمہ سختی مرا

آپ کا کرم ہماری مدد کو آپہنچااور آپ نے جلد ہم کو گرتے سے پکڑلیااور تمام سختیوں سے خریدلیا۔

چوں شمارم من ز احسانِ تو چوں

گر زباں ہر موشود لطفت فزوں

اگر ہم آپ کے احسانات کو شمار کرنا شروع کریں تو اگرچہ ہمارا ہر ہر بال زبان بن جاوے پھر بھی آپ کا لطف وکرم ہمارے شکر سے زائد ہوگا۔

شکرِ احسانِ ترا چوں سر کنم
اندریں رہ گو قدم از سر کنم

ہم آپ کے احسان کا شکر اگر کریں اور اس راہِ تشکر میں اگرچہ ہم قدم کو سر کے بل رکھیں تب بھی آپ کے احسان کا حقِ تشکر ادا نہیں ہو سکتا۔

جان و گوش و چشم و ہوش پا و دست
جملہ از درہائے احسانت پرست

جان اور کان اور آنکھ اور ہوش اور ہاتھ پاؤں سب آپ کے احسانات کے موتیوں سے پُر ہیں۔

ایں کہ شکرِ نعمتِ تو می کنم
اینہم از تو نعمتے شد مغتنم

یہ جو میں آپ کا شکر ادا کر رہا ہوں یہ شکر خود بھی آپ کی نعمتِ توفیق کا محتاج و مرہون اور ممنون ہے پس جب شکرِ نعمت بھی ایک نعمت مغتنم ہے تو شکر کا شکر بھی واجب ہو گا اور اس طرح کا تسلسل عقلاً محال ہے پس دلائلِ عقلیہ سے بھی ہم آپ کے احسانات کے شکر کا حق ادا نہیں کر سکتے۔

شکرِ ایں شکر از کجا آرم بجا
من کئیم از تست توفیق اے خدا

آپ نے جو توفیق شکر کی ہم کو دی ہے پھر ہم اس شکر کا شکر کہاں سے بجالا سکتے ہیں یعنی اس سے تو وہی تسلسل مذکور محالِ عقلی لازم آئے گا پس ہم آپ کے شکر میں بے حقیقت اور عاجز ہیں (من کئیم کا استفہام تحقیر کے لیے ہے) اے خدا! جو کچھ ہم آپ کا شکر ادا کریں گے وہ سب آپ ہی کی توفیق کا ممنون ہو گا۔

تَمَّتْ بِفَضْلِهٖ تَعَالٰی وَ كَرَمِهٖ وَ عَوْنِهٖ
رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّآ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ
تَمَّتْ هٰذِهِ الْمُنَاجَاةُ بِفَضْلِ اللهِ تَعَالٰی فِيْ نِصْفِ اللَّيْلِ مِنْ لَيْلَةِ الْخَمِيْسِ

۲۹/ جمادی الثانیۃ، ۱۳۹۲ھ

انتخاب از مناجات

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ (بانیٔ دارالعلوم دیوبند)

نوٹ: حضرتِ اقدس مرشدی پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ یہ اشعار جو مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مناجات کے ہیں باعتبارِ مضمون کے مقبول معلوم ہوتے ہیں اور اس بندہ اختر عفا اللہ عنہ نے حضرت شیخ کو اس مناجات میں بارہا مشغول دیکھا اور بہت ہی کیف اور درد کی حالت میں حضرت والا اس کو پڑھا کرتے تھے اس لیے تقاضا ہوا کہ اس مناجات کا انتخاب بھی برکت کے لیے آخر میں شامل کردوں کہ اہلِ طلب و شوق مستفید ہوں۔

الٰہی غرقِ دریائے گناہم
تومی دانی و خود ہستی گواہم

اے اللہ! میں گناہ کے دریا میں غرق ہوں یعنی بے حد کثیر الخطا ہوں اور تو میرے گناہوں پر خود گواہ ہے۔

گناہِ بے عدد را بار بستم
ہزاراں بار توبہ ہا شکستم

بے شمار گناہوں کا بار سر پر باندھ لیا ہے اور ہزاروں بار توبہ کو میں نے توڑ دیا ہے۔

حجابِ مقصد عصیانِ من شد
گناہم موجبِ حرمانِ من شد

میرے مقصد میں میرے گناہ حائل ہوگئے اور میرے گناہ میری محرومی کا باعث ہوگئے۔

بآں رحمت کہ وقفِ عام کردی
جہاں را دعوتِ اسلام کردی

اپنی اس رحمت کے صدقے جو آپ نے سارے جہان کے لیے وقفِ عام کر دی ہے۔ اور جس رحمت کے صدقے میں سارے جہان کو آپ نے دعوتِ اسلام دی ہے۔

گدا خود را ترا سلطاں چو دیدم
بدرگاہِ تو اے رحماں دویدم

جب میں نے اپنے کو آپ کا فقیر و گدا دیکھا اور آپ کو سلطانِ حقیقی دیکھا تو اے رحمان! آپ کے دروازے پر بھکاری بن کر دوڑ پڑا۔

نوٹ: جس کو حق تعالیٰ حج عطا فرمائیں تو یہ شعر کعبہ شریف کے دروازے پر پڑھ کر خوب لطف حاصل کرے اور بار بار پڑھے۔

بحقِ آنکہ او جانِ جہان است[۱۱۰]
فدائے روضہ اش ہفت آسمان است

صدقے میں اس ذاتِ گرامی کے جو جانِ جہان ہے اور جس کے روضۂ مبارک پر ہفت آسمان فدا ہیں۔

نوٹ: اس شعر کو روضۂ مبارک پر حاضری کے وقت اور مسجدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں بار بار پڑھنے کا لطف عجیب ہے۔

بحقِ آنکہ محبوبش گرفتی
برائے خویش مطلوبش گرفتی

صدقے میں اس ذاتِ گرامی کے جس کو آپ نے اپنا محبوب بنایا اور اپنے لیے ان کو مطلوب بنایا ہے۔

پسندیدی ز جملہ عالم آں را
بما بگذاشتی باقی جہاں را

آپ نے سارے عالم سے ان کو پسند فرمایا اور ان کے علاوہ باقی جہان کو نظر انداز کر دیا۔

---

[۱۱۰] حضور صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم سے یہ عقیدت ہے ان اکابر کو جن کو اہلِ بدعت خشک سمجھتے اور کہتے ہیں، حق تعالیٰ ان کو ہدایت دے، آمین۔

گزیدی از ہمہ گلہا تو او را
نمودی صرفِ او ہر رنگ و بو را

تمام پھولوں سے آپ نے اس ذاتِ گرامی کو منتخب فرمایا اور ہر رنگ و بو کو ان پر صرف فرمایا۔

ہمہ نعمت بنامِ او نمودی
دو عالم را بکامِ او نمودی

تمام نعمتوں کو ان ہی کے نام پر بخشا ہے اور دونوں جہان کو آپ ہی کے لیے پیدا فرمایا ہے۔

بآں کو رحمۃ للعالمین ست
بدرگاہت شفیع المذنبین ست

صدقے میں اس ذاتِ گرامی کے جو رحمۃ للعالمین کے لقب سے مشرف ہیں اور آپ کی بارگاہ میں گناہ گاروں کے شفیع ہیں۔

بحقِ سرورِ عالم محمد
بحقِ برترِ عالم محمد

صدقے میں تمام عالم کے سردار محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اور صدقے میں تمام عالم سے برتر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے۔

بذاتِ پاکِ خود کاں اصل ہستی است
از و قائم بلندی ہا و پستی است

صدقے میں خود آپ کی ذاتِ پاک کے کہ اصل ہے تمام موجودات کی اور آپ ہی سے تمام بلندی و پستی قائم ہے۔

ثنائے او نہ مقدورِ جہان ست
کہ کنہش برتر از کون و مکاں است

صدقے میں اس ذاتِ پاک کے جس کی ثناء سارے جہان سے ناممکن ہے، کیوں کہ اس

کی حقیقت کون و مکان سے بالاتر ہے۔

دلم از نقشِ باطل پاک فرما
براہِ خود مرا چالاک فرما

میرے دل کو نقشِ باطل سے پاک فرما دیجیے اور اپنے راستے میں (سلوک میں) ہم کو سلیم الفہم بنا دیجیے۔

بکش از اندرونم الفتِ غیر
بشو از من ہوائے ایں و آں دیر

میرے باطن سے غیر کی محبت دور کر دیجیے اور مجھے ایں و آں آلائشِ غیر سے پاک و صاف کر دیجیے۔

نوٹ: اصل نسخے میں ایں و آں کی جگہ کعبہ و دیر ہے، حضرت شیخ مرشدی پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ مولانا پر اس وقت کوئی حال غالب تھا، ہمارے لیے جائز نہیں کہ ہم ہوائے کعبہ سے بھی مستغنی ہونے کی دعا کریں۔ مغلوب الحال معذور ہے مگر ہم کیسے معذور ہو سکتے ہیں اس لیے اس جگہ ایں و آں دیر کا اضافہ فرما کر حضرتِ اقدس نے مصرعہ بھی موزوں فرما دیا۔

درونم را بعشقِ خویشتن سوز
بہ تیر دردِ خود جان و دلم دوز

میرے باطن کو یعنی میرے قلب و روح کو اپنے عشق کی آگ [111] سے بریاں کر دیجیے اور اے اللہ! اپنے درد کے تیر کو میرے دل اور جان میں داخل فرما دیجیے۔

دلم را محوِ یادِ خویش گرداں
مرا حسبِ مرادِ خویش گرداں

میرے دل کو اپنی یاد میں محو فرما لیجیے اور مجھ کو اپنی مرضی کے مطابق بنا دیجیے۔

---

[111] شاید اسی کا نام محبت ہے شیفتہ سینے میں ہے اک آگ سی ہر دم لگی ہوئی

اگر نالائقم قدرت تو داری
کہ خارِ عیب از جانم بر آری

اگرچہ میں نالائق ہوں لیکن آپ ایسی قدرت رکھتے ہیں کہ میری جان سے برائیوں کے کانٹوں کو نکال دیں۔

بخوبی زشت را مبدل نمائی
سیاہی ما بجنشی روشنائی

میری برائی کو بھلائی سے تبدیل کر دیجیے اور میرے گناہوں کی سیاہی کو نور سے تبدیل کر دیجیے۔

گناہم را اگر دیدی نگر ہم
بعفو و فضلِ خود اے شاہِ عالم

اگر آپ نے ہمارے گناہوں کو دیکھا ہے تو اے شاہِ عالم! اپنے فضل وعفو بیکراں کو بھی تو دیکھیے۔

بچشمِ لطف اے حکم تو بر سر
بحالِ قاسمِ بیچارہ بنگر

اے اللہ! اپنی نگاہِ لطف کے صدقے کہ آپ کا حکم سر آنکھوں پر ہے قاسم بیچارہ کے حال پر عنایت کی نظر فرما دیجیے۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ
وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ
بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِيْنَ

مثنوی اختر

مع ترجمہ

وارداتِ اخترؔ

ازعارف باللہ حضرتِ اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب دامت برکاتہم

ساحل سے لگے گا کبھی میرا بھی سفینہ
دیکھیں گے کبھی شوق سے مکہ و مدینہ

گو عشق کا موجود ہے ہر دل میں دفینہ
ملتا نہیں لیکن کبھی بے خون و پسینہ

اللہ رے یہ جوشِ محبت کی بہاریں
اک آگ کا دریا سا لگے ہے مرا سینہ

اے اشکِ ندامت میں ترے فیض پہ قرباں
برسا ہے جو عاصی پہ یہ رحمت کا خزینہ

ہے شرط کسی اہلِ محبت کی توجہ
ملتا نہیں ورنہ یہ محبت کا نگینہ

مانا کہ مصائب ہیں رہِ عشق میں اخترؔ
پر ان کے کرم سے جو اترتا ہے سکینہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

مثنویٔ اختؔر

از مولانا محمد اختر صاحب مدّ ظلہ

بداں کہ عبدیت و فنائیت حاصلِ دین و حاصلِ تصوف ہست و تکبر و خود بینی آں مرض ہست کہ عزازیل را شیطان کرد و شیطان ازیں نسخۂ آزمودہ سالکینِ راہِ حق را شیطان می سازد العیاذ باللہ العظیم۔

دربیانِ عبدیت و فنائیت و مذمتِ خود بینی و تکبر

(عبدیت و فنائیت اور خود بینی و تکبر)

ہر کہ خود را از ہمہ کمتر بدید
لا جرم او نزدِ حق باشد سعید

جس نے اپنے کو سب سے کمتر اور برا سمجھا بے شک وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سعید اور محبوب ہوتا ہے۔

ہر کہ خود را مستحق آتش بدید
رحمتِ حق از کرم سویش دوید

اور جس نے اپنے جرائم کے سبب اپنے کو دوزخ کا مستحق سمجھا حق تعالیٰ کی رحمت اس کی اس عبدیت کے سبب اسے دوڑ کر لے لیتی ہے۔

پندِ ایں آں شاہِ من عبدالغنیؒ
داد من آں ساکنِ چرخِ سنی

یہ نصیحت میرے مرشد حضرت مولانا شاہ عبد الغنی رحمۃ اللہ علیہ صاحب نے دی جو اس وقت عالمِ برزخ میں آرام فرما ہیں کہ

جہد کن اخترؔ تو در افنائے خویش
وصل کن از بحرِ حق دریائے خویش

اے اختر! تم اپنے کو مٹانے میں مسلسل کوشش کرتے رہنا اور اپنے دریائے وجود کو حق تعالیٰ کے بحرِ ناپید اکنار سے متصل کر دینا یعنی اس فانی وجود کو مٹا کر تعلق مع اللہ کی برکت سے حیاتِ ابدی حاصل کرنا۔

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق

ہرگز نہیں مرتا دل جو حق تعالیٰ کی محبت سے زندہ ہوتا ہے۔

از بہائم خویش را کمتر بہیں
جملہ خلقاں را ز خود بہتر بہیں

جانوروں سے بھی اپنے کو کمتر سمجھنا اور جملہ مخلوقات کو اپنے سے بہتر سمجھنا کیوں کہ خاتمے کی خبر نہیں۔

از کسے حق یومِ دیں راضی شود
بالیقیں او فخرِ دیں رازی بُوَد

میدانِ محشر میں جس بندے سے خدا راضی ہو گا بے شک وہ فخر الدین رازی کہلانے کا مستحق ہو گا۔

پس گمانِ افضلی اندر حیات
جز حماقت نیست ایں ظن اے ثقات

پس اپنے افضل ہونے کا گمان زندگی میں سوائے بیوقوفی اور احمقانہ گمان کے کچھ نہیں اے ثقہ حضرات!

ہر کہ خود بینی کند در راہِ دوست
شد مبدل مغزِ دینِ او ز پوست

جو شخص خود بینی کرتا ہے راہِ دوست میں اس کے دین کا مغز صرف پوست رہ جاتا ہے پس چھلکا بغیر مغز کس کام کا؟

پندِ ایں از شیخ سعدی را بگیر
دینِ کامل از دو لفظ او بگیر

یہ نصیحت حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کرلو اور ان کے دو لفظ سے دینِ کامل لے لو۔

از شہاب الدین سہروردیؔ بگفت
شاہِ ما را ایں دو گوہر داد مفت

اور یہ نصیحت انھوں نے اپنے شیخ شہاب سہروردی رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کی تھی اور ان ہی سے نقل فرماتے ہیں کہ میرے شاہ نے مجھے دو موتی نصیحت کے عطا فرمائے۔

عیبہائے خویش را ہر دم ببیں
عیبہائے خلق را ہرگز مبیں

ایک تو یہ کہ اپنے عیب اور برائی پر ہر وقت نظر رکھو، دوسرے یہ کہ تمام مخلوقات کی برائیوں سے چشم پوشی کرلو یعنی کسی مخلوق کی برائی مت دیکھو۔

زانکہ خلق اللہ عیال اللہ ہست
ہمچنیں قولِ رسول اللہ ہست

اس لیے کہ مخلوق عیالِ الٰہیہ ہے اور عیال اللہ کے ساتھ اچھے سلوک ہی سے اللہ کو راضی کرسکتے ہو اور یہ اسی طرح حدیث شریف میں وارد ہے۔

ہر کہ او بر خویش بد بینی کند
ہر کہ او بر غیر خوش بینی کند

جس نے اپنی برائیوں پر نظر رکھی اور جس نے دوسروں کی اچھائیوں پر نظر رکھی۔

پس یقیں می داں کہ خوئے خوش گرفت
دینِ کامل در کنارِ خود گرفت

تو یقین کرلو کہ اس نے بہت اچھی عادت پکڑلی اور دینِ کامل اپنی گود میں لے لیا۔

دربیانِ مذمتِ عجب

عجب خود را نیک و خوش پنداشتن
بر صفاتِ خود نظر انداختن

عجب نام ہے اپنے کو اچھا سمجھنا اور اپنی کسی صفت علم یا عمل یا حسن یا دولت ومال پر اس طرح نظر ڈالنا کہ ان کو عطائے حق نہ سمجھنا اور اپنا ذاتی کمال سمجھنا۔

او نمی داند کہ ایں جملہ صفات
ہست از حق مستعار اندر حیات

یہ بے وقوف یہ نہیں جانتا کہ یہ تمام خوبیاں اور نعمتیں انسان کے پاس حق تعالیٰ کی طرف سے مستعار (عاریت پر) عطا ہوئی ہیں جو موت کے وقت واپس لی جاویں گی اور دراصل یہ امانتیں چند روز کے لیے ہمارے پاس ہیں امتحان کے لیے کہ بندہ ان کو صرف ذاتی تعیش میں صرف کرتا ہے یا رضائے الٰہی کے مطابق صرف کرتا ہے۔

شکر کن و خویشتن بینی مکن
کن حذر از عجب و خود بینی مکن

شکر کرو اور اپنے کو بڑا یا اچھا نہ سمجھو اور اس بیماری سے پرہیز کرو، خود بینی مت کرو۔

عجب سالک را کند روباہ و خر
گرچہ باشد در طریقت شیر نر

عجب کی بیماری سالک کو لومڑی اور گدھا بنا دیتی ہے یعنی بزدل اور بے وقوف کر دیتی ہے اگرچہ بہت ہی باہمت شیرِ نر کی طرح ہو۔

الغیاث از عجب اے ربِّ کریم
تا نگردد دینِ ما ہمچو یتیم

اے ربِّ کریم! ہم پناہ مانگتے ہیں عجب سے تاکہ اس خطرناک بیماری سے ہمارا دین مثل یتیم نہ ہو یعنی آپ کی رحمت کے سائے سے ہم محروم نہ ہو جاویں۔

زانکہ معجب را ز خود وابستگی
در ضلالت شد سبب افگندگی

اس لیے کہ عجب میں مبتلا اپنی ذات سے وابستہ اور حق تعالیٰ سے دور رفتہ گمراہی میں جا گرتا ہے۔

ناظرِ حق مستحق رحمت شود
ناظرِ خود دور از رحمت بُوَد

جو بندہ حق تعالیٰ کی صفات پر نظر رکھتا ہے وہ مستحقِ رحمت ہوتا ہے اور جو اپنی صفتوں کو دیکھتا رہتا ہے وہ رحمت سے دور ہو جاتا ہے۔

ہمچنیں عاشق کہ معشوقے بدید
پیشِ آں معشوق روئے خود بدید

جس طرح کوئی عاشق اپنے محبوب کے پاس ہو اور بجائے محبوب کے حسن و جمال کے اپنے ہی چہرے کو شیشے میں دیکھ رہا ہو۔

پس چرا غیرت نہ آید دلبراں
ہمچنیں عشاق را چو خر براں

پس ایسے عاشق سے محبوب کو غیرت کیوں نہ آوے گی اور مثل گدھے کے ایسے عاشقوں کو راہِ عشق سے ہانک دینا چاہیے۔

دربیانِ مذمتِ حسد

حاسد اں را در تقرب راہ نیست
زانکہ نیکی با حسد ہمراہ نیست

حاسدوں کو اللہ تعالیٰ کے قرب سے کوئی واسطہ نہیں کیوں کہ حسد کے ساتھ نیکیاں جمع نہیں ہوتی ہیں۔

مصطفیٰؐ فرمود نیکی را حسد
ہمچو آتش چوب ہا رامی خورد

جیسا کہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حسد نیکیوں کو اس طرح کھاتا ہے جس طرح آگ لکڑیوں کو۔

ہست پنہاں ایں خباثت در حسد
اعتراض اندر قضائے حق رسد

حسد کی بیماری میں یہ خباثت پوشیدہ ہے کہ حاسد کے دل میں حق تعالیٰ کے فیصلے پر اعتراض پیدا ہوتا ہے کہ فلاں کو اتنا مال یا یہ عزت کیوں حاصل ہے۔

حق دہد نعمت کسے از فضلِ خویش
در جگر حاسد چرا یا بندہ ریش

حق تعالیٰ اپنے فضل سے کسی کو نعمت دیتے ہیں تو حاسد اپنے جگر میں کیوں حسد کا زخم محسوس کرتا ہے۔

کن نظر بر منعمے اے بوالفضول
رو ازو می خواہ نعمت اے جہول

اے بے ہودہ حاسد! نعمت دینے والے پر نظر کر اور حسد کی آگ میں جلنے کے بجائے جا اور نعمت دینے والے سے نعمت طلب کر۔

از قضائے حق مشو در دل ملول
بندہ شو ہم بندگی را کن قبول

اے حاسد! حق تعالیٰ کے فیصلے سے رنجیدہ نہ ہو، بندہ بن کر رہ اور بندگی کو قبول کر۔

مصطفیؐ فرمود تبدیلِ قضا
ہست ممکن بندگاں را از دعا

مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تو فیصلۂ خداوندی کو تبدیل کرا سکتا ہے اور بندوں کے لیے یہ دعا سے ممکن ہے:

لَا یُرَدُّ الْقَضَآءُ اِلَّا بِالدُّعَآءِ[۱۲]

نہیں لوٹائی جا سکتی قضا (فیصلہ) مگر دعا سے یعنی اگر تجھے مال و دولت یا عزت کم ملی اور کسی کو زیادہ تو زیادہ والے پر حسد سے تجھے کچھ نہ ملے گا سوائے جلن کے عذاب کے پس اگر تو بھی یہ نعمتیں چاہتا ہے تو دعا سے خدا کا فیصلہ اپنے حق میں کرا لے۔ اگر حسد کے تقاضے پر عمل نہ کرے اور اختیاری طور پر محسود کے لیے دعائے فلاحِ دارین کرتا رہے تو پھر نفس مادہ حسد پر کچھ مواخذہ نہیں۔

از حسد تو آتشِ غم می خوری
معترض ہستی ز بندہ پروری

حسد کے سبب تو غم کی آگ کھا رہا ہے اور حق تعالیٰ کی بندہ پروری پر اعتراض کر رہا ہے۔

زیں حماقت گر نہ مستغفر شدی
تا بدوزخ عاقبت اندر رسی

اگر تو اس حماقت سے توبہ نہ کرے گا تو بالآخر تو دوزخ میں پہنچے گا۔

در حسد شد اعتراضے بر قضا
نیست ایماں جز بہ تسلیم و رضا

---

[۱۲] صحیح ابن حبان: ۱۵۳/۳، (۸۷۲)، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت

حسد سے تقدیر پر اعتراض لازم آتا ہے اور رضا بالقضا کے بغیر ایمان کامل نہیں ہوسکتا۔

ہر کہ او خواہد کہ او مُنْعَمْ شود
باید اورا عاشقِ مُنْعِمْ بُوَد

جو شخص چاہے کہ وہ بھی نعمتِ خداوندی سے مالامال ہو تو کسی پر حسد کے بجائے نعمت دینے والے پر عاشق ہوجاوے اور میاں سے رابطہ قائم کرلے۔

دربیانِ نقصانِ غیبت وخوئے تنقید وعیب جوئی

(غیبت اور تنقید اور عیب جوئی کی بُرائی کا بیان)

ہر کہ او غیبت شعاری می کند
خویش را از نورِ ناری می کند

جو شخص دوسرے بھائیوں کی برائی کرتا ہے وہ نور سے دور ہوکر دوزخ کی آگ کی طرف جارہا ہے۔

مصطفی گفت از زنا غیبت اشد
پس بداں غیبت چہ باشد خُلقِ بد

مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ غیبت زنا سے بھی زیادہ بھاری گناہ ہے پس اندازہ کرلو کہ یہ عادت کس قدر بری عادت ہے۔

فائدہ: بعض لوگ کہتے ہیں کہ سچ بات کہنے میں کیا ڈر یہ برائی تو میں اس کے منہ پر بھی کہہ دوں تو معلوم ہونا چاہیے کہ یہی تو غیبت ہے یعنی اپنے بھائی کے اس عیب اور برائی کو مجلس میں ذکر کرنا کہ اگر وہ موجود ہو تو اس کو برا اور ناگوار معلوم ہو اسی کا نام غیبت ہے جو حرام ہے اور اگر وہ عیب اس میں نہ ہو تب تو اس کا نام بہتان ہے۔

عِلّتِ غیبت بود کبرِ خفی
بر زباں غیبت تکبر مختفی

غیبت وہی کرتا ہے جس کے دل میں اپنی بڑائی ہوتی ہے زبان سے غیبت نکلتی ہے اور دل میں تکبر بھرا ہوتا ہے۔

ہر کہ غیبت می کند محروم شد
از زبانش خلقہا مظلوم شد

جو غیبت کرتا ہے وہ محروم ہوتا ہے، اس کی زبان سے مخلوقِ خدا کی عزت مظلوم ہوتی ہے۔

پس چرایا بد ز خلاقِ جہاں
لطف و اکرامش میانِ دو جہاں

پس ایسا ظالم شخص خالق کائنات سے کب عزت اور انعامات پاسکتا ہے دونوں جہان میں۔

عیب جوئی تبصرہ تنقیدِ خلق
ہست شیوہ جملہ محروماں ز حق

جو شخص دوسروں کی برائی بیان کرتا ہو اور دوسروں پر تنقید اور تبصرہ کرنے کا عادی ہو تو سمجھ لو کہ یہ عادت ان ہی لوگوں کی ہوتی ہے جو خداوند تعالیٰ کے قرب سے محروم ہوتے ہیں۔

دوست را کے فرصتے از یادِ دوست
خلق را ہم دوست دارد بہرِ دوست

ورنہ دوست کو کب فرصت ہوتی ہے کہ وہ اپنے دوست (محبوبِ حقیقی) کی یاد سے فرصت پاکر ان گندی باتوں میں وقت ضایع کریں، اللہ تعالیٰ کے اولیاء تو مخلوقِ خدا سے بھی دوستی اور محبت رکھتے ہیں اپنے رب کی طرف خوشنودی حاصل کرنے کے لیے۔[۱۱۳]

---

[۱۱۳] غیبت سے بعض صورتیں مستثنیٰ ہیں جن کو کسی عالم سے معلوم کرلیں۔

در بیانِ مذمتِ بد نگاہی

بد نگاہی کے بیان میں

یعنی عورتوں اور لڑکوں کو شہوت کی نظر سے دیکھنا۔ اچانک نظر معاف ہے مگر ایک نظر اچانک کے بعد پھر دوسری بار دیکھنا حرام ہے۔

سالکے کو بد نگاہی می کند
نیست سالک عیشِ باہی می کند

جو سالک بد نگاہی کرتا ہے وہ سالک نہیں محض عیشِ باہی کرنے والا ہے۔

ہر کہ بیند امردے نا محرمے
او ز نور افتد بچاہِ مظلمے

جو شخص کسی امرد (لڑکا) یا اجنبیہ عورت کو دیکھتا ہے وہ نور سے نکل کر تاریکی کے کنویں میں گر جاتا ہے۔ یعنی نورِ قرب چھن جاتا ہے۔

نورِ باطن از نگاہِ بد رود
بد نگاہے کور باطن می شود

دل کا نور بد نگاہی سے ختم ہو جاتا ہے اور بد نگاہی کرنے والا دل کا اندھا ہو جاتا ہے۔

نورِ تقویٰ می برد تا شاہِ جاں
بد نگاہی می برد تا مرد گاں

تقویٰ کا نور خدا تک لے جاتا ہے اور بد نگاہی ان مردہ لاشوں تک لے جاتی ہے جن کو گھورتا ہے۔

الحذر از بد نگاہی الحذر
فسق و تقویٰ ہر دو ضد اند اے پسر

پرہیز کرو بد نگاہی سے کیوں کہ تقویٰ اور فسق دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں۔

بد نگاہ ہے کے شود یار خدا
ہست تقویٰ شرطِ دربارِ خدا

بد نگاہی کرنے والا اللہ کا دوست نہیں ہو سکتا ہے کیوں کہ حق تعالیٰ نے اپنی دوستی کے لیے تقویٰ کو شرط ٹھہرایا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہمارا ولی کوئی نہیں بجز متقی بندوں کے۔

بد نگاہ ہے نیست درباریِ حق
ہست تقویٰ شرطِ در یاریِ حق

بد نگاہی کرنے والا حق تعالیٰ کا درباری نہیں ہو سکتا کیوں کہ ان کے دربار کے لیے تقویٰ شرط ہے۔

فاسقی را عاشقی نامش دہی
خویش را تو خود فریبے می دہی

اے شخص! تو بد نگاہی کرتا ہے اور نافرمانی کا نام عشق رکھتا ہے پس تو اپنے کو دھوکا دے رہا ہے کہ فسق کو عشق سمجھتا ہے۔

مشرقے را نام گر مغرب دہی
تو بمغرب کے رسی زیں ابلہی

مشرق کا نام مغرب رکھنے سے کیا تو اس بیوقوفی سے مغرب کی طرف پہنچ سکتا ہے؟

در شریعت بد نگاہی فسق شد
پس چرا فسقِ تو پیشت عشق شد

(جب شریعت میں بد نگاہی کو فسق قرار دیا گیا تو کیوں یہ فسق تیری نظر میں عشق بن رہا ہے۔

فاسقے از اولیاء اللہ نہ شد
تا نہ پاک از عشق غیر اللہ نہ شد

کوئی فاسق اولیاء اللہ نہیں ہو سکتا ہے پس اس فعلِ بد نگاہی سے اے سالک! توبہ ضروری ہے۔ جب تک غیر اللہ سے دل پاک نہ ہوگا، اللہ کا ولی نہیں ہو سکتا۔

دربیانِ حصولِ استقامت

(استقامت کے حصول کا بیان)

استقامت گر ہمی داری عزیز
رو روا ے جاں زود کن ذکرِ عزیز

اگر تو اے سالک! استقامت چاہتا ہے تو جا اور ذکر کا اہتمام کر، ناغہ مت کر۔

اُثْبُتُوْا را عون باشد اُذْکُرُوْا
بہرِ ایں قرآں بگوید اذکروا

ثبات قدمی کا امر جو اُثْبُتُوْا میں مذکور ہے اس کی تدبیر بھی اسی کے بعد اُذْکُرُوا اللهَ کَثِیْرًا مذکور ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک میں ثبات قدمی کا سہل طریقہ بتادیا کہ کثرتِ ذکر اللہ ہی سے استقامت عطا ہوگی۔

نوٹ: اور کثرتِ ذکر کو خود تجویز نہ کرو بلکہ مرشد سے تجویز کرا لو ورنہ اتنا زیادہ کروگے کہ پاگل ہوجاؤ گے کیوں کہ انسان فطرۃً حریص ہے۔

ہر کہ ذاکر نیست کے ثابت شود
ہر کہ غافل ہست کے قانت شود

جو ذکر کا پابند نہیں وہ ثابت قدم بھی نہیں ہوگا اور گناہوں سے بچنا اس کو بہت مشکل ہوجاوے گا، جو غافل ہوتا ہے وہ قربِ خاص سے محروم ہوتا ہے۔

ہست کو غافل ز ذکرِ آں شہے
نیست او را استقامت یکدمے

جو شخص حق تعالیٰ کے ذکر سے غافل ہوتا ہے اس کو ایک سانس بھی استقامت حاصل نہیں۔

استقامت گر ہمی خواہی برو
ذکر کن در راہِ گمراہی مرو

استقامت اگر چاہتے ہو تو جاؤ اور ذکر کرو اور گمراہی میں نہ پڑو۔

دربیانِ حصولِ استقامت از مثالِ قطب نما

(استقامت کے حصول کی مثال قطب نما سے)

بشنواز من ایں مثالِ خوشنما

اے کہ دیدی بارہا قطبِ نما

مجھ سے ایک مثال سنو کہ آپ نے بارہا قطب نما دیکھا ہوگا۔

استقامت ہست اورا در شمال

گرچہ گردانی بہر سو از شمال

ہر وقت اس کی سوئی شمال کی طرف مستقیم رہتی ہے اگرچہ قطب نما کو کسی طرف بھی چکر دو مشرق یا مغرب یا جنوب مگر اس کی سوئی شمال ہی کی طرف ہو جاتی ہے۔

ایں ز مقناطیس حاصل می شود

بر فلک ہم جنسیِ او می کشد

یہ بات اس قطب نما کو کیوں حاصل ہے اس وجہ سے کہ اس کی سوئی میں مقناطیس کا مادّہ لگا ہوا ہے جس کے سبب فلک پر قطب ستارہ کا مرکز جہاں مقناطیس کا خزانہ ہے ہم جنسی کے سبب اس سوئی کو اپنی طرف کھینچے رکھتا ہے۔

وزنہا دارد حدیدے گر دروں

گر ندارد آں کشش باشد زبوں

دوسرے لوہے میں جس قدر وزن بھی ہو مگر اس کو یہ استقامت حاصل نہیں جو قطب نما کی ذرا سی سوئی کو حاصل ہے۔

ہمچنیں بر قلب نورِ حق بزد

تا کہ نورِ حق بسوئے حق کشد

اسی طرح اپنے دل میں ذکر کے اہتمام اور التزام سے اللہ تعالیٰ کا نور حاصل کرو تا کہ

تمہارے دل کو اس نور کی بدولت وہ مرکزِ نور جو صاحبِ عرش ہے اور نور السمٰوٰت والارض ہے جذب سے اپنی طرف مستقیم رکھے۔ چناں چہ تجربہ ہے کہ ذکر کرنے والوں اور ذکر نہ کرنے والوں کی استقامت میں نمایاں فرق ہوتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ ذکر سے نورِ حق پیدا ہوتا ہے پس اس نورِ حق سے منور دل کو حق تعالیٰ کا نور اپنی طرف کھینچے رکھتا ہے جس طرح قطب نما کی سوئی میں لگے ہوئے مقناطیس کے سبب قطب ستارہ کا مقناطیس اس کو ہر وقت شمال کی طرف کھینچے رکھتا ہے، یہ مثال حق تعالیٰ نے احقر کے قلب میں محض اپنی رحمت سے عطا فرمائی ہے۔ ذٰلِكَ مِمَّا خَصَّنِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی۔

ہر کہ او از ذکرِ حق غافل شود
نورِ حق کے سوئے او مائل شود

جو ذکرِ حق سے غافل ہوتا ہے نورِ حق اسے جذب نہیں کرتا۔

پس برو اے جاں تو ذکر اللہ کن
ذکرِ حق ایں بہرِ نور اللہ کن

پس اے جان! جا اور ذکر اللہ میں مشغول ہو جا اور نورِ حق حاصل کرنے کے لیے ذکرِ حق کرنا شروع کر دے۔

نورِ حق را نورِ حق جاذب شود
نورِ حق را ذکرِ حق جالب شود

نور، نور کو جذب کرتا ہے اور نورِ حق ذکرِ حق سے پیدا ہوتا ہے۔

دربیانِ نفعِ ذکر درحالتِ تشویش وافکار

(ذکر کا نفع تشویش اور عدم یکسوئی کے باوجود ہوتا ہے)

بعض سالک گفت در فکر و ہموم
من چگونہ ذکر را آرم لزوم

بعض لوگ کہتے ہیں کہ فکر اور تشویش میں ذکر کس طرح کیا جاسکتا ہے کہ دل غیر حاضر اور زبان ذاکر ہو۔

قلبِ پُر تشویش وجاں بے کیف را
ذکر را چہ نفع ایں دو حیف را

قلبِ پُر تشویش اور جان بے کیف کو ذکر سے کیا نفع ہوگا؟

پس بگویم ایں خیالاتِ شما
ہست از شیطان استادِ دغا

پس میں کہتا ہوں یہ تمہارے خیالات شیطان کی طرف سے ہیں جو مکر و فریب کا استاد ہے۔

تا ترا از ذکرِ غافل می کند
درلعب در لہو شاغل می کند

تاکہ تجھ کو ذکر سے غافل کردے اور لہو ولعب میں مشغول کردے۔

تو دریں افکارِ گردو پیش ہا
ہیں مخور بر دل ازانہا ریش ہا

تجھے چاہیے کہ اپنے ان افکار گردو پیش کے باوجود اپنے دل پر زخمِ افکار مت کھا تارہ۔

اندریں افکار ہم غافل مشو
ذکر کن ہم ذکر کن کاہل مشو

بلکہ ان ہی افکار کی حالت میں ذکر شروع کر دے اور ناغہ مت کر کہ ذکر سے غفلت اچھی چیز نہیں۔

آں زماں تاجر کہ در دکّانِ خویش
در تفکر می خورد بر خوانِ خویش

آں غذا ہم خون پیدا می کند
در قویٰ افزوں پیدا می کند

ایک مثال سنو وہ یہ کہ تاجر دوکان پر گاہکوں کے ازدہام میں کھانا کھاتا ہے اور دل کو سکون اس وقت کہاں ہوتا ہے مگر وہ کھانا حلق سے اتر کر خون ہی بناتا ہے اور اعضا میں طاقت بڑھاتا ہے۔

پس غذائے باطنی شد ذکرِ حق
از زباں پیدا فزاید نورِ حق

پس اسی طرح باطنی اور روحانی غذا ذکر اللہ ہے، جس حالت میں بھی اللہ کا نام لوگے خواہ دل کتنا ہی غیر حاضر یا مشوش ہو زبان پر اللہ کا نام جاری ہونے پر وہ نور ہی پیدا کرے گا۔

غرق باشی گرچہ در افکارہا
ذکر پیدا می کند انوارہا

خواہ افکار میں کس قدر غرق ہو لیکن اس حالت میں بھی ذکر نور ہی پیدا کرتا ہے۔

گفت قطب شیخ گنگوہی رشیدؒ
ذکر را یابی بہر حالت مفید

حضرت شیخ قطب مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ ذکر ہر حالت میں مفید ہے خواہ دل حاضر ہو یا تشویش میں ہو۔

دربیانِ لذتِ ذکرِ محبوبِ حقیقی

(ذکر اللہ کی لذت کا بیان)

عاشقے کو ذکرِ حق دائم کند
روح بر عرشِ بریں قائم کند

جو عاشق ذکر ہمیشہ کرتا ہے وہ روح کو زمین پر رہتے ہوئے عرشِ بریں پر قائم کرتا ہے یعنی قرب کا اعلیٰ مقام پالیتا ہے۔

نورِ حق از ذکرِ حق در جاں رسد
از زباں در دل ز دل تا جاں رسد

نورِ حق ذکرِ حق سے جان میں داخل ہوتا ہے اور اس طرح کہ زبان سے جب اللہ کا نام جاری ہوتا ہے تو اس کا نور دل میں پھر دل سے جان تک منتقل ہوجاتا ہے اور قلب وروح دونوں منور ہوجاتے ہیں۔

ذکرِ حق اے دل برائے عاشقاں
ہمچو مرہم ہست بر زخمِ نہاں

اے دل! خدا کا ذکر عاشقوں کے لیے مثلِ مرہم کے ہے ان کے پوشیدہ زخمی دلوں کے لیے۔

سیر گردد روح از ہر دو جہاں
نامِ او چو بر زباں گردد رواں

ذکر کی برکت سے دل دونوں جہان سے سیر چشم ہوجاتا ہے۔

من چہ گویم لذتِ نامِ خدا
لذتِ ہر دو جہاں پیشش گدا

میں کیا کہوں کہ کیا لطف ہے ذکر میں۔ ارے! دونوں جہاں کی لذت اس کے لطف کے سامنے ہیچ اور بے قدر ہے۔

کیں ہمہ لذاتِ جملہ کائنات
از خدا پابند ہستی و صفات

کیوں کہ تمام کائنات کی لذتیں حق تعالیٰ ہی سے توجود اور اپنے اندر لذت پاتی ہیں۔

لذتِ کون و مکاں ہر دو جہاں
ایں ہمہ مخلوق از خالق بداں

اور لذتِ کون ومکان دوجہان کو حق تعالیٰ ہی تو پیدا کرتے ہیں۔

پس چہ باشد لذتِ خود آں شہے
کو ہمہ لذات را سر چشمہے

پس کیا لذت ہوگی اس شاہِ حقیقی کے نام میں جو تمام لذتوں کا مرکز اور سر چشمہ ہے۔

جانِ جملہ لذتِ ایں کائنات
ہست در اسمِ معظم اسمِ ذات

جملہ کائنات کی لذت میں روح اللہ پاک کے نام ہی سے تو آتی ہے۔

ایں مثالِ لطفِ نامِ پاک ذات
ہست بہرِ فہم و عقلِ ناقصات

یہ مثال میاں کے نام کے لطف کی محض ناقص عقل اور فہم کے لیے ہے۔

ورنہ چہ نسبت بود زاں لذتے
کو بسازد انبیاء را عاشقے

ورنہ کیا نسبت ہے اس کو اس نامِ پاک کی لذت سے جو نبیوں اور پیغمبروں کو مجنون کرتی ہے۔

ورمِ پائے سیدِ ہر دو جہاں
در قیامِ شب بہ پیشِ شاہ جاں

سید دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں مبارک میں سوج آنا رات کی نماز میں طویل قیام سے۔

ہست شاہد لذتِ اذکار را
زیں عمل بیں سید الابرار را

لذتِ ذکر و عبادت پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم گواہ ہیں اور آپ کے اس عمل سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام پہچانو۔

زیں سبب عشّاقِ حق اندر جہاں
بے سروساماں شدند رشکِ شہاں

اس دولت کے سبب عاشقانِ حق اس جہان میں بے سروسامانی کے باوجود رشکِ سلاطین ہوتے ہیں۔

از بیانِ یادِ حق قاصر شدم
گرچہ اندک در سخن ناشر شدم

میں لذتِ ذکرِ حق بیان کرنے سے قاصر ہوں اگرچہ کچھ کچھ بیان میں اس خوشبو کا ناشر ہوں۔

روایت در استدلال لذتِ ذکرِ محبوبِ حقیقی

(لذتِ ذکر کی روایت)

ایں روایت در خبر منقول بود
در عبادت مصطفیٰؐ مشغول بود

یہ روایت حدیث شریف میں منقول ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ عبادت میں مشغول تھے۔

در تجلّی غرق شد عقلِ تمام
عائشہؓ را مصطفیٰؐ پُر سید نام

توالیٔ تجلیات (پیہم جلوؤں) سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عقلِ کامل متحیر ہو رہی تھی حتیٰ کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو پہچاننے سے قاصر ہوئی اور دریافت کیا: تمہارا نام کیا ہے؟

گفت مَنْ اَنْتِ چو آمد عائشہؓ
گفت از ازواجِ تو ایں عائشہؓ

جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حاضرِ خدمت ہوئیں تو آپ نے دریافت کیا: تم کون ہو؟ عرض کیا: عائشہ (رضی اللہ عنہا)، ارشاد ہوا: کون عائشہ: عرض کیا: میں آپ کی ازواج مطہرات سے ہوں۔

گفت مَنْ اَنْتِ ندانم من ترا
گفت بنتِ بوبکرؓ یا مصطفیٰؐ

ارشاد ہوا: تم کو میں نہیں جانتا۔ عرض کیا: میں ابو بکر (رضی اللہ عنہ) کی بیٹی ہوں۔

گفت مَنْ بُوبَکْرٌ مارا علم نیست
گفت نامِ بوقحافہ پدرِ ویست

ارشاد ہوا: میں ان کو بھی نہیں جانتا، عرض کیا: وہ ابوقحافہ کے بیٹے ہیں۔

گفت از وے می ندانم ایں و آں
من نمی دانم کسے را در جہاں

عائشہؓ زیں حالِ آں پاکِ رسول
محوِ حیرت گشت واپس شد ملول

ارشاد ہوا: میں کسی کو اس جہان میں نہیں جانتا۔

نمودِ جلوۂ بے رنگ سے ہوش اس قدر گم ہیں
کہ پہچانی ہوئی صورت بھی پہچانی نہیں جاتی

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس حالت سے محوِ حیرت ہو کر رنجیدہ واپس ہوئیں۔

چوں افاقہ شد رسول اللہ را
گفت زو حال رسول اللہ را

پھر جب حق تعالیٰ نے روحِ مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کو امت کی خدمت کے لیے

مقامِ نزول بخشا جو اس عروج سے بھی اعلیٰ مقام ہے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سب حالات بتائے۔

مصطفیٰؐ فرمود بشنو عائشہؓ
روحِ ما ز فلاک باشد فائقہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سن کر ارشاد فرمایا: اے عائشہ! سنو میری روح غایتِ قربِ خداوندی سے ہفت افلاک سے فائق تھی۔

آں تجلی آں زماں حق می نمود
اندریں تن شمۂ ہوشے بنود

اور میری روح ایسی قوی تجلّی کا مشاہدہ کررہی تھی کہ میرے عناصرِ بدن اپنے حواس کو سلامت نہ رکھ سکے۔

دید جانم آں تجلّی آں زماں
جبرئیلے را تحمّل نیست زاں

میری روح وہ تجلّیاتِ خداوندی دیکھ رہی تھی کہ اس کا تحمّل حضرت جبرئیل علیہ السلام بھی نہیں کرسکتے۔

جانِ ما چو لذتِ حق را چشید
عقلِ مادر عائشہؓ شد نارسید

ہماری روح جب قربِ حق سے لذت حاصل کررہی تھی تو ہماری عقل اس وقت عائشہ رضی اللہ عنہا کو پہچاننے سے قاصر ہوگئی۔

در بیانِ نمازِ تہجد

عاشقِ حق پیشِ حق اندر نماز
آخرِ شب می کند راز و نیاز

عاشقِ حق نمازِ تہجد کے اندر حق تعالیٰ کے سامنے آخر شب میں راز و نیاز کی مناجات کرتا ہے۔

خلقہا در خواب چوں نائم شود
جانِ مضطر در سحر قائم شود

مخلوق جب کہ پڑی سوتی ہے عاشقوں کی جانِ مضطر پچھلے پہر اپنے رب کے سامنے قائم ہوتی ہے۔ (المراد بہ قیامِ تہجد)

جملہ عالم آں زماں در خواب شد
عاشقِ رب بہرِ رب بے تاب شد

جملہ کائنات اس وقت محوِ خواب ہوتی ہے اور عاشق اپنے رب کے لیے بے تاب ہوتا ہے یعنی تارکِ خواب ہو کر تہجد پڑھتا ہے۔

دردِ عشق از خوابِ بیروں می کشد
جذبِ حق ایشاں ز آب و گل کشد

اس کا دردِ عشق خواب سے بیدار کر دیتا ہے اور جذبِ حق تقاضائے عناصر سے اس کو آزاد کر کے اپنی طرف کھینچتا ہے۔

عاشقاں را ایں بُوَد آرام جاں
کہ رسانند آہ را تا آسماں

عاشقانِ حق کا آرامِ جان یہی ہے کہ وہ اپنی آہ کو آسمان تک رسا کرتے ہیں۔

خاصہ آں آہِ سحر گاہی بود
کو زِ رمزِ عشق آگاہی بود

خاص کر وہ آہ سحر گاہی تو عشق حق کے رمز سے آگاہی دیتی ہے۔

نالہ ہائے نیم شب آہِ سحر
شد دوائے دردِ دل دردِ جگر

دردِ دل اور دردِ جگر کے لیے دوا یہی نالہ ہائے شب اور آہِ سحر ہوتی ہے۔

عشق سازد دردِ دل دردِ جگر
عشق گیر از بے دلاں از بے جگر

اور دردِ دل اور دردِ جگر عشق پیدا کرتا ہے اور عشق کو حاصل کرو ان سے جو بے دل اور بے جگر ہیں یعنی اپنے دل اور جگر عشقِ حق کے سپرد کرچکے ہیں۔

چوں فدا کردی بحق دل و جگر
تو شوی از بے دلاں و بے جگر

جب تو نے اپنے دل و جگر کو یعنی ان کی خواہشات کو حق تعالیٰ کی مرضیات پر فدا کردیا تو اب تو بھی بے دل اور بے جگر ہوگیا۔

دادنِ دل و جگر در راہِ دیں
نیست ممکن جز بفیضِ پیرِ ایں

لیکن دل و جگر دین کی راہ میں فدا کرنا بدونِ پیرِ کامل کے فیض کے آسان نہیں ہے۔

در بیانِ توبہ و استغفار

چوں بہ بینی از بلاہا و از کروب
در سحر گو ایں کہ ربِّ اغْفِرْ ذُنوب

جب تو دیکھے اپنے اوپر بلا اور تکالیف تو پچھلے پہر نصف رات کے بعد اپنے رب سے استغفار کر۔ کیوں کہ گناہوں کے سبب یہ بلائیں آتی ہیں۔

شیخ را دیدم کہ در وقتِ سحر
سجدہ گہ را می کند اشکِ تر

میں نے اپنے شیخ کو دیکھا کہ آخر شب میں ہر دو رکعت تہجد کے بعد سجدے میں بہت رویا کرتے تھے اور نہ جانے کیا کیا اللہ تعالیٰ سے دیر تک عرضِ راز و نیاز کیا کرتے تھے۔

سجدہ گاہِ عاشقانِ ربِّ دیں
رشک آرد آسماں را برز میں

عاشقوں کی سجدہ گاہ جب ان کے آنسوؤں سے تر ہوتی ہے تو آسمان کو باوجود اپنی رفعت وبلندی کے اس حصۂ زمین پر رشک آتا ہے۔

سالکے کو سوئے حق عازم بود
توبہ از عصیانِ حق لازم بود

جو سالک حق تعالیٰ کے راستے کو قطع کرنا چاہتا ہو اسے لازم ہے کہ وہ ہر گناہ سے صدقِ دل سے توبہ کرلے۔

چوں گنہ در راہِ حق حاجب بود
توبہ پس از ہر گنہ واجب بود

جب حق تعالیٰ کے راستے میں گناہ رکاوٹ ہیں تو سالک پر ہر گناہ سے توبہ بھی لازم ہے ورنہ اس راستے میں ترقی کے بجائے تنزل شروع ہو جائے گا۔

غرق باشی گرچہ در عصیانِ حق
ہیں مشو نومید از غفرانِ حق

اگرچہ تو گناہوں میں غرق ہو لیکن خبردار! حق تعالیٰ کی بخشش سے ناامید مت ہونا۔

توبہ را یابی تو مَحَّاءُ الذُّنُوب
پیشِ آں سلطانِ غفار الذنوب

اے مخاطب! جب تو اس سلطانِ حقیقی غفّار الذنوب سے معافی طلب کرے گا اور صدقِ دل سے توبہ کرے گا تو اپنی توبہ کو تمام گناہوں کا مٹانے والا پائے گا۔

ہر کہ او توبہ کند ربِّ غفور
معاف گرداند ازاں جملہ قصور

جو شخص توبہ کرتا ہے تو ربِّ غفور اس کے تمام قصور معاف کر دیتا ہے۔

ہمچنیں فرمود وعدہ حق ز ما
چوں کنی توبہ تو گشتی پارسا

حق تعالیٰ نے ہم سے یہی وعدہ فرمایا ہے کہ جب تم توبہ کروگے اسی وقت نیک اور پارسا ہو جاؤگے۔

در قبولِ توبہ داں ایں راز نیز
گریہ کن یا نقلِ گریہ اے عزیز

قبولیتِ توبہ کے لیے یہ راز بھی جان لو کہ اس وقت رونا یا رونے والوں کی نقل کرنا بہت کام آتا ہے۔

چوں گنہ آری شوی از قربِ دور
می دہد توبہ ترا قرب و حضور

گناہ تم کو خدا سے دور کرتا ہے اور توبہ تم کو پھر خدا سے قریب کر دیتی ہے۔

وقتِ توبہ چوں تضرّع را بگیر
عہدِ ترکِ معصیت را ہم بگیر

وقتِ توبہ جب گریہ وزاری کرو تو یہ ارادہ اور عہد بھی کرنا ضروری ہے کہ اب آیندہ یہ گناہ نہ کریں گے۔

بر زباں توبہ و ہم عزمِ گناہ
نیست توبہ نزدِ حق اے روسیاہ

اگر زبان سے تو توبہ توبہ ہو اور دل میں گناہ کرنے کا ارادہ بھی ہو تو یہ توبہ نہیں ہے توبہ کے لیے عزم علی التقویٰ بھی ضروری ہے کہ اب آیندہ گناہ نہ کریں گے۔

وقتِ توبہ گریہ از خونِ جگر
عرش لرزد از ترحم زیں ہنر

وقتِ توبہ خونِ جگر کے ساتھ رونے سے عرشِ الٰہی رحمت سے ہلنے لگتا ہے۔

قطرۂ اشکِ ندامت در سجود
ہمسری خونِ شہادت می نمود

ندامت کے سبب جو آنسو گناہ گاروں کے سجدوں میں گرتے ہیں وہ شہیدوں کے خون کے برابر وزن کیے جاتے ہیں۔ جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے۔

دربیانِ مذمتِ غضب

بیانِ غضب (غصہ)

گر غضب آید ترا بر ناکسے

قہرِ حق را یاد کن آں دم بسے

اگر تجھے کسی خطاکار پر غصہ آگیا تو فوراً حق تعالیٰ کے قہر اور غصہ کو یاد کر۔

عفو کردی گر خطائے بندگاں

عفو یابی از خدائے دو جہاں

اگر تو نے آج حق تعالیٰ کے بندوں کی خطاؤں کو معاف کیا تو میدانِ محشر میں دونوں جہان کے مالک سے تو بھی معافی پائے گا۔

یاد کن تو جرمہائے خویش را

کے شود زیبا غضب درویش را

یاد کر واپنے گناہوں کو، صوفی کے لیے یہ غصّہ زیب نہیں دیتا۔

کاظمین الغیظ را خواں اے پسر

از خطائے خلقِ عالم در گزر

اے لڑکے! کاظمین الغیظ کی آیت تلاوت کر کہ حق تعالیٰ نے نیک بندوں کی یہ تعریف کی ہے کہ وہ لوگ غصہ کو پی جاتے ہیں (غصہ ان کو نہیں پی سکتا ہے) پس مخلوق کی خطاؤں کو معاف کر دیا کرو۔

صبر بر خود لطفِ بہرِ دیگراں

ہست ایں از سنتِ پیغمبراں

اپنے اوپر تکالیف برداشت کرنا اور دوسروں پر مہربانی کرنا پیغمبروں کی سنت ہے۔

عفو خواہی روزِ محشر اے فقیر
بر خلائق عفو را محکم بگیر

اگر روزِ محشر تو خدا سے عفو چاہتا ہے تو خدا کی مخلوق کے ساتھ تو ان کی خطاؤں کو معاف کرنے کی عادت ڈال لے۔

رحم خواہد بہرِ خود ہر مجرمے
پس چرا خواہد غضب بر دیگرے

جب ہر خطاکار اپنے قصور کی معافی اور رحم کو محبوب سمجھتا ہے تو پھر جو اپنے لیے پسند کرتے ہیں وہی دوسروں کے لیے پسند کرنا چاہیے نہ کہ دوسروں کے لیے غضب اور غصہ کو روا رکھیں۔

چوں بجوشد قہرِ تو بر خلقہا
دور کن تیغِ غضب از خلقہا

جب کسی مخلوق پر تجھے غصہ جوش کرے تو اپنے غضب کی تلوار کو ان کے حلق سے دور کرلے۔

یعنی از مغصوب روجائے دگر
دور کن مغضوب را یا از نظر

یعنی جس پر غصّہ جوش کر رہا ہے اس سے دوسری جگہ چلے جاؤ یا اسی کو اپنے سے دور کردو۔

زود بنشیں گر در آں جا ایستی
گر تو خواہی ایں غضب را نیستی

اور اگر کھڑے ہو تو بیٹھ جاؤ یعنی جس حالت میں ہو اس کو تبدیل کردو اگر تو غضب ٹھنڈا کرنا چاہتا ہے۔

بر سرو چہرہ تو آبِ سرد زن
بفسری تا نارِ قہرِ خویشتن

اور حالتِ غضب میں اپنے چہرے و سر پر سرد پانی ڈالو تا کہ تم اپنے قہر کی آگ کو بجھا سکو۔

قہرِ خود بفسر زیادِ قہرِ حق
تا بیابی روزِ محشر مہرِ حق

اپنے قہر کو حق تعالیٰ کے قہر کی یاد سے مغلوب کر دو تا کہ میدانِ محشر میں حق تعالیٰ کی رحمت کے مستحق ہو جاؤ۔

رو بگو از شیخِ خود ایں حال را
تا بیابی ہمت اعمال را

جا اور کسی شیخِ کامل سے اپنی اس بیماری کو بیان کر تا کہ ان ہدایات پر عمل کی ہمت اس کے فیض سے حاصل ہو۔

دربیانِ ترکِ شہوتِ نفسانی

شہوتِ نفس تو آرد در بلا
زیں سبب اُفتی تو در چاہِ خطا

تیرے نفس کی خواہش تجھے بلا میں مبتلا کرتی ہے اور اسی سبب سے تو گناہوں کے کنویں میں گرا کرتا ہے۔

علتِ ہر جرم ایں شہوت بداں
سرکشی ہر نفس زیں شہوت بداں

ہر گناہ کی علت یہی شہوت ہوتی ہے اور ہر نفس کی سرکشی کا سبب یہی شہوت ہے۔

نارِ شہوت را اگر تو رہ دہی
در رہِ دیں عاقبت باشی تہی

اگر شہوت کی آگ کو تونے اسی طرح بھڑکنے دیا تو انجام کار تو دین سے خالی ہاتھ ہو جاوے گا۔

چیست تقویٰ؟ ترکِ شہوت کردن است
پس برائے ترکِ شہوت بودن است

تقویٰ کیا ہے؟ شہوت کو ترک کر دینا، پس شہوت ہمارے اندر ترک ہی کرنے کے لیے دی گئی ہے تاکہ ہم متقی بن جائیں۔

نورِ تقویٰ ایں بشر کے یافتے
در دلِ خود گرنہ شہوت یافتے

یہ انسان نورِ تقویٰ کب پاتا اگر اپنے دل میں شہوت کا مادہ نہ پاتا۔ یعنی جب خواہش ہی گناہ کی نہ ہوتی تو ترکِ خواہشِ گناہ کیسے کرتا اور یہ مجاہدہ اور مجاہدے کا انعام کیسے حاصل کرتا۔

ہست شہوت در بشر زیں حکمتے
تا بیابد قربِ حق از محنتے

اسی حکمت کے سبب شہوت انسان میں رکھی گئی ہے تاکہ محنت اور مجاہدہ ترکِ شہوت سے اٹھا کر قربِ حق کا انعام پالے۔

قدرِ نعمت داں کہ بعد از محنت ست
فرقِ اخلاص و نفاق از محنت ست

اور قربِ حق کی نعمت کی قدر اسی محنت اور مجاہدے کے بعد ہی ہوا کرتی ہے اور مخلص اور منافق کا فرق بھی اسی امتحانِ مجاہدہ سے ہوا کرتا ہے۔

ترکِ ایں شہوت جگر از خوں کند

عشقِ حق در جانِ ما افزوں کند

بری خواہشات کو ترک کرنے سے جگر پُر خون اور دل صدمہ سے چور چور ہو جاتا ہے لیکن یہی غم ہماری جان میں عشقِ حق کو تیز تر کرتا ہے۔

ترکِ شہوت دل شکستہ گر کند
بندہ را از خواجہ رشتہ می کند

ترکِ شہوت دل کو توڑ دیتا ہے لیکن یہی ٹوٹے ہوئے دل خدا سے قریب تر ہوتے ہیں اور اسی مجاہدہ کا غم بندے کو اللہ سے جوڑ دیتا ہے۔

ترکِ ایں گر بے سر و ساماں کند
لیک در آغوشِ آں سلطاں کند

ترکِ خواہشات سے نفس سمجھتا ہے کہ میرا سامانِ عیش چھن گیا لیکن یہی بے سامانی اللہ تعالیٰ کی رحمت کے آغوش میں رکھ دیتی ہے۔

ترکِ شہوت گر کنی اندر جہاں
در جہاں یابی خدائے دو جہاں

ترکِ شہوت اگر تو دنیا میں کرے گا تو اسی جہان میں تو خدا کو پالے گا۔

ہر کہ او تارک شود زیں شہوتے
می رہاند خویش را از آفتے

جو شخص تارکِ شہوت ہو جاتا ہے وہ اپنے کو ہر آفت سے نجات اور خلاصی دلاتا ہے۔

ہر کہ شد شہوت پرست اندر جہاں
پس حیاتش را تو در دوزخ بداں

اور جو دنیا میں شہوت پرستی کرتا ہے پس اس کی زندگی دنیا ہی میں دوزخ والی ہو جاتی ہے۔

نارِ شہوت نارِ دوزخ متصل
از تنہ چو شاخ باشد متصل

نارِ شہوت نارِ دوزخ سے تعلق رکھتی ہے جس طرح تنہ سے شاخوں کا تعلق ہوتا ہے۔

ترکِ شہوت نیست آساں اے فقیر
ورنہ ہر شہوت پرست گردد فقیر

ترکِ خواہش آسان نہیں ہے اے فقیر! ورنہ ہر شخص جو شہوت پرست ہے تارک ہو کر ولی اللہ ہو جاتا۔

پس ہمیں دستور از اللہ بود
کہ برد آنجا کہ اہلِ اللہ بود

پس عادۃ اللہ یہی ہے یعنی خدا تعالیٰ کا دستور یہی ہے کہ اللہ والوں کی صحبت ہی میں جا کر یہ نعمت یعنی تقویٰ کی دولت ملے گی۔

شیخِ کامل را طبیبِ خود بگیر
بہرِ حق آں را حبیبِ خود بگیر

پس کسی شیخِ کامل کو اپنا راہبر و معالج بنالو اور اللہ ہی کے لیے اسے اپنا محبوب بنالو۔

(غضب ہو یا شہوت جب تک ان کے تقاضوں پر عمل نہ کریں کچھ مضر نہیں جس طرح کہ روزہ دار ٹھنڈا پانی پینے کی خواہش رکھتا ہے مگر پیتا نہیں ہے تو اس خواہش سے اس کا روزہ نہیں ٹوٹتا۔ بلکہ اجر ملتا ہے۔)

گر فتنِ شیخِ کامل و اہلِ دل

بیان پیرِ کامل اور اہلِ دل کی صحبت کا

(یہ اشعار مؤرخہ ۱۸؍ شوال ۱۳۹۲ھ کو حضرتِ اقدس مرشدی رحمۃ اللہ علیہ کے مزارِ مبارک پر حاضری کے وقت موزوں ہوئے۔)

ہاں بگیر اے طالبِ حق زود تر
دامنِ آں اہلِ دل اہلِ نظر

ہاں اے طالبِ حق! تو اہلِ دل اور اہلِ نظر کا دامن جلد پکڑ لے۔

اہلِ دل آنکس کہ حق را دل دہد
دل دہد آں را کو دل را می دہد

اہلِ دل وہ لوگ کہلاتے ہیں جو اپنے دل کو حق تعالیٰ کی محبت میں فدا کر دیتے ہیں یعنی اپنی خواہشاتِ نفسانیہ کو مرضیاتِ الٰہیہ کے تابع کر دیتے ہیں اور دل اس ذاتِ پاک کو دیتے ہیں جو دل عطا کرنے والی ہے۔

دل نباید داد جز سلطانِ دل
ہست بس ایں حاصلِ ایمانِ دل

دل نہ دینا چاہیے مگر دل کے سلطان کو اور وہ اللہ ہے اور یہی ایمانِ دل کا حاصل ہے۔

گر تو خواہی دیدنِ اہلِ نظر
غیرِ اہلِ دل مجو اہلِ نظر

اگر تم اہلِ نظر کو دیکھنا چاہتے ہو تو ان ہی کو دیکھو جو اہلِ دل ہیں کیوں کہ اہلِ دل ہی اہلِ نظر کہلاتے ہیں۔

چوں بہائم گفت کافر را خدا
کے شود اہلِ نظر او اے دلا

کافر خواہ کتنا ہی اپنے کو محقق اور سائنس داں اور اہلِ فکر و اہلِ نظر کہے مگر جب اللہ تعالیٰ نے ان کو مثل بہائم بلکہ جانوروں سے بدتر قرار دیا ہے تو وہ کیسے اہلِ نظر ہو سکتے ہیں۔

دور از خالق نہ شد اہلِ نظر
گرچہ بر مخلوق دارد صد نظر

جو اللہ تعالیٰ سے دور ہے وہ کبھی اہلِ نظر نہیں ہو سکتا اگرچہ مخلوقات پر سینکڑوں نظرِ تحقیق کا مدعی ہو۔

ہر کہ دارد بر رضائے حق نظر

پس ہمین است دوستاں اہلِ نظر

جو بندہ اپنے مالک اور خالق کی رضا پر نظر رکھتا ہے پس اے دوستو! وہی اہلِ نظر کہلانے کا صحیح مستحق ہے۔

صحبتِ یک عمر آں یارِ خدا

اہلِ دل اہلِ نظر سازد ترا

اللہ والوں کی صحبت ایک مدۃِ عمر اختیار کرنے سے تجھے اہلِ دل اور اہلِ نظر بنادے گی۔

ہم نشینی اہلِ دل اہلِ نظر

می رساند تا خدائے بحر و بر

اہل اللہ (اہلِ دل) کی صحبت اور دوستی تجھے خدائے بحر و بر تک پہنچادے گی یعنی تجھے بھی اللہ والا بنادے گی۔

علم نافع ہست بہرِ زندگاں

خویش را بے شیخ داں از مردگاں

علم کا نفع تو زندہ لوگوں پر ہوتا ہے اور جو بے پیر کے ہے وہ دراصل مردہ ہے پس اگر کسی اللہ والے سے تعلق نہیں قائم کیا تو تم بھی اپنے کو مردہ سمجھو۔

مردہ گر صدہا کتب دارد چہ شد

بے رفیقے مردۂ زندہ نہ شد

مردہ اگر سینکڑوں کتابیں اپنے پاس رکھتا ہو تو کیا حاصل۔ کچھ نفع نہیں اور بدون صحبتِ اہل اللہ کے صحیح اور حقیقی زندگی نہیں عطا ہوتی۔

سالہا بیضہ بود مردہ جسد

زندہ شد چو درپرِ مادر رسد

سالہا سال انڈا مردہ ہی رہتا ہے لیکن جب مرغی کے پروں میں رکھ دیا جاتا ہے تو اس کی گرمی سے ایک مدت خاص کے بعد زندہ ہو جاتا ہے۔

بوئے خوش از غنچہ کے آمد بروں
تا نہ شد پیشِ نسیمے سرنگوں

غنچہ (کلی) سے خوشبو کب ظاہر ہوتی ہے جب نسیمِ سحر اس کو چھوتی ہے۔ یعنی اس کی صحبت سے اس کی اندرونی صلاحیت روشن ہوتی ہے۔

جانِ تو چو غنچہ اے طالب بداں
اندرونش دردِ حق دارد نہاں

اے طالب! تیری روح بھی مثلِ غنچہ کے ہے اور تیرے اندر حق تعالیٰ کی محبت کا درد پنہاں ہے۔

چوں بگیری صحبتِ اہلِ نظر
غنچہ بکشاید نسیمِ آں سحر

جب کسی اہل اللہ کی صحبت میں اپنے کو سپرد کرے گا تو وہ اہل اللہ مثلِ نسیمِ سحر تیری کلی کو شگفتہ کردے گا اور وہ پنہاں درد ظاہر ہوجاوے گا۔

دل ازل سے تھا کوئی آج کا شیدائی ہے
تھی جو اک چوٹ پرانی وہ ابھر آئی ہے

گر نگیری از تغافل راہ بر
کے شوی از غنچہ تو گلہائے تر

اگر کسی راہ بر کا دامن نہ پکڑا تو تیری کلی ہمیشہ ناشگفتہ رہے گی اور تو گلِ تر نہ بن سکے گا۔

عمرِ تو گر بے رفیقے شد تمام
ایں ہلالِ تو نہ شد ماہِ تمام

تیری عمر اگر بے رفیق اور بے شیخ کے گزر گئی تو تیرے دین کا ہلال ماہِ کامل نہ بن سکے گا۔

صد عمل صد علم گر داری نہاں
بے رفیقے می شوی از گمرہاں

سینکڑوں عمل اور سینکڑوں علم اگر تو اپنے اندر مخفی رکھتا ہے مگر بے رفیق اور بے شیخ تو پھر بھی گمراہ ہی رہے گا یعنی خدا تک واصل نہ ہو گا اور نفس کے رذائل سے بچ نہ سکے گا۔

غنچہ را ایں کرّوفر در انجمن
ہست از فیضِ نسیمے در چمن

غنچہ (کلی) شگفتہ ہو کر جب پھول بن جاتی ہے تو محفل میں اس کی قدر و منزلت اور شان و شوکت دراصل اسی نسیم ہی کے فیض کا صدقہ ہوتا ہے جو چمن میں اسے حاصل ہوا تھا اور جس کی صحبت نے اس کو غنچہ سے گل کیا تھا۔

جملہ ایں اشعارِ ما پُر درد و نور
تو بداں از فیضِ شاہ پھولپور

جملہ یہ ہمارے اشعار جو درد اور نور سے بھرے ہوئے ہیں، اے مخاطب! سمجھ لے کہ یہ سب حضرت شاہ عبد الغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ کا فیض ہے۔

شاہِ ما عبد الغنیؒ شمسِ منیر
ہست زو جانم چو ماہِ مستنیر

وہ سلطان العارفین جو میرے شاہ عبد الغنی، میرے مرشد ہیں وہ مثلِ روشن آفتاب کے ہیں اور اس فقیر محمد اخترؔ (رحمہ اللہ تعالیٰ) کی جان مثل ماہِ مستنیر کے ہے یعنی جس طرح چاند کی روشنی ذاتی نہیں آفتاب کے نور کا عکس ہوتا ہے اسی طرح ہماری کوئی خوبی نہیں یہ سب ہمارے شیخ کے انوارِ روحانی کے عکوس ہیں۔

فائدہ: جب بھی سالک اور طالبِ حق کسی انعام اور رحمتِ الٰہیہ سے مالا مال ہو اور مخلوق میں اس کی طرف خلق کا رجوع ہو تو اس کو شیخ کے فیوض و برکات ہی کا صدقہ سمجھنا چاہیے جس نے اس کلی کو پھول بنایا ہے اپنا کوئی کمال نہ سمجھنا چاہیے۔

کہاں میں اور کہاں یہ نکہتِ گل
نسیمِ صبح تیری مہربانی

حضرت اقدس پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا تھا کہ اس کو یوں ترمیم کرلو۔

میرے مولیٰ یہ تیری مہربانی

اور حضرتِ اقدس حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا تھا کہ جس وقت بندہ اپنی نظر میں اچھا ہوتا ہے تو خدا کی نظر میں برا ہوتا ہے اور جس وقت اپنی نظر میں برا ہوتا ہے خدا کی نظر میں اچھا ہوتا ہے۔

دربیانِ صفتِ آہِ عاشقاں

(عاشقوں کی آہ کی صفت میں)

عشق را جز آہ سامانے نبود

عشق را جز آہ درمانے نبود

عشق کے لیے بجز آہ کوئی سامان نہیں اور دردِ عشق کا بجز آہ کوئی درماں نہیں۔

من چہ گویم آہ را قرب و کمال

می پرد در یک نفس تا ذوالجلال

میں کیا کہوں کہ آہ سے کیا قرب اللہ تعالیٰ کا ملتا ہے، آہ دل سے نکل کر ایک سانس میں اللہ تعالیٰ تک پہنچ جاتی ہے۔

در رہِ عشق آہ را حاصل بداں

آہ از اللہِ ما واصل بداں

راہِ حق میں آہ کو حاصلِ عشق سمجھو اور آہ کو اللہ تعالیٰ سے واصل سمجھو۔

ہر کہ گوید آہ او عاشق شود

آہِ او بر عشقِ وے ناطق بود

جو شخص آہ کرتا ہے وہ عاشق ہوتا ہے، آہ اس کے عشق پر گواہ ہوتی ہے۔

در انابت آہ کردن شد کمال

پس برائے ایں تواے عاشق بناں

انابت (توجہ الی اللہ) کا کمال آہ ہے پس اے عاشق! تو آہ پیدا ہونے کے لیے گریہ وزاری کر۔

بر درِ رحمت چو دربانے نبود
آہ را در وصل حرمانے نبود

حق تعالیٰ کی رحمت کے دروازے پر جب کوئی دربان مقرر نہیں تو سمجھ لو کہ عاشقانِ حق کی آہ کو اللہ تعالیٰ تک پہنچنے میں کوئی محرومی نہیں ہو سکتی۔

بر درِ آں شاہ چوں درباں نبود
آہ را پس اذنِ عام آمد نمود

جب اس شاہِ حقیقی کے دروازے پر کوئی دربان نہیں تو سمجھ لو کہ آہ کو رسائی منزل تک اذنِ عام حاصل ہے اور ہر شخص کو یہ اذنِ عام ہے۔

گر ندارد نالۂ بلبل اثر
کے شود در پردہ گل چاکِ جگر

اگر بلبل کا نالہ بے اثر ہوتا تو پھول اندر اندر کیوں چاک جگر ہوتا۔

خود مقامِ آہِ ہر کس دیگرے
قیمتِ ہر دل ز دلہا دیگرے

اور ہر شخص کی آہ کا مقام بھی الگ الگ ہے کیوں کہ آہ دل سے نکلتی ہے اور ہر دل کی قیمت دوسرے دلوں سے الگ ہے۔

قیمتِ ہر دل بداں از دردِ دل
قیمتِ دل را مداں از آب و گل

ہر دل کی قیمت اس دل کے دردِ محبت کے اعتبار سے ہوتی ہے، دلوں کی قیمت اجسام (آب و گل) کے وزن سے نہیں۔

فرقِ آہِ انبیاء و اولیاء
پس بداں در بارگاہِ کبریا

اسی سبب سے انبیاء اور اولیاء کی آہوں کا فرق بارگاہِ کبریا میں سمجھ لو۔

آہ پیدا از دلِ مضطر شود
آہِ مضطر بخت را اختر بود

آہ اسی وقت نکلتی ہے جب دردِ محبت سے دل مضطر ہوتا ہے اور مضطر کی آہ قسمت اور نصیب کا اختر (ستارہ) ہوتی ہے۔

دربیانِ گریہ وزاری

او چہ خوش بختے کند آہ و فغاں
خوش نشستہ پیشِ ربِّ دو جہاں

وہ شخص کس قدر خوش قسمت ہے جو اپنے ربِّ دوجہاں کے سامنے بیٹھا ہوا ان کی یاد میں آہ وفغاں کرتا ہے۔

خونِ دل در اشکِ خود ریزندہ شو
قربِ حق در جانِ خود بینندہ شو

اے شخص! اپنے گریہ کے آنسو میں خونِ دل بھی بہادے تاکہ اللہ تعالیٰ کا قرب اپنی جان میں مشاہدہ کرلے۔

ہر کجا گرید بہ سجدہ عاشقے
آں زمیں باشد حریمِ آں شہے

جس جگہ کوئی عاشق سجدے میں روتا ہے وہی قطعۂ زمین اس عاشقِ حق کے لیے حریمِ بارگاہ بن جاتا ہے۔

قطرۂ اشکِ ندامت در سجود
ہمسری خونِ شہادت می نمود

ندامت سے گناہ گار کے آنسو سجدے کی حالت میں شہیدوں کے خون کے برابر وزن کیے جاتے ہیں۔

ہر کسے کو خویش را بیند چو خار
از ندامت پس بنالد زار زار

جو شخص کہ اپنے کو مثل خار گناہ گار اور حقیر سمجھتا ہے اور اس احساس سے زار زار روتا ہے تو۔

لطفِ حق جوشد ز درد و زاریش
می شود از آہ و غم درباریش

لطفِ حق اس کی زاری اور درد سے جوش میں آتا ہے اور یہ بندہ اللہ تعالیٰ کا درباری اور محبوب بن جاتا ہے۔

ہر کہ او از عشقِ حق زاریدہ شد
چشمِ او پس سیدِ صد دیدہ شد

جو شخص عشقِ حق سے روتا ہے اس کی آنکھیں دوسری سینکڑوں آنکھوں کی سرداری کرتی ہیں۔

نیز آں ستاریٔ حق از کرم
عیبہائے او بپوشد دم بدم

اور حق تعالیٰ کی ستاری اپنے کرم سے ایسے گریہ وزاری کرنے والے بندوں کے عیوب کی پردہ پوشی کرتی ہے ہر وقت۔

می کند ز عمالِ او صرفِ نظر
لطف بارد از قدم تا فرقِ سر

رحمتِ حق اس کے اعمال سے صرفِ نظر کرتی ہے اور اپنے لطف وکرم کی بارش اس کے سر سے پاؤں تک کرتی ہے۔

بر غلامِ بے ہنر الطافِ او
در حقیقت جملہ از اوصافِ او

غلامِ بے ہنر پر حق تعالیٰ کی یہ رحمتیں دراصل یہ حق تعالیٰ ہی کی صفاتِ خاصّہ کا حصہ ہے۔

در غمِ او دم بدم زارید مے
از فراقش روز و شب نالیدمے

اے کاش! میں حق تعالیٰ کی محبت کے غم میں خوب روتا اور رات دن ان کی جدائی کے غم میں نالہ کرتا۔

عشق نالہ ہائے پُر خوں می کند
عقل را حیراں و مجنوں می کند

عشق نالہ ہائے پرخون کرتا ہے اور عقل کو حیران اور مجنون کرتا ہے۔

بر زمیں عشاق چوں گریاں شدند
اختراں بر آسماں حیراں شدند

زمین پر جب عاشقانِ حق روتے ہیں تو آسمان پر ستارے ان آنسوؤں کی عظمتوں سے محوِ حیرت ہوتے ہیں۔

اشہائے دردِ دل بارد کسے
آتشِ غم بہرِ دل سازد بسے

جو شخص دردِ دل سے آنسو برساتا ہے وہ دراصل اپنے دل کے لیے عشق کی آگ کا سامان کرتا ہے۔

نامِ این ست گرم بازاریٔ عشق
گفت امداد اللہ در باریٔ عشق

جب عشقِ حق میں خوب رونا آوے تو اسی کا نام حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے گرم بازاریٔ عشق رکھا ہے اور وہ عشق کے درباری تھے۔

دربیانِ علاجِ مایوسی ونومیدی

می خرد حق بندگانش عیب دار
وا رہاند از کرم از رسن و دار

حق تعالیٰ اپنے عیب دار بندوں کو بھی خریدتے ہیں اور اپنے کرم سے رسن و دار سے یعنی مصائبِ جسمانی اور روحانی سے نجات عطا فرماتے ہیں۔

خارہا گر عیب باشند بہرِ گل
لیک بینم جملہ در آغوشِ گل

کانٹے اگرچہ گلوں کے لیے باعثِ ننگ اور عیب ہیں مگر میں کانٹوں کو بھی پھولوں کے پاس ہی دیکھتا ہوں۔

ایں نماید حق کہ تا مایوسیئے
تا ابد ناید بسوئے عاصیے

یہ مثالِ مذکور حق تعالیٰ اپنے بندوں کو اس لیے دکھاتے ہیں تاکہ ہمارے بندوں کو مایوسی نہ پیدا ہو یعنی وہ غور کریں کہ جب مخلوق میں یہ حالت مشاہد ہے تو خالق کے کرم کا کیا مقام ہوگا، اس تصور سے کسی گناہ گار کو ناامیدی نہ ہوگی اور وہ اپنے کانٹوں سمیت رحمتِ حق کے پھولوں کے پاس ہوں گے، میاں ان کے سیئات کو بھی حسنات کردیں گے توبہ کی برکت سے۔

ہمچنیں گردید جانِ ناکساں
در تقرب ہمچو جانِ خاصگاں

اسی طرح کتنے نااہل بندے حق تعالیٰ کی رحمت سے خاصانِ خدا ہوگئے۔

اے ز لطفش مشکل رہ حل شود
گرچہ در اسبابِ لاینحل بُوَد

اے وہ اللہ کہ جس کے لطف و کرم سے طریق کی مشکلات حل ہوتی رہتی ہیں اگرچہ

بظاہر اسباب کے پیشِ نظر وہ ناقابلِ حال نظر آتی ہیں۔

عنصرت را حسنِ آب و گِل کشد
روحِ تو از جذبِ ایشاں می تپد

اے سالک! تیرے نفس کے تقاضے حسنِ مجازی کی طرف مائل ہوتے ہیں اور تیری روح اس کش مکش سے کس قدر تڑپتی ہے۔

چوں کمندِ جذبِ حق جاں را رسد
ایں غم و آلام را برہم زند

پھر جب حق تعالیٰ کی رحمت تیری جان کو اپنی طرف جذب کرتی ہے تو ان مجاہدات کے تمام غم و آلام درہم برہم ہو جاتے ہیں۔

ساعتے کہ روح را غفلت رسد
نفسِ امارہ سوئے ظلمت بَرَد

جس وقت روح خدا سے غافل ہوتی ہے اسی وقت نفسِ امارہ تاریکی کی طرف لے جاتا ہے۔

گر بُوَد حاصل ترا قربِ مدام
کے کشیدت نفسِ امارہ بدام

اے سالک! اگر تجھے حق تعالیٰ کا قربِ دائمی حاصل رہے تو نفسِ امارہ تجھے اپنے جال میں نہیں کھینچ سکتا۔

در بیانِ رحمتِ الٰہیہ

مدتے اندر بلا در ماندۂ
ناوَ خود در بحرِ طوفاں زاندۂ

اے مخاطب! تو ایک مدت بلا اور آزمائش میں رہا ہے اور تو نے اپنی کشتی کو طوفان کے سمندر (مجاہداتِ شاقّہ) میں چلایا ہے۔

مدتے بر بابِ حق نالیدۂ
بابِ رحمت مدتے کو بیدۂ

اور طویل مدت تو نے حق تعالیٰ کے دروازے پر اپنی نجات اور اصلاح کے لیے نالہ کیا ہے اور تو مدتوں اس کی رحمت کے دروازے کو کھٹکھٹاتا رہا ہے۔

بر درِ حق مدتے زاریدۂ
اشکہائے خونِ دل باریدۂ

تو دروازۂ رحمتِ حق پر مدتوں روتا رہا ہے اور اپنے آنسوؤں میں اپنے دل کا خون بھی تو نے برسایا ہے۔

در گہش چوں شد قبول ایں آہِ تو
ایں کرم ہم در رسید از شاہِ تو

اس کی بارگاہ میں جب تیری آہ قبول ہوگئی تو یہ کرم تیرے شاہِ حقیقی نے تجھ پر کیا۔

یا فتی نفحات اللّٰہ الصمد
در دلِ خود از کرم بے رنج و کد

کہ تو نے حق تعالیٰ کی رحمتوں کے جھونکے (نسیمِ کرم) اپنے قلب و روح پر محسوس کیے بدون کسی تعب و مشقت کے۔

شد شبِ دیجورِ تو رشکِ سحر
آفتابش کرد در کویت گزر

اور تیری شبِ تاریک نورِ حق سے روشن ہو کر رشکِ سحر بن گئی اور اس مالکِ حقیقی کا آفتابِ کرم تیرے قلب میں طلوع ہوگیا۔

اے ز لطفش روح از طوفاں رہید
ناؤِ تو از لطف بر جودی رسید

اور اے مخاطب! اس مالکِ حقیقی کے کرم سے تیری روح طوفان سے نجات پاگئی اور تیری ناؤ اس کے لطف سے جودی پہاڑ پر بسلامت جالگی۔ یعنی مجاہداتِ شاقہ کا ثمرہ قربِ حق عطا ہوا اور احکاماتِ حق کا امتثال عادتِ ثانیہ بن گیا۔

بوئے گل از خار پیدا می کند
نور را از نار پیدا می کند

وہ خدائے پاک صاحبِ قدرۃِ کاملہ کانٹوں سے خوشبوئے گل پیدا کرتا ہے یعنی بُروں کو نیکوں کے صفات عطا فرماتا ہے اور نارِ شہوات سے نورِ تقویٰ پیدا کرتا ہے یعنی اپنی عطائے کرم سے توفیقِ تقویٰ بخشتا ہے جس سے شہوت کی آگ نور بن جاتی ہے مجاہدات کی برکت سے۔

کرکسے را شاہِ بازے می کند
ضال را بر شاہراہے می کند

اور وہ صاحبِ قدرۃ کاملہ اللہ کرگس کو شاہ بازی عطا کرتا ہے یعنی گندے اور گناہ گار کو اخلاق و اعمالِ حسنہ کی توفیق بخشتا ہے اور گمراہ کو صراطِ مستقیم عطا کرتا ہے۔

می نگیرد باز شہ جز شیر نر
کرکساں بر مردگاں بکشادہ پر

اور حق تعالیٰ کی توفیق سے یہ شاہ باز معنوی یعنی جانبازِ الٰہی بجز ذاتِ حق کے کسی اور ماسویٰ کی طرف رُخ نہیں کرتا یعنی اس کا نعرہ: لَا مَعْبُوْدَ اِلَّا اللّٰہُ-لَا مَقْصُوْدَ اِلَّا اللّٰہُ ہوتا ہے اور کرگس خصلت والے یعنی پرستارانِ دنیا اسی مردار دنیا پر حرص کا پَر کھولے ہوئے منہ کے بل گرے ہوئے ہیں اور شاہ باز جنگل میں چیتوں اور ہرن وغیرہ تمام شکاروں سے صرفِ نظر کرتا ہے اور ان کو بے قدر سمجھتا ہوا صرف شیرِ نر کا شکار کرتا ہے اپنی عالی حوصلگی کے سبب۔ اسی طرح اللہ والے اپنی عالی حوصلگی کے سبب اس جہان کی تمام چیزوں سے صرفِ نظر کرتے ہوئے ہفت افلاک سے آگے بڑھ کر صاحبِ عرش سے رابطہ قائم کرتے ہیں۔ وَلَنِعْمَ مَا قَالَ الشَّاعِرُ ؎

کبھی کبھی تو اسی ایک مشتِ خاک کے گرد
طواف کرتے ہوئے ہفت آسماں گزرے
عجب کیا جو مجھے عالم بایں وسعت بھی زنداں تھا
میں وحشی بھی تو وہ ہوں لامکاں جس کا بیاباں تھا

طاقت پرواز بخشد مور را
راہ بری بخشد عصائے کور را

وہ اللہ صاحبِ قدرۃِ کاملہ چیونٹی کو طاقتِ پرواز عطا کرتا ہے اور مادرزاد اندھے کی لاٹھی کو شانِ راہ بری عطا کرتا ہے۔

روبہے را ہمتِ شیراں دہد
دستِ خود بر پشتِ او چو می نہد

اور اگر چاہے تو لومڑی کو شیروں جیسی ہمت دے دیتا ہے جب کہ اپنا ہاتھ لومڑی کی پشت پر رکھ دیتا ہے کہ گھبرا نامت ہم تمھارے ساتھ ہیں چناں چہ بے سروسامان اور مادّی لحاظ سے کس قدر کمزور اصحابِ کہف تھے لیکن ان کے دلوں پر اپنے رابطے کا فیضان ڈال کر وَرَبَطْنَا عَلٰی قُلُوْبِهِمْ[۱۱۴] کا معجزہ دکھادیا چناں چہ وہ کس قدر باہمت ہو کر اس وقت کے کافر ظالم بادشاہ سے مناظرۂ اثباتِ حق اور امحائے باطل کررہے تھے۔ اور اس کی شاہی فوج اور جاہ سے بالکل مرعوب نہ ہوئے تھے حالاں کہ یہ حضرات نانبائی، دھوبی، حجّام جیسے غریبوں کے لائق اور قابلِ رشک فرزند تھے جنھوں نے کبھی سلطان کیا معمولی حاکمِ وقت سے بھی بات نہ کی تھی۔

زاغ را بخشد نوائے بلبلاں
ہم سگاں را می کند شیر نراں

اور وہ اللہ جب چاہتا ہے تو زاغ (کوّا) کو بلبلوں کی خوشنوائی بخشتا ہے یعنی بدوں کو نیک بناکر ان کی زبان سے علوم ومَعارفِ بیان کراتا ہے اور کتوں کو شیر انِ نر جیسے عزائم اور حوصلے عطا کرتا ہے یعنی پست حوصلہ اور ذلیل انسان کو نیک بنا کر عالی اخلاق و حوصلہ بنادیتا ہے۔

کافرِ صد سالہ از افضالِ حق
می شود در ساعتے ابدالِ حق

---

[۱۱۴] الکہف:۱۴

اور حق تعالیٰ کے افضال و الطاف سو سالہ کافر کو آنِ واحد میں ابدال بنا دیتے ہیں۔ یعنی اسلام و ایمان عطا فرماتے ہی ولایت کے اعلیٰ مقام سے نواز دیتے ہیں۔

گر نہ لطفش می کشیدے جانِ من
نے بُوَد اسلامِ من ایمانِ من

اگر حق تعالیٰ کا کرم ہماری جان کو اپنی طرف جذب نہ کرے تو نہ ہمارا اسلام باقی رہے اور نہ ایمان۔

او بسا شہرے کہ ویران می کند
بعد ازیں از فضلِ آباداں کند

اس کی قدرتِ قاہرہ بہت شہروں کو ویران کرتی ہے اس کے بعد اپنے فضل سے آباد فرمادیتے ہیں۔ مراد یہاں دلوں کا شہر ہے یعنی معاصی اور ارتکابِ جرائم کی پاداش میں دل کا نور چھین لیتے ہیں جس سے دل کی بستی اجڑ جاتی ہے پھر توبہ و استغفار اور گریہ و زاری کی توفیق بخش کر ان اجڑے دلوں کو اپنے انوار قرب و رضا سے پھر آباد کر دیتے ہیں۔

اے ز لطفش زشت خوئی کرگساں
شد مبدل سیرتِ شہباز گاں

اے اللہ! آپ کا کرم کرگسوں کی بُری عادتوں کو شہبازوں کی اچھی سیرت سے مبدّل فرمادیتا ہے یعنی نہایت بد عمل اور بد خو کو خوش عمل اور خوش خو کر دیتا ہے۔

بس عجوزے رستم و سہراب شد
از تو خاکِ شورہ ہم شاداب شد

اور اے اللہ! آپ کے کرم سے بہت سے عجوز صفت مرد (پست ہمت) ہمتِ عمل میں رستم اور سہراب ہو گئے یعنی نیک کاموں میں سست تھے اور آپ کی توفیق سے چست و چالاک باہمت ہو گئے۔

سست گامے از رجال اللہ شد
ایں مقامِ شکر و حمد اللہ شد

سست قدم باعتبارِ اعمال کے آپ کے کرم سے مردانِ طریق ہوگئے اور یہ مقام قابلِ شکر و حمد ہے۔

از کرم بدرت رہیدہ از خسوف
شمسِ دینِ تو رہیدہ از کسوف

اور اے مخاطب! حق تعالیٰ کے کرم سے تیرے چاند سے خسوف (چاند گرہن) ہٹ گیا اور تیرا آفتاب کسوف (سورج گرہن) سے نجات پاگیا یعنی تعلق مع اللہ کا نور گناہوں کے سبب سحابِ ظلمات (تاریکی کے بادل) سے مستور تھا اب توفیقِ توبہ اور نورِ تقویٰ سے حق تعالیٰ کی نسیمِ کرم نے ان بادلوں کو تیرے قمر و خورشید (نورِ قلب) سے هَبَآءً مَّنْثُوْرًا (تتر بتر) کردیا۔

ذرۂ خاکے ثریا کردۂ
قطرۂ آبے تو دریا کردۂ

اے خدا! آپ کا کرم ذرۂ خاکی کو عروجِ روحانی سے رشکِ ثریا کرتا ہے اور اس قطرۂ آب کو (حضرت انسان کو) دریائے معرفت کرتا ہے۔

اے ز لطفت کیمیاہا می رسد
دردِ جانم را دوا ہا می رسد

اے خدا! آپ کے کرم سے ایسی کیمیا عطا ہوتی ہے جو ہمارے دردِ مہجوری کو لذتِ حضوری سے تبدیل کردیتی ہے۔

اے خدائے پاک ربِّ دو جہاں
سوئے خود کن جانِ ما را موکشاں

اے خدائے پاک رب دوجہان کے! ہماری جان کو اپنی طرف جذب کرلیجیے موکشاں یعنی جس طرح گھوڑے کو اس کے سر کے بال پکڑ کر اپنی طرف کھینچتے ہیں اور سمتِ مخالف جانے سے باز رکھتے ہیں اسی طرح میری روح کو اپنے جذبِ خاص سے استقامت عطا فرمایئے۔

دربیانِ قبضِ باطنی وغمِ فراق

آفتابت گر بگرداند رخے
درقمر آید خسوفے آں دمے

اے خدا! آپ کا آفتابِ کرم اگر ہمارے قلب کے محاذات سے رُخ پھیر لے تو اسی وقت ہمارے دل کا نور تاریکی سے تبدیل ہوجاوے (جس طرح قمر میں گرہن لگ جاتا ہے اور اس کا سبب بھی یہی بیان کیا جاتا ہے کہ چاند کا نور آفتاب ہی کے نور سے مستفاد ہوتا ہے پس آفتاب اور چاند کے درمیان جب زمین حائل ہوتی ہے تو چاند بے نور ہوجاتا ہے)

بدرِ جانم بے تو باشد چو ہلال
می گریزد نورِ او سوئے زوال

اے خدا! میری جان کا بدرِ کامل آپ کے بغیر مثلِ ہلال ہوجاتا ہے اور اس کا نور ہر وقت زوال کی طرف تیزی سے بھاگتا ہے۔

آفتابم در افق مستور شد
روزِ ما زیں غم شبِ دیجور شد

میرا آفتابِ قربِ افق میں بحالتِ قبضِ باطنی مستور ہوگیا اور اس غم کے سبب ہمارا روزِ روشن تاریک شب سے تبدیل ہوگیا۔

ہر کہ باشد دور از دلدارِ خویش
تلخ یابد زیست زیں آزارِ خویش

جو شخص اپنے محبوب سے دور ہوجاتا ہے وہ اس غمِ فراق سے اپنی زندگی تلخ محسوس کرتا ہے۔

با تو من اندر فلک خوشتر روم
بے تو اندر خانۂ خود گمرہم

اے خدا! آپ کی معیتِ خاصہ کے فیض سے ہم بالائے فلک سیر کررہے تھے باعتبارِ

روح کے مگر اس حالتِ قبضِ باطنی سے آپ کے بغیر ہم اپنے ہی گھر میں راہِ قرب سے بے خبر ہیں۔

حضرت مرشدی شیخ پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا تھا: جس وقت قبضِ باطنی طاری ہو اور حضوریٔ حق سے محرومی ہو فوراً یہ وظیفہ پڑھنا شروع کردے ان شاء اللہ تعالیٰ بہت جلد یہ دوری حضوری سے تبدیل ہوجاوے گی وہ یہ ہے:

یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ یَا لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ

اَنْتَ ضمیرِ حاضر ہے جب کہو گے اے زندہ حقیقی! اے سنبھالنے والے! کوئی معبود نہیں مگر آپ تو اس ضمیرِ حاضر کا فیض فوراً قلب کے رخ کو رب کی طرف مستقیم کردے گا۔

بے تو جانم ہمچو چغدِ دوں شود
ماہِ جانم با تو بر گردوں رود

اے خدا! آپ کے بغیر ہماری روح مثل الّو کمینہ کے ہوجاتی ہے اور آپ کے قربِ خاص کی حالت میں ہماری روح کا روشن چاند فلک پر سیر کرتا ہے۔

بے عنایت بلبلاں زاغاں شوند
از تو زاغاں رشکِ شہبازاں شوند

آپ کی عنایت کے بغیر بلبلوں کی حالت زاغوں سے زیادہ ذلیل ہوجاتی ہے اور آپ کی عنایت شاملِ حال ہو تو زاغوں کی حالت رشکِ شہبازاں ہوسکتی ہے۔

بے عنایت جملہ ایں شہباز گاں
می پرند از حرص سوئے مردگاں

آپ کی عنایت کے بغیر بڑے بڑے شاہ باز یعنی مردانِ طریق سالکین نفس کے تقاضوں سے مغلوب ہوکر حسنِ مجاز کے شکار ہوگئے اور مدار پرست ہوگئے۔

زیستنِ بے تو چگونہ زیستن
مردگی باشد و نامش زیستن

اے خدا! آپ کے قرب کے بغیر جینا کس طرح کا جینا ہے، بس جیسے کوئی مردہ ہو اور اس کو زندہ کہا جاوے۔

تن کجا زندہ بُوَد بے نورِ جاں
جان کے زندہ شود بے جانِ جاں

جسم کب زندہ ہو سکتا ہے بغیر جان کے اور جان کب زندہ ہو سکتی ہے بغیر اپنی جان کے یعنی تعلق مع اللہ کے پس حق تعالیٰ کی ذات گویا بمنزلہ رُوح الارواح ہے۔

رو رواے جاں در حریمِ کوئے یار
بہرِ دردِ خویش را در ماں بیار

اے جان! تو جا حریمِ کوئے یار میں اور اپنے درد کے لیے درماں لے آ۔

آں دلے کز ھجرِ او بے تاب شد
مثلِ آں ماہی کہ او بے آب شد

جو دل کہ محبوبِ حقیقی کی جدائی سے بے تاب ہے وہ مثل اس مچھلی کے ہے جو پانی سے باہر تڑپ رہی ہے۔

اے کہ جملہ جانہا را جاں توئی
ایکہ جملہ شاہاں راسلطاں توئی

اے خدا! آپ تمام جانوروں کے لیے جان ہیں اور تمام سلاطین کے لیے سلطان السلاطین ہیں۔

ایں زمین و آسماں شمس و قمر
ایں گلستان و بیاباں بحر و بر

یہ زمین و آسمان، سورج، چاند اور یہ گلستان اور بیاباں اور سمندر اور خشکی۔

بے تو ناید خوش مرا اے شاہِ جاں
ایں جہاں و ہر چہ باشد در جہاں

بغیر آپ کے یہ مذکورہ نعمتیں ہماری جان کو اچھی نہیں معلوم ہوتی ہیں نہ یہ جہان اور نہ جہان کی کوئی چیز۔

ہر کہ باسلطانِ جاں واصل نشد
ہمچو آں جسمے کہ جاں حاصل نشد

جس شخص کی جان حق تعالیٰ سے واصل نہ ہوئی وہ مثل اس جسم کے ہے جو بے جان ہے کیوں کہ یہ جان خود اپنی جان سے محروم ہے۔

ہست اخترؔ آہ عبدِ کاسدت
گر خریدی تو مرا ایں رحمت است

اے خدا! اخترؔ آپ کا کھوٹا بندہ ہے، اگر آپ نے مجھے خریدا ہے تو یہ آپ کا کرم ہے۔

از وفورِ غم بروں آید فغاں
نالۂ ھجرم رود تا آسماں

شدتِ غم سے فغاں لب سے باہر آتی ہے اور میرا نالۂ غم آسمان تک جاتا ہے۔

از فغانِ من بگرید آسماں
گر بگریم بحرِ ایں کمتر بداں

میرے نالے سے آسمان روتا ہے اگر میں سمندر کی مقدار آنسو بہاؤں تو اس کو بھی کم سمجھو۔

انچہ خوں بینی بگریہ ہائے من
قطرۂ داں از غمِ دریائے من

اے مخاطب! جو کچھ تو نے میری گریہ وزاری میں میرے جگر کا خون دیکھا ہے وہ میرے اس دریائے غم سے جو باطن میں پنہاں ہے صرف ایک قطرہ ہے۔

چوں بگریم خلقہا گریاں شوند
چوں بنالم خلقہا نالاں شوند

جب میں روتا ہوں تو اس کی تاثیر سے ایک مخلوق میرے ہمراہ روتی ہے اور جب میں نالہ کرتا ہوں تو ایک مخلوق میرے ہمراہ نالہ کرتی ہے۔

چہ عجب از آہ و زاریِ دلم
رحمتِ حق ہم بجوشد از کرم

کیا عجب ہے کہ میرے دل کی آہ وزاری سے حق تعالیٰ کا دریائے کرم جوش میں آئے۔

ذرۂ غم در دلے گر حق دہد
تو بداں اے دل کہ حق خود را دہد

اگر کسی کے دل کو حق تعالیٰ اپنی محبت کا ایک ذرۂ درد عطا فرما دیتے ہیں تو یقین کر لو کہ حق تعالیٰ نے خود اپنے کو اسے دے دیا۔ یعنی وہ خاص قرب سے مشرف ہو جاتا ہے۔

یافتی در دلِ چو جانِ کائنات
پس تو در جاں بینی صدہا کائنات

اے مخاطب! جب تو نے اپنے دل میں جانِ کائنات یعنی حق تعالیٰ کا تعلق مشاہدہ کر لیا تو اس وقت تو اپنی جان میں صدہا کائنات دیکھے گا۔

کبھی کبھی تو اسی ایک مشتِ خاک کے گرد
طواف کرتے ہوئے ہفت آسماں گزرے

در بیانِ مذمتِ حُبِّ دنیا

رخ نیار د ہر کہ او مجنونِ دوست
گرچہ صدہا ملکِ گونا گونِ اوست

جو اس محبوبِ حقیقی کا مجنوں ہو گیا وہ رخ نہیں کرتا سینکڑوں سلطنتوں کی طرف۔

ملک را بگذار و مالک را بگیر
تا کہ صدہا ملک یابی اے فقیر

ملک چھوڑ یعنی اس سے صرفِ نظر کر اور مالک کو لے لے یعنی مالک کو راضی کر لے تا کہ اے فقیر! تو سینکڑوں ملک پا جاوے اس سلطنتِ حقیقی سے یعنی باطنی سلطنت جس کے سامنے ہفت اقلیم ہیچ معلوم ہو۔

من نگویم زیں سخن راھب شوی
بلکہ گویم سوئے حق راغب شوی

میں یہ نہیں کہتا کہ اس بات سے تارکِ دنیا ہو جاؤ، مقصد یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی طرف راغب ہو جاؤ۔

ملک گر داری تو بہرِ دوست دار
جذبۂ انفاق بہرِ دوست دار

ملک اگر رکھنا ہی ہے تو حق تعالیٰ ہی کے لیے رکھو یعنی ان ہی کی رضا میں صرف کرنے کے لیے جذبۂ انفاق رکھو۔

در لحد آں دم کہ مرقد ساختی
از جہانِ خویش پس چہ یافتی

قبر میں جس وقت تم اپنا مقام بناؤ گے اس وقت دنیا کی کس نعمت کو ساتھ لے جاؤ گے۔

قولِ ایں از مولوی رومی بگیر
ہمچو کشتی آب را اندر مگیر

یہ نصیحت مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کر لو، مثل کشتی کے پانی کو اندر مت گھسنے دو یعنی دنیا کو دل سے باہر رکھو جس طرح کشتی پانی کو نیچے رکھتی ہے۔

گر چہ کشتی اندرونِ آب ہا
لیک باشد بر برونِ آب ہا

اگر چہ کشتی پانی ہی میں چلتی ہے لیکن اپنے کو پانی کے اوپر رکھتی ہے۔

ہمچنیں می رو دریں دنیائے دوں
جسم را نہ اندروں دل رابروں

اسی طرح دنیا میں رہو کہ جسم تو دنیا میں اور دل دنیا سے باہر ہو، اگر دل کے اندر دنیا گھس گئی تو ہلاکت ہے جس طرح کشتی کے اندر اگر پانی گھسا تو کشتی کی ہلاکت ہے۔

در بیانِ تسلیم و رضا

می خوشم در خلوتے از آہِ خویش

بہرِ تسلیم و رضائے شاہِ خویش

میں خلوت میں اپنی آہ سے خوش ہوں شاہِ حقیقی کی رضاو تسلیم کے لیے۔

پیشِ حکمِ پاکِ تو ایں جاں نثار

بلکہ صدہا جاں اگر یابم نثار

اے خدا! آپ کے حکم پاک پر یہ جان قربان ہو بلکہ صدہا جانیں اگر پاؤں تو قربان ہوں۔

اے غلامت چشمِ ما و گوشِ ما

جملہ ایں اعضائے ما و ہوشِ ما

اے خدا! میری آنکھیں، میرے کان اور یہ جملہ اعضا اور ہوش سب آپ کے غلام ہیں۔

حاکمِ احساسِ ما و عزمِ ما

اے تو سلطاں رزمِ ما و بزمِ ما

اور آپ ہی ہمارے عزم و احساس کے حاکم ہیں اور آپ ہی ہمارے میدانِ جنگ اور محافلِ رنگ (محافلِ احباب) کے سلطان ہیں یعنی ہم آپ ہی کی مرضی اور قانون کے تابع ہیں۔

از درِ تو اے خدا می خواستم

از ہمہ امید را بر خاستم

میں آپ ہی کے دروازے سے اے خدا! مانگتا ہوں اور سارے ہی جہان سے امید کو منقطع کر لیا ہے۔

کس نمی داند بجز تو رازِ من

اے توئی ہمرازِ من دلسازِ من

اے خدا! آپ کے سوا ہمارے راز کو کوئی نہیں جانتا اور آپ ہی ہمارے ہمراز اور دلساز ہیں۔

دربیانِ عشقِ حقیقی

اے خوشا کو عاشقے باللہ شد

پاکباز و عارفے باللہ شد

مبارک ہے وہ شخص جو حق تعالیٰ کا عاشق ہو گیا اور پاکباز اور عارف باللہ ہو گیا۔

اے خدائے پاک ربِّ دوجہاں

من کجا یابم ترا اندر جہاں

اے خدا! اے دونوں جہان کے رب! میں تجھے اس جہان میں کہاں پاؤں۔

دل ہمی خواہد کہ زیں عالم روم

جسم بگذارم سوئے جاناں روم

دل چاہتا ہے کہ اس عالمِ فانی سے جلد رخصت ہوں، جسم سے روح کو مجرّد کر کے محبوبِ حقیقی کی طرف پرواز کروں۔

آں دلے کز عشقِ حق بیمار شد

زیں حیاتِ عارضی بے زار شد

جو دل کہ عشقِ حق سے بیمار ہوتا ہے وہ اس حیاتِ فانی سے بے زار ہوتا ہے (بزرگوں نے لکھا ہے کہ دنیا سے دل کا اُچاٹ ہونا زہد کا پہلا قدم ہے)

بے تو ایں خوش رنگیٔ کون و مکاں

خوش نمی آید بجانِ عاشقاں

اے خدا! آپ کے بغیر یہ کائنات کی رنگینیاں عاشقوں کی جانوں کو اچھی نہیں معلوم ہوتی ہیں۔

ہر کہ با سلطانِ جاں عارف نشد
از بہائم شد بتر واقف نشد

جو شخص کہ محبوبِ حقیقی سے آگاہ نہ ہوا وہ جانوروں سے بد تر اور ذلیل ہوا۔

عاشقے کو سوئے جاناں می رود
گر دو صد زنجیر بیند بر درد

جو عاشق کہ محبوبِ حقیقی کی طرف جاتا ہے وہ راستے میں اگر علائقِ دنیا کی دو سو زنجیریں بھی پاتا ہے تو انھیں توڑ دیتا ہے۔

در بیانِ وجہ مثنوی اخترؔ

دردِ زائد آہ را چو اندروں
مثنوی پیدا شود از لب بروں

جب باطن میں دردِ محبّت پیدا ہوتا ہے تو اس وقت لب پر مثنوی پیدا ہوتی ہے۔

از غمِ او آہ چوں بیروں رود
آں زماں ایں مثنوی موزوں شود

محبوبِ حقیقی کے غم سے جب آہ ظاہر ہوتی ہے اس وقت یہ اشعار مثنوی موزوں ہوتے ہیں۔

آہ پیدا می شود از غم بداں
آہ ظاہر لیک غم درجاں نہاں

اور آہِ غم عشق ہی سے وجود پاتی ہے مگر آہ تو ظاہر ہوتی ہے لیکن غم جان میں مخفی ہوتا ہے۔

اے خدا ایں مثنوئ دردِ ما
ایں غمِ ما نیز آہِ سردِ ما
ایں ہمہ ممنونِ جذبِ فضلِ تست
ایں ہمہ مرہونِ لطفِ خاصِ تست

اے خدا! یہ ہماری مثنوی اور یہ ہمارا غم اور آہِ سرد یہ سب آپ کے جذب اور توجہ کے ممنون اور لطفِ خاص کے مرہون ہیں۔

در بیانِ تشکّرِ احسانات شیخ

حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ (ہر دوئی) یوپی ہند

اے برار الحق چہ احساں کردۂ ماہِ جانم را چہ تاباں کردۂ

جانِ خود با جانِ تو در یافتم زیں گدائی صد حیاتے یافتم

خواجگی اندر گدائی دیدہ ام اندرونِ فقر شاہی دیدہ ام

باتو بودم در سفر ہم در حضر در بلادِ ہند ہم در بحر و بر

سرچو در سجدہ نہی از دردِ خویش دردِ ما ہم یاد کن در دردِ خویش

اے زفیضت خارِ من گلزار شد اے زفیضت دارِ من دربار شد

اے زفیضت کیمیائے ما رسید دردِ ما را ہم دوائے ما رسید

ہرچہ ایں فیضانِ حق بر من رسید بالیقیں دانم بحقّ تو رسید

پس بروزِ حشر اے ابرارِ حق دستگیری کن مرا دربارِ حق

اے برار الحق بحقّ ربِّ دیں لطف کن بر اخترِؔ اندوہگیں

اے کہ ممنونت دلِ بیمارِ من اے جنیدؒ و رومیؒ و عطارِؒ من

چشمِ مادر ہجر چوں خونریز شد بہرِ جانم شہر تو تبریز شد

اے کہ فیضانِ شما باشد عیاں از برائے ہمچو دور افتادگاں

پیش کردم بر تو ایں آہ و فغاں چو ترا بینم ز مادر مہرباں

خاکپایت سرمۂ چشم بدے بر درت قربان صد جانم شدے

اے زفیضت با اثر شد آہِ من — اے رسانیدی حریمِ شاہِ من

چوں بیاید نامۂ تو سوئے من — می شود خوش از فرح ہر موئے من

اے کہ تجویزش بود آبِ حیات — پس ملاقاتش چہ باشد در صفات

اے حیاتِ ما عنایاتِ شما — اے مماتِ ما عتاباتِ شما

اَنْتَ شَیْئٌ اَنتَ مِصبَاحُ الطَّرِیقِ — اَنْتَ لِیْ نِعمَ الصَّدِیْقُ وَالرَّفِیْقُ

یَاحَبِیْبِیْ اَنْتَ کَالشَّمْسِ الْمُنِیْرِ — ہمچومہ نورم ز نورت مستنیر

اے برار الحق خدائے برترت — گوہرِ رحمت ببارد بر سرت

پیشِ نورِ آفتابت اے برار — اختر و صد اختراں را چہ شمار

من چہ گویم پیشِ تو شکر و ثنا
آفتاب آمد و اختر شد فنا

دربیانِ جدائی ہمدمِ دیرینہ

صدیقی ورفیقی محمد حبیب الحسن خان شروانی۔ (رحمۃ اللہ علیہ)

مُجازِ بیعت حضرت شیخ پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ (ڈھولنہ ایٹہ یوپی ہند)

ہمدمِ دیرینہ چو باشد جدا — روح باشد چوں یتیمِ بے نوا

آہ کہ آں عہدِ وصل ازما برفت — کس نمی داند کہ برماچہ گذشت

گرتو آئی صد حیاتے یافتم — جانِ خود با جانِ تو در بافتم

انچہ گزرد بر دلِ غمگینِ من — نیست ممکن با تو گویم زیں سخن

نزدِ من ایں ہمرہیٔ دوستاں — گلستاں ست بلکہ رشکِ بوستاں

وحشتِ دل از فراقِ دوستاں — تیز گردد از خیالِ دوستاں

ہیں بیا اے جانِ من در شہرِ من | در کنارم ہیں بیا اے مہرِ من
اشتہائے درد می گرید حسن | آتشِ غم بہرِ من سازد حسن
یادِ آں ایامِ قربِ تو حسن | یاد آید اندریں دشت و دمن
مدتے بودم بہ تو در بحر و بر | در سفر گاہے و گاہے در حضر

اے تسلی! اخترِؔ مہجور را
اے قرارِ ایں دلِ رنجور را

در ذکرِ عزیزم مولوی محمد عشرت جمیل سلّمہ اللہ تعالیٰ

(بی۔کام علیگ)

گفت رومیؒ اے حسام الدیں بیا | کہ نروید بے تو از شورہ گیا
چوں شنا سد جانِ من جانِ ترا | یاد دارند اتحاد و ماجرا
گر نبودے خلق محجوب و کثیف | ور نبودے خلقہا تنگ و ضعیف
در مدیحت دادِ معنیٰ دادمے | غیر ایں منطق لبے بکشادمے
شرحِ تو غیب است بر اہلِ جہاں | ہمچو رازِ عشق دارم در نہاں
مدحِ تو حیف است با زندانیاں | گویم اندر مجمعِ روحانیاں
قدرِ تو بگذشت از درکِ عقول | عقل در شرحِ شما باشد فضول
قصد کردستند ایں گلِ پارہا | کہ بپو شانند خورشیدِ ترا
چوں کہ اخواں رادلِ کینہ وراست | یوسفم را قعرِ چہ اولیٰ تر است
جملہ ایں اشعار کہ منقول بود | دربیانِ آں حسام الدین بود
جانِ عشرتِ جانِ من است | جانِ او ہر لحظہ مستانِ من است

اے حسام الدیں توئی در جانِ من | اے تو ہمرازِ دلِ رنجانِ من
سینۂ تو پُر ز اسرار و رموز | رازِ عشق و عاشقی را صد کنوز
جانِ تو چوں می کشد از ما سخن | بہرِ تو از جانِ من جوشد لبن
خسروئے بہرِ نظام الدینؒ بود | بہرِ اختر جانِ تو خسرو نمود
جانِ تو در عشق باشد با وفا | بلکہ آموزد وفا از تو وفا

از حسد محفوظ گردانت خدا
عاقبت محمود گردانت خدا

تذکرۂ حضرت مولانا شاہ محمد احمد صاحب پھولپوری پرتاب گڑھی رحمۃ اللہ علیہ

خلیفہ و مجازِ بیعت بہ سلسلۂ حضرت مولانا محدث شاہ فضلِ رحمٰن صاحب گنج مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ

اے سراپا عاشقِ حق جانِ من | اے دوائے ایں دلِ رنجانِ من
اے قرارِ دل قرارِ جانِ من | اے برائے جانِ من جانانِ من
از تو آید بوئے ربِّ ذوالمنن | نورِ حق در قلبِ تو جلوہ فگن
من چہ گویم قوتِ نسبت ترا | رشکِ ہفت افلاک شد رفعت ترا
شیخِ من عبد الغنیؒ ایں گفت ہاں | شاہِ احمد را سراپا عشق داں
نیز از ما گفت آں شیخِ زماںؒ | جانِ احمد صاحبِ نسبت بداں
بر مکانت شیخ چوشد میہماں | یک نظر کرد از زمیں تا آسماں
گفت بینم نورِ احمد را عیاں | از زمیں نورش رود تا آسماں
قصۂ مجنوں شنیدم در جہاں | رشکِ صد مجنوں ترا دیدم عیاں

عشقِ مولیٰ در دلِ تو یافتم	جانِ صد مجنوں بجانت یافتم
دیدۂ تو دیدہ تو بانی می کند	شرحِ غم را بے زبانی می کند
دیدۂ تو جانِ ما مجنوں کند	دردِ دل را تیز و ہم پُر خوں کند
دیدم اندر دیدۂ تو صد جہاں	بلکہ دیدم نورِ آں ربِّ جہاں
دربیانِ عشق تو اے شاہِ جاں	ہمچو صد لیلیٰ و صد مجنوں نہاں
بے خبر غافل ز خورشیدِ دلت	عارفاں دانند قدر و منزلت
عشقِ حق از ہر بنِ مویت چکد	طالباں را عاشقِ حق می کند
گر نشینند نزدِ تو افسردہ دل	می شود از گرمیٔ تو زندہ دل
یاد می آید مرا چوں صحبتش	قلب مضطر می شود از فرقتش
جانِ مضطر گشتہ از سودائے او	کے رسد ایں جانِ من در کوئے او
مرحبا نغماتِ احمد نیم شب	می رساند طالباں را فیضِ رب
اے کہ تو نورِ ضیائے ذوالجلال	از تو جانِ طالبان یابد کمال
جانِ اخترؔ حضرتِ احمد چو دید	از مسرت خویش را صد جاں بدید
ما و تو بودیم اے جاں ہموطن	ما و تو بودیم یک جاں در دو تن
از قضا لیکن شدم دور از وطن	از قضا بودی تو تنہا در وطن

روزِ محشر اے خدا ہمراہ دار

جانِ ما با جملہ ایں ابرار دار

مثنوی نالۂ غمناک دریادِ مرشد پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ

بشنو از من نالۂ ہجرانِ یار
شانزدہ سالہ بُدم دربانِ یار

از فراقِ یار چو دل ریش شد
عشق رفتہ از حواسِ خویش شد

از قضا بینم چنیں کرب و بلا
شد ہمہ آفاقِ عالم کربلا

از قضائے شیخ آمد زلزلہ
در جہانِ درسِ عشق و سلسلہ

مدتے یک ماہیِ اللّٰہیے
می نمود او راہِ حق ہر راہیے

ماہیِ حق مدتے بر سا حلے
بود راہ بر عامیے ہم خاصیے

یک بیک آں ماہیِ فرخندہ فال
از قضا شد غرقِ دریائے جلال

رختِ رحلت بستہ از دنیائے دوں
خفتہ زیرِ خاک با صدہا سکوں

روحِ پاکِ دستگیرِ رہ نما
غرق شد در بحرِ پاکِ کبریا

ہیچ در عالم نباشد یارِ من
چوں ز عالم رفت آں دلدارِ من

ہمچو ایں غم من ندیدم در جہاں
چہ کنم جز گریہ و آہ و فغاں

جانِ مرشد چو سوئے جاناں رسید
از کجا یابیم بوئے آں سعید

شد ز یوسف دور ہم از پیرہن
وائے بر اخترؔ و بر صحنِ چمن

مرحبا اے ارضِ پاپوشِ [۱۱۵] نگر
خفتہ در آغوشِ تو رشکِ قمر

حبذا اے ارضِ پاکستانِ ما
کاندرت شد مسکنِ جانانِ ما

از کشش کہ عشق دارد حیرتم
روئے آں محبوب بینم در دلم

از فرازِ عرش بر محبوبِ جاں
شد نزولِ رحمتِ حق ہر زماں

۱۱۵؎ نام قبرستان ست

آہ شد آں آفتابِ حق غروب
رفت از ما آہِ آں مردِ غیوب

چوں زسوزِ عشق آں بریاں شدہ
جانِ عاشق آں زماں عریاں شدہ

جانِ او چو خنجرِ عشقش بدید
پا بجولاں جانبِ مقتل دوید

خنجرش چو سوئے خود راغب بدید
سر نہادن آں زماں واجب بدید

حیف کہ از ما رمیدہ آں غزال
کرد رحلت سوئے بستانِ وصال

شانزدہ سالہ رفاقت کردہ ام
حسنِ شانِ قربِ او من دیدہ ام

گرچہ بودم سالہا ہمراہِ او
خدمتش کردم نہ خاطر خواہِ او

نالہائے دردِ ہجراں می کشم
خونِ دل خونِ جگر را می خورم

چوں دلت را بود نسبت چشتیہ
ہست در خاکِ تو قوتِ برقیہ

بر مزارش فیضِ ربّانی بُوَد
نسبتِ آں شیخِ نورانی بود

چوں کہ نسبت چشتیہ دارد زنور
بوئے عشق از مرقدش آمد ظہور

اے کہ تو چاکِ گریباں آمدی
آیتِ کبریٰ ز جاناں آمدی

چشمِ گریاں سینہ بریاں آمدی
از برائے درسِ عرفاں آمدی

از فراقت تلخ شد ایامِ ما
دور شد از جانِ ما آرامِ ما

از وفورِ غم بروں آید فغاں
نالۂ عشقم رود تا آسماں

لطفِ تو چوں یاد می آید مرا
بوئے تو جانم بجوید در سرا

حیف کہ آں شیرِ حق از ما برفت
در بیابانِ عدم خود را نہفت

کرد ما را از غمِ فرقت یتیم
رفت خود فی بابِ جنّٰتِ النعیم

حضرت والا قدس سرہٗ العزیز کی تاریخِ وفات بھی داخل فی باب جنّت النعیم ہے۔ ۱۳۸۳ھ

تذکرہ حضرت سلطان العارفین مرشدنا ومولانا شاہ عبد الغنی پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ

واحوالِ ایں غلام اختؔر عفا اللہ عنہ

اے شہِ عبدالغنی اے روحِ ما | صدقۂ تو جملہ ایں مفتوحِ ما
عمرِ ما چوں ہشت دہ سالہ رسید | بر درت اخترؔ چو دیوانہ رسید
کرد اختر بیعت بر دستِ شما | ہشت دہ سالہ شدہ مستِ شما
من ترا چاکِ گریباں دیدہ ام | زلفِ تو بر سر پریشاں دیدہ ام
عالمے کو عاشقِ حق می شود | نور او از عابداں فائق شود
من ترا دیدم میانِ راہ براں | بدرِ کامل چو میانِ اختراں
راہ نمائے بہرِ جانِ صادقاں | نزد بینایاں تو شاہِ عارفاں
یک قمیصے بر تنت یک لنگئے | بود ایں دنیائے تو اے عابرے
نیست صندوقے و سامانے ترا | خانۂ تو ہمچو ویرانے ترا
سقفِ خانہ بود آزارے ترا | نیست حفظِ از ابر و بارانے ترا
اندریں خانہ مگر اے شاہ جاں | نورِ حق دیدم بہر ذرہ عیاں
بود دنیا پیشِ تو دنیائے دوں | فخرِ دنیا پیشِ تو شد سرنگوں
درجہاں بودی و خارج از جہاں | قوتِ نسبت ترا دیدم عیاں
گرچہ می رفتی بظاہر بر زمیں | روحِ تو می رفت بر عرشِ بریں
گرچہ دیدہ بودمت اندر جہاں | لیک تو بودی ورائے ایں جہاں
جسمِ تو بر خاک سجدہ چوں نمود | روحِ تو بر عرش سجدہ ہم نمود
روحِ تو در سجدہ مضطر دیدہ ام | سجدہ گہہ را تر زا شکست دیدہ ام
آہ تو من بارہا بشنیدہ ام | گریۂ تو در دعاہا دیدہ ام

عشق را تفسیرِ قولی مثنوی — اے کہ تو تفسیرِ فعلی مثنوی
اے سراپا شرحِ دردِ مثنوی — اے سراپا شرحِ رازِ مثنوی
اے سراپا رمزہائے بے خودی — اے سراپا سرّہائے سرمدی
جانِ من از دردِ تو شد دردمند — آہِ من از آہِ تو شد ارجمند
آہِ را از آہِ تو آموختم — عاشقی از عشقِ تو آموختم
بردرِ تو عمرِ خود سر کردہ ام — ہم سرِ خود وقف آں در کردہ ام
از تو ایماں یافتہ ست ایمانِ من — اے فدا بر جانِ تو ایں جانِ من
گرچہ باشی تو ورائے ایں جہاں — عشقِ من بیند ترا اندر جہاں
ہر کجا گریم بیادت شاہِ من — پیشِ خود بیند ترا ایں آہِ من
اے کہ می بینم ترا در جلوتے — اے کہ می بینم ترا در خلوتے
اے کہ می یابم ترا درجانِ خویش — جانِ من بیند ترا سلطانِ خویش
ایں غلامی رشکِ صد سلطانیاں — لیک دانند قدرِ ایں روحانیاں
اے امامِ عشق در صحرائے عشق — اے سریع السیر در دریائے عشق
مست شد جانم ز مستیٔ شما — یافتم ہستی ز ہستیٔ شما
اے ترا در عالمِ ہُو دیدہ ام — بے خبر از ہستیٔ خود دیدہ ام
یاد ہست آں جلوہ را دیدن ترا — نامِ خود از غیر پرسیدن ترا
بے خبر گشتی ز نامِ خویشتن — ہمچنیں دیدم ترا خوش زیستن

جاں فدایت اے شہِ عبدالغنی
دل فدایت ہرچہ خواہی آں کنی

در بیانِ مجاہدہ وامتحان از شیخ

طالبے گفت ایں سخن از مرشدے ⁂ امتحانم کردۂ در رہ بسے

بارہا بر من بلا انداختی ⁂ باسرِ من ہمچو گو در باختی

امتحانِ عشق کردی بارہا ⁂ کردۂ ما را جگر تو پا رہا

بارہا راندی و بازم خواندۂ ⁂ ہمچو طاحن دربلا سائیدۂ

آں بلائے کز جگر پُر خون گشت ⁂ لیک جانم بہرِ تو مجنون گشت

خوردہ بودم بارہا خونِ جگر ⁂ تا دہانم بارہا آمد جگر

ہر کہ بشنید ایں خبر از خواجہ تاش ⁂ لرزہ شد پیدا جگر شد پاش پاش

داستاں ایں دردِ دل چوں بشنوی ⁂ از ترحّم چہ قدر پُر خوں شوی

در دہاں انگشتِ خود خواہی درید ⁂ اشکِ خوں از چشمِ تو خواہد چکید

از لقائے تو مشرّف چوں شوم ⁂ کاشف ایں داستانِ خوں شوم

در کنارِ خود بگیری از کرم ⁂ بشنوی چوں داستانِ پُر اَلم

تا ابد گوئی تو صدہا آفریں ⁂ بر دلِ مجروح و بر جانِ حزیں

سینۂ تو دردِ ما بریاں کند ⁂ قصّۂ ما چشمِ تو گریاں کند

چوں شوی آگہہ ز مظلومیٔ من ⁂ اشکِ باری تو ز مجبوریٔ من

گویدت یا خادمِ اندوہگیں ⁂ یار سا نیدت غمِ ماربِّ دیں

جانِ من سلطانِ من بشنو کہ من ⁂ ہر چہ گفتم قصّۂ دار و رسن

گر بگفتم گفتنِ نا گفتنی

عفو کن از ماہہِ چرخِ سنی

در بیانِ نفع مجاہدہ و حُزن و غم در راہِ عشقِ حق

گفت مرشد زاں مرید با وفا | ایں جفا ہا بہرِ تطہیر شما
امتحانِ عشق بہرِ عاشقاں | امتحاں کے شد برائے ناقصاں
ایں بلا بر عاشقاں حلوہ بُوَد | ایں بلا بر ناقصاں بلوہ بُوَد
دیگراں رامی دہم لطف و عطا | ایں جفاہا بہرِ تو دارم روا
اے غلامِ عاشقِ دربارِ عشق | تو رسی زیں خارہا گلزارِ عشق
پشتِ تو گرزیں بلا شد منحنی | لیک ایں شد بہر تطہیر منی[۱۱۶]
ایں جفا بہرِ عطا باشد زمن | ایں جفا بہرِ جفا ناید زمن
از بلائے شیخ گر دل گشت خوں | لیک آں دل دردِ حق یابد فزوں
گر جفائے شیخ دل پُر خوں کند | ہم ترا از قربِ حق گلگوں کند
ایں غمِ تو قلب اشکستہ کند | لیک دل با یار پیوستہ کند
چوں حنارا غم رسد او سرخ شد | بے مشقت آں حنا کے سرخ شد
رنگ آرد بعد سائیدن حنا | رنگ دادن بعد ازیں گیرد حنا
ایں قضا در تو چنیں منظور بود | صد حِکَم اندر قضا مستور بود
من چہ گویم لذتِ غم دوستاں | می کند ایں قلب را صد بوستاں
اے کہ در دل یا فتی صد گلستاں | پس غمِ دل رامگو تو دلستاں
می رساند ایں غمِ دل تا خدا | پس چرا زاری تو از غم اے گدا
ہرچہ برما آید از آزارِ ما | بالیقیں داں از خطائے کارِ ما

---

[۱۱۶] تکبر و انانیت۔

نامِ عشقم بر زباں آوردۂ | سرِ ہمانجا نہہ کہ بادہ خوردۂ
چوں شنید او ایں جوابِ شاہِ خویش | قلب او مسرور شد از آہِ خویش
ایں کتابِ دردِ دل اے دوستاں | کردہ ام تالیف بہرِ عاشقاں
خونِ دل بر ہر ورق زاریدہ ام | ایں جگر بر ہر ورق پاریدہ ام

پردہ از دردِ نہاں بیروں کنم
دردِ دل در عاشقاں افزوں کنم

بحمد اللہ تعالیٰ کہ مثنویٔ اختر تمام شد

منگر اندر ما مکن در ما نظر
اندر اکرام و سخائے خود نگر
(رومیؒ)

محمد اختر عفا اللہ عنہ
۴۔جی ۱۲/۱، ناظم آباد کراچی

اللہ تعالیٰ کا ولی بننے کا طریقہ

۱) خدا کا ولی بننا بندے کے اختیاری اعمال سے ہے، حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہمارے اولیاء وہ ہیں جو ایمان لائے اور جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں اور ایمان و تقویٰ دونوں اختیاری عمل ہیں۔

۲) تقویٰ اختیار کرنا اگرچہ بندے کا اختیاری عمل ہے مگر اس کے حصول کا طریقہ وَکُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ[۱۷۸] ہے یعنی کسی ولی اللہ کی صحبت ہی سے تقویٰ کا حصول ہوتا ہے۔

---

۱۷۸ التوبۃ:۱۱۹

۳)ولی اللہ وہ ہے جس کے پاس بیٹھنے سے اللہ کی یاد بڑھتی جاوے اور غیر اللہ کی یاد گھٹتی جاوے۔

۴)اگرچہ ہر متقی بندہ ولی اللہ ہے مگر اولیا کی دو قسمیں ہیں: بعض صالح اور ولی ہیں اور بعض مصلح اور ولی گر بھی ہیں۔ پس فائدۂ تام مصلحِ کامل کے تعلق سے ہوگا۔

۵)بیعت صرف سنت اور وہ بھی غیر مؤکدہ ہے مگر چوں کہ اصلاح فرض ہے اس لیے مصلح سے اصلاحی تعلق کرنا فرض ہے کہ فرض کا موقوف علیہ بھی فرض ہوتا ہے۔

۶)کسی اللہ والے سے تعلق کسی درجے کا بھی ہو فائدے سے خالی نہیں مگر نفعِ کامل اسی وقت ہوتا ہے جب اتباع اور فرمانبرداری کا تعلق ہو:

وَاتَّبِعۡ سَبِيۡلَ مَنۡ اَنَابَ اِلَیَّ[۱۱۸]

۷)شیخ کی تعلیمات پر عمل کرنے کی ہر محنت کو خوب شوق سے قبول کرے اور محنت سے نہ گھبرائے کہ:

وَالَّذِيۡنَ جَاهَدُوۡا فِيۡنَا[۱۱۹]

کے بغیر دروازہ نہیں کھلتا۔

۸)مرشدِ کامل کے ساتھ عقیدت و محبت و خدمت کا اہتمام بھی ضروری ہے کہ وہ محبوبِ حقیقی تک پہنچانے کا وسیلہ ہوتا ہے اور جس قدر مقصود و محبوب اہم ہوتا ہے اسی اعتبار سے اس کا واسطہ بھی محبوب اور اہم ہوتا ہے۔

حق تعالیٰ ہم سب کو عمل کی توفیق عطا فرماویں۔

العارض

محمد اختر عفااللہ عنہ

---

[۱۱۸] لقمٰن:۱۵

[۱۱۹] العنکبوت:۶۹

شیخ العرب والعجم عارف باللہ مجددِ زمانہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ احقر کی تصنیفات، تالیفات اور ترجمیات میں مثنوی ہی کا فیض غالب ہے۔ حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کی مثنوی شریف سے احقر کو اس وقت سے والہانہ تعلق وشغف ہے جب کہ احقر بالغ بھی نہ ہوا تھا اور پھر حق تعالیٰ نے ایسا شیخ عطا فرمایا جو مثنوی شریف کے عاشق تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ مثنوی شریف میں عشق کی آگ بھری ہوئی ہے اور اپنے پڑھنے والوں کے سینوں میں بھی آگ لگا دیتی ہے۔

مثنوی شریف کے ساتھ اس قلبی وروحانی شغف وتعلق سے احقر کی ہمیشہ یہ تمنا رہی کہ حق تعالیٰ مثنوی شریف کے علوم ومعارف احقر کے قلم سے اس عشق ناک اور دردناک انداز سے تالیف کرا دیں جو ناظرین کے سینوں میں حق تعالیٰ شانہٗ کی محبت وتڑپ پیدا کرنے کا ذریعہ بن جاوے۔ ہمارا کام ہر ملنے والے سے حق تعالیٰ شانہٗ کی محبت کا غم بیان کرنا ہے۔ پھر جس کے مقدر میں ہوگا اور جس کی زمینِ قلب اس تخمِ عشقِ الٰہی کے لیے صالح اور لائق ہوگی اس میں میرے لیے صدقہ جاریہ کا انتظام ہو جاوے گا اور زمین شور کے لیے بھی یہ پیغام حجت ہو جاوے گا۔